عَام فہم اُردُو تفسیر

اَنوارُ البیَان

فی کشف اَسرارِ القرآن

سَلیس اور عَام فہم زَبان میں اُردو کی سب سے پہلی مُفصّل اور جَامع تفسیر، تفسیرِ القرآن بالقرآن اور تفسیرِ القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظِ و نصائح کی تشریح، اسباب نُزول کا مُفصّل بیان، تفسیر و حدَیث اور کتبِ فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر مدظلہ العالی
حضرۃ مولانا مفتی مُحمّد عَاشِقِ اِلٰہی مہاجر مدنی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ مُلتان شہر فون: 540513

اضافہ شدہ ایڈیشن

عام فہم اُردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

جلد-٦

سورۂ مریم تا سورۂ نمل

سلیس اور عام فہم زبان میں اُردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر و حدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کے ساتھ

محقق العصر
حضرۃ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی قدس سرہٗ
مہاجر مدنی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان، پاکستان فون: 540513

نام کتاب.................. انوار البیان جلد ۶

نام مؤلف.................. محمد عاشق الٰہی مدنی رحمہ اللہ

باہتمام.................. محمد اسحاق عفی عنہ

تاریخ اشاعت.................. محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

مطبع.................. سلامت اقبال پریس ملتان

ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان

ملنے کے پتے

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

☆ ادارہ اسلامیات انارکلی ، لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی

☆ صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی نمبر ۵

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اس کی اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔

تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان موجود ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔

(ادارہ)

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد ششم جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اس سے ان شاء اللہ استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔ مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آ رہی ہے جبکہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خود نمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (کامل نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جا کر ان کے پاس سے خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کر لاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور ﷺ کے ارشاد الفقر فخری کا نمونہ بن کر دکھلایا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُر ملال ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم راحت و امن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما، آمین۔

میرے چھوٹے بھائی عزیز القدر حافظ محمد عثمان سلمہٗ کو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی دوسرے روز اس کو خواب میں حضرت مولانا کی زیارت ہوئی تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو گئے؟ آپ نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں راضی ہو گئے ہیں اور اب مجھے آرام کرنے کا حکم ہوا ہے، علماء نے اس کی تعبیر یہ بتلائی کہ یہ راحت سے کنایہ ہے۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان کیلئے دُعاء وتشکر اور خصوصی اجازت کے کلماتِ مبارکہ

مسملاً و محمدًا و مصلیًا و مسلمًا

تفسیر انوار البیان جب احقر نے لکھنی شروع کی تھی بظاہر کوئی انتظام اس کے شائع ہونے کا نہ تھا بعض ناشرین سے اس کی اشاعت کیلئے درخواست کی تو عذر پیش کر دیا، احقر کی کوشش جاری رہی حتیٰ کہ حافظ محمد اسحٰق صاحب دام مجدھم مالک ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان کی خدمت میں معروض پیش کر دیا، جس کی انہوں نے کتابت شروع کرادی اور کتابت، تصحیح اور طباعت کے مراحل سے گزر کر جلد اول جلد ہی شائع ہوگئی جو ناظرین کے سامنے ہے، یہ حافظ صاحب موصوف کی مسلسل محنت اور جدو جہد کا نتیجہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں دنیا اور آخرت کی خیر نصیب فرمائے اور ان کے ادارہ کو بھی بھرپور ترقی عطا فرمائے۔

افریقہ کے بعض احباب نے تفسیر کی کتابت کیلئے بھرپور رقم عطا فرمائی ہے (جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے) اللہ جل شانہٗ ان سے راضی ہو جائے اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے اور انہیں اور ان کی اولاد کو اعمالِ صالحہ کی توفیق دے اور رزق حلال وسیع نصیب فرمائے، ان کے علاوہ اور جس کسی نے بھی اس تفسیر کی اشاعت میں دامے درمے قدمے کسی قسم کی شرکت فرمائی خصوصاً وہ احباب جنہوں نے اس کی تالیف میں میری مدد کی اور تسوید و تبییض کے مراحل سے گزارنے میں میرے معاون بنے اور مراجعت کتب میں میرا ساتھ دیا، میں سب کا شکر گزار ہوں اور سب کیلئے دُعاء گو ہوں اللہ جل شانہ ان سب کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

محتاج رحمت لاتناہی محمد عاشق الٰہی بلند شہری

عفا اللہ عنہ و عافاہ و جعل آخرتہ خیر امن اولاہ

تکمیل تفسیر پر حضرت مؤلف رحمہ اللہ کا

مکتوب گرامی

محترمی جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بالعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انوار البیان کی آخری جلد پہنچی جو آپ نے بڑی ہمت اور محنت سے اس کی طباعت اور اشاعت پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام تک پہنچائی، حُسنِ خط، حسنِ طباعت، حسن تجلید سب کو دیکھ کر بہت زیادہ دل خوش ہوتا ہے، اُمید ہے کہ آئندہ اشاعتیں اور زیادہ حسن و جمال کا پیکر ہوں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ کی محنت کو قبول فرمائے اور انوار البیان کو امت مسلمہ میں قبولیت عامہ نصیب فرمائے۔ بعد کی اشاعتوں میں تصحیح کا اور زیادہ خصوصی اہتمام فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں خیر سے نوازے اور علوم نافعہ و اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آئندہ ہمیشہ انوار البیان کو شائع فرماتے رہیں اور امت مسلمہ تک پہنچاتے رہیں، آمین! والسلام

محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ المدینۃ المنورہ یکم محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

طباعت کے بعد حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق افریقہ کے بعض احباب کی رقم کے عوض تفسیر کے نسخے مختلف مستحق افراد و اداروں میں تقسیم کر دیئے گئے اس طرح تفسیر انوار البیان کی طباعت و اشاعت کے تمام اخراجات و انتظامات کی سعادت ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان کو حاصل ہوگئی۔

اجمالی فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فہرست مضامین

سورۃ مریم و سورۃ طٰهٰ و سورۃ الانبیاء و سورۃ الحج و سورۃ المؤمنون و سورۃ النور و سورۃ الفرقان و سورۃ الشعراء و سورۃ النمل

سورۃ طٰہٰ

سورۃ الحج

سورۃ المؤمنون

سورۃ النمل

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ مریم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ

كٓهٰيٰعٓصٓ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر فرمائی جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طریقہ پر پکارا عرض کیا کہ اے

رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾

میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور میرے سر میں بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی پھیل گئی اور میں آپ سے دعا مانگنے میں کبھی ناکام نہیں رہا

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾

اور بلاشبہ مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک ولی عطا فرمادیجئے جو میرا وارث بنے

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ

اور یعقوب کی اولاد کا بھی اور اے رب آپ اسے پسندیدہ بنادیجئے اے زکریا بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں اس کا

ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ

نام یحیٰی ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا عرض کیا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا اور حال یہ ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے

امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں فرمایا یوں ہی ہوگا تمہارے رب کا فرمان ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے

وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

تمہیں اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادیجئے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ

النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

تم لوگوں سے تین رات بات نہ کرسکو گے۔ حالانکہ تم تندرست رہو گے سو وہ محراب سے اپنی قوم پر نکلے اور ان کو اشارہ سے فرمایا کہ صبح شام اللہ کی تسبیح

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

میں مشغول رہو، اے یحیٰی کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ہم نے ان کو بچپن میں حکم دے دیا اور ان کو اپنے پاس سے رقت قلبی کی صفت اور پاکیزگی عطا فرمائی

وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ

اور وہ پرہیزگار تھے اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے اور وہ سرکشی کرنے والے نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان پر اللہ کا سلام ہو جس دن پیدا ہوئے

وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے

بیٹے کے لئے زکریا علیہ السلام کی دعا اور یحییٰ علیہ السلام کی ولادت

تفسیر: حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے جب ان کی عمر خوب زیادہ ہوگئی بال اچھی طرح سفید ہوگئے تو یہ خیال ہوا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب توریت شریف کو اور دینی علوم و اعمال کو کون سنبھالے گا اور ان کی تبلیغ و ترویج میں کون لگے گا خاندان میں جو لوگ تھے ان سے اندیشہ تھا کہ دین کو ضائع کر دیں' چونکہ اب تک ان کے ہاں کوئی ایسا لڑکا نہ تھا جو آپ کے علوم اور حکمت اور اعمال دینیہ کا وارث ہوتا لہٰذا انہوں نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں خفیہ طور سے دعا کی (جیسا کہ دعا کا ادب ہے) کہ اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں سر میں خوب سفیدی آگئی (اندازہ ہے کہ اب میر اچل چلاؤ ہے) اگر میں اسی حالت میں دنیا سے چلا گیا کہ کوئی میرا دینی وارث نہیں ہے اور ساتھ ہی مجھے اپنے موالی (یعنی چچا کے بیٹوں) سے خوف ہے کہ وہ دین کو محفوظ نہ رکھیں گے تو دینی علوم و اعمال کا بقا کس طرح رہے گا؟ لہٰذا آپ مجھے ایک بیٹا عنایت فرمایئے جو میرا ولی ہو وہ میرا بھی وارث ہو اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا بھی وارث ہو اور آپ اس سے راضی ہوں میرے بڑھاپے کا تو یہ حال ہے جو اوپر بیان کیا اور میری بیوی بانجھ ہے تاہم مجھے آپ بیٹا عطا فرما ہی دیں اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا کہ میں کبھی دعا کر کے محروم نہیں رہا آپ نے ہمیشہ میری دعا قبول فرمائی ہے یہ دعا بھی قبول فرمایئے اپنی میراث سے میراث نبوت اور میراث علم مراد ہے اور آل یعقوب کی میراث سے دینی سیادت مراد ہے حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تو تھے ہی اپنے زمانہ کے احبار کے سردار بھی تھے مطلب یہ تھا کہ یہ علمی اور عملی سرداری جو ہمارے خاندان میں جاری ہے یہ باقی رہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل والمعنی انه خاف تضییع بنی عمه دین الله وتغییر احکامه علی ما کان شاهده من بنی اسرائیل من تبدیل الدین وقتل الأنبیاء فسأل ربه ولدا صالحا یأمنه علی امته ویرث نبوته وعمله لئلا یضیع الدین (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے چچازاد بنی اسرائیل کے ہاتھوں دین کو ضائع کرنے اور اس کے احکام کو تبدیل کرنے کا خوف تھا۔ جیسا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو دین تبدیل کرتے دیکھا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے دیکھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایک نیک صالح بیٹا مانگا جو امت پر امین ہو اور ان کی نبوت و عمل کا وارث بنے تاکہ دین ضائع نہ ہو) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور بشارت دیدی کہ ہم تمہیں ایسا لڑکا دیں گے جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام پیدا نہیں کیا۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا کا ترجمہ بعض مفسرین نے شبیھا و مثیلا کیا ہے کہ اس سے پہلے ہم نے اس جیسا لڑکا پیدا نہیں کیا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے سید اور حضور ہونا مراد ہے جس کا سورہ آل عمران میں ذکر ہے۔

بیٹے کی بشارت ملنے پر تعجب کرنا: جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیدی اور بیٹے کا نام بھی بتادیا تو عرض کیا اے میرے رب میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا میری بیوی تو بانجھ ہے اور میرا بڑھاپا انتہا

درجہ کو پہنچ چکا ہے' یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ جانتے ہوئے کہ میں بہت بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دعا مانگی تھی پھر جب دعا قبول ہوگئی تو اب تعجب کیوں کر رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرات مفسرین کرام نے کئی باتیں لکھی ہیں اول یہ کہ ان کا سوال حصولِ ولد کی کیفیت سے تھا کہ مجھے اسی عورت سے اولاد عطا ہوگی یا دوسری کوئی جوان عورت سے نکاح کرنا ہوگا' دوم یہ کہ یہ تعجب بشریت کے فطری تقاضے کے اعتبار سے ان کی زبان سے ظاہر ہوگیا قدرت الٰہی کو کامل جانتے ہوئے بھی اس قسم کے مواقع پر انسان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں سوم بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ غایت اشتیاق کی وجہ سے انہوں نے سوال کرلیا تا کہ خدائے پاک کی طرف سے دوبارہ بشارت کا اعادہ ہو اور قلبی لذت میں اضافہ ہو جائے۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے یہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ صورت حال اس طرح سے ہے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کَذٰلِکَ یہ بات اسی طرح ہے یعنی واقعی تمہارے یہاں بیٹا ہوگا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے یہ میرے لئے آسان ہے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے اولاد پیدا کردوں تم یہ بھی تو خیال کرلو کہ میں نے تمہیں پیدا کیا جبکہ تم کچھ بھی نہیں تھے' جس طرح تمہیں عدم سے وجود بخش دیا تو اب تم سے اولاد پیدا کردینا یہ کون سی تعجب کی بات ہے حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی نشانی مقرر فرما دیجئے جس سے مجھے پتہ چل جائے کہ میری بیوی کو استقرار حمل ہو چکا ہے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے لئے یہ نشانی مقرر فرما دی کہ تم اچھے خاصے ٹھیک تندرست ہوتے ہوئے (نہ مریض ہوگے نہ گونگے ہوگے) تین دن تین رات تک کسی سے بات نہیں کرسکو گے تین رات کا ذکر تو یہاں سورہ مریم میں ہے اور تین دن کا ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے وہاں اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا فرمایا ہے یعنی زبان سے تو نہیں اشارہ سے بات کرسکو گے ہاتھ یا سر کا اشارہ کرنے پر تو قدرت ہوگی لیکن زبان سے بات نہ کرسکو گے سورہ آل عمران میں یہ بھی ہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے بات نہ کرسکو گے البتہ اللہ کے ذکر پر قدرت ہوگی اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد کرنا اور صبح شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صبح شام سے اوقات نماز کی پابندی مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صبح شام کنایہ ہے جمیع اوقات سے یعنی ہر وقت اللہ کی تسبیح میں مشغول رہو۔

سورہ انبیاء میں فرمایا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کہ ہم نے زکریا کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ (بیٹا) عطا فرما دیا اور اس کی بیوی کو درست کردیا یعنی ولادت کے قابل بنا دیا اللہ تعالیٰ خالق الاسباب اور خالق المسببات ہے وہ اسباب بھی پیدا فرماتا ہے اور اسباب کے بغیر بھی اسے ہر چیز کی تخلیق پر قدرت ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا سو زکریا علیہ السلام اپنی قوم پر نکلے یعنی محراب سے باہر آئے عام طور سے نمازی ان کے انتظار میں رہتے تھے جب وہ دروازہ کھولتے تو اندر داخل ہو جاتے اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور روزانہ صبح شام ایسا ہوتا تھا اپنی بیوی کے استقرار حمل کے بعد حسب عادت

محراب کا دروازہ کھولا تو لوگ موجود تھے وہ حسب سابق اندر داخل ہو گئے لیکن آج صورت حال مختلف تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام کلام نہیں کر سکتے تھے۔ بولنے پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اشارہ سے فرمادیا کہ صبح شام حسب سابق نماز پڑھتے رہو (معالم التنزیل صفحہ ۱۹۰ ج ۳)

لفظ محراب سے اپنے اس زمانہ کی معروف محراب نہیں ہے مطلق نماز کی جگہ یا حجرہ مراد ہے اسی لئے بعض اکابر نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ وہ اپنے حجرہ سے نکلے اور یہ ترجمہ سورہ آل عمران کی آیت کُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ کے مطابق ہے اور دوسرا ترجمہ یعنی نماز کی جگہ آل عمران کی دوسری آیت فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ کے موافق ہے لفظ محراب حرب سے بمعنی جنگ مفعال کے وزن پر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عبادت کی جگہ کو محراب اس لئے کہا جاتا ہے کہ عبادت کرنے والا گویا اس میں شیطان سے جنگ کرتا ہے (یعنی شیطان کے وسوسوں اور اس کے مزین کیے ہوئے اعمال کو پس پشت ڈال کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور شیطان دیکھتا ہی رہ جاتا ہے)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ و اخلاق عالیہ: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لے لو) مفسرین نے فرمایا کہ اس سے توریت شریف مراد ہے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام توریت شریف پر ہی عامل تھے جیسا کہ سورۃ مائدہ میں فرمایا ہے۔ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا (الآیۃ)

لفظ بقوۃ میں خوب اچھی طرح یاد رکھنا بھی آ گیا اور عمل کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حضرت زکریا علیہ السلام کے واسطہ سے خطاب فرمایا پھر فرمایا وَاٰتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (اور ہم نے یحییٰ کو بچپن ہی کی حالت میں حکم عطا فرما دیا) حکم سے بعض حضرات نے نبوت مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو بچپن ہی میں نبوت سے سرفراز فرما دیا اور یہ ان کی خصوصیت ہے کیونکہ عموماً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر ہو جانے پر نبوت دی جاتی تھی اگر اس قول کو لیا جائے کہ انہیں بچپن ہی میں نبوت دے دی گئی تھی تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ کا خطاب حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ ہوا۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حکم سے فہم کتاب مراد ہے اور بعض حضرات نے حکم بمعنی حکمت اور بعض حضرات نے بمعنی فراست صادقہ لیا ہے (کما ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۷۲ ج ۱۶)

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا (اور یحییٰ کو ہم نے اپنے پاس سے رقت قلبی عطا فرما دی) یہ رقت قلبی مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش آنے اور انہیں صراط مستقیم پر لگانے اور اعمال صالحہ پر ڈالنے میں مفید ہوتی ہے اس بارے میں جو مخلوق سے تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

وَزَكٰوةً (اور اس بچہ کو ہم نے پاکیزگی عطا کی) یہ لفظ زکوٰۃ کا ترجمہ ہے لفظ زکوٰۃ کا اصل معنی پاکیزہ ہونے کا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر اسکی تفسیر میں فرمایا الطاعۃ والاخلاص کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کو اپنی

فرمانبرداری اور اخلاص فی الاعمال کی نعمت عطا فرمائی، اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے عمل صالح مراد ہے، اور مفسر کلبی نے اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے صدقة تصدق الله بها على ابويه (یعنی یحییٰ علیہ السلام کی شخصیت اللہ کی طرف سے ایک صدقہ ہے جو کہ ماں باپ کو عطا فرمایا)

وَكَانَ تَقِيًّا۔ اور یحییٰ علیہ السلام تقی تھے، اس لفظ میں تمام اعمال خیر کو اخلاص کے ساتھ اور پوری فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرنا اور چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ رہنا داخل ہو جاتا ہے مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور گناہ کا کوئی ذرا سا ارادہ بھی نہیں کیا۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ (اور ہم نے یحییٰ کو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والا بنایا) وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا (اور اللہ نے ان کو جبار یعنی متکبر نہیں بنایا اور عصی یعنی نافرمان نہیں بنایا)

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (اور یحییٰ پر اللہ کا سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن وہ زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے)

لفظ یَمُوْتُ صیغہ مضارع اس وقت کے اعتبار سے ہے جب وہ پیدا ہوئے تھے مستقبل کا ترجمہ دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تین مواقع (یعنی ولادت کا دن اور موت کا وقت اور قبروں سے نکلنے کا وقت) انسان کے لئے توحش کے موقع ہوتے ہیں ان تینوں مواقع کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے بطور خوشخبری کے فرما دیا کہ ان میں باسلامت رہنے والے ہیں۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

اور کتاب میں مریم کو یاد کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسی جگہ چلی گئی جو مشرق کی جانب تھا پھر اس نے ان لوگوں سے ورے

حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ

ایک پردہ ڈال لیا سو ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیج دیا جو اس کے سامنے صحیح سالم آدمی بن کر ظاہر ہو گیا مریم نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو

مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى

اللہ سے ڈرنے والا ہے، فرشتے نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں، مریم نے کہا کہ

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ

میرے لڑکا کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں بدکار ہوں فرشتہ نے کہا یوں ہی ہو گا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ

هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ

مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں، اور یہ ایسی بات ہے

بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ

جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہو گئی لہٰذا وہ اس حمل کو لئے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی سو دردِ زہ اسے کھجور کے تنے کے پاس لے آیا، وہ کہنے لگی ہائے کاش میں اس سے

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ

پہلے مر گئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو جاتی، سو اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ تو غمگین مت ہو تیرے رب نے

تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ

تیرے نیچے ایک نہر پیدا فرما دی ہے اور تو کھجور کے تنے کو اپنی جانب حرکت دے جس سے تجھ پر پکی تیار کھجوریں گریں گی سو تو کھا اور پی

وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ

اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے

صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ ۚ

لہٰذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ

تفسیر: سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ جناب عمران کی بیوی نے نذر مانی تھی، کہ میرے اولاد ہوگی تو اسے بیت المقدس کی خدمت میں لگا دوں گی اور خواہش یہ تھی کہ لڑکا پیدا ہو اور اسی لئے منت مانی تھی جب ولادت ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی اس لڑکی کا نام مریم رکھا چونکہ یہ لڑکی ایک نیک عورت کی نیک نیت پر پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کا نام مریم رکھا جس کا معنی ہے عابدہ، اور ان کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی ہونے کی وجہ سے مسجد کی خدمت کے لئے نہیں تو عبادت ہی کے لئے سہی اپنی اس نذر کی وجہ سے وہ بچی کو بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں وہاں کے رہنے والوں نے اس بچی کی کفالت میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اسکی پرورش کروں جھگڑے کو نبٹانے کے لئے آپس میں قرعہ ڈالا تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا لہٰذا انہوں نے مریم کو اپنی کفالت میں لے لیا وہ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رہنے لگیں، بیت المقدس میں ان کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا تھا جو بلندی پر تھا اور اس میں زینہ سے چڑھتے

اور اترتے تھے اللہ تعالیٰ نے مریم کا خوب اچھے طریقے سے نشو و نما فرمایا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔
جب حضرت مریم بڑی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کو بشارت دی کہ تمہیں ایک بیٹا دیا جائے گا جس کا نام مسیح ہو گا وہ دنیا و آخرت میں وجیہ ہو گا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو گا اور وہ گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

حضرت مریم علیہا السلام کا پردہ کا اہتمام اور اچانک فرشتہ کے سامنے آجانے سے فکر مند ہونا

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب یہاں سورۂ مریم کی تصریحات کو ذہن نشین کیجئے وہ ایک دن اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر گھر کے مشرقی جانب ایک جگہ چلی گئیں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ دن سخت سردی کا تھا وہاں دھوپ میں بیٹھ گئیں اور سر کی جوئیں نکالنے لگیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ غسل کرنے کیلئے بیٹھی تھی فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا سے اس دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے اس علیحدہ جگہ میں پردہ ڈال کر بیٹھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا گیا (فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا) حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک صحیح سالم انسان کی صورت میں ان کے سامنے کھڑے ہو گئے حضرت مریم پاک باز عفت دار اور عصمت والی خاتون تھیں وہ انہیں دیکھتے ہی گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ تو کون ہے جو تنہائی میں یہاں پہنچا؟ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تیری صورت شکل تو یہ بتارہی ہے کہ تو متقی آدمی ہو گا متقی کا کیا کام کہ وہ تنہائی میں کسی ایسی عورت کے پاس آئے جس کے پاس آنا حلال نہیں، میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور تو بھی اپنے تقویٰ کی لاج رکھ اور یہاں سے چلا جا۔

فرشتہ کا بیٹے کی خوشخبری دینا اور حضرت مریم کا متعجب ہونا

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ اس پر حضرت مریم علیہا السلام نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو میرے لڑکا کیسے ہو گا؟ نہ تو مجھے کسی ایسے شخص نے چھوا ہے جس کا چھونا حلال ہو (یعنی شوہر) اور نہ میں فاجرہ عورت ہوں بچہ تو شوہر کی حلال مباشرت سے یا کسی زانی کے زنا سے پیدا ہوتا ہے، اور یہاں تو دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں لہٰذا میرے اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرشتہ کا جواب دینا کہ اللہ کے لئے سب کچھ آسان ہے

سورۂ آل عمران کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے فرشتوں نے انہیں لڑکا ہونے کی بشارت دی تھی اور اس وقت بھی انہوں نے یہی کہا تھا کہ میرے لڑکا کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہاں ان کی بات کا جواب

یوں نقل کیا ہے۔ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا لہٰذا وہ ہو جاتا ہے)

اور یہاں فرشتہ کا جواب یوں ذکر فرمایا ہے قَالَ كَذٰلِكِ (فرشتے نے کہا یوں ہی ہوگا) قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (تیرے رب نے فرمایا ہے وہ مجھ پر آسان ہے) جس نے بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو اور بغیر ماں کے حضرت حوا کو پیدا فرما دیا اس کے لئے بغیر باپ کے پیدا فرمانا کیا مشکل ہے؟ اس کے لئے سب کچھ آسان ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ آل عمران اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الایۃ۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ بھی فرشتہ کے کلام کا تتمہ ہے فرشتے نے مزید کہا کہ (تیرے رب نے یوں بھی فرمایا ہے کہ ہم اس بچہ کو لوگوں کے لئے نشانی اور باعث رحمت بنا دیں گے) اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہوگی کہ وہ بغیر اسباب عادیہ کے بھی پیدا فرمانے پر قادر ہے۔ اور یہ بچہ لوگوں کے لئے رحمت کا ذریعہ بنے گا اس کا اتباع کرنے والے اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (اور یہ ایک طے شدہ بات ہے اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے) پیدا ہونے والا یہ بچہ بغیر باپ ہی کے پیدا ہوگا اللہ کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

حمل اور وضع حمل کا واقعہ دردزہ کی وجہ سے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچنا فرشتہ کا آواز دینا کہ غم نہ کرو درخت کا تنہ ہلاؤ تر کھجوریں کھاؤ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہو گئی۔ لہٰذا وہ اس حمل کو لئے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی)

سورہ تحریم میں فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ (اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان فرماتا ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس کے گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اسکی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں) حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پھونکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس پھونکنے سے حمل قرار پا گیا۔ حمل قرار پانے کے بعد وہ اس حمل کو لئے ہوئے اپنے گھر سے کسی دور جگہ میں چلی گئیں پھر جب دردزہ یعنی پیدائش کا درد شروع ہوا تو اسکی وجہ سے کھجور کے درخت کے پاس آ گئیں اور اس کے تنہ کے قریب یا اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور اسی حالت میں کہنے لگیں کہ ہائے کاش میں پہلے سے مر گئی ہوتی اور بالکل ہی بھولی بسری ہو جاتی نہ کوئی جانتا نہ پہچانتا' اس وقت پریشانی کا عالم تھا جنگل

تھا تنہائی تھی درد سے بے چین تھیں کوئی چھپر تک نہیں تھا جس میں لیٹیں اور یہ بھی خیال لگا ہوا تھا کہ بچہ پیدا ہوگا تو لوگ کیا کہیں گے ایسی پریشانی میں منہ سے یہ بات نکل گئی کہ کاش میں اس سے پہلے مردہ ہو چکی ہوتی' حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ استقرار حمل کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ولادت ہوگئی (ذکرہ فی معالم التنزیل عنہ) آیت کریمہ کے سیاق سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دیگر حاملہ عورتوں کی طرح ان پر حمل کی مدت نہیں گذری کیونکہ اتنی لمبی مدت تک تنہا اکیلی عورت کا گھر سے باہر اور دور رہنا بعید ہے پھر اگر لمبی مدت ہوتی تو حمل کا ظاہر ہونا اور اندر پیٹ میں پرورش پانا اس سے لوگوں کو ولادت سے پہلے ہی حاملہ ہو جانے کا پتہ چل جاتا اور لوگوں کا طعن اور اعتراض شروع ہو جاتا لیکن قرآن کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ بچہ کو لے کر آئیں اس وقت لوگوں نے اعتراض کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا (سو جبرائیل نے حضرت مریم کو آواز دی جو اس جگہ سے نیچے کھڑے ہوئے تھے جہاں وہ اوپر کسی ٹیلے پر تھیں اور یوں کہا اَنْ لَّا تَحْزَنِیْ (کہ تو رنجیدہ نہ ہو) (کمافی الروح صفحہ ۸۲ ج ۱۱)

قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا (تیرے نیچے تیرے رب نے ایک نہر بنا دی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہاں اپنا پاؤں مار دیا جس کی وجہ سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور ایک قول یہ ہے کہ وہاں پہلے سے خشک نہر تھی اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی جاری فرما دیا اور وہیں ایک خشک کھجور کا درخت تھا اس میں پتے اور پھل آ گئے اور اسی وقت پک گئے (معالم التنزیل صفحہ ۱۹۳ ج ۳) وَهُزِّیْ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا اور تو درخت کے تنے کو حرکت دے اس سے تجھ پر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ (یہ بھی بطور کرامت ہے کہ ایک زچہ عورت کے حرکت دینے سے کھجور کے درخت سے پھل گر پڑیں کیونکہ کھجور کے درخت کو تو ایک قوی مضبوط مرد بھی نہیں ہلا سکتا پھر ہلانا بھی ایسا کہ جس سے پھل گر پڑیں)۔

فَکُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا (سو تو ان تازہ کھجوروں میں سے کھا اور اس نہر میں سے پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کر) یہ تیرا بچہ تیرے تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فی معالم التنزیل یعنی طیبی نفسا وقیل قری عینک بولدک عیسی۔ (معالم التنزیل میں ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو خوش رکھ اور بعض نے کہا ''اپنے بیٹے عیسیٰ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر'')

طبی اصول سے زچہ کے لئے کھجوروں کا مفید ہونا

یہاں پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ صاحب بیان القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کر دی جائے موصوف فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہارے پائیں ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ جس کے دیکھنے سے اور پانی پینے سے فرحت طبعی ہوگی' و نیز حسب روایت روح المعانی ان کو اس وقت پیاس بھی لگی تھی اور حسب مسئلہ طبیہ گرم چیزوں کا استعمال قبل وضع یا بعد وضع سہل ولادت و دافع فضلات و مقوی طبیعت بھی ہے اور پانی میں اگر سخونت (گرمی) بھی ہو جیسا بعض چشموں میں مشاہدہ

ہے تو اور زیادہ مزاج کے موافق ہوگا و نیز کھجور کثیر الغذاء مولد خون مسمن و مقوی گردہ کمر و مفاصل ہونے کی وجہ سے زچہ کے لئے سب غذاؤں اور دواؤں سے بہتر ہے (فی معالم التنزیل صفحہ ۱۹۳ ج ۳ قال الربیع بن خثیم ما للنفساء عندی خیر من الرطب ولا للمریض خیر من العسل (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے نزدیک زچگی والی خواتین کے لئے تازہ کھجوروں سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور دوسرے مریضوں کے لئے شہد سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے) اور حرارت کی وجہ سے جو اسکی مضرت کا احتمال ہے سو اول تو رطب میں حرارت کم ہے دوسرے پانی سے اسکی اصلاح ہو سکتی ہے تیسرے مضرت کا ظہور جب ہوتا ہے کہ عضو میں ضعف ہو ورنہ کوئی چیز بھی کچھ نہ کچھ مضرت سے خالی نہیں ہوتی و نیز خرق عادت (کرامت) کا ظہور اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت ہونے کی وجہ سے موجب مسرت روحانی بھی ہے انتہی۔

حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتہ کا یوں کہنا کہ کوئی دریافت کرلے تو کہہ دینا کہ میرا بولنے کا روزہ ہے

فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا (سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے لہٰذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی)

بنی اسرائیل کی شریعت میں نہ بولنے کا روزہ بھی مشروع تھا ہماری شریعت میں منسوخ فرما دیا گیا یوں کوئی آدمی کسی ضرورت سے کم بولے یا نہ بولے اور اشارہ سے بات کرے تو یہ دوسری بات ہے لیکن اس کا نام روزہ نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سایہ میں نہ جائے گا اور بات نہیں کرے گا اور روزہ سے رہے گا آپ نے فرمایا اس سے کہو بات کرے اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے (رواہ البخاری صفحہ ۹۹۱ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد رکھا ہے لا یتم بعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل (یعنی احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیمی نہیں اور کسی دن رات تک خاموش رہنا نہیں) (رواہ ابو داؤد فی کتاب الوصایا صفحہ ۱۴۱ ج ۲) یعنی کسی دن رات تک روزے کی نیت سے خاموش رہنا شریعت اسلامیہ میں نہیں۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ

سو وہ اس بچہ کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لیکر آئی ان لوگوں نے کہا کہ اے مریم یہ تو تو نے بڑے غضب کا کام کیا اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ برا آدمی تھا

اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ۭ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ

اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی سو مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گہوارہ

فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي
میں ابھی بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے
مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي
مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا'
وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝
اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا

ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے پاس گود میں لیکر آنا قوم کا معترض ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا اور اپنی نبوت کا اعلان فرمانا

تفسیر: چونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ مریم کے بچہ تولد ہونا ہے اور وہ بھی بغیر باپ کے لہٰذا وہ بچہ پیدا ہو گیا جب اسکی ولادت ہو گئی تو اسے آبادی میں لے کر آنا تھا وہ اس بچہ کو گود میں اٹھا کر آبادی میں لے آئیں وہاں قوم کے لوگ موجود تھے انہوں نے بچہ کو گود میں دیکھ کر کہا کہ اے مریم یہ بچہ کہاں سے آیا؟ ہمارے علم میں تو یہی بات ہے کہ تیری شادی نہیں ہوئی جب بچہ حلال کا نہیں ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بچہ بدکاری سے پیدا ہوا ہے یہ تو تو نے بڑے ہی غضب کا کام کیا' تیری جیسی خاتون سے بدکاری کا سرزد ہونا بڑے تعجب کی بات ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارے باپ برے آدمی تھے نہ تمہاری ماں بدکار تھی تمہیں بھی انہیں کی طرح پاک رہنا لازم تھا۔ تمہارے بھائی ہارون (جو خاندان کے ایک شخص ہیں) وہ بھی نیک شخص ہیں جب سارا ہی خاندان نیک ہے تو تمہیں بھی ہر اعتبار سے نیک اور صالح ہونا چاہئے تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں کی طعن و تشنیع والی باتیں سنیں اور خود سے جواب نہیں دیا بلکہ نومولود بچہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ان کی گود میں تھا۔ لوگ کچھ یوں سمجھے کہ یہ ہم سے تمسخر کر رہی ہے۔ کہنے لگے ہم ایسے شخص سے کیسے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ وہ بچہ خود ہی بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی (یعنی عطا فرمائے گا) اور اس نے مجھے نبی بنایا یعنی مجھے نبوت عطا فرمائے گا اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اسنے مجھے برکت والا بنایا میرے ذریعہ خیر پھیلے گی اور اس نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ (لہٰذا میں اپنے خالق کے

حقوق ادا کرونگا اور اپنی والدہ کے بھی)

اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میری وفات ہوگی اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو معلوم تھا کہ یہودی اس بچہ سے دشمنی کریں گے اور ان کی نبوت کے انکاری ہوں گے اور نصرانی ان کے بارے میں بہت زیادہ غلو کریں گے کچھ لوگ ان کے بارے میں کہیں گے کہ اللہ انہیں کی ذات ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے اس لئے ابھی سے ان کی زبان مبارک سے یہ کہلوا دیا کہ میں اللہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی مخلوق ہوں اور اللہ کا مامور ہوں اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا (جو خود عبادت گزار ہو وہ کسی کا معبود نہیں ہوسکتا اور عابد و معبود ایک نہیں ہوسکتے) اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت گذاری کے طریقہ پر پیش آؤں گا۔

بَرًّا بِوَالِدَتِیْ فرما کر یہ بتادیا کہ میرا کوئی باپ نہیں

یاد رہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بـر ابو الدیه فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی زبان سے بَرًّا بِوَالِدَتِیْ کہلوایا اس لفظ میں ہمیشہ کے لئے اس بات کی نفی ہوگئی کہ ان کا کوئی باپ ہو۔ نصاریٰ کی حماقت اور ضلالت دیکھو کہ جس ذات کو اللہ یا ابن اللہ یا الٰہ (معبود) کہہ رہے ہیں اس کا اپنا بیان تو یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور صرف ماں کا بیٹا ہوں لیکن یہ لوگ کبھی انہیں یوسف نجار کا بیٹا بتاتے ہیں اور کبھی اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں (العیاذ باللہ من ذلک کله) در حقیقت یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں جن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے نہایت صفائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسکو بیان فرمادیا سورۂ مریم میں اور سورہ آل عمران میں واضح طور پر یہ بتادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن قرآن کی تصریحات کے خلاف دور حاضر کے بہت سے زندیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝٣٤ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم، ہم نے سچی بات کہی ہے جس میں وہ لوگ شک کر رہے ہیں، یہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی

وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٣٥ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف یوں فرمادیتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے اور بلاشبہ اللہ میرا رب ہے

فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝٣٦ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تمہارا رب ہے یہ سیدھا راستہ ہے، پھر جماعتوں نے آپس میں اختلاف کرلیا۔ سو بڑے دن کی حاضری کے موقعہ پر ان لوگوں کی

مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ

بڑی خرابی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ کیا ہی سننے والے اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے، لیکن ظالم لوگ آج صریح

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ

گمراہی میں ہیں اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾

ایمان نہیں لاتے بلاشبہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔

کسی کو اپنی اولاد بنانا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے

تفسیر: ان آیات میں بھی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور اللہ پاک کی توحید بیان فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک سے کسی کو اولاد بنانے سے بری اور بیزار ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم جن کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا ان کے بارے ہم نے سچی بات بیان کر دی ہے اس سچی بات میں لوگ جھگڑتے ہیں اور یہ جھگڑالو یہود و نصاریٰ ہیں اور اب تو جھوٹی نبوت کے دعویدار بھی ان کے ہم نوا ہو گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ یہ بات اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا' لہٰذا وہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اس نے بغیر باپ کے ایک بچہ کو پیدا فرما دیا۔ جو ایسا صاحب کمال اور صاحب قدرت کاملہ ہو اس کے لئے اولاد تجویز کرنا سراپا حماقت اور ضلالت ہے۔ باپ اور بیٹے آپس میں ہم جنس ہوتے ہیں مخلوق خالق کی ہم جنس نہیں پھر مخلوق کیسے اسکی اولاد بن سکتی ہے۔ نیز مخلوق کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی مدد کے لئے اولاد کو چاہتے ہیں اس لئے کہ خود ناقص ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اور اس میں کبھی کوئی تغیر اور نقص وضعف آنے والا نہیں اسے کسی معاون اور مددگار کی ضرورت نہیں پھر وہ اپنے لئے اولاد کیوں تجویز کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرما دیا تھا وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (اور بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) یہ مضمون سورۂ آل عمران سورۂ مریم اور سورۂ زخرف میں بیان فرمایا ہے۔

ان تمام تصریحات کے باوجود لوگوں نے مختلف جماعتیں بنالیں جس کے معتقد ہوئے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اسکی بات کو تو پس پشت ڈالا اور خود سے اپنا دین تجویز کرلیا پھر کسی نے کہہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ذات خود اللہ کی ذات ہے اور کسی نے انہیں تیسرا معبود بنا دیا۔ اسی طرح سے خود سے گمراہی میں چلے گئے جب کوئی شخص حق کو پس پشت ڈالے گا تو گمراہی کے سوا اسے کیا ملے گا۔

فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ (سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے جو ایک بڑے دن کی حاضری کے موقعہ ان کے سامنے آئے گی) اس سے قیامت کا دن مراد ہے جو اپنی سختی اور درازی کے اعتبار سے کافروں کے لئے یوم عظیم ہوگا۔

پھر فرمایا اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا (جس روز ہمارے پاس آئیں گے کیسے ہی سننے والے اور دیکھنے والے ہونگے) یعنی قیامت کے دن حقائق پیش نظر ہوں گے جن چیزوں کی خبر دی گئی تھی وہ سامنے ہوں گے جن باتوں میں شک کرتے تھے وہ سامنے آجائیں گی جھٹلانے والے دانا بینا ہو جائیں گے اور تصدیق کرنے پر مجبور ہوں گے لیکن اس دن کی تصدیق معتبر نہ ہوگی لہٰذا اس تکذیب کی وجہ سے (جس پر دنیا میں اصرار کرتے رہے) دوزخ میں جائیں گے۔

لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ. (لیکن ظالم آج کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اس دنیا میں قبول حق پر راضی نہیں اور ہوش گوش کے باوجود کفر چھوڑنے اور ایمان قبول کرنے کے لئے تیار نہیں)

یوم الحسرۃ کی پریشانی: وَاَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ (اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ فیصلہ کردیا جائے گا) وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لائیں گے)۔ اس آیت میں قیامت کے دن کو حسرت کا دن بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ انہیں اس دن سے ڈراؤ۔ قیامت کا دن بڑی حسرت کا دن ہوگا' وہاں حاضر ہونے والے طرح طرح سے حسرت کریں گے ان میں سے ایک یہ حسرت ہوگی کہ کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور تکذیب نہ کرتے (یٰلَیۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا) اور اپنے بڑوں کے بارے میں کہیں گے کہ اگر ہم واپس ہو جاتے تو ان سے بیزاری ظاہر کردیتے۔ (لَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ) اور یوں بھی کہیں گے اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو آج دوزخ والوں میں شمار نہ ہوتے (لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ) حسرتیں تو نہ جانے کتنی ہوں گی حدیث میں اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے ایک خاص حسرت کا تذکرہ فرمایا ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا اے جنت والو! یہ سن کر وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھیں گے ان سے پوچھا جائے گا تم اسے پہچانتے ہو وہ کہیں گے یہ موت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ہر ایک موت کو دیکھ چکا تھا پھر منادی آواز دے گا اے دوزخ والو! وہ لوگ بھی سر اٹھا کر دیکھیں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو وہ کہیں گے کہ ہاں۔ اور ان میں سے بھی ہر

شخص موت کو دیکھ چکا تھا اس کے بعد موت کو سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا (جو مینڈھے کی شکل میں ہوگی) اس کے بعد یہ اعلان ہوگا کہ اے جنت والو! تمہیں ہمیشہ جنت ہی میں رہنا ہے اب موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! تمہیں اسی میں ہمیشہ رہنا ہے اب موت نہیں ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (بخاری صفحہ ۶۹۱ ج ۲)

سنن ترمذی میں ہے کہ جب موت کو دونوں فریق کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اہل جنت کی خوشی اور اہل دوزخ کے رنج کا یہ عالم ہوگا کہ اگر کوئی شخص خوشی میں مرتا تو اس وقت جنت والے مر جاتے اور اگر کوئی شخص رنج کی وجہ سے مرتا تو دوزخ والے مر جاتے۔

سنن ابن ماجہ میں یوں ہے کہ موت کو پل صراط پر ذبح کر دیا جائے گا (الترغیب الترہیب صفحہ ۵۴۴ ج ۴)۔

پھر فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (بلاشبہ زمین اور زمین پر جو کچھ ہے ہم اس کے وارث ہوں گے یعنی اہل دنیا سب ختم ہو جائیں گے جو مجازی مالک ہیں ان میں سے کسی کی کوئی ملکیت باقی نہیں رہے گی اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے صرف اسی کی ملکیت حقیقیہ باقی رہ جائے گی دنیا والے مر کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جائیں گے جو کچھ دنیا میں کمایا تھا یہیں چھوڑیں گے اعمال لیکر حاضر ہوں گے اور انہیں پر فیصلے ہوں گے قال صاحب الروح ای یردون الی الجزاء لا الی غیرنا استقلالا او اشتراکا (صفحہ ۹۵ ج ۱۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ رکھنے والوں کی تردید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ جو فرمایا وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا اس سے بعض ملحدین یہ استدلال کرتے ہیں کہ ان کی وفات ہوگئی (یہ لوگ آسمان پر اٹھائے جانے اور دنیا میں واپس تشریف لانے کے منکر ہیں) ان جاہلوں کو شیطان نے سمجھایا ہے کہ مَا دُمْتُ حَيًّا سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وہ وفات پا گئے یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ایسا وقت آئے گا جس میں وہ زکوٰۃ ادا کریں گے جب تک وہ دنیا میں تھے اس وقت تک ان کی مال والی زندگی نہیں تھی جب قیامت کے قریب آسمان سے تشریف لائیں گے اس وقت صاحب مال ہوں گے زکوٰۃ ادا کریں گے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ صدیق تھے نبی تھے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی عبادت

مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ

کیوں کرتے ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آ سکے اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم آیا ہے

مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

جو تمہارے پاس نہیں آیا، سو تم میرا اتباع کرو میں تمہیں سیدھا راستہ بتاؤں گا' اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش نہ کرو' بلاشبہ شیطان

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ

رحمٰن کا نافرمان ہے' اے میرے باپ بلاشبہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تمہیں رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب پکڑ لے۔ پھر تم

لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

شیطان کے دوست ہو جاؤ' ان کے باپ نے جواب دیا کہ اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے ہٹنے والا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ضرور تجھے سنگسار کر دوں گا۔

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ

اور تو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔ ابراہیم نے کہا کہ میرا سلام لے لو میں تمہارے لئے عنقریب اپنے رب سے استغفار کروں گا' بلاشبہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں

وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

تم لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ کرتا ہوں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں امید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے سے محروم نہ رہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا

پھر جب ان لوگوں سے اور ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کر لی جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب

جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾

عطا فرما دیئے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنا دیا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا حصہ دے دیا اور ہم نے ان کے لئے سچائی کی زبان کو بلند کر دیا۔

توحید کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے مکالمہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے آپ کا وطن بابل کے علاقہ میں تھا جہاں نمرود کی حکومت تھی وہاں کے لوگ بت پرست تھے خود آپ کا گھرانہ بھی بت پرست تھا۔ ان کا باپ بھی بت پرست تھا جس کا نام آزر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے تھے بت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اپنے والد کو بھی انہوں نے توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے کہا سورۂ اعراف میں ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں) یہاں سورہ مریم میں حضرت ابراہیم کے ایک مکالمہ کا تذکرہ فرمایا جو ان کے باپ سے ہوا تھا انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے

باپ یہ تم جن چیزوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہو یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تو تم سے بھی گئے گذرے ہیں تم تو سنتے ہو اور دیکھتے ہو اور کچھ نہ کچھ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہو لیکن یہ بت تو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں ان کی عبادت کرنا تو سراپا بے وقوفی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اپنے باپ سے مزید کہا کہ دیکھو حق اور حقیقت واضح ہونے کے لئے چھوٹا بڑا ہونے کی کوئی قید اور شرط نہیں ہے میں اگرچہ تمہارا بیٹا ہوں لیکن خالق کائنات جل مجدہ نے مجھے وہ علم عطا فرمایا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا مجھے اس نے توحید سکھائی ہے جو صحیح راہ ہے آخرت کے عذاب سے بچانے والی ہے تم میری بات مانو میں تم کو اسی سیدھے راستہ کی رہبری کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شرک کی راہیں اور بت پرستی' غیر اللہ کی پوجا یہ سب شیطان کی نکالی ہوئی اور بتائی ہوئی چیزیں ہیں اسکی بات ماننا اس کی عبادت ہے شیطان اپنی بھی عبادت کراتا ہے اور بتوں کی بھی' تم شیطان کی بات مت مانو وہ تو رحمٰن جل مجدہ کا نافرمان ہے جو اس کا ساتھی بنے گا اسے بھی رحمٰن جل مجدہ کی نافرمانی پر جمائے گا اس کا ساتھی ہونے پر عذاب بھگتنا پڑے گا' اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آ جائے اور یہ شیطان کی دوستی جو دنیا میں ہے تمہیں اس کے ساتھ آخرت کے دائمی عذاب میں نہ جھونک دے اور نہ تمہاری دنیا والی دوستی وہاں کی دوستی یعنی عذاب میں شریک ہونے کا ذریعہ نہ بن جائے (وہاں تو سب دوزخی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے لیکن چونکہ یہ دشمنی یہاں کی دوستی کی وجہ سے سامنے آئے گی اس لئے اسے بھی **علی سبیل المشاکلہ** فَتَكُونَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا سے تعبیر فرمایا) یہ باتیں سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کوئی اچھا اثر نہیں لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا کیا تم میرے معبودوں سے ہٹنے والے ہو یعنی میرے معبودوں سے دور ہو ان کی عبادت کے قائل نہیں ہو؟ اور نہ صرف یہ کہ تم ان کی عبادت سے دور ہو مجھے بھی ان کی عبادت سے روک رہے ہو اب تک جو کہا سو کہا اب کے بعد اگر تو اپنی باتوں سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کے ختم کر دوں گا۔ پس میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اچھا تمہیں میرا اسلام ہے (یہ وہ سلام نہیں جو اہل ایمان کو کیا جاتا ہے بلکہ جاہلوں سے جان چھڑانے کے لئے جو محاورہ میں سلام کے الفاظ کہہ دیئے جاتے ہیں یہ اسی طرح کا سلام ہے جیسا کہ سورہ فرقان میں فرمایا: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا) ساتھ ہی ابراہیم علیہ السلام نے یوں بھی فرمایا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا میرا رب مجھ پر بہت مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ فرمالیا تھا اس لئے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا کی جس کا سورہ شعراء میں ذکر ہے وَاغْفِرْ لِاَبِيْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ (اور اے رب میرے باپ کو بخش دے

بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے) سورہ توبہ میں ہے فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (پھر جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اسے ایمان لانا نہیں ہے تو پھر اس سے بیزاری اختیار فرمائی) سورہ توبہ کی آیت بالا کے ذیل میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مراجعہ کرلیا جائے۔ (انوار البیان ج ۴)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اور میں تم لوگوں سے اوران چیزوں سے کنارہ ہرتا ہوں جنکی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وَأَدْعُوا رَبِّي (اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں) عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا (امید ہے کہ میں اپنے رب کی دعا سے محروم نہ ہوں گا) یعنی میری دعا اور کوشش ضائع نہ جائے گی اور تم لوگوں کو جو شقاوت گھیرے ہوئے ہے مجھے اللہ تعالیٰ اس سے دور رکھے گا قال صاحب الروح وفیہ تعریض بشقاوتھم فی عبادۃ الھتھم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس میں مشرکین پر اپنے باطل معبودوں کی عبادت کرنے پر تعریض ہے) اور آیت میں ہجرت کا اعلان ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ملک شام تشریف لے آئے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ پھر وہ جب ان لوگوں سے اوران چیزوں سے کنارہ ہو گئے جن کی وہ عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کردیئے (اسحٰق ان کے بیٹے تھے اور یعقوب اسحٰق کے بیٹے تھے)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشہور بیٹوں میں سے ایک بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں کعبہ شریف بنانے کے سلسلہ میں گذر چکا ہے اور ابھی چار آیات کے بعد آرہا ہے۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا اور ہم نے ان دونوں (اسحٰق و یعقوب علیھما السلام) کو نبی بنایا۔

بعد کے آنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی اولاد کا اچھائی اور سچائی کے ساتھ تذکرہ کیا جانا

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا حصہ دے دیا اور ہم نے ان کے لئے سچائی کی زبان کو بلند کردیا) بہت بڑی نعمت اور رحمت تو نبوت ہے نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو اور بھی بہت سی دینی دنیاوی علمی و عملی نعمتیں عطا فرمائیں اور ان کے بعد میں آنے والوں میں خیر اور خوبی اور سچائی اور اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر جاری رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر سچائی کے ساتھ جاری رکھیے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انکا اور ان کی آل واولاد کا چرچا آنے والی امتوں میں خیر و خوبی کے ساتھ جاری فرمایا۔ آنے والی تمام انبیاء کی امتیں انہیں خیر سے یاد کرتی رہی ہیں امت محمدیہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام میں آل ابراہیم کا برابر خیر کے ساتھ تذکرہ ہے اور اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ نماز میں کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم پڑھا جاتا ہے اور ہر نمازی پڑھتا ہے اور بار بار پڑھتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوسٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ

اور کتاب میں موسیٰ کو یاد کیجئے بلاشبہ وہ خاص کئے ہوئے تھے اور وہ رسول تھے اور نبی تھے' اور ہم نے

جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

انہیں طور کی داہنی جانب سے پکارا اور انہیں سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا' اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا'

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ

اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول تھے نبی تھے' اور وہ اپنے

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ

گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے' اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے اور کتاب میں ادریس کو یاد کیجئے بلاشبہ

كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

وہ صدیق تھے نبی تھے' اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھا لیا

حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا تذکرہ

تفسیر: حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ مخلص تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور اپنا خاص اور خالص بندہ بنایا۔ (ھذا علی قراءۃ الکوفیین بفتح اللام وقرا آخرون بکسرھا والمعنی انہ اخلص عبادتہ عن الشرک والریاء واسلم وجھہ للہ عزوجل واخلص عن سواہ کما قال صاحب الروح (یہ کوفیوں کی قرأت کے مطابق یعنی لام کے فتح کے ساتھ اور دوسرے حضرات نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عبادت کو شرک اور ریاء سے خالص کیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے جھکا دیا اور غیر اللہ سے الگ ہو گیا جیسا کہ صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے) (صفحہ ۱۰۳ ج ۱۶)

نبی اور رسول میں فرق: اور یہ بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول تھے نبی تھے۔ رسول پہنچانے والا اور نبی خبر دینے والا یہ ان دونوں کا لفظی ترجمہ ہے شریعت کی اصطلاح میں رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے لئے بولا جاتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے مشہور قول یہ ہے کہ ہر رسول نبی بھی ہے اور رسول میں نبی سے ایک زائد معنی بھی ہے یعنی جسے کتاب دی گئی ہو اور نئی شریعت دے کر بھیجا گیا ہو وہ نبی بھی ہے اور رسول بھی ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انبیاء سابقین کی شریعت کی دعوت

دیتے ہیں اور اسکی تبلیغ کرتے ہیں انہیں لغوی اعتبار سے رسول کہا جاتا ہے اصطلاحی اعتبار سے نہیں کہا جاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے پکارا طور پہاڑ مدین اور مصر کے درمیان ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے داہنی جانب کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے داہنی جانب مراد ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام گذر رہے تھے یہ پہاڑ ان کی داہنی جانب پڑ گیا تھا (اذا الجبل نفسه لا ميمنة له ولا ميسرة) صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایمن یمن سے مشتق ہو جو مبارک ہونے کے معنی میں ہے اور اس صورت میں لفظ ایمن جانب کی بھی صفت بن سکتا ہے اور طور کی بھی یعنی موسیٰ کی مبارک جانب سے ہم نے آواز دی یا طور کی جانب سے آواز دی جو مبارک ہے۔

پھر فرمایا وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا (یعنی ہم نے موسیٰ کو سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا) عربی زبان میں نجی اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خفیہ طریقہ پر راز دارانہ باتیں کی جائیں چونکہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمکلامی اس طرح سے ہوئی کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس فضیلت کا ذکر سورۃ نساء میں یوں فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور سے کلام فرمایا)

پھر فرمایا وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کو عطا کیا) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ جاؤ فرعون کو تبلیغ کرو تو اس وقت جو انہوں نے دعائیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی تھی کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ (اور میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط فرما دیجئے) یہ سورہ طٰہٰ میں ہے اور سورۃ قصص میں یوں ہے وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (اور میرے بھائی ہارون کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی ہے سو ان کو آپ میرا مددگار بنا کر بھیج دیجئے تاکہ وہ میری تصدیق کریں مجھے فرعون اور اس کے ساتھیوں سے ڈر ہے کہ میری تکذیب کر دیں گے) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط بنا دیں گے) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا دیا اور دونوں کو حکم فرمایا اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ بلاشبہ اس نے سرکشی کی ہے)

پھر فرمایا وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ (اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے) اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے) وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (اور وہ رسول تھے نبی تھے) وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے) وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اوصاف عالیہ: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام

السلام کی چند صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ صَادِقَ الْوَعْدِ یعنی وعدہ کے سچے تھے یہ صفت تمام انبیاء علیہم السلام میں ہے اور بہت سے مومنین میں بھی ہوتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کی اس صفت کا تذکرہ فرمایا کیونکہ انہوں نے بہت بڑی سچائی کا ثبوت دیا تھا جب ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمادیا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کرتا ہوں بولو تم اپنی رائے بتاؤ اس پر انہوں نے کہا یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (کہ اے اباجان جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے وہ کر گذریئے۔ مجھے آپ ان شاء اللہ صابروں میں سے پائیں گے) پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو بخوشی لیٹ گئے اور ذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے صبر کا جو وعدہ کیا تھا پورا کر دکھایا۔

دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا (اور وہ رسول تھے نبی تھے) چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر کتاب نازل ہونے اور شریعت جدیدہ دیئے جانے کی کہیں کوئی تصریح نہیں ہے اور بظاہر وہ شریعت ابراہیمیہ کے مبلغ اور داعی تھے اس لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان پر رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں اسکی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ گو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت شریعت ابراہیمیہ ہی تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ حاصل ہوا اس لئے ان کے لئے لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے معلوم ہوا کہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت میں نماز اور زکوٰۃ کا خصوصی دھیان رکھنا چاہئے نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نفس کو ان دونوں کا پابند کیا جائے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کا پابند کرایا جائے تو دین کے باقی احکام پر بھی چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال و اطوار پسند تھے وہ ان بندوں میں سے تھے جن سے اللہ راضی ہوا (واضح رہے کہ کسی ایک شخصیت کے لئے کسی صفت سے متصف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس کے علاوہ دیگر افراد اس سے متصف نہیں ہیں یا اس میں دیگر صفات نہیں ہیں خوب سمجھ لیا جائے)۔

پھر فرمایا وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ (اور کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے) اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (بلاشبہ وہ بڑے سچے نبی تھے) وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا (اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھادیا) اس میں حضرت ادریس علیہ السلام کو صدیق اور نبی بتایا اور یہ بتایا کہ ہم نے انہیں بلند مرتبہ پر اٹھادیا بلند مرتبہ کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں عام طور سے یہ مشہور ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد وہاں ان کی موت ہوگئی مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۱۲۶ ج ۳ حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ادریس رفع لم یمت کما رفع عیسیٰ" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رفع الی السماء السادسة فمات بھا لیکن اس سلسلہ کی جو

روایات ہیں اول تو مرفوع نہیں ہیں دوسرے ان کی اسانید ذکر نہیں کی گئیں اور رفع الی السماء کے قصے کعب الاحبار سے منقول ہیں جو سراپا اسرائیلیات ہیں۔ اگرچہ روح المعانی صفحہ ۱۰۶ ج ۱۶ میں بحوالہ ابن المنذر حدیث کو مرفوعاً بھی بیان کیا لیکن حدیث کے الفاظ میں رکاکت ہے جو افصح الفصحاء ﷺ کے الفاظ نہیں ہو سکتے دوسرے قصہ اسی طرح نقل کیا ہے جیسے کعب وغیرہ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے معروف قصہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔

صاحب روح المعانی نے بھی قال رسول اللہ ﷺ کہنے کی ہمت نہیں کی یرفع الحدیث الی النبی ﷺ کہہ کر گذر گئے اور آخیر میں لکھ دیا واللہ اعلم بصحتہ وکذا بصحۃ ما قبلہ من خبر کعب محققین کا کہنا ہے کہ وَرَفَعۡنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا سے حضرت ادریس علیہ السلام کا مرتبہ بلند کرنا مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور اپنا مقرب بنایا یہ سب علو مرتبہ میں آتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ اور بعض خصوصی احوال

صاحب روح المعانی نے مستدرک حاکم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے تھے اور ان کا نام اخنوخ بتایا ہے پھر چار واسطوں سے حضرت شیث ابن آدم علیہ السلام تک ان کا نسب بیان کیا ہے پھر لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نجوم یعنی ستاروں کا مطالعہ کیا اور حساب جاری کیا اور سب سے پہلے لکھنا شروع کیا اور سب سے پہلے سلے ہوئے کپڑے پہنے وہ کپڑے سینے کا شغل رکھتے تھے اور ان سے پہلے لوگ کھالوں کے کپڑے پہنتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے اور انہوں نے سب سے پہلے ناپنے اور تولنے کے پیمانے جاری کئے اور ہتھیار بنائے معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے کافروں سے قتال کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں ادریس اس لئے کہا گیا کہ وہ کثرت سے کتاب اللہ کا درس دیا کرتے تھے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے عربی نہیں ہے اور درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ غیر منصرف ہے (غیر منصرف ہونا اسی وجہ سے ہے کہ اس میں عجمہ اور علم ہے) پھر لکھتے ہیں کہ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سریانی زبان میں بھی اس لفظ کا معنی اسی معنی کے قریب ہو جو عربی میں بولا جاتا ہے لہٰذا کثرت درس کی وجہ سے انہیں ادریس کا لقب دے دیا گیا ہو۔

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مِن ذُرِّيَّةِ ءَادَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ
یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی ان میں انبیاء کرام ہیں جو آدم کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے
نُوحٖ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡرَٰٓءِيلَ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَٱجۡتَبَيۡنَآۚ إِذَا تُتۡلَىٰ عَلَيۡهِمۡ
نوح کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور جنہیں ہم نے چن لیا جب ان پر

اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ
رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر جاتے ہیں پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جنہوں نے نماز کو
وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ
ضائع کر دیا اور خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو یہ لوگ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ
جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا' یہ جنت ہمیشہ رہنے کے باغوں کو شامل ہو گی جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے
بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا
غائبانہ وعدہ فرمایا ہے بلاشبہ اس وعدہ کا وقت ضرور آنے والا ہے وہ اس میں سلام کے علاوہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور ان کا رزق انہیں جنت میں
بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾
صبح شام ملا کریگا' یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو ڈرنے والا ہو

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باہمی رشتے اور ان کے منتسبین کے دو گروہ

تفسیر: ابتدائے سورت سے یہاں تک متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اب آیت بالا میں فرمایا کہ یہ سب وہ حضرات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کو نبوت سے سرفراز کیا اور یہ تمام حضرات آدم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو ان لوگوں کی نسل سے تھے جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔

عموماً حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جو بھی آبادی ہے انہیں کی نسل سے ہے۔ لہٰذا اس کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام انہیں کی نسل سے ہوئے البتہ ادریس علیہ السلام ان سے پہلے تھے ان کے اجداد میں سے تھے اس لئے وہ اس وصف میں شریک نہیں ہیں۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے اور حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہم السلام بلا واسطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان کو ہدایت دی اور ان کو چن لیا ان کا یہ حال تھا کہ جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی تھی تو روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے

تھے۔ انکے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو ان کی طرف منسوب ہوتے تھے جن میں پہلے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو ناخلف تھے پھر مومنین اور متبعین اور صالحین کا تذکرہ فرمایا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ (ان حضرات کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا) نماز کو بالکل نہ پڑھنا وقت سے ٹال کر پڑھنا اور بری طرح پڑھنا یہ سب نماز کو ضائع کرنے میں شامل ہے سورۂ ماعون میں فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ (سو خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں) حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سَاهُوْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز میں ادھر ادھر کا خیال نہ آئے بلکہ آیت میں سَاهُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ نماز کے وقت کو ضائع کر دے ادھر ادھر کے کاموں میں لگا رہے اور نماز کا دھیان نہ رہے۔ (رواہ ابو یعلیٰ باسناد حسن کما فی الترغیب والترھیب صفحہ ۳۸۷ ج ۱)

شہوتوں کا اتباع ہر گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے: وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ

اس میں انسانوں کے اصل روگ کو بیان فرمایا اور وہ ہے خواہشوں کے پیچھے چلنا' نفسانی خواہشوں کا اگر مقابلہ نہ کیا جائے اور انسان ہمت اور جرات سے کام نہ لے اور جو نفس چاہے وہی کرتا رہے تو یہ بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور بربادی کا سبب بن جاتا ہے' جانی عبادات نماز روزہ اور مالی عبادات زکوٰۃ' صدقات کی ادائیگی میں جو غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے یا زندگی میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اس میں اصل یہی خواہشات نفس کا اتباع ہوتا ہے' روح المعانی (صفحہ ۱۰۹ ج ۱۷) میں ہے الشھوات عام فی کل مشتھی یشغل عن الصلوٰۃ وعن ذکر اللہ تعالٰی انسان نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ نفس آمادہ نہیں۔ نیند چھوڑنا گوارا نہیں زکوٰۃ اس لئے نہیں دیتا کہ نفس مال خرچ کرنے پر تیار نہیں' چوری خیانت ڈکیتی دھوکہ دہی اس لئے کرتا ہے کہ نفس کو مال کی کثرت مرغوب ہے شراب پیتا ہے۔ زنا اور دواعی زنا کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ اس میں نفس کی لذت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی اصل خرابی خواہش نفس کا اتباع ہے اور یہ نفس کا اتباع گناہوں کی جڑ ہے۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے) غَيّ غوا الغوی سے ماخوذ ہے واؤ کا یا میں ادغام ہو گیا اس کا اصل ترجمہ بہکنا اور راہ حق سے بھٹک جانا ہے اسی لئے بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ یہ لوگ اپنی گمراہی کی سزا پا لیں گے اور بعض نے حاصل ترجمہ کیا ہے کہ یہ لوگ خرابی سے ملاقات کریں گے۔ اور صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر اور طبرانی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے نیچے حصے میں ایک نہر ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ غی دوزخ میں پیپ کی ایک نہر یا ایک وادی ہے جو خوب گہری ہے اس کا مزہ بہت خبیث ہے اس میں وہ لوگ ڈالے جائیں گے جو خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔

صالحین کا تذکرہ اور ان سے جنت کا وعدہ: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا (مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کسی چیز کا ظلم نہیں کیا جائے گا) جولوگ ناخلف تھے گناہ گاریوں میں لگ گئے حتیٰ کہ حدود کفر میں چلے گئے ان میں سے جس نے توبہ کرلی ایمان قبول کرلیا اور اعمال صالحہ میں لگا رہا اس کے لئے خوشخبری دی کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ان پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہ ہوگا۔ ان کا کوئی نیک عمل ضائع نہیں کیا جائے گا۔ کوئی شخص نافرمانی میں کتنی ہی دور چلا جائے جب بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔

اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ: جَنّٰتِ عَدْنِ ۨالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا اور یہ وعدہ بالغیب ہے یہ حضرات جنت کے وعدہ پر بغیر دیکھے ایمان لائے دنیا میں جنت کو دیکھا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ جو خبر دی ہے اور جو وعدہ فرمایا ہے اسکی تصدیق کی ہے اور اس پر پورا پورا یقین کیا۔

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہوگا)

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (جنت میں سلام ہی کی آوازیں سنیں گے کوئی لغو اور فضول اور بے فائدہ بات نہیں سنیں گے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ اور فرشتے جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام کریں گے۔ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (تم اس وجہ سے باسلامت رہو گے کہ تم نے صبر کیا سو اس جہاں میں تمہارا اچھا انجام ہوا) وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا (اور انہیں اس میں صبح شام رزق ملے گا)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (ص ۱۲۹ ج ۳) میں حضرت ابن عباس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ صبح شام سے رات اور دن کی مقدار مراد ہے وہاں رات اور دن نہ ہوگا البتہ ان کی مقدار پردے ڈال دینے اور پردوں کے اٹھادینے سے رات دن کے اوقات پہچان لیں گے۔ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہاں صبح شام تو نہ ہوگی لیکن جس طرح دنیا میں ان کے کھانے پینے کے اوقات تھے اور ان کے مطابق صبح وشام کھانا کھاتے تھے انہیں اوقات کے اندازہ کے موافق انہیں رزق پیش کیا جائے گا۔ (اور یوں ہر وقت جو چاہیں گے اور طلب کریں گے ان کی خواہش پوری کی جائے گی)۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا (یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو متقی تھا) جنت کی بعض نعمتیں بیان فرمانے کے بعد جنت کے مستحقین کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جنت اہل تقویٰ کو ملے گی اہل تقویٰ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں سب سے بڑا تقویٰ تو شرک اور کفر سے بچنا ہے کوئی کافر مشرک جنت میں داخل نہ ہوگا اہل ایمان ہی جنت میں جائیں گے پھر چونکہ اہل ایمان میں درجات کی تفاوت ہے۔ تقویٰ کے اعتبار سے بھی فرق مراتب ہے اس لئے وہاں بھی تقویٰ اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے فرق مراتب ہوگا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا

اور ہم نہیں نازل ہوتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور

كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ

آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو آپ اس کی عبادت کیجئے اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہیے

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال فرمانے پر جبرئیل علیہ السلام کا جواب کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں

تفسیر: سبب نزول کے بارے میں امام بخاری (ص ۶۹۱ ج ۲) نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا تمہیں اس سے کیا مانع ہے کہ ہمارے پاس جتنی مرتبہ آتے ہو اس سے زیادہ آیا کرو۔ اس پر آیت شریفہ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ نازل ہوئی جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جواب ذکر فرمایا انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم خود نہیں آتے جب آپ کے رب کا حکم ہوتا ہے ہم اسی وقت آتے ہیں اور صاحب روح المعانی (ص ۱۱۳ ج ۱۲) میں کہتے ہیں کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصہ اور روح کے بارے میں جو مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا اور آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ کل کو بتا دوں گا پھر چند دن تک وحی نہیں آئی تو آپ کو بہت زیادہ رنج ہوا اور مشرکین بھی طعن کرنے لگے پھر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام چند دن کے بعد تشریف لائے تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل علیہ السلام تم نے آنا بند کر دیا اور میں تمہاری ملاقات کا مشتاق رہا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے بھی آپ کی ملاقات کا شوق تھا لیکن میں مامور بندہ ہوں جب بھیجا جاتا ہوں نازل ہو جاتا ہوں اور جب روک دیا جاتا ہوں تو رک جاتا ہوں اس پر آیت بالا اور سورہ والضحیٰ نازل ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام کا جواب نقل فرمایا۔

مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا کا مطلب کیا ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بات بتا کر کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے نازل ہوتے ہیں مزید یوں کہا لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا (اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے جو ہمارے پیچھے ہے) یہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا کا لفظی ترجمہ ہے اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مابین ایدینا سے آنے والا زمانہ اور وما خلفنا سے گذشتہ زمانہ مراد ہے اور ما بین ذلک سے زمانہ حال مراد ہے۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سارا زمانہ اور جو کچھ زمانہ میں ہے سب

اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ہم جس وقت آتے ہیں اسی کے حکم سے اور جس وقت ہماری آمد رکی رہتی ہے اسکی وجہ سے یہی ہوتی ہے کہ ہمیں نازل ہونے کا حکم نہیں ہوتا' حضرت ابوالعالیہ تابعی نے فرمایا کہ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا سے پوری دنیا مراد ہے جو پہلی بار صور پھونکنے تک ہے اور وَمَا خَلْفَنَا سے آخرت مراد ہے اور وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ سے نفخہ اولی (پہلی بار صور پھونکنا) اور نفخہ ثانیہ (دوسری بار صور پھونکا جانا) اور انکا درمیان وقفہ مراد ہے جو چالیس سال کا ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا سے زمین اور مَا خَلْفَنَا سے آسمان مراد ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے زمان اور مکان دونوں مراد لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمان اور ہر مکان کا مالک ہے اسی کے حکم سے کسی جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا ہوتا ہے اور اسی کے حکم سے ہر زمانہ میں نزول اور عروج دخول اور خروج اور منتقل ہونا اور آنا جانا ہوتا ہے **والمراد انہ تعالیٰ المالک لکل ذلک فلا ننتقل من مکان الی ما کان والا تنزل فی زمان دون زمان الاباذنہ عزوجل** (اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس سب کے مالک ہیں لہذا ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوتے اور ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں نازل نہیں ہوتے مگر اسی کے حکم سے) (روح ص ۱۱۴ ج ۱۶)

علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۲۰۲ میں لکھتے ہیں کہ یہاں علم مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے) اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس پر غفلت اور نسیان طاری نہیں ہوسکتا وہ آپ کی طرف سے اور آپ کی طرف وحی بھیجنے سے غافل نہیں ہے وحی بھیجنے میں جو تاخیر فرمائی وہ حکمت کی وجہ سے تھی اس حکمت کو وہ جانتا ہے' مزید فرمایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے) وہ اپنی مخلوق کو اور مخلوق کے احوال کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اپنی حکمت کے مطابق تصرف فرماتا ہے۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ جب وہ آسمان و زمین کا اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے تو اسی کی عبادت کرنا لازم ہے اسی کی عبادت کیجئے اور اسکی عبادت پر ثابت قدم رہیے اس بارے میں جو مشقتیں آئیں انہیں برداشت کیجئے وحی جو دیر میں آئی اس سے رنجیدہ نہ ہو جائیے اور کافروں کی باتوں کا خیال نہ کیجئے قال صاحب الروح ص ۱۱۵ ج ۱۶ **فاقبل علی عبادتہ واصطبر علی مشاقھا ولا تحزن بابطاء الوحی و کلام الکفرۃ فانہ سبحانہ یراقبک ویراعیک ویلطف بک فی الدنیا والاخرۃ** ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ) پس آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے اور اس کی مشکلات پر ثابت قدم رہئے اور وحی میں تاخیر اور کافروں کی باتوں سے غمگین نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و نگہبانی کررہا ہے اور دنیا و آخرت میں آپ پر مہربان ہے)

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں) لفظ سمی (بتشدید الیاء) کا مشہور ترجمہ وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی ہم نام۔ اللہ تعالیٰ کا ہم نام کوئی نہیں۔ اہل ایمان تو اللہ کے ہم نام کسی کا نام رکھ ہی نہیں سکتے۔ مشرکین کو بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے کسی معبود باطل کو اسم جلیل یعنی لفظ اللہ کے ساتھ موسوم کرنے کی ہمت کرتے' اور بعض مفسرین نے سمی کو بمعنی مسامی لیا ہے ان حضرات کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اور برابر کوئی نہیں ہے یہ معنی لینا بھی درست ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا یہ ضروری بات ہے کہ میں عنقریب زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان اس بات کو نہیں سوچتا کہ ہم نے اسے

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ

اس سے پہلے پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا تیرے رب کی قسم ہے ہم ان لوگوں کو ضرور ضرور جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی پھر ہم ان کو دوزخ کے قریب اس حال میں حاضر کردیں گے

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝

کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے پھر ہم ہر جماعت میں سے ان کو علیحدہ کریں گے (جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی) جو رحمٰن کے مقابلہ میں بہت سخت سرکشی اختیار کئے ہوئے تھے۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝

پھر ہم ہی ان لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

انسانوں کا قیامت کے دن زندہ ہونے سے انکار کرنا اور منکرین کا شیاطین کے ساتھ حشر ہونا

تفسیر: اللہ جل شانہٗ کی توحید اور اس کا قدرت و اختیار والا اور وحدہٗ لاشریک ہونا بیان فرمانے کے بعد معاد یعنی قیامت کا دن واقعہ ہونے اور میدان آخرت میں لوگوں کو جمع ہونے کا تذکرہ فرمایا، اول تو انسان کی اس جاہلانہ اور معاندانہ بات کا تذکرہ فرمایا کہ میں جب مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ ہو کر اٹھوں گا؟ انسانوں کا یہ کہنا بطور تعجب اور انکار کے ہے، یہ لوگ قیامت کو نہیں مانتے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مرکر جی اٹھنا سمجھ میں نہیں آتا مر کھر گئے ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں اب کیسے جئیں گے اور کیسے اٹھیں گے، قرآن مجید میں منکروں کی یہ بات کئی جگہ ذکر فرمائی ہے ان کے جواب میں فرمایا کہ انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں پہلی بار وجود میں کیسے آیا جبکہ انسان نہ موجود تھا نہ اس کا ذکر تھا جس ذات پاک نے اسے پہلی بار پیدا فرمادیا اسے یہ قدرت ہے کہ پھر سے زندہ فرمادے انسان مٹی سے پیدا ہوا اسکی نسل چلی اور یہ نسل مرد اور عورت کے ملاپ سے چلتی ہے۔ اور بے جان نطفہ میں اللہ تعالیٰ جان ڈال دیتا ہے پھر یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ موت دے کر دوبارہ پیدا فرمادے اور ہڈیوں میں جان ڈال دے اور ان پر گوشت اور پوست چڑھادے سورہ یٰسین میں فرمایا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (اور انسان ہمارے لئے مثالیں دینے لگا اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ ریزہ ریزہ ہوچکی ہوں گی آپ فرمادیجئے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا)۔

انسان کا انکار معاد پھر اسکی تردید فرمانے کے بعد منکرین کا قیامت کے دن حاضر ہونا اور بدحال ہونا اور دوزخ میں داخل کیا جانا بیان فرمایا فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیَاطِیْنَ (سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان لوگوں کو اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے) منکرین کافرین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور شیاطین بھی حاضر ہوں گے شیاطین کا دنیا میں یہ کام تھا کہ انسانوں کو بہکاتے اور ورغلاتے تھے اور انہیں کفر اور شرک پر ڈالتے تھے اور یہ شیاطین خود بھی کافر تھے میدان قیامت میں یہ گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والے سب جمع کئے جائیں گے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بہکانے والے اور بہکاوے میں آنے والے باہم ملا کر زنجیروں میں باندھے ہوئے حاضر ہوں گے' دنیا میں ساتھ تھے حشر کے دن بھی ساتھ ہوں گے' وہاں کا ساتھ ہونا زیادہ مضبوط ہوگا یہاں تو پاس اٹھنے بیٹھنے ہی میں ساتھ تھے اور وہاں بندش اور جکڑ بندی کی صورت میں حاضر کئے جائیں گے۔

ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا (پھر ہم ان کو دوزخ کے قریب اس حال میں جمع کر دیں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے) کافرین اور شیاطین (جو خود بھی کافر ہیں اور انسانوں کو کفر پر ڈالتے رہتے ہیں) قیامت کے دن جمع کئے جائیں گے پھر دوزخ کے آس پاس حاضر کر دیئے جائیں گے اور حاضر ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

ان کی یہ حاضری مذکورہ حالت میں ذلیل کرنے کے لئے ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں اہل باطل تھے کفر پر جمے رہتے تھے اور کفر پر جمنے اور جمانے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے ان میں چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی سردار بھی تھے اور ان کے فرمانبردار بھی' جب یہ سب حاضر ہوں گے تو ان میں سے جو شدید ترین سرکش ہوں گے جو رحمٰن جل مجدہ کی نافرمانی پر مضبوطی سے جمے رہے اور دوسروں کو بھی نافرمانی پر لگاتے رہے انہیں علیحدہ کر لیا جائے گا اس کو ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا میں بیان فرمایا۔

(صاحب روح المعانی ص ۱۱۹ ج ۱۶) اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اصحاب کفر کی جماعتوں میں سے سب سے زیادہ نافرمان انسانوں کو علیحدہ کر دیں گے' ان کے بعد انہیں علیحدہ کریں گے' جو نافرمانی اور سرکشی میں ان کے بعد ہوں گے یہاں تک کہ نافرمانیوں کے اعتبار سے ترتیب وار الگ الگ ان کے بڑوں کو علیحدہ علیحدہ کرتے رہیں گے پھر انہیں دوزخ میں ڈال دیں گے جو شخص جس درجہ کا نافرمان ہوگا اسی درجہ کا عذاب پائے گا اور ہر ایک کا عذاب نافرمانی کے بقدر ہوگا جو لوگ کفر کے سرغنے تھے ایمان سے روکا کرتے تھے انہیں عام کافروں کے اعتبار سے زیادہ عذاب ہوگا سورۂ نحل میں فرمایا اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا ہم ان کا عذاب' عذاب پر بڑھا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے)

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا (پھر ہم ہی ان لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں) نافرمانی اور سرکشی کے اعتبار سے جب جدا کر لئے جائیں گے تو پھر ان میں سے اسی ترتیب کے مطابق دوزخ میں داخل ہونے کا کون زیادہ مستحق ہے اسکو ہم خوب جانتے ہیں جس درجہ کا کوئی کافر ہوگا اسی درجہ کے اعتبار سے داخلہ کی ترتیب میں بھی مقدم ہوگا اس پر عذاب کی سختی بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہوگی۔ قال صاحب الروح فکانه قیل ثم لنحن اعلم بتصلیة هولاء وهم اولی بالصلی من بین سائر الضالین ودرکاتهم اسفل وعذابهم اشد۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ
اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس پر وارد نہ ہو۔ آپ کے رب کا یہ حکم لازمی ہے جس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو ڈرتے تھے اور
نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾
ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

تمام بنی آدم دوزخ پر وارد ہوں گے اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو نجات کی نعمت سے نوازے گا

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یہ ارشاد فرمایا کہ بنی آدم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کا دوزخ پر ورود نہ ہو عبور تو سبھی کا ہوگا لیکن متقی اس سے نجات پا جائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور پھر اسی میں رہیں گے۔

ورود سے کیا مراد ہے اس کی مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ تمام مومن اور کافر اور نیک و بد پل صراط پر گذریں گے جو دوزخ پر قائم ہوگی اللہ سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق صحیح سلامت اس پر سے گذر جائیں گے۔

اور بد عمل چل نہ سکیں گے اور دوزخ کے اندر سے بھی بڑی بڑی سنڈاسیاں نکلی ہوئی ہوں گی جو گذرنے والوں کو پکڑ کر دوزخ میں گرانے والی ہوں گی ان سے چھل چھلا کر گذرتے ہوئے بہت سے (بد عمل) مسلمان پار ہو جائیں گے۔ اور جن کو دوزخ میں گرانا ہی منظور ہوگا وہ سنڈاسیاں ان کو گرا کر چھوڑیں گی۔ پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی مہربانی سے وہ سب لوگ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا۔ اور دوزخ میں صرف کافر مشرک اور منافق ہی رہ جائیں گے۔ (الترغیب الترھیب للحافظ ابن المنذری صفحہ ۴۰۷ تا صفحہ ۴۱۳)

اور بعض حضرات سے یوں مروی ہے کہ ورود سے دخول مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں داخل تو سبھی ہوں گے لیکن اہل ایمان کے لئے وہ ٹھنڈی ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً یہ مضمون نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یوں ہی

منقول ہے کہ وہ ورود سے دخول مراد لیتے تھے۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۳) عبور پل صراط کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ صحیح احادیث سے ثابت ہے صحیحین وغیرہ میں روایات موجود ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول (ورود بمعنی دخول) کو اور عبور پل صراط والی روایات کو مانتے ہوئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو اہل ایمان پل صراط سے گذر جائیں گے وہ پار ہونے کے بعد دوزخ میں داخل ہوں گے جو ان کے لئے ٹھنڈی کر دی جائے گی اور سلامتی کے ساتھ باہر آ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ

اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے

مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝٧٣ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ۝٧٤

مقام کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور مجلس کے اعتبار سے کون اچھا ہے؟ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں جو ساز و سامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے۔

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا

آپ فرما دیجئے کہ جو شخص گمراہی میں ہوگا تو رحمٰن اسے مہلت دے گا یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو

الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ۝٧٥ وَيَزِيدُ

یا عذاب ہوگا یا قیامت ہوگی۔ سو عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون ہے جو بری جگہ والا ہے اور لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہے اور جن لوگوں نے ہدایت پائی

اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝٧٦

اللہ ان کی ہدایت کو اور بڑھا دے گا اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

کافروں کا سوال کہ دونوں فریق میں مقام اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور انکے سوال کا جواب

تفسیر: رسول اللہ ﷺ پر جب آیات تلاوت کی جاتی تھیں جو اپنے معانی کے اعتبار سے واضح ہیں اور جن کے معانی ظاہر ہیں تو انہیں سن کر ایمان لانے کے بجائے معاندین مزید سرکشی پر تل جاتے تھے اور جنہوں نے ایمان قبول کیا ان سے کہتے تھے کہ دیکھو ایک فریق ہمارا ہے اور ایک فریق تمہارا ہے اب بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سا فریق مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اور مجلس کے اعتبار سے بہتر اور اچھا ہے؟ ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ دنیا میں اچھے حال میں ہیں اچھا کھاتے پیتے ہیں اور اچھا پہنتے ہیں ہماری مجلسیں بھی اچھی ہیں بن سنور کر خوشبو لگا کر عمدہ کپڑے پہن کر مجلسوں میں جمع ہوتے ہیں اور تم لوگ ایسے ہو کہ نہ کھانے کو اور نہ پہننے کو ان حالات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم حق پر اور ہم باطل پر

ہوتے تو دنیا میں تمہارا حال اچھا ہوتا اور ہم بدحالی میں مبتلا ہوتے' موجودہ جو صورتحال ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت بہتر ہے۔ ان کا کلام بظاہر ایک طرح کا سوال تھا لیکن حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان چونکہ دنیاوی اعتبار سے کمزور حالت میں ہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں ہم اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔ یہ ان کی جاہلانہ بات تھی کیونکہ دنیا میں اچھے حال میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جو شخص صاحب مال و متاع ہو اللہ کے نزدیک حق پر ہو اور اللہ کا مقبول بندہ ہو ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا (اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں جو ساز و سامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے) مطلب یہ ہے کہ تم نے ظاہری زینت اور ساز سامان کی ظاہری خوبی اور بہتری کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل بنالیا تمہارا یہ خیال غلط ہے اس سے پہلے بہت سی امتیں اور جماعتیں گذر چکی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک فرما دیا دنیاوی نعمتیں اگر اللہ کے ہاں مقبول اور معزز ہونے کی دلیل ہوتیں تو وہ لوگ کیوں ہلاک کئے جاتے اور ان کے برعکس اہل ایمان کیوں نجات پاتے' عاد اور ثمود اور دوسری امتیں جو گذری ہیں ان کے احوال تم سے سنے ہیں ان کے کھنڈرات پر گذرتے ہو ان کے تباہی کے واقعات جانتے ہو پھر بھی الٹی دلیلیں دیتے ہو اور غلط باتیں کرتے ہو۔ سورہ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور یہ تو اس سامان کے اعتبار سے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو میرا کیسا عذاب ہوا)

کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے بعد میں وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے

مال و اسباب پر فخر کرنے والوں کو اول تو یہ جواب دیا کہ ان سے پہلے کتنی جماعتیں گذر چکی ہیں جو ساز و سامان اور زیب و زینت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں انہیں ہلاک کر دیا گیا پھر ارشاد فرمایا قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا اس میں یہ بتایا کہ گمراہی پر ہوتے ہوئے ساز و سامان نعمت نہیں ہے بلکہ یہ استدراج یعنی ڈھیل ہے اس ڈھیل کی وجہ سے اور زیادہ گمراہی میں ترقی کرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب دنیوی کو یا موت کے وقت کی تکلیف کو تو اس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ مومنین اور کافرین میں سے کون بدترین مرتبہ کو پہنچا اور جماعت کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور نکلا۔ لفظ شر مکانا خیر مقاما کے جواب میں اور اَضْعَفُ جُنْدًا اَحْسَنُ نَدِيًّا کے جواب میں فرمایا کہ لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی مصیبت کے وقت کوئی بھی مددگار نہ ہوگا اور دنیا میں جتنے اہل مجلس تھے کوئی بھی کچھ نہ مدد کرے گا نہ کر سکے گا پھر فرمایا وَيَزِيْدُ

اَللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی اس میں ہدایت والوں کی فضیلت بیان فرمائی اہل کفر کفر پر جمے ہوئے ہونے کی وجہ سے عذاب آنے تک ڈھیل میں ہیں اور ہدایت پانے والے یعنی اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے انعام کے مستحق ہیں' انعام تو بہت ہیں ان میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دے گا اور ہدایت پر استقامت نصیب فرمائے گا اور چونکہ ایمان اچھے اعمال پر ابھارتا ہے اور اہل ایمان کے اعمال صالحہ مقبول ہیں اس لئے آیت کے ختم پر یوں فرمایا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا یعنی اعمال صالحہ جو باقی رہنے والے ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی' کیونکہ ان کا انجام ہمیشہ کی خوشی اور ہمیشہ کی نعمتیں ہیں جو دارالنعیم یعنی جنت میں ملیں گی۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ
کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور مال اور اولاد دیئے جائیں گے' کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا یا اس نے
عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ
رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہے' ہرگز نہیں ہم عنقریب اسکی بات لکھ لیں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے رہیں گے اور
نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾
اس کی کہی ہوئی چیز کے ہم مالک رہ جائیں گے اور ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

بعض منکرین کے اس دعوے کی تردید کہ مجھے قیامت کے دن بھی اموال و اولاد دیئے جائیں گے

تفسیر: پہلی آیت کا سبب نزول حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ میں ایک سنار تھا اور عاص بن وائل مشرک پر میرا قرضہ تھا۔ میں اس کے پاس تقاضا کرنے کے لئے آیا اس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں اس وقت تک تیرا قرضہ ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تو محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہ کر دے' میں نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی محمد ﷺ کے ماننے سے منکر نہ ہوں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر دوبارہ اٹھایا جائے' اس پر عاص بن وائل نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں تو ضرور اٹھایا جائے گا اس پر وہ کہنے لگا کہ اگر میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا تو میں وہیں تیرے قرضہ کی ادائیگی کر دوں گا کیونکہ مجھے وہاں بھی مال ملے گا اور مجھے وہاں بھی اولاد دے دی جائے گی اس پر آیت شریفہ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا (الآیۃ) نازل ہوئی (صحیح بخاری صفحہ ۶۹۱-۶۹۲ ج ۲)

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ چند صحابہ کا عاص بن وائل پر قرضہ تھا وہ اس کے پاس تقاضا کرنے کے لئے

آ ئے تو اس نے کہا کہ آپ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جنت میں سونا ہے چاندی ہے اور ریشم ہے اور ہر طرح کے پھل ہیں صحابہ کرام نے جواب میں کہا کہ ہاں ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں' کہنے لگا بس تو میں تمہارے قرضے آخرت میں چکاؤں گا اللہ کی قسم مجھے مال بھی دیا جائے گا اور اولاد بھی اور جو کتاب تمہیں دی گئی ہے مجھے بھی مل جائے گی اس پر آیت بالا نازل ہوئی' بات یہ ہے کہ ایسی باتیں وہی شخص کیا کرتا ہے جو ایمان کا مذاق بناتا ہے اور جو اپنے بارے میں یہ خیال کرتا ہے میں اللہ کا مقبول بندہ ہوں چونکہ اس نے مجھے یہاں مال اولاد سے نوازا ہے اس لئے اگر قیامت آ ہی گئی اور وہاں حاضری ہوئی تو مجھے وہاں بھی ایسا ہی ملے گا جیسے یہاں ملا ہوا ہے' اس نے یہ سب باتیں غریبوں کی تحقیر اور وقوع قیامت کی تکذیب اور نادھندگی کے بہانہ کے طور پر کہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی تردید فرمائی جس میں عاص بن وائل اور اس جیسی باتیں کرنے والوں کی بے ہودگیوں کا جواب ہو گیا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا۔ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ یعنی اس نے یہ دعویٰ کیسے کیا کہ قیامت کے دن اسے مال اور اولاد سے نوازا جائے گا کیا اسے غیب کی خبر ہے؟ اپنی طرف سے خود ہی باتیں بناتا ہے اور غیب کی خبریں دیتا ہے کہ میرے ساتھ ایسا ایسا ہو گا اور خبر بھی اس چیز کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو' مطلب یہ ہے کہ اس کا جو یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے ایسے دے گا بلا دلیل بلا علم اور بلا اطلاع ہے سب کچھ اس نے اپنے پاس سے بنا لیا۔

اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (کیا اس نے رحمٰن سے کچھ عہد لے لیا ہے) کہ اسے یہ چیزیں دی جائیں گی اس کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی عہد نہیں ہے' وہ اپنے پاس سے باتیں بناتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ اپنی طرف سے یہ بات لگاتا ہے کہ مجھے وہاں بھی مال عطا فرمائے گا۔

كَلَّا یہ کلمہ زجر اور توبیخ کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا اس نے خیال کیا ہے اس نے جو کچھ اپنے بارے میں سوچا اور کہا یہ سب غلط ہے اور گمراہی ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو نعمتیں ملیں گی اور کافرین ان سے محروم رہیں گے آتش دوزخ میں جلیں گے۔

سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ (وہ جو باتیں کہتا ہے ہم انہیں عنقریب لکھ لیں گے) وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (یعنی ہم اس کے لئے عذاب میں اضافہ کریں گے) کفر پر تو عذاب ہوتا ہی ہے اس کے لئے عذاب پر مزید عذاب ہے کیونکہ اس نے اللہ پر جرات کی اور یوں کہا مجھے وہاں بھی مال اور اولاد دیئے جائیں گے' اس نے استہزاء کے انداز میں ایمان کا انکار کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کی وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ (اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اس کے وارث ہوں گے) یعنی دنیا میں ہم نے جو کچھ اسے دیا ہے مال ہو یا اولاد ہو یہ ہماری ملکیت ہے اور جب وہ مر جائے گا تو اس کی مجازی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی جن چیزوں کو اپنی کہتا ہے وہ سب یہیں رہ جائیں گی وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا (اور وہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا) اس کے پاس وہاں نہ کوئی مال ہو گا نہ اولاد ہو گی جب یہ دنیا والا مال اور اولاد بھی ساتھ نہ ہو گا تو وہاں مزید مال ملنے کا دعویٰ کیسے کرتا ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لئے۔ تاکہ وہ ان کے لئے عزت کی چیزیں بن جائیں۔ خبردار ایسا ہرگز نہیں ہے وہ عنقریب ان کی عبادت کا انکار کریں گے

وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا

اور ان کے مخالف بن جائیں گے اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے ہیں سو آپ

تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے ہم ان کی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں۔

جنہوں نے غیر اللہ کی پرستش کی انکے معبود اس بات کا انکار کریں گے کہ ہماری عبادت کی گئی اور اپنے عبادت کرنے والوں کے مخالف ہو جائیں گے

تفسیر: معبود حقیقی وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر جن لوگوں نے دوسرے معبود بنا لئے ہیں وہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ باطل معبود ہمارے لئے عزت کا باعث ہیں ان کی طرف منسوب ہونا ہمارے لئے فخر ہے جیسا کہ ابوسفیان نے غزوہ احد کے موقع پر فخر ظاہر کرتے ہوئے یوں کہا تھا لنا عزّٰی ولا عُزّٰی لکم (ہمارے لئے عزی بت ہے اور تمہارے لئے عزی نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسکو یہ جواب دیدو اللہ مولانا ولا مولی لکم (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارے لئے کوئی مولی نہیں) مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ باطل معبود قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر دیں گے۔ اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جن معبودوں کی عبادت وہ اپنے لئے عزت اور فخر سمجھتے ہیں اور جنہیں اللہ کی بارگاہ میں سفارشی مانتے ہیں وہ مدد تو کیا کریں گے وہاں اس بات کے منکر ہو جائیں گے کہ ان مشرکوں نے ان کی عبادت کی تھی، سورہ احقاف میں فرمایا وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۤءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو ان کے باطل معبود اپنے عبادت گزاروں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے یہ باطل معبود نہ صرف اپنے عبادت گذاروں کی عبادت کے منکر ہوں گے بلکہ وہاں ان کے مخالف ہو جائیں گے اور ان کو الزام بھی دیں گے اور ان کے لئے عذاب دوزخ میں جانے کے خواہش مند ہوں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے رہتے ہیں سو آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے ہم ان کی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے وہ انہیں کفر پر اور برے اعمال پر خوب ابھارتے ہیں یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو نہیں مانتے جو اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ بھیجی ہے بلکہ شیاطین کے بہکانے اور

ورغلانے ہی کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان کے بہکاوے میں آ جاتے ہیں حق کو چھوڑ کر باطل پر جمے رہتے ہیں لہٰذا یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں وقت مقررہ پر ان پر عذاب آ ہی جائے گا آپ جلدی عذاب آ جانے کی درخواست نہ کریں ان کی جو باتیں ہیں ہم انہیں خوب شمار کر رہے ہیں ان کے جو اعمال شرکیہ اور اعمال سیئہ اور اقوال باطلہ ہیں ہمیں ان سب کا علم ہے اور ہم ان سب کو لکھ رہے ہیں اجل مقررہ پر عذاب آ جائے گا ان کے افعال اور اعمال اور اقوال سب کی سزا دے دی جائے گی۔

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ نعد کا مفعول اعمال اور افعال مراد ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ نعد کا مفعول انفاس اور ایام ہیں اور مطلب ہے کہ ہم ان کی زندگی کے انفاس (سانس) اور ایام گن رہے ہیں جب ان کی اجل آ جائے گی تو عذاب بھی آ جائے گا اور ان کی مدت کے ایام معدودے چند ہی ہیں گو ان کے نزدیک گنتی میں زیادہ ہوں کیونکہ فنا ہونے والی زندگی بہر حال ختم ہوگی اور دنیا میں جتنی بھی مدت گذری ہو وہ بہر حال آخرت کے مقابلہ میں کم ہی ہے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا
ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف سے اس حال میں چلائیں گے کہ
يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾
وہ پیاسے ہوں گے کوئی شخص سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی

قیامت کے دن متقی مہمان بنا کر لائے جائیں گے اور مجرمین ہنکا کر پیاسے حاضر کئے جائیں گے اور وہی شخص سفارش کر سکے گا جسے اجازت ہوگی

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کی حاضری کا ایک منظر بتایا اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے متقی بندے قیامت کے دن مہمانوں کے طور پر حاضر ہوں گے ان کا اکرام کیا جائے گا اور ان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا، اور مجرمین جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے جیسے جانوروں کو ہانکا جاتا ہے اور مجرمین پیاسے ہوں گے اس کے بعد یہ فرمایا کہ وہاں کسی کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار نہ ہوگا ہاں جن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت دی جائے گی وہی شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ آیۃ الکرسی میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (وہ کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بجز اس شخص کے جسے وہ اجازت دیدے) جسے سفارش کی اجازت دی جائے گی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی اس کے لئے سفارش کی جا سکے گی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کر لی ہے، البتہ تم نے بہت ہی سخت بات کہی قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں

وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ

اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد تجویز کی، اور رحمٰن کی شان کے لائق نہیں کہ

أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ

وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے۔ جو بھی آسمان اور زمین میں ہیں وہ سب رحمٰن کے پاس بندگی اختیار کئے ہوئے حاضر ہوں گے اللہ نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کیا ہے

أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

اور ان سب کو اچھی طرح گن رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس تنہا آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنیوالوں کی مذمت اور ان کے قول کی شناعت

تفسیر: مشرکین عرب کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے اور اب بھی اپنے دعویٰ پر قائم ہیں اور انکے علاوہ دیگر مشرکین بھی اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آیات بالا میں اول تو ان لوگوں کا قول نقل فرمایا پھر اسکی تردید فرمائی اور انکے قول کی قباحت وشناعت کو پوری طرح واضح فرمایا اور ارشاد فرمایا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا بلاشبہ تم نے بہت سخت بات کہی ہے) یہ معمولی بات نہیں یہ تو ایسی بات ہے کہ قریب ہے کہ اسکی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں' اولاد ہونا اسکی عظمت وجلالت اور کبریاء کے خلاف ہے اسی کو فرمایا۔ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا (اور رحمٰن کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) وہ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اسے کسی محافظ اور مددگار کی ضرورت نہیں' چونکہ خالق اور مخلوق ہم جنس نہیں اس لئے کوئی بھی اسکی اولاد نہیں ہو سکتا۔ ہر طرح کے شرک سے اسکی تنزیہ فرض ہے۔

جو چیز اسکی شان کے لائق نہیں اسے اس کے لئے تجویز کرنا اس کی ذات پاک کی طرف عیب منسوب کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے ایسا نہ کرنا تھا اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ زندہ نہ کرے گا حالانکہ پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا دونوں میرے لئے برابر ہیں۔ (یعنی یہ بات نہیں ہے کہ پہلی بار پیدا کرنا میرے لئے آسان ہو اور دوسری بار پیدا کرنا مشکل ہو) اور ابن آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ کے لئے اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی بناؤں یا اولاد بناؤں میں احد ہوں صمد ہوں نہ

میں نے جنا اور نہ میں جنا گیا۔ اور میرا کوئی برابر نہیں۔ (رواہ البخاری) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ناگوار بات سننے پر کوئی بھی اللہ سے بڑھ کر برداشت کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ پھر بھی انہیں عافیت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۳ از بخاری)

پھر فرمایا اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب رحمٰن کے حضور میں بندہ بنے ہوئے حاضر ہوں گے۔ (سب اللہ کے بندے ہیں اور بندگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے اس کا بندہ ہونے سے کسی کو بھی انکار اور استنکاف نہ ہوگا جو سراپا بندہ ہو وہ کیونکر خالق جل مجدہ کی اولاد ہو سکتا ہے)

لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ان تمام حاضر ہونے والوں کو اس نے اپنے علمی احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔ کوئی بھی بچ کر اور بھاگ کر اس کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتا یہ جو لوگ اسکے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ قیامت کے دن بھاگ نکلیں گے اور عذاب سے بچ جائیں گے ایسا ہرگز نہیں' اس کا علم اور قدرت سب کو محیط ہے اور سب اس کے شمار میں ہیں۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (اور ہر ایک اس کے پاس فرداً فرداً تنہا آئے گا) وہاں اپنا اپنا حساب دینا ہوگا اور اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا سزا پائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے رحمٰن اس کے لئے محبت پیدا فرما دے گا سو ہم نے قرآن کو

بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ آپ اسکے ذریعہ متقین لوگوں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں' اور ہم نے اس سے پہلے

مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا' کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی کوئی آہٹ سنتے ہیں۔

اہل ایمان کا اکرام' قرآن مجید کی تیسیر'
ہلاک شدہ امتوں کی بربادی کا اجمالی تذکرہ

تفسیر: پہلی آیت میں اہل ایمان کی ایک فضیلت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا فرما دے گا یعنی تمام فرشتے جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور تمام مومن بندے جو زمین پر رہتے اور بستے ہیں اللہ تعالیٰ

ان کے قلوب میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور یہ اللہ کی محبت کے بغیر نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت فرمائے گا اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دے گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان میں پکار کر اعلان کر دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ (اس سے صالحین مراد ہیں اگر کافر و فاسق صالحین سے محبت نہ کریں تو اہل ایمان ان سے بے نیاز ہیں) پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو لہٰذا جبرئیل بھی اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں نداء دے دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص مبغوض ہے لہٰذا تم اس سے بغض رکھو اس پر آسمان والے اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر اس کے لئے زمین میں بغض ہی رکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۳۱ ج ۲) مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا میں یہی بات بتائی ہے کہ رحمٰن جل شانہٗ لوگوں کے دلوں میں صالحین کی محبت ڈال دیتا ہے نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کے دلوں میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور رزق عطا فرمائے گا اور حسن اخلاق اور احسن اعمال اور اچھا تذکرہ نصیب فرمائے گا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ایک شخص نے یہ طے کیا کہ میں ایسی عبادت کروں گا جس کا چرچا ہو گا وہ ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا تھا اور سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں نکلتا سات مہینے اسی طرح گذر گئے لیکن حال یہ تھا کہ جب بھی لوگوں پر گذرتا تو لوگ کہتے کہ دیکھو یہ ریاکار جا رہا ہے جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے نفس سے کہا کہ دیکھ اس طرح سے تو تیری شہرت برائی سے ہی ہو رہی ہے اب نیت کو پلٹنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہونی چاہئے جب اس نے نیت پلٹ دی اور عبادت میں اسی طرح لگا رہا تو جدھر جاتا تھا لوگ کہتے تھے کہ اس پر اللہ کی رحمت ہو حضرت حسن نے یہ واقعہ نقل کر کے آیت بالا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ تلاوت فرمائی' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ اچھا یا برا کوئی بھی عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی چادر ضرور پہنا دیتا ہے۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۴۰ ج ۳) مطلب یہ ہے کہ اصحاب خیر کی خیر کے ساتھ شہرت ہوگی اور اصحاب شر کا شر کے ساتھ تذکرہ ہوگا۔ جن حضرات نے اللہ کے لئے عمل کیا اور اللہ ہی کے لئے محنتیں کیں سینکڑوں سال گذر جانے پر بھی آج تک مومنین کے دلوں میں ان کی محبت ہے اور ان کے اچھے کارناموں کا تذکرہ ہے ان کے برخلاف جو لوگ دنیادار صاحب اقتدار تھے لیکن پرہیزگار نہ تھے اور جو لوگ مالدار تھے اعمال صالحہ سے خالی تھے ان لوگوں کو عموماً برائی ہی سے یاد کیا جاتا ہے مومن بندوں کو چاہئے کہ صرف اللہ ہی کے

لئے عمل کریں، تذکرہ خیر ہی سے ہوگا اہل ایمان ان سے محبت کریں گے جو طالب دنیا ہوا وہ تو خسران عظیم میں چلا گیا۔

پھر فرمایا فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۔(سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ آپ اس کے ذریعہ متقی لوگوں کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں)

قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان تھی آپ نے کسی سے پڑھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کے لئے آسان فرمادیا اور آپ کی امت کے لئے بھی آسان کر دیا عربی اور عجمی چھوٹے بڑے سبھی پڑھتے ہیں اور اس کے مضامین سمجھتے ہیں رسول اللہ ﷺ قرآن کے ذریعہ متقین کو یعنی اسکی تصدیق کرنے والوں کو بشارت دیتے رہے اور جھگڑالو قوم کو ڈراتے رہے۔

لُدًّا جمع ہے الد کی جس کا معنی جھگڑالو کا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے قوم قریش مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا معناه قوماً لدا لا یستقیمون یعنی وہ کجی اختیار کرنے والے جو ٹھیک راہ پر نہیں آتے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو دلوں کے کانوں سے بہرے ہیں۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۴۰ ج ۳)

آخر میں فرمایا وَکَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ (اور ہم نے اس سے پہلے کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا) هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِکْزًا (کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی کوئی آہٹ سنتے ہیں)

مطلب یہ ہے کہ تکذیب کرنے والی بہت سی امتیں اور جماعتیں گذر چکی ہیں جو اپنی نافرمانی کی پاداش میں ہلاک کی گئیں آج ان کی کوئی بات سننے میں نہیں آتی وہ کہاں ہیں دنیا میں کیسی کیسی بولیاں بولا کرتے تھے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے ہر طرح کی بولتی بند ہوگئی اب نہ کہیں ان کی کوئی آواز ہے اور نہ کہیں آہٹ ہے قران کی تکذیب کرنے والوں کو ان ہلاک شدہ اقوام سے سبق لینا چاہئے۔

ولقد تم تفسیر سورة مریم للثالث والعشرین من ذی الحجه ۱۴۱۴ھ
من هجرة سیدنا خیر الامام علیه وعلی اله وصحبه الصلوة والسلام
والحمد لله علی التمام

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ طٰہٰ جس میں ایک سو پینتالیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

طٰهٰ ۞ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ

طٰہٰ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے جو ڈرتا ہو یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا

خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۞ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا' وہ بڑی رحمت والا ہے عرش پر مستوی ہوا' اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۞ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

اور جو زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ ہے اور اگر آپ زور سے بات کریں تو بلاشبہ وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور اس بات کو بھی

السِّرَّ وَاَخْفٰى ۞ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۞

جو اس سے زیادہ خفی ہو' اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

آسمان اور زمین پیدا کرنے والے کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے جو ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے

تفسیر: یہاں سے سورۂ طٰہٰ کی ابتداء ہو رہی ہے لفظ طٰہٰ' الم اور دیگر حروف مقطعات کی طرح متشابہات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ صاحب معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۱ نے مفسر کلبی سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے محنت اور مشقت کے ساتھ بہت زیادہ عبادت گزاری شروع فرمائی طویل قیام کی وجہ سے کبھی داہنے پاؤں پر اور کبھی بائیں پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے اور ساری رات نماز پڑھتے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى نازل فرمائی' اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ خوب زیادہ عبادت کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ یہ قرآن جو تم پر نازل ہوا ہے یہ تمہیں مشقت میں ڈالنے ہی کے لئے اترا ہے اس پر آیت کریمہ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى نازل ہوئی یعنی ہم نے قرآن کو آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اُٹھائیں۔ آیت بالا کی تفسیر میں ایک دوسری وجہ بھی بعض مفسرین نے اختیار

کی ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ منکرین جو سرکشی کرتے ہیں اور تکذیب میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں آپ کو اس پر قلق اور رنج نہ ہونا چاہئے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ آپ مصیبت میں پڑیں اور تکلیف اٹھائیں آپ کے ذمہ تبلیغ ہے جب آپ نے اس فریضہ کو انجام دے دیا اور برابر انجام دے رہے ہیں تو آپ کو اس فکر میں پڑنے اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے اس تفسیر کی بناء پر آیت شریفہ کا مضمون سورہ کہف کی آیت کریمہ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی آثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا کے موافق ہو جائے گا۔(ذکرہ صاحب الروح ج ۱۶ص ۱۴۹)

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى یعنی یہ قرآن ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے' قرآن مجید نصیحت تو تمام انسانوں کے لئے ہے لیکن خاص کر خوف وخشیت والوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ جو لوگ قرآن سن کر متاثر نہیں ہوتے اور اس کے مضامین پر ایمان نہیں لاتے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے۔قال صاحب الروح وخص الخاشی بالذکر مع ان القرآن تذکرة للناس کلھم لتنزیل غیرہ منزلة العدم غیر منتفع (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں قرآن کی نصیحت کو ڈرنے والوں کے ساتھ مخصوص کیا باوجود یہ کہ قرآن پوری انسانیت کے لئے نصیحت ہے اس لئے کہ جو لوگ ڈرتے نہیں ان کا سننا نہ سننے کے برابر ہے کہ وہ نفع نہیں اٹھاتے) یہ سورہ یٰس میں فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈراتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں اور بغیر دیکھے اس سے ڈرتے ہیں ایسے ہی لوگ نصیحت پر کان دھرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی کتاب کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى (یہ قرآن اس ذات کیطرف سے نازل کیا گیا جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا)

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) استوی علی العرش کے بارے میں سورہ اعراف کی آیت اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (ع ۸) کی تفسیر ملاحظہ کرلی جائے۔ انوار البیان ص ۴۴۰ ج ۳

آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو ماتحت الثّریٰ ہے اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى (اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو تحت الثری ہے) اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا خالق اور مالک ہے علوی اور سفلی جہت میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور ساتویں زمین کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی اسی کا ہے۔

ثری نمناک یعنی تر مٹی کو کہتے ہیں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا مطلب

بتاتے ہوئے فرمایا ماتحت الارض السابعۃ یعنی ساتویں زمین کے نیچے جو کچھ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ زمینوں کے سات ہونے کی تصریح صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمانا اسی کے مطابق ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک بالشت کے برابر بھی ظلم کر کے زمین کا کچھ حصہ لے لیا تو قیامت کے دن اس کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔ بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ جس نے ناحق زمین کا کچھ حصہ لے لیا تو قیامت کے دن اسے ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔ مسند احمد میں یوں ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے ظلم کر کے بالشت بھر زمین کا کوئی حصہ لے لیا اللہ تعالیٰ اسے مجبور کرے گا کہ وہ کھودے یہاں تک کہ ساتویں زمین کے آخر تک کھودتا جائے۔ پھر اسے قیامت کا دن ختم ہونے تک اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلے ہوں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۶)

اللہ تعالیٰ زور سے کہی بات اور خفی بات کو بھی جانتا ہے

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (اے مخاطب اگر تو زور سے بات کرے تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور جو اس سے خفی ہو اس سب کو جانتا ہے) زور کی آواز تو سنتا ہی ہے جو کوئی چپکے سے بات کرے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو اس سے بھی زیادہ خفی ہو وہ اسے بھی جانتا ہے۔ چونکہ وہ خفیہ آواز کے علاوہ اس بات کو بھی جانتا ہے جو کسی کے دل میں ہو جسے زبان سے ظاہر نہ کرے اس لئے يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى فرمایا یعنی يَسْمَعُ کی بجائے لفظ يَعْلَمُ فرمایا تا کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ آواز والی بات کو سنتا ہے اور جانتا ہے اور اس کے علاوہ جو بات زبان سے نہ نکلی ہو اور دل میں ہو وہ اسے بھی جانتا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں) جو اس کے بے مثال اوصاف اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے بارے میں سورہ اعراف (رکوع ۲۲) اور سورہ بنی اسرائیل کے آخری رکوع کی تفسیر کی مراجعت کر لی جائے۔ (انوار البیان ص ۹۶ ج ۴)

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی ہے جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے ہوسکتا ہے کہ اس میں سے

اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝۱۱ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ

تمہارے لئے ایک شعلہ لے آؤں یا آگ پر راستہ بتانے والا کوئی شخص مل جائے سو جب اس کے پاس آئے تو انہیں ندا دی گئی کہ اے موسیٰ بے شک میں تمہارا رب ہوں سو

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۲ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝۱۳

اپنی جوتیاں اتار دو بے شک تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے سو جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہے

إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعۡبُدۡنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ ﴿١٤﴾ إِنَّ ٱلسَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ

اسے سن لو۔ بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو تم میری عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے

أَكَادُ أُخۡفِيهَا لِتُجۡزَىٰ كُلُّ نَفۡسِۭ بِمَا تَسۡعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَن لَّا يُؤۡمِنُ بِهَا

میں اس کو پوشیدہ رکھوں گا تا کہ ہر جان کو اس کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دے دیا جائے۔ سو جو شخص اس پر ایمان نہ لائے

وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ فَتَرۡدَىٰ ﴿١٦﴾ وَمَا تِلۡكَ بِيَمِينِكَ يَٰمُوسَىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُاْ عَلَيۡهَا

اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرے وہ تمہیں اس سے نہ روک دے ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے اور اے موسیٰ وہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے عرض کیا وہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں

وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَـَٔارِبُ أُخۡرَىٰ ﴿١٨﴾ قَالَ أَلۡقِهَا يَٰمُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلۡقَىٰهَا

اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو سو انہوں نے اس کو ڈال دیا۔

فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسۡعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا ٱلۡأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَٱضۡمُمۡ

سو وہ اچانک دوڑتا ہوا سانپ ہے۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت۔ ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اور اپنے ہاتھ کو

يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوٓءٍ ءَايَةً أُخۡرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنۡ ءَايَٰتِنَا ٱلۡكُبۡرَى ﴿٢٣﴾

اپنی بغل میں لے لو اور وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ تا کہ ہم تم کو بڑی نشانیوں میں بعض نشانیاں دکھلائیں۔

ٱذۡهَبۡ إِلَىٰ فِرۡعَوۡنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾

تم فرعون کی طرف چلے جاؤ، بلاشبہ وہ سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے۔

مدین سے واپس ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آنا اور نبوت سے سرفراز کیا جانا اور دعوت حق لے کر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہونا

تفسیر: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے تمام قبیلے (جو تعداد میں بارہ تھے) مصر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد وہاں ان لوگوں کی کوئی حیثیت نہ رہی پردیسی ہونے کی وجہ سے مصر کے اصل باشندے یعنی قبطی لوگ انہیں بری طرح ستاتے تھے سخت کاموں میں پیلتے تھے اور بیگاریں لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا

فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ فرعون ہی کے گھر میں ان کی پرورش ہوئی (جیسا کہ آئندہ رکوع میں اور سورہ قصص کے پہلے رکوع میں اس کا ذکر ہے) جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو انہوں نے ایک قبطی (یعنی مصری قوم کے آدمی) کو دیکھا کہ وہ ایک بنی اسرائیل کے آدمی سے لڑ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک گھونسا مارا اس کا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک شخص نے بتایا کہ فرعون کے لوگ مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں لہٰذا یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل گئے اور مدین میں قیام فرمایا' وہاں دس سال رہے شادی بھی وہیں ہوئی جب وہاں سے اپنی بیوی کو لے کر واپس مصر آ رہے تھے تو یہ واقعہ پیش آیا جو یہاں سورہ طٰہٰ میں اور سورہ نمل میں اور سورہ قصص میں مذکور ہے۔ ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو راستہ میں سردی بھی لگی اور راستہ بھی بھول گئے۔ اسی حال میں تھے کہ طور پہاڑ پر آگ نظر آئی۔ اسے دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں رہو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں ابھی تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں گا کوئی رہبر ملے گا تو راستہ معلوم کر لوں گا یا آگ کا کوئی شعلہ لے آؤں گا تاکہ تم آگ جلا کر تاپ لو۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اپنی حاجات کے ساتھ اہل خانہ کی حاجت روائی کا بھی خیال کرنا لازم ہے چونکہ ان کی اہلیہ بھی سردی سے متاثر ہو رہی تھیں اس لئے ان کے گرمی حاصل کرنے کے لئے آگ کا شعلہ لانے کا ارادہ فرمایا) جب آگے بڑھے اور آگ کی جگہ پہنچے تو وہاں ماجرا ہی دوسرا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نبوت سے سرفراز فرمانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں تم جس جگہ پر ہو یہ مقدس پاک میدان ہے جس کا نام طویٰ ہے تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں گدھے کی کھال سے بنی ہوئی تھیں جس کو دباغت نہیں دی گئی تھی اور عکرمہ ومجاہد نے فرمایا کہ جوتیاں اتارنے کا حکم اس لئے ہوا کہ مقدس سرزمین کی مٹی ان کے قدموں کو لگ جائے (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۳) اللہ جل شانہ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی (اور میں نے تمہیں چن لیا لہٰذا جو وحی کی جاتی ہے اسے ٹھیک طریقہ پر سنو) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (بلاشبہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز کو قائم کرو) یوں تو موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی سے مومن تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ربوبیت اور الوہیت کی مزید معرفت عطا فرمائی اور انہیں اپنی عبادت کی تلقین فرمائی اور قیامت کے آنے اور قیامت کے دن ہر عمل کرنے والے کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ دیئے جانے کا تذکرہ بھی فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ قیامت آنے کا بھی عقیدہ رکھو' جو لوگ قیامت کو نہیں مانتے اور اپنی خواہشات نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اللہ کے احکام اور اخبار کی تصدیق نہیں کرتے ان کی بات نہ ماننا اگر منکرین میں سے کسی کی بات مان لی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے" حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے تو یہ بات بہت بعید ہے کہ کسی منکر مکذب کی بات مانیں ان کو خطاب کر کے دوسروں کو تنبیہ فرما دی کہ منکرین قیامت کی بات مان کر برباد نہ ہو جانا۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنا تھا اور ایسی نشانی بھی دینی تھی جس سے فرعون پر حجت قائم ہو جائے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو نشانیاں عطا فرما دیں۔ ان میں سے ایک تو ان کی عصا تھی اور دوسرا ید بیضاء تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں دس سال بکریاں چرائیں تھیں اس لئے ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی رہتی تھی جو اس وقت بھی ان کے ہاتھ میں تھی جواب میں عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔ اور تھوڑے سے جواب پر اکتفاء نہیں کیا چونکہ خالق کائنات جل مجدہ سے باتیں ہونے کا موقع تھا اس لئے بات لمبی کر دی اور مزید عرض کیا کہ میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں اور اس کے ذریعہ اپنی بکریوں کے لئے پتے بھی جھاڑتا ہوں اور ان کے علاوہ بھی دوسرے کاموں میں استعمال کرتا ہوں۔ (مثلاً موذی جانوروں کو مارنا اور اس کے ذریعہ پانی کا مشکیزہ اور زاد راہ اٹھانا وغیرہ)

قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی (باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوا کہ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو) فَاَلْقٰهَا (سو اسے انہوں نے ڈال دیا) فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی (سو اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی) سورہ نمل میں ہے کہ جب انہوں نے اسے سانپ کی شکل میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا خُذْهَا وَلَا تَخَفْ (اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں) سورہ نمل میں یہ الفاظ بھی ہیں اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ (کہ میرے سامنے پیغمبر ڈرا نہیں کرتے) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ (چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ رکھا اور اٹھانے لگے تو وہ لاٹھی ویسی ہی ہو گئی جیسی پہلے تھی) یہ ایک نشانی ہوئی۔ دوسری نشانی عطا فرمانے کے لئے باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوا وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ (تم اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں ملا لو) تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ (وہ بغیر عیب کے سفید ہونے کی حالت میں نکلے گا) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بغل میں ہاتھ ڈالا پھر واپس نکالا تو وہ خوب زیادہ سفید روشن تھا۔ اور یہ سفیدی کسی عیب یعنی برص وغیرہ کی بیماری کی وجہ سے نہ تھی اسی کو مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فرمایا۔ یہ دو نشانیاں ہوئیں پھر فرمایا لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی (تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی آیات میں سے دکھائیں) اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو بڑے بڑے معجزات دیئے گئے تھے ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا روشن ہونا سب سے بڑی نشانی تھی۔ یہ دونوں نشانیاں دے کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیج دیا اور فرمایا اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (فرعون کے پاس چلے جاؤ بے شک اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعا کرنے اور اپنے بھائی ہارون کو اپنا وزیر بنانے اور پھر فرعون کے پاس جانے اور جادوگروں کے مقابلہ کرنے کا ذکر ہے جو آئندہ دو رکوع میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور ربانی کو نار سمجھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی جگہ پر پہنچے تو (مقدس سرزمین طویٰ کی اس جانب کے کنارے سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داہنی طرف تھی) ایک درخت سے آواز آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا جیسا کہ سورہ قصص میں مذکور ہے۔ یہ جو آگ نظر آئی تھی اس کے بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۳ میں لکھتے ہیں قال اھل التفسیر لم یکن الذی راہ موسی نارا بل کان نورا ذکر بلفظ النار لان موسیٰ حسبہ نارا یعنی اہل تفسیر نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا تھا وہ حقیقت میں آگ نہیں تھی بلکہ وہ نور تھا چونکہ انہوں نے اسے دور سے آگ محسوس کیا تھا اس لئے نار سے تعبیر فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں وقال اکثر المفسرین ھو نور الرب عزوجل وھو قول ابن عباس و عکرمۃ وغیرھما (اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ وہ رب جل شانہٗ کا نور تھا حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ وغیرہما کا یہی ارشاد ہے)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ یعنی اس کی ذات کا پردہ نور ہے اگر وہ پردہ ہٹادے تو اس کی ذات کے انوار ساری مخلوق کو جلا دیں جہاں تک اس کی نظر ہے (رواہ مسلم) یعنی مخلوق کے پردے مادی پردے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق سے محجوب ہے وہ اپنے عزوجلال کے نور سے محتجب یہ انوار اٹھ جائیں تو ساری مخلوق جل کر خاک ہو جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس نور کو آگ کی صورت میں محسوس کیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ وہی حجاب والا نور تھا۔ جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے آگ محسوس کیا صاحب روح المعانی ج ۱۶ ص ۱۲۶ نے وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے بحوالہ کتاب الزہد للامام احمد وغیرہ نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک عجیب حیرت انگیز منظر دیکھا ایک بڑی آگ ہے جو ایک ہرے بھرے درخت کے اوپر شعلے مار رہی ہے مگر حیرت یہ ہے کہ درخت کی کوئی شاخ یا پتہ نہیں جلتا بلکہ آگ کی وجہ سے درخت کے جس میں تری اور تازگی اور رونق میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام اس انتظار میں رہے کہ شاید کوئی چنگاری زمین پر گرے تو اسے اٹھالیں دیر تک دیکھتے رہے لیکن کوئی چنگاری نہ گری انہوں نے گھاس کے کچھ تنکے جمع کئے اور انہیں آگ کے قریب کیا تاکہ ان میں آگ لگ جائے تو انہیں لے کر چلے جائیں لیکن اس میں بھی آگ نہ لگی اور بعض روایات میں ہے کہ آگ ان کی طرف بڑھی تو وہ خود پیچھے ہٹ گئے بہرحال آگ لینے کے مقصد سے تشریف لائے تھے وہ مقصد پورا نہ ہوا اسی عجیب و غریب حالت و حیرت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی آواز آگئی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اھ مختصراً

نماز ذکر اللہ کے لئے ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی عبادت کا حکم فرمایا پھر ایک خاص طریقہ عبادت یعنی نماز کا خاص طور پر حکم دیا اور فرمایا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سرزمین مکہ میں اپنی اہلیہ اور بچے کو چھوڑا تو بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (اے ہمارے رب میں نے اپنے ذریت کو آپ کے بیت محرم کے پاس ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو کھیتی باڑی والی نہیں ہے اے ہمارے رب تا کہ وہ نماز قائم کریں) اور دعا میں یوں عرض کیا رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری ذریت میں سے بھی اور اے ہمارے رب ہماری دعا قبول فرما) درحقیقت نماز بہت بڑی چیز ہے اور شہادتین کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ سفر میں حضر میں حرج میں مرض میں امن میں خوف میں ہر حال میں نماز فرض ہے۔ یہ تو ہے کہ لمبے سفر میں (جس کی مقدار کتب فقہ میں لکھی ہے) چار رکعت کی جگہ دو رکعت مشروع کر دی گئی لیکن بالکل ہی معاف نہیں جب تک ہوش و حواس قائم ہیں انسان نماز پڑھنے کا مکلّف ہے۔ نماز کی بڑی بڑی خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے اور کسی عبادت کے لئے اذان نہیں رکھی گئی۔ پھر اذان بھی اول سے آخر تک اللہ کا ذکر ہے اور نماز بھی اول سے آخر تک ذکر اللہ ہے۔ اللہ اکبر سے شروع کی جاتی ہے اور السلام علیکم پر ختم کی جاتی ہے درمیان میں تلاوت ہے اذکار ہیں تسبیح اور تقدیس ہے۔ تکبیر تہلیل ہے۔ تشہد ہے اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ ہے اور آخر میں دعا ہے یہ سب ذکر ہی ہے پھر نماز کے بعد تسبیحات پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ اور نماز میں سارے اعضاء عبادت میں لگ جاتے ہیں زبان سے ذکر ہے آنکھیں بھی پابند ہیں ہاتھ بھی باندھے ہوئے ہیں۔ پاؤں بھی ایک جگہ رکھے ہوئے ہیں دل میں خشوع کی کیفیت ہے پورے جسم سے خشوع اور عجز و نیاز ظاہر ہو رہا ہے یہ سب حالات ایسے ہیں جو بندے کو سراپا خالق و مالک جل مجدہ کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں نماز دنیا میں بھی اول ہے اور آخرت میں سب سے پہلے اس کی پوچھ ہوگی یہ جو فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو اس میں لفظ ذکر عام ہے زبان سے تو نماز میں اللہ کا ذکر ہوتا ہی ہے حضور قلب بھی ہونا چاہئے تا کہ دل سے بھی ذاکر اور خاشع ہو جب دل میں خشوع اور خضوع ہوتا ہے تو اعضاء و جوارح پر بھی ظاہر میں اس کا اثر پڑتا ہے۔ اور جب نماز اچھی طرح پڑھی جائے اور دل میں ذکر اللہ کی کیفیت جاگزین ہو جائے تو پھر نماز کی طرف پوری رغبت ہو جاتی ہے نفس نماز سے کتراتا ہے تو قلب اسے رجوع کرا دیتا ہے اور نماز پر آمادہ کر دیتا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اسی قدر نماز کی رغبت ہوگی دل بھی لگے گا فرائض بھی اچھی طرح پڑھے جائیں گے سنن اور نوافل کا بھی اہتمام ہوگا۔

بکریاں چرانے میں حکمت اور مصلحت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین تشریف لے گئے تو وہاں ایک صالح بزرگ تھے انہوں نے ان سے اس شرط پر اپنی ایک لڑکی سے نکاح کر دیا کہ تم آٹھ سال تک میری بکریاں چراؤ اور اگر دس سال تک چرا دو تو یہ خدمت تمہاری اپنی طرف سے ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری فرمائی وہاں بکریاں چراتے رہے۔

حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سورہ طسمّ یعنی سورۃ قصص پڑھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ بلاشبہ موسیٰ نے اپنی جان کو آٹھ سال یا دس سال اپنی شرمگاہ کی پاکیزگی اور اپنے پیٹ کی خوراک کے لئے اجرت پر دے دیا تھا (رواہ احمد وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۲۱۸) مطلب یہ ہے کہ اتنی طویل مدت تک اپنے خسر کی بکریاں چرائیں جس سے پیٹ بھرنے کا انتظام بھی ہو گیا اور شرمگاہ کے پاک رکھنے کا بھی کیونکہ یہ خدمت بیوی کے مہر کے حساب میں لگائی گئی تھی **(کما قالہ بعض العلماء)**

بکریاں چرانے کا کام تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ بکریوں کے چرانے میں نفس کو مشقت بھی ہوتی ہے جسے برداشت کرنا پڑتا ہے اور ضعیف کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی بھی مشق ہو جاتی ہے بکری ضعیف جانور ہے اگر وہ بھاگ جائے تو پکڑ کر لانا پڑتا ہے اسے مارو تو ہڈی پسلی ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے ضبط وتحمل کے بغیر چارہ نہیں ہوتا پھر اس کے مزاج میں تواضع بھی ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں نمازیں نہ پڑھو اور بکریوں کے رہنے کی جگہوں میں نمازیں پڑھ لیا کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح) اونٹوں میں شر کا مادہ ہے حملہ کرنے کا اندیشہ رہتا ہے بکری بیچاری سیدھی سادھی عاجز مخلوق ہے اس سے حملہ کا کوئی اندیشہ نہیں جب بکریوں کے ساتھ کوئی شخص گزارہ کرے اور ایک عرصہ تک چرائے تو اس کے لئے عوام الناس سے خطاب کرنے اور ان کے ساتھ نباہنے اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں انہیں برداشت کرنے کی عادت بن جاتی ہے اس لئے حکمت کا تقاضا ہوا کہ ہر نبی بکریاں چرائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔ جس کی مزدوری چند قیراط تھی (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۱)

قیراط اس زمانہ میں چاندی کے ایک بہت چھوٹے سے ٹکڑے کو کہا جاتا تھا جس کی مقدار پانچ جو کے برابر ہوتی تھی اس کے ذریعہ لین دین ہوتا تھا اور مزدور کو مزدوری میں بھی دیا جاتا تھا۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی لاٹھی کے بارے میں کہیں حیۃ اور کہیں جَانٌّ اور کہیں ثُعْبَانٌ کا لفظ آیا ہے۔ ثُعْبَان بڑے اژدھے کو اور جان پتلے اور چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے اور حَیَّۃٌ عام ہے یہاں بعض مفسرین کو اشکال ہوا کہ ایک ہی چیز کو تین طرح جو تعبیر فرمایا اس سے تعارض کا ابہام ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ثُعْبَان کا لفظ صرف اس موقع پر آیا ہے جب پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے اور اسے ید بیضاء دکھایا

پھر اپنی عصاء کو ڈال دیا تو وہ ثعبان بن گیا۔ اس موقع کے علاوہ یہ لفظ کسی جگہ استعمال نہیں ہوا۔ وادی طویٰ پر جب عصاء ڈالنے کے لئے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوا اور اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصاء ڈال دی سورہ طہٰ میں یہ ہے کہ وہ حیۃ بن گئی اور سورہ قصص اور سورہ نمل میں ہے کہ وہ جان بن گئی اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لفظ حیۃ ہر چھوٹے بڑے سانپ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اب رہا جادوگروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی عصا کو ڈالا وہاں تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی۔ وہ جادوگروں کی بنائی ہوئی چیزوں کو لقمہ بنانے لگی سورۃ اعراف اور سورہ طہٰ اور سورہ شعراء میں تینوں جگہ یہی ہے ان مواقع میں حَیَّۃٌ یا ثُعْبَان یا جَانّ میں سے کوئی لفظ نہیں لہٰذا کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض جب ہوتا جبکہ ایک ہی جگہ میں ثعبان اور جان دونوں کا ذکر ہوتا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿۲۷﴾
موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا سینہ کھول دیجئے اور میرے لئے کام کو آسان فرمائیے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ وہ لوگ میری بات کو سمجھیں
يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿۲۸﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿۲۹﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿۳۱﴾
اور میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیر بنا دیجئے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دیجئے
وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿۳۳﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿۳۴﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿۳۵﴾
اور انہیں میرے کام میں شریک کر دیجئے تاکہ ہم کثرت سے آپ کی پاکی بیان کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ بلاشبہ آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں۔
قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾
فرمایا اے موسیٰ تمہاری درخواست منظور کر لی گئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر اور طلاقت لسان کے لئے دعا کرنا اور اپنے بھائی ہارون کو شریک کار بنانے کی درخواست کرنا اور دعا کا قبول ہونا

تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر اور دو بڑی بڑی نشانیاں (عصا اور ید بیضاء) عطا فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب جس کام کا حکم فرمایا ہے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیجئے اور میرے کام کو آسان فرمائیے۔ شرح صدر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا) جب شرح صدر ہوتا ہے تبھی کام

کرنے کی ہمت ہوتی ہے اور کام آگے بڑھتا ہے شرح صدر کی دعا میں حوصلہ ہمت کا بڑھنا بات کہنے پر قادر ہونا مخاطبوں سے نہ جھجکنا علی الاعلان بات کہنا بات کہنے کے طریقے منکشف ہونا علوم کا مستحضر ہونا اور علوم میں اضافہ ہونا اور علم کرنے کی صورتوں کا قلب پر وارد ہونا یہ سب کچھ آ جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ میری زبان میں جو گرہ ہے اسے کھول دیجئے تا کہ میرے مخاطب میری بات کو سمجھ لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زبان میں ان کی پیدائشی لکنت تھی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بچپن میں جب وہ فرعون کے ہاں اس کے محل میں رہتے تھے اس وقت انہوں نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی اس پر فرعون کو خیال ہوا کہ کہیں یہ لڑکا وہی تو نہیں ہے جس کے بارے میں پیشین گوئی کرنے والوں نے بتایا ہے کہ میری حکومت چلی جانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس پر جب اس نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو فرعون کی بیوی نے کہا یہ ناسمجھ بچہ ہے نادان ہے داڑھی پکڑنے سے اس طرح کا اثر لینا اور قتل کرنے کا ارادہ کرنا درست نہیں اس کی نادانی کی آزمائش کر لی جائے لہٰذا ان کے سامنے جواہر اور آگ کے انگارے رکھ دو پھر دیکھو کیا کرتا ہے جب دونوں چیزیں سامنے رکھ دی گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کا انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے زبان جل گئی زخم تو اچھا ہو گیا لیکن لکنت باقی رہ گئی اس لکنت کی وجہ سے انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ جو میرے مخاطب ہوں وہ میری بات سمجھ سکیں۔ بعض علماء تفسیر نے یہاں یہ نکتہ بتایا ہے کہ چونکہ انہوں نے یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ بھی دعا میں کہہ دیا تھا اس لئے پوری زبان کی لکنت زائل نہیں ہوئی کچھ باقی رہ گئی تھی۔ اسی لئے فرعون نے عیب لگاتے ہوئے یوں کہا تھا اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (کیا میں بہتر ہوں یا یہ بہتر ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا) چونکہ پوری طرح زبان کی گرہ زائل نہیں ہوئی اس میں کچھ لکنت باقی تھی۔ (اگرچہ بات سمجھانے کے بقدر بات کر لیتے تھے) اس لئے فرعون کو یہ بات کہنے کا موقع ملا تھا اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے عناداً ایسا کہا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی کہ اے میرے رب میرے کنبہ میں سے میرا ایک وزیر یعنی معاون بنا دیجئے پھر اس کی خود ہی تعیین کر دی اور عرض کیا کہ یہ معاون میرے بھائی ہارون ہوں ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دیجئے اور انہیں میرے کام میں شریک کر دیجئے یعنی انہیں بھی نبوت عطا فرما کر تبلیغ کا کام سپرد فرما دیجئے تا کہ میں اور وہ دونوں مل کر نبوت کا کار مفوضہ انجام دیں۔

سورہ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا معاون بنانے کے لئے یوں دعا کی وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے سو آپ ان کو میرے ساتھ رسالت سپرد کر دیجئے۔ جو میرے مددگار ہوں اور میری تصدیق کریں بیشک مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں) اس کے بعد سورۃ قصص میں دعا قبول فرمانے کا ذکر ہے

ارشاد ہے۔ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ وَنَجْعَلُ لَکُمَا سُلْطَانًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْکُمَا بِاٰیٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَکُمَا الْغَالِبُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کے لئے ایک شوکت عطا کر دیں گے لہٰذا ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی۔ تم ہمارے معجزوں کو لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کرے گا غالب ہوگے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے معاون ہونے کی دعا کرنے کے ساتھ یوں بھی عرض کیا۔ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا (ہم کثرت سے آپ کی پاکی بیان کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں) اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ و دعوت کے کام میں ذکر اور تسبیح میں مشغول رہنے کی خاص اہمیت ہے۔ ہر ایک ذکر میں مشغول ہوگا تو ایک دوسرے کے لئے یاد دلانے کا ذریعہ بنے گا اور اللہ کے ذکر سے دل کو تقویت بھی پہنچے گی۔

دعا کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا (کہ اے میرے رب بلاشبہ آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں) ہماری حاجت کا بھی آپ کو پتہ ہے اور جو کچھ فرعون کے ساتھ گذرے گی اس کا بھی آپ کو علم ہے بس ہمیشہ ہماری مدد فرمائیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ تمام دعائیں قبول ہوئیں جیسا کہ ارشاد فرمایا قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تمہاری درخواست قبول کر لی گئی) دعائیں کر کے اور دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری پا کر وادی مقدس سے روانہ ہوئے اور مصر پہنچ کر آپ نے حضرت ہارونؑ کو ساتھ لیا اور فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے پہنچ گئے جیسا کہ چند آیات کے بعد اسی رکوع میں آ رہا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بچپن والی تربیت کا پھر ان کے مدین جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّۃً اُخْرٰٓی ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی

اور اے موسیٰ ہم نے تم پر ایک مرتبہ اور بھی احسان کیا جبکہ ہم نے تمہاری والدہ کے دل میں وہ بات ڈالی جو انہیں بتائی جارہی تھی۔ وہ یہ کہ تم اسے ایک

التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ

صندوق میں رکھ دو پھر اس صندوق کو سمندر میں ڈال دو پھر سمندر اسے کنارے پر ڈال دے گا۔ اس وقت اسے وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی اور میں نے

عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی

تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئی پھر وہ کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسا خاندان نہ بتادوں جو اس کی پرورش کا

مَنْ یَّکْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰکَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰکَ

ذمہ دار ہو جائے۔ پھر ہم نے تمہیں تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تم نے ایک جان کو

مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى

قتل کر دیا تھا پھر ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں محنتوں میں ڈالا پھر تم اہل مدین میں کئی سال رہے پھر تم

قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝

اے موسیٰ ایک خاص وقت پر چلے آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں تابوت میں ڈال کر بہا دیا جانا پھر فرعون کے گھر والوں کا اٹھالینا' اور فرعون کے محل میں ان کی تربیت ہونا

تفسیر: چونکہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بنی اسرائیل پر بہت ظلم کرتے تھے اس لئے انہیں مصر سے چلے جانے کی ضرورت تھی لیکن فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ انہیں وہاں سے جانے دیں۔ پھر مزید بات یہ ہوئی کہ کاہنوں نے فرعون کو یہ بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے زوال کا ذریعہ بنے گا لہٰذا اس نے یہ کام شروع کر دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اسے قتل کر دیتا تھا اور جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اسے زندہ رہنے دیتا تھا' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ بڑی گھبرائیں اور انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں میرے لڑکے کو بھی قتل نہ کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور تم نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا ہم اسے تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اسے پیغمبر بنا دیں گے۔ (کما فی سورۃ القصص اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ) انہوں نے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا' بچہ صندوق میں تھا اور صندوق پانی میں بہہ رہا تھا۔ دریا نے اس صندوق کو ایک کنارہ پر لگا دیا وہیں فرعون کا محل تھا اس کے گھر والوں نے دیکھا کہ کنارہ پر ایک صندوق موجود ہے اس کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے۔ یہ وہی بچہ تھا جو فرعون کا دشمن اور فرعون کے لئے مصیبت بننے والا تھا۔ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ (اس بچہ کو وہ شخص لے لے گا جو میرا دشمن ہے اور اس بچہ کا بھی دشمن ہے) اور سورۃ قصص میں فرمایا فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (سو اس بچہ کو فرعون کے لوگوں نے اٹھا لیا تا کہ ان کے لئے دشمن بنے اور غم کا باعث ہو جائے) فرعون کو احساس ہوا کہ یہ بچہ کہیں وہی نہ ہو جو میری حکومت کے زوال کا باعث بن جائے لہٰذا اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (مشہور ہے کہ فرعون لاولد تھا) اس کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کر۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں نفع پہنچا دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں گے۔ اسی طرح مشورہ ہوا اور انہیں انجام کی خبر نہ تھی۔

(کما فی سورۃ القصص وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ

نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی جو شخص بھی انہیں دیکھتا گود میں لیتا اسے ان پر پیار آتا تھا اور اس پیار کی وجہ سے فرعون نے بھی اپنی بیوی کی بات مان لی کہ اسے بیٹا بنالیں گے اور اس بات کا امکان ہوتے ہوئے کہ ممکن ہے یہ بنی اسرائیل ہی میں کا لڑکا ہو قتل کرنے سے باز رہا۔ اسی کو فرمایا وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ ادھر تو بچہ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا اور اس بچہ کے پالنے اور بیٹا بنانے کے مشورے ہو گئے اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بہت بیقراری ہو گئی قریب تھا کہ اس بے قراری میں بات ظاہر کر دیتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط رکھا انہوں نے ضبط وتحمل سے کام لیا اور ساتھ ہی یہ سوچا کہ پتہ تو چلانا چاہئے کہ بچہ کہاں پہنچا؟ لہٰذا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ جدھر کو بچہ گیا ہے ادھر کو چلی جا اور بچے کا سراغ لگاؤ' اس لڑکی نے حضرت موسیٰ کو دور سے دیکھ لیا اور پتہ چل گیا کہ بچہ خیریت سے ہے اور شاہی محل میں ہے' لیکن آل فرعون کو اس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ اس کی بہن اسے دیکھ رہی ہے (کمافی سورۃ القصص وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ)۔

آل فرعون نے بچہ کی پرورش کا فیصلہ تو کر لیا لیکن اب دودھ پلانے والی کی تلاش ہوئی' جو بھی عورت اس کام کے لئے بلائی جاتی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ لینے سے انکار کر دیتے' وہ جوان کی بہن دور سے دیکھ رہی تھی اس نے کہا کہ میں تمہیں ایسا گھرانہ بتا دیتی ہوں جو اس کو دودھ بھی پلائے اور اس کی اچھی طرح پرورش بھی کرے اور اس کی خیر خواہی میں لگا رہے فرعون کے گھر والوں کو تو دودھ پلانے والی عورت کی ضرورت ہی تھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا اچھا تم جس عورت کو مناسب حال سمجھ رہی ہو اس کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے گھر گئیں اور اپنی والدہ کو (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی والدہ تھیں) بلا کر لے آئیں۔ جب انہوں نے بچہ کو گود میں لیا اور دودھ پلانے لگیں تو بڑی خوشی کے ساتھ اپنی ماں سے چمٹ کر انہوں نے دودھ پی لیا فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ اچھا بی بی تم اس بچہ کو لے جاؤ۔ تم ہی اس کی پرورش کرو اور اس خدمت کے عوض ہمارے ہاں سے وظیفہ بھی ملتا رہے گا۔ چنانچہ وہ اپنے بچہ کو گھر لے آئیں اسی کو فرمایا سورہ طٰہٰ میں اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ (جب تمہاری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتا دوں جو اس کی کفالت کرے' پھر ہم نے تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو)

اور سورہ قصص میں فرمایا: وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ یعنی ان کی بہن کہنے لگیں کیا میں تم

لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچایا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ وہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور کفالت کی صورتحال بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور انعام یاد دلایا اور فرمایا وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا (اور تو نے ایک جان کو قتل کر دیا سو ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور تمہیں محنتوں میں ڈالا) اس کا تفصیلی واقعہ سورہ قصص میں مذکور ہے۔ اجمالی طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو باہر نکلتے اور بازاروں میں دوسرے انسانوں کی طرح چلتے پھرتے تھے اور انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں فرعون کا بیٹا نہیں ہوں بنی اسرائیل میں سے ہوں اور مجھے جس نے دودھ پلایا ہے وہ میری والدہ ہی ہے۔ ان کی قوم پر آل فرعون کی طرف سے جو مظالم ہوتے تھے انہیں بھی دیکھتے رہتے تھے۔ ایک دن یہ ہوا کہ باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک شخص بنی اسرائیل میں سے اور ایک شخص قوم فرعون میں سے لڑ رہے ہیں۔ ان کی قوم کے آدمی نے ان سے مدد مانگی لہٰذا انہوں نے فرعون کی قوم کے آدمی کو ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ گھونسہ لگنا تھا کہ یہ شخص وہیں ڈھیر ہو گیا' یہ بات تو مشہور ہو گئی کہ فرعون کی قوم کے ایک آدمی کو کسی نے قتل کر دیا ہے' لیکن یہ پتہ نہ چلا کہ مارنے والا کون ہے؟ اگلے دن پھر ایسا واقعہ پیش آیا کہ ان کی قوم کا وہی شخص جس نے کل مدد چاہی تھی آج پھر کسی سے لڑ رہا تھا یہ دوسرا شخص قبطی یعنی قوم فرعون کا تھا' اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پھر مدد مانگی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑ کر ماریں جو قوم فرعون سے تھا اور جس کے مقابلہ میں اسرائیلی شخص مدد طلب کر رہا تھا' ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اسرائیلی یہ سمجھا کہ مجھے مار رہے ہیں' وہ کہنے لگا کہ آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ اسرائیلی کی زبان سے یہ کلمہ نکلا اور فرعونی کے کان میں پڑ گیا اس نے فرعون کو خبر پہنچا دی لہٰذا وہ بہت برہم ہوا اور اب یہ مشورے ہونے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ اب فرعون کے اہلکار موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ اے موسیٰ فرعونی لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تا کہ تمہیں قتل کر دیں لہٰذا تم ان کی سرزمین سے نکل جاؤ' یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ہوئے وہاں سے نکلے اور مدین چلے گئے اور مدین تک پہنچنے میں اور وہاں رہنے میں بہت سی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہاں چند سال رہے اس کے بعد واپس مصر آئے اور راستے میں نبوت سے سرفراز ہوئے یہ جو فرمایا وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْ أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يَّا مُوْسٰى اس میں اسی تفصیل کا اجمال ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ

اور میں نے تمہیں اپنے لئے منتخب کر لیا تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ بے شک وہ

اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا

سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے پھر تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہمیں

نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ

اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرنے پر اتر آئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں مت ڈرو بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ

سو تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور تو انہیں تکلیفیں نہ دے۔ ہم تیرے پاس

مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى

تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ بلاشبہ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہے

مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

جو جھٹلائے اور روگردانی کرے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ فرعون کے پاس جاؤ‘ میرے ذکر میں سستی نہ کرنا‘ اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلائے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اپنے لئے چن لیا ہے۔ یہ دوسری مرتبہ ہے اس سے پہلے وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى میں یہ بات گذر چکی ہے۔ انتخاب کا تذکرہ فرمانے میں بھی امتنان ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ان میں سے ایک قبیلہ کے ایک ہی شخص کو چن لینا اور نبوت سے سرفراز فرمانا یہ انعام خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انتخاب فرما لینا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی تکلیف کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ مزید ارشاد ہوا کہ تم دونوں بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ فرعون کے پاس پہنچو اور میرے ذکر میں برابر لگے رہنا اس میں

سستی نہ کرنا' فرعون سرکش بنا ہوا ہے اس سے جا کر نرمی سے بات کرنا ہو سکتا ہے کہ تمہاری یہ نرمی اس کے لئے نصیحت قبول کرنے کا ذریعہ بن جائے یا وہ اپنے رب سے ڈر جائے اور اپنی سرکشی سے توبہ کر لے اور رب حقیقی کا فرمانبردار ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ دعوت کے کام میں ذکر اور صبر اور نرم گفتاری کی بڑی اہمیت ہے یہ چیزیں قبول حق کے لئے مفید اور معاون ہوتی ہیں کوئی ضدی معاند اور سرکش نہ مانے تو یہ دوسری بات ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم کار مفوضہ کے لئے فرعون کے پاس جا تو رہے ہیں لیکن ہمیں یہ ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے اور زیادتی میں آگے بڑھتا چلا جائے' اس پر اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ تم ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو جو طرح طرح سے تکلیفیں دیتا ہے اس سے باز آ' نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہہ دینا کہ ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں (یہ نشانی عصاء اور ید بیضاء دونوں چیزیں تھیں) سورۃ اعراف اور سورۃ شعراء میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے یہی دو نشانیاں ظاہر کیں' اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ بھی فرمایا کہ بات کرتے کرتے وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی بھی کہہ دینا۔ (یعنی اس پر سلام ہے جو ہدایت کا اتباع کرے) اس میں فرعون کو یہ بتا دیا کہ ہم وہ ہدایت لائے ہیں کہ جو شخص اس کا اتباع کرے گا دنیا اور آخرت میں سلامتی کے ساتھ رہے گا پھر وعید اور انذار کے طور پر فرمایا اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی (کہ بلاشبہ ہماری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جو شخص جھٹلائے گا اور روگردانی کرے گا اس پر عذاب ہو گا) معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی کو تبشیر اور انذار دونوں چیزیں اختیار کرنی چاہئیں' اور یہ جو فرمایا وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی یہ اس لئے کہ کافروں کو سلام کرنا جائز نہیں۔ کافروں سے خطاب کرے یا خط لکھے تو السلام علیکم نہ کہے بلکہ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہرقل شاہ روم کو خط لکھا تھا تو اس خط میں سلام علی من اتبع الھدی (لکھ کر اسلام کی دعوت پیش کی تھی) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵)

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرعون کی طرف بھیجا تھا اس میں فرعون اور اس کی قوم کو ہدایت کرنا اور توحید کی دعوت دینا مقصود تھا اور ساتھ ہی یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے جائیں۔ سورۃ والنازعات میں فرمایا اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓی اَنْ تَزَكّٰی وَاَهْدِیَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی (تم فرعون کے پاس چلے جاؤ بے شک اس نے سرکشی کی ہے پھر اس سے کہو کیا تجھے اس کی خواہش ہے کہ تو پاکیزہ ہو جائے اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تا کہ تو ڈرنے لگے)

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا

فرعون نے کہا تو تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ! موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر راہ بتائی۔ فرعون نے کہا

بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

تو پرانی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنا دیئے اور اس نے آسمان سے پانی اتارا

فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف قسم کے نباتات پیدا کئے۔ کھاؤ اور مویشیوں کو چراؤ بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں

لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

ہیں، اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری بار نکالیں گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے ہدایت دی اور خالق کائنات جل مجدہ پر ایمان لانے کے لئے فرمایا تو اس نے بے تکی باتیں شروع کر دیں اور طرح طرح کے سوال کرتا رہا' ان میں سے بعض سوال یہاں سورہ طٰہٰ میں اور بعض سورہ شعراء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں' فرعون تو اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اس نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا اعلان کیا تھا اب جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف ہدایت دیتا ہوں تجھے اس کی رغبت ہے تو قبول کر لے اس پر فرعون کو ناگواری ہونی ہی تھی بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتا دیا کہ جو تیرا رب ہے اسے مان اور اس کی ہدایت قبول کر' اس پر اس نے سوال کیا کہ تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جو میرے علاوہ کوئی دوسرا رب بتا رہے ہو وہ کون ہے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی یعنی ساری مخلوق اسی کی ہے اور ہر مخلوق کو اس نے جس صورت میں اور جس حالت میں پیدا فرمایا ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے ساری تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس نے جس کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ ہر چیز کو اس کے اعضاء اور جوارح اس کے لائق عطا فرمائے اور اسی کے حال کے مطابق سمجھ بھی دی اور مخلوقات کو ان کے خواص اور منافع بنائے۔ کسی مخلوق کو اس میں کوئی دخل نہیں ثُمَّ هَدٰى اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا بھی فرمایا پھر ہر چیز کو راہ بھی بتائی۔ یعنی ہر مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق سمجھ دی' ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے مطابق جیتی ہے اور اپنے منافع اور مضار کو سمجھتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر ارشاد العقل السلیم سے نقل کی ہے۔ وقال ثم هدى الى طريق الانتفاع والارتفاق بما اعطاء وعرفه كيف يتوصل الى

بقائه و كماله اما اختيار ا كما فى الحيوانات او طبعا كما فى الجمادات و القوى الطبيعية النباتية والحيوانية (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پھر جو کچھ انہیں عطا کیا ہے اس سے نفع اٹھانے اور انہیں استعمال کرنے کا طریقہ بتلایا اور اسے یہ سمجھایا کہ وہ اپنے بقاء اور کمال تک کیسے پہنچ سکتا ہے یا تو اختیاری طور پر جیسے حیوانات میں یا طبعی طور پر جیسے جمادات اور تمام نباتیاتی اور حیوانی قویٰ میں) (ج۱۶ص۲۰۲)

یہ مضمون بہت بڑا بھی ہے اور عجیب بھی جتنا جتنا غور کیا جائے اور مخلوق میں نظر کی جائے اس قدر ذہن میں اس کا پھیلاؤ بڑھتا چلا جائے گا۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو منہ میں پستان دیا جاتا ہے فوراً ہونٹ ہلاتا ہے مرغی کا بچہ پیدا ہوا دانہ ڈالا اس پر دوڑا۔ آدمی کے بچہ نے ذرا سا ہوش سنبھالا ہاتھ سے کھانا شروع کیا چوپایوں نے بچہ جنا اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں اس کی ماں مشغول ہوگئی بچہ ماں کے تھنوں کے پاس گیا اور تھنوں کو چوسنا شروع کر دیا چونکہ جانوروں کا کھانے پینے کا سارا کام منہ سے ہی ہوتا ہے اس لئے ہاتھ کے واسطہ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے انہیں ایسے ہاتھ نہیں دیئے گئے جو منہ تک پہنچیں انہیں استنجے کی بھی ضرورت نہیں اس لئے بھی ہاتھ کی ضرورت نہیں انسان کو بہت سے کام ہیں بڑے بڑے کام ہیں لہٰذا اسے ہاتھ دے دیئے گئے مکڑی جالا بنا کر مکھی کو مار کر کھاتی ہے۔ اور چھپکلی روشنی کے پاس آکر پتنگوں کو شکار کرتی ہے۔ اور دیوار پر بلکہ چھت میں الٹی لٹک کر دوڑ جاتی ہے۔ بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اسے چاٹ چاٹ کر اس کے بدن کی اصلاح کرتی ہے۔ مرغی انڈوں پر بیٹھتی ہے اور بچے نکلنے تک بیٹھی رہتی ہے بلی چوہا کھاتی ہے۔ بچھو پر منہ نہیں ڈالتی اور اس طرح کی ہزاروں مثالیں ہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اسے جینے کے طریقے بتائے۔ اور اس کی ذات کے متعلق نفع اور ضرر سمجھا دیا۔ ثُمَّ هَدٰى کی جو تفسیر اوپر ذکر کی گئی اس کے علاوہ دوسری تفسیر بھی کی گئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا پھر انہیں ہدایت دی یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل فرمائیں اور مخلوق ہی کو مخلوق کے ذریعہ خالق تعالیٰ شانہ کی معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ بنایا۔

اس کے بعد فرعون نے کہا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى اچھا یہ بتاؤ کہ قرون اولیٰ یعنی پرانی امتیں اور گذری ہوئی جماعتیں جو دنیا سے جا چکی ہیں ان کا کیا حال ہے؟ یعنی ہلاکت اور موت کے بعد ان کا کیا ہوا وہ کس حال میں ہیں؟ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ کس حال میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں سب کے حالات محفوظ ہیں لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى میرا رب نہ خطا کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ سب کے احوال اور اعمال کا اسے علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق سب کو جزا دے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفات بتاتے ہوئے یوں بھی فرمایا اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا کہ میرے رب کی وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش یعنی بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے نکال دیئے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اس نے آسمان سے پانی اتارا) اس سارے بیان میں توحید کی تلقین بھی ہے اور فرعون پر تعریض بھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اسے بتا دیا کہ تو رب نہیں ہو سکتا۔ تیرے بس کا کچھ نہیں۔ یہ زمین جو پھیلی ہوئی ہے اور اس میں جو راستے

نکلے ہوئے ہیں اور یہ جو آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے تیرا اس میں کچھ بھی دخل نہیں' یہ مالک حقیقی جل مجدہ کی تخلیق ہے' جب تو پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس وقت سے زمین ہے اور زمین میں راستے ہیں اور آسمان سے پانی اترتا ہے پہلے بھی نازل ہوتا تھا اور اب بھی' تیرا اس میں کوئی بھی دخل نہیں۔ تیرا مخلوق ہونا تو اسی سے ظاہر ہے تیرا رب ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى موسیٰ علیہ السلام کا بیان ختم ہوا ان کی بات وہیں تک تھی کہ میرے رب نے آسمان سے پانی اتارا پھر اللہ تعالیٰ نے مزید اپنا انعام بیان فرمایا کہ اس پانی کے ذریعہ ہم نے مختلف قسم کے نباتات پیدا کر دیئے جن کے رنگ اور مزے اور منافع مختلف ہیں۔ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ان نباتات میں سے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى بلاشبہ ان میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے نُھی نھیۃ کی جمع ہے جو عقل کے معنی میں آتا ہے عقل کو نھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے' معلوم ہوا کہ جو عقل برائیوں سے نہ روکے وہ عقل نہیں ہے اگر چہ لوگ اسے عقل سمجھتے ہوں۔ خود لفظ عقل بھی اس معنی پر دلالت ہے عقل لغت میں باندھنے کو کہا جاتا ہے اور عقل صاحب عقل کو باندھ کر رکھتی ہے۔ برائیوں سے باز رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ (اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری بار نکالیں گے) زمین سے انسان کا جو اصل تعلق ہے اس آیت میں اسکو بیان فرما دیا' انسان کی تخلیق بھی مٹی سے ہے اور موت کے بعد بھی ہر شخص اسی میں چلا جاتا ہے سورۃ المرسلات میں فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا (کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو جمع کرنے والی نہیں بنائی) پھر جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص اسی میں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ

اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں سو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا' وہ کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے ذریعہ ہماری سرزمین

یٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ

سے نکال دے' سو ہم بھی تیرے مقابلہ میں اسی جیسا جادو لے آئیں گے' سو تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کردے نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے

وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى

اور نہ تو اس غرض کے لئے ایک ہموار میدان مقرر کردے' موسیٰ نے کہا کہ تم سے زینت کے دن کا وعدہ ہے اور یہ بات بھی ہے کہ لوگ ایسے وقت میں جمع ہوں جب دن چڑھ جائے' اس کے بعد

فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

فرعون واپس ہوا پھر اس نے اپنے مکر کا سامان جمع کیا پھر وہ آ گیا' موسیٰ نے ان سے کہا ہلاکت ہے تمہارے لئے اللہ پر جھوٹ افتراء مت کرو ورنہ وہ تمہیں ایسا

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا

عذاب دے گا کہ تمہیں بالکل ہی ختم کر دے گا اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی رہتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی اپنی رائے میں اختلاف کیا اور چپکے چپکے

النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

مشورہ کرتے رہے کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

طریقے ختم کر دیں۔ لہٰذا اب تم سب اپنی تدبیر کا انتظام کرو پھر صف بنا کر آ جاؤ اور جو غالب ہو آج وہی کامیاب ہو گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو فرعون کا جادو بتانا اور جادوگروں سے مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ مقرر ہونا

تفسیر: فرعون ملعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اور اپنے بھائی کا تعارف کرا دیا اور یہ بتا دیا کہ ہمیں ہمارے رب نے تیری طرف بھیجا ہے اور رب جل شانہٗ کی صفت خالقیت بھی بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اس نے سب کی رہنمائی فرمائی ہے اور وہ نہ خطا کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اور یہ زمین کا فرش اسی نے بنایا اور آسمان سے وہی پانی اتارتا ہے اور فرعون کو چمکتا ہوا ید بیضاء بھی دکھا دیا نیز اس کے سامنے لاٹھی کو ڈالا۔

اور اژدھا بن گئی تو خالق کائنات جل مجدہ کی خالقیت اور ربوبیت اور الوہیت کا اقرار کرنے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی رسالت پر ایمان لانے کے بجائے الٹی الٹی باتیں کرنے لگا' معجزات دیکھے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کی دعوت کو ماننے سے انکار کر دیا اور یوں کہا کہ تو جو یہ لکڑی کا سانپ بنا کر دکھاتا ہے یہ جادو ہے فرعون نے یہ بھی کہا کہ تیرا نبوت کا دعویٰ جھوٹا ہے اور تیرا اصل مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ ہم کو ہماری سرزمین سے نکال دئے یہ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اور پھر اپنی جماعت سے بھی کہا کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس کے درباریوں نے کہا کہ اپنی قلمرو کے تمام شہروں میں آدمی بھیج دے جتنے بھی جادوگر ہیں سب کو بلا لائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون نے کہہ دیا کہ تیرے مقابلہ کے لئے ہم بھی تیرے جیسا جادو لے کر آئیں گے۔ لہٰذا مقابلہ کا دن اور میدان مقرر کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موقع کو مناسب جانا اور فرما دیا کہ ہمارا تمہارا مقابلہ زینت کے دن ہو گا۔ (اس سے ان لوگوں کا کوئی تہوار یا میلہ کا دن مراد تھا) اور ساتھ ہی وقت بھی مقرر فرما دیا اور وہ یہ کہ سورج چڑھے مقابلہ ہو گا اور یہ ایک ہموار میدان میں ہونا چاہئے۔ چونکہ میلہ کے دن لوگ یوں بھی جمع ہوتے ہیں اور شہر سے باہر نکلتے ہیں اور پھر جب یہ بات مشہور ہو گئی کہ جادوگروں سے دو ایسے شخصوں کا مقابلہ ہو گا جو یہ کہہ رہے ہیں

ہم پروردگار جل مجدہ کے فرستادہ ہیں۔ تو تاریخ مقررہ پر لوگ جمع ہو گئے اور مقابلہ ہوا جس میں جادوگروں نے اپنی ہار مان لی اور سجدہ میں گر پڑے اور ایمان لے آئے۔ (جیسا کہ ابھی دو صفحہ کے بعد آتا ہے اور سورہ اعراف میں بھی گذر چکا ہے)

ابھی مقابلہ کا دن نہیں آیا تھا لیکن فرعون اپنی تدبیروں میں لگ گیا وہ اور اس کے درباری آپس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف باتیں کرتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی مکاریوں کا پتہ چل گیا اور ان سے فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو تم اللہ پر افتراء مت کرو اس کے نبیوں کو نہ جھٹلاؤ اور اس کے معجزات کو جادو نہ بناؤ یہ تمہارا عمل تمہاری بربادی کا پیش خیمہ ہوگا وہ تمہیں ایسا عذاب دے گا کہ صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا اور تمہیں بالکل نیست و نابود کر دے گا۔ اور جب کبھی بھی جس کسی نے جھوٹا افتراء کیا ہے وہ ناکام ہی ہوا ہے' جادوگر آئے ابھی مقابلہ کے میدان میں نہیں پہنچے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر مقابلہ میں آنے سے ڈھیلے پڑ گئے اور آپس میں یوں کہنے لگے کہ اگر موسیٰ غالب آ گئے تو ہم ضرور ان کا اتباع کر لیں گے۔ اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات سنی کہ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر کی بات معلوم نہیں ہوتی اور انہوں نے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن فرعون نے زبردستی ان سے مقابلہ کرایا جس کا انشاء اللہ ابھی ذکر آئے گا۔ کچھ تو فرعون کا ڈر تھا اور کچھ فرعون کا مقرب بننے کا لالچ اس لئے جو فرعون اور اس کے درباری کہتے تھے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ہمیں اس سرزمین سے نکالنے کے لئے آئے ہیں جادوگر بھی ظاہر میں یہ بات کہنے لگے اور انہوں نے کہا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۔ یہ دونوں جادوگر یہی چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دیں اور تمہارا جو عمدہ طریقہ ہے یعنی تمہارا مذہب اور دین وہ تم سے چھڑا دیں۔ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا (سو تم اپنی تدبیر کو اچھی طرح جمع کر لو پھر صف بنا کر آ جاؤ) وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (اور وہ کامیاب ہوا جس نے آج غلبہ پا لیا) اللہ تعالیٰ نے انہیں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کا غلبہ ہوگا وہی کامیاب ہوگا۔

هذا كله على تقدير رجوع الضمائر الى السحرة كما فسر بذلك غير واحد والذى يميل اليه القلب ان هذا كله من كلام ملاء فرعون والله تعالىٰ اعلم (یہ سب اس صورت پر ہے کہ تمام ضمیریں جادوگروں کی طرف لوٹتی ہوں جیسا کہ کئی سارے مفسرین نے وضاحت کی ہے اور دل اس طرف جاتا ہے کہ یہ سب فرعون کے سرداروں کا کلام ہے۔ واللہ اعلم)

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست ہر شخص اپنی سمجھ ہی کے مطابق سوچتا ہے چونکہ فرعون اور اس کے درباری اور اس کی قوم کے لوگ دنیادار تھے اس لئے انہیں یہی فکر ہوا کہ کہیں ہم مصر کی سرزمین سے نہ نکال دیئے جائیں۔ جن لوگوں کو آخرت کا یقین نہیں ہوتا وہ سب کچھ دنیا ہی کو سمجھتے ہیں اور اسی کے چلے جانے کا واویلا کرتے ہیں۔ آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس کسی کو جہاں کہیں کوئی اقتدار مل جائے اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ میرا اقتدار نہ چھن جائے۔ اقتدار کو باقی رکھنے کے لئے لوگوں کو قتل بھی کراتے ہیں۔ جھوٹ بھی

بولتے ہیں بیانات سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود کفریہ کلمات بھی بول دیتے ہیں پارلیمنٹ میں حرام چیزوں کو حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام کو راضی رکھنے کا جذبہ ان سے سب کچھ کروالیتا ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا
کہنے لگے کہ اے موسیٰ یا تم پہلے ڈالو اور یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو
فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ
پس یکا یک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسا کہ وہ دوڑ رہی ہیں، سو موسیٰ نے اپنے دل میں تھوڑا سا
خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا
خوف محسوس کیا ہم نے کہا کہ تم مت ڈرو بلاشبہ تم ہی بلند رہو گے۔ اور ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے وہ اس سب کو چٹ کر دے گا
اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا
جو کچھ انہوں نے بنایا ہے انہوں نے صرف جادوگروں والا مکر کیا ہے اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا سو جادوگر سجدہ میں گرا دیئے گئے کہنے لگے
اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾
کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگروں کا آنا، پھر ہار مان کر ایمان قبول کر لینا اور سجدہ میں گر پڑنا

تفسیر: فرعون نے اپنی حدود مملکت سے جادوگروں کو جمع کیا۔ دنیادار کے سامنے دنیا ہی ہوتی ہے اسی کے لئے سوچتا ہے اسی کے لئے جیتا ہے اسی کے لئے مرتا ہے۔ جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں اس پر کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا بڑا صلہ بھی ملے گا اور تم میرے مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے، پھر جب موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ اور طور طریق کو سمجھا تو ان کی سچائی دل میں بیٹھ گئی اور چاہتے تھے کہ مقابلہ نہ کریں۔ لیکن فرعون نے زبردستی ان کو میدان میں اتارا اور مقابلہ کرایا۔ جب وہ میدان میں آئے تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ پہلے اپنا عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے مناسب جانا کہ انہیں کو پہلے ڈالنے کے لئے کہا جائے اس لئے فرمایا کہ تم ڈال دو کیا ڈالتے ہو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ ہم ضرور غالب ہوں گے۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لوگوں کو خوف زدہ بنا لیا اور بڑا جادو لے کر آئے ان کے

جادو کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں ڈالی ہیں وہ دوڑتے ہوئے سانپ ہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ ماجرا دیکھا تو ذرا سا اپنے دل میں خوف محسوس کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی وہ سانپ بن گئی اور اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے سارے دھندے کو نگلنا شروع کر دیا۔ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی جو فرمادیا تھا اس کا مظاہرہ ہوا جادوگر جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ معجزہ کے مقابلہ میں آئے تو کامیاب نہیں ہوتا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی یہ بھی فرمایا دیا تھا مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ (تم جو کچھ لے کر آئے وہ جادو ہے) اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے عنقریب باطل فرمادے گا) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو کامیاب نہیں بننے دیتا)

اب جو جادوگروں نے یہ دیکھا کہ اس شخص کا مقابلہ ہمارے بس کا نہیں ہے۔ اور یہ جادوگر نہیں ہے۔ (پہلے تو باتوں سے سمجھ لیا تھا اور اب عملی طور پر آزمالیا) تو اسی وقت سجدہ میں گر پڑے اور علی الاعلان انہوں نے مومن ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور کہنے لگے کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى (ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے) اس میں خَرُّوْا سُجَّدًا نہیں فرمایا بلکہ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایسے بے بس ہوئے کہ ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہ رہا ان کے جذبہ حق نے انہیں سجدہ میں جانے پر مجبور کر دیا ایسی فضاء بنی کہ انہیں اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ فرعون ہمارا کیا بنائے گا اس نے سزا دی تو ہمارا کیا ہوگا۔

جب حق دلوں میں اتر جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اس سے باز نہیں رکھ سکتی پرانی امتوں میں اور اس امت میں سینکڑوں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بڑے بڑے ظالموں اور قاہروں کے تکلیفیں دینے کے باوجود اہل ایمان ایمان سے نہ پھرے تکلیفیں جھیل گئے قتل ہو گئے لیکن ظالموں کے کہنے اور مجبور کرنے کے باوجود حق پر جمے رہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ

فرعون نے کہا کہ اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بلاشبہ وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے سو میں ضرور بالضرور اس طرح سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

دوں گا کہ ایک طرف کا ہاتھ ہوگا اور دوسری طرف کا پاؤں ہوگا اور ضرور بالضرور میں تمہیں کھجور کی ٹہنیوں میں لٹکادوں گا۔ جیسے صلیب پر لٹکا دیا جاتا ہے اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں کون سب سے

اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا

زیادہ سخت عذاب والا ہے اور کس کا عذاب زیادہ دیرپا ہے۔ جادوگر کہنے لگے کہ ہمارے پاس جو کھلے ہوئے دلائل آئے ہیں ان کے مقابلہ میں اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا

سو تو جو کچھ فیصلہ کرنے والا ہے وہ کر ڈال تو صرف اسی دنیا والی زندگی میں فیصلہ کرے گا بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تا کہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دے

وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ

اور تو نے جو ہم سے زبردستی جادو کرایا اس کو بھی معاف فرما دے اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ ہی باقی ہے۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا سو اس

لَهٗ جَهَنَّمَؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ

کے لئے جہنم ہے نہ اس میں مرے گا اور نہ جئے گا اور اس کے پاس جو شخص مومن ہو کر آئے گا جس نے نیک عمل کئے ہوں گے سو ان لوگوں

لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ وَذٰلِكَ

کے لئے بلند درجات ہیں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کی

جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

جزاء ہے جو پاک ہوا۔

جادوگروں کو فرعون کا دھمکی دینا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور کھجور کی ٹہنیوں پر لٹکا دوں گا' جادوگروں کا جواب دینا کہ تو جو چاہے کر لے ہم تو ایمان لے آئے

تفسیر: جب جادوگروں نے ہار مان لی اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لا کر سجدہ میں گر پڑے تو فرعون کو بڑی خفت ہوئی اور بھرے مجمع میں اسے ذلت اٹھانی پڑی گھسیانی بلی کھمبہ نوچے اور تو کچھ نہ بن سکا جادوگروں پر غصہ اتارا' گرجا چمکا اور کہنے لگا کہ تم کو ان پر ایمان لانے کے لئے مجھ سے اجازت لینا لازم تھا میری اجازت کے بغیر ہی تم ان پر ایمان لے آئے' بس سمجھ میں آ گیا کہ یہ تمہارا سردار ہے اسی نے تمہیں جادو سکھایا ہے تم سب نے مل کر آپس میں یہ ملی بھگت کی ہے کہ شہر کے رہنے والوں کو نکال دو (کمافی سورۃ الاعراف) تم چاہتے ہو کہ شہر والے چلے جائیں اور تمہیں لوگوں کا قبضہ ہو جائے یہ تو بہت بڑی بغاوت ہے میں تمہیں اس کا مزہ چکھا دوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر (جن میں ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں ہو گا) کھجور کے تنوں کو سولی بنا کر لٹکا دوں گا۔ اسی پر لٹکے رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ گے اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا اور سب سے زیادہ دیر پا عذاب والا کون ہے (فرعون کو چونکہ پہلے بتا دیا گیا تھا کہ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى جس میں اس بات کی توضیح کر دی گئی تھی کہ منکر اور روگردانی کرنے والا مستحق عذاب ہو گا اور اس کے عموم میں فرعون بھی آتا تھا بلکہ تعریضاً اسی کو خطاب کیا گیا تھا اس لئے اس نے یہ بات کہی کہ تم کہتے ہو میں عذاب میں مبتلا ہوں گا دیکھو ایک تمہاری جماعت ہے ایک ہماری جماعت ہے

سخت اور دیر پا عذاب میں کون مبتلا ہوتا ہے تمہیں اس کا پتہ چل جائے گا) بعض حضرات نے اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں کس کا عذاب سخت اور دیر پا ہے۔

جادوگروں کے دلوں میں ایمان بیٹھ چکا تھا جب فرعون نے انہیں ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی پر چڑھانے کی دھمکی دی تو انہوں نے نہایت صبر و استقامت کے ساتھ بلا تکلف یوں کہہ دیا لَا ضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (کچھ ضرر نہیں اس میں شک نہیں ہم اپنے رب کے پاس جا پہنچیں گے) یعنی قتل ہو جانے سے ہمارا کوئی نقصان نہ ہوگا اور ہمارا فائدہ ہی ہوگا جلد سے جلد اپنے رب کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اور ہمارے پاس جو کھلی کھلی دلیلیں آ گئیں ان دلیلوں کے مقابلہ میں اور اس ذات پاک کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دے سکتے تو ہمیں سزا دینا چاہتا ہے جو کچھ تو چاہے ہمارے بارے میں فیصلہ کر دے ہم ہر تکلیف کو سہنے کے لئے اور ہر مصیبت جھیلنے کے لئے تیار ہیں تیرا جو کچھ فیصلہ ہوگا اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ ہمیں تکلیف پہنچے گی وہ اسی تھوڑی سی دنیا والی تکلیف تک محدود رہے گی ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور تو نے جو کچھ زبردستی کر کے ہم سے جادو کرایا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف فرما دے، اللہ کو چھوڑ کر ہم تجھے کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ کے لئے باقی ہے اس کی ذات و صفات کے لئے کبھی بھی فنا نہیں۔ ہم تو اب اسی کے ہو گئے۔ دنیا کی کوئی تکلیف اور تعذیب ہمارا رخ نہیں موڑ سکتی، اللہ ہمارا رب ہے ہم اس کے بندے ہیں اسی سے ہر طرح کی امید رکھتے ہیں اور اسی سے ہر طرح کی لالچ رکھتے ہیں۔ سورۃ الشعراء میں ہے کہ جادوگروں نے کہا۔ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ کُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (بے شک ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف فرما دے اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہو گئے) اب تو ہمیں جو کچھ لینا ہے اللہ ہی سے لینا ہے اور ڈرنا بھی صرف اسی سے ہے تو نے جو انعام کی امید دلائی تھی ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ فرعون ملعون کفر سے توبہ کرنے والے جادوگروں کو اپنی دھمکی کے مطابق سزا دے سکا تھا یا نہیں۔ حافظ ابن کثیر کا رجحان یہ ہے کہ اس نے انہیں سولی پر لٹکایا اور عذاب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبید ابن عمیر کا قول ہے کہ یہ لوگ دن کے اول حصہ میں جادوگر تھے اور اسی دن کے آخری حصہ میں شہید تھے۔ والظاھر من هذه السياقات ان فرعون لعنه الله صلبهم وعذبهم قال عبدالله بن عباس وعبيد بن عمير كانوا من اول النهار سحرة فصار وا من آخره شهداء بررة ويؤيدهذا قولهم رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (ان تمام سیاقات سے یہی ظاہر ہے کہ فرعون لعنۃ اللہ علیہ نے انہیں سولی پر لٹکایا اور عذاب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عبید بن عمر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ صبح کو جادوگر تھے اور شام کو صالح و شہید بن گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ربنا افرغ عليه صبراً و توفنا مسلمين اسی کی تائید کرتا ہے) (البداية والنهاية ج ۱ ص ۲۵۸)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انه من يات ربه سے لے کر رکوع کے ختم تک جو کلام ہے یہ بھی جادوگروں ہی کا کلام ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے اس میں واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ رب جل شانہ

کے پاس جو شخص مجرم ہو کر آئے گا یعنی کافر ہو گا اس کے لئے جہنم ہے وہ اس کے عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور وہاں نہ مرے گا نہ جئے گا (نہ مرنا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ وہاں موت کبھی بھی نہیں آئے گی اور نہ جینا اس لئے فرمایا کہ وہاں کے عذاب شدید میں جینا کوئی جینا نہیں ہے جو سکھ اور آرام کا جینا ہو اسی کو جینا کہا جاتا ہے) اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام کئے ہوں گے سو ایسے بندوں کے لئے بلند درجات ہیں یعنی یہ حضرات ہمیشہ کے رہنے والے باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا یہ اعلان عام ہے کفر و شرک سے پاک ہونا اور معاصی سے پاک ہونا نفس کے رذائل سے پاک ہونا سب اس میں داخل ہے۔ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پاک ہونے کی دعوت دی تھی اور ھَلْ لَّکَ اِلٰٓی اَنْ تَزَکّٰی فرمایا تھا اس نے کفر نہ چھوڑا پاکیزہ نہ بنا جادوگر ایمان لے آئے پاکیزہ بن گئے مستحق جنت ہو گئے جو لوگ مومن ہوتے ہوئے گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں وہ کفر اور شرک سے پاک ہیں لیکن گناہوں سے پاک نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا گناہوں کو معاف فرما کر اور جس کو چاہے گا جہنم میں داخل فرما کر پاک وصاف کر کے جنت میں بھیج دے گا۔

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۥ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ
اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چلے جاؤ پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا دینا
لَّا تَخٰفُ دَرَکًا وَّلَا تَخْشٰی ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا
نہ کسی کے تعاقب کا اندیشہ کرو گے اور نہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہو گا' سو فرعون نے ان کے پیچھے اپنے لشکروں کو چلا دیا پھر دریا سے انہیں اس چیز نے
غَشِیَهُمْ ؕ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰی ﴿۷۹﴾
ڈھانپ دیا جس چیز نے بھی ڈھانپا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کی راہ نہ بتائی

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمانا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو مصر سے لے جاؤ' سمندر پر پہنچ کر ان کے لئے خشک راستہ بنا دینا' پکڑے جانے کا خوف نہ کرنا' فرعون کا ان کے پیچھے سے سمندر میں داخل ہونا اور لشکروں سمیت ڈوب جانا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون نے زک اٹھائی' ذلیل ہوا لیکن ابھی مصر میں اس کا ظاہری

اقتدار باقی تھا اور وہ مسئلہ درپیش تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے جانے نہیں دیتا تھا' بنی اسرائیل کو اس کی تکلیفوں سے نجات پانے کے لئے ضروری تھا کہ مصر کو چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاؤ اور یہ روانگی رات کو ہو' موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم سمندر کی طرف نکل جانا جب سمندر پر پہنچو تو اپنی لاٹھی ماردینا وہاں پر تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے خشک راستہ بن جائے گا اس میں گذر جانا نہ کسی کے تعاقب سے ڈرنا اور نہ کسی قسم کا دل میں خوف لانا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوگئے۔ فرعون کو سورج نکلنے کے وقت پتہ چلا لہٰذا وہ اپنے لشکروں کو لے کر ان کا تعاقب کرنے کے لئے روانہ ہو گیا جب فرعونی لشکروں اور بنی اسرائیل کے قبیلوں نے یہ منظر دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم تو دھر لئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں' بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ابھی مجھے راہ بتادے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اپنی لاٹھی سمندر پر مار دو انہوں نے لاٹھی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور اس میں مختلف حصے ہو گئے۔ اور وہ حصے اتنے چوڑے تھے جیسے کوئی بڑا پہاڑ ہو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک راستہ بن گیا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر ان راستوں میں داخل ہو گئے پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچ ہی چکا تھا اس نے بھی اپنے لشکر دریا میں ڈال دیئے اور خود بھی ان کے ساتھ سمندر میں گھس گیا اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکر وہیں غرق ہو گئے پانی کی بڑی بڑی موجوں نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اسی کو فرمایا فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (پھر دریا سے انہیں اس چیز نے ڈھانک دیا جس چیز نے بھی ڈھانپا) مَا غَشِيَهُمْ میں جو ابہام ہے وہ عربی میں کسی چیز کو بڑا بتانے کے لئے لایا جاتا ہے اسے اہل فصاحت پہچانتے ہیں وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کا راستہ نہیں بتایا) وہ خود بھی ڈوبا اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبا دنیا میں بھی تباہ اور آخرت میں بھی۔

سورہ قصص میں فرمایا وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے ہم نے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا اور ہم نے

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۞ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ

تم پر من اور سلویٰ نازل کیا' جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو۔

عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ

ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہو گا' اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا سو وہ گر گیا' اور بلاشبہ میں اسے بخشنے والا ہوں جس نے

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے پھر ہدایت پر قائم رہا

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور تمہارے لئے من وسلویٰ نازل فرمایا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا ہے اور انہیں اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور احکام کی خلاف ورزی پر غضب الٰہی کے نازل ہونے کی وعید سے باخبر فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور پھر فرمایا کہ تم سے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا یعنی تمہارے نبی کو کوہ طور پر بلایا اور اس کی داہنی جانب ان کو توریت شریف عطا کی۔ جب ان کو بلایا تھا تو توریت دینے کا وعدہ تھا اور چونکہ یہ توریت تمہارے نفع کے لئے تھی اس لئے یہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام سے بھی تھا اور تم سے بھی۔ قال صاحب الروح ای وواعدنا کم بواسطة نبیکم فی ذلک الجانب اتیان موسیٰ علیه السلام للمناجات وانزال التوراة علیه الی آخر ما قال (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کے شکر میں کمی اور اس میں تکبر و برائی کر کے حدود اللہ سے تجاوز اور اس کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی میں مدد لے کر اور اس میں واجب حقوق روک کر حد سے تجاوز نہ کرنا) (ج ۱۶ ص ۲۳۹) طور کی اس جانب کو ایمن فرمایا جو موسیٰ کے داہنے ہاتھ کو پڑی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایمن بابرکت کے معنیٰ میں ہے لفظی اعتبار سے یہ معنیٰ لینا بھی صحیح ہے اور بابرکت ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہاں توریت شریف عطا کی گئی۔ تیسرے یہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں من اور سلویٰ عطا فرمایا اس کی تشریح سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ص ۱۱۰ ج ۱)

مزید فرمایا کہ ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ کھاؤ تو سہی لیکن حد سے نہ بڑھنا یعنی ناشکری نہ کرنا اور گناہ نہ کرنا اور ہماری دی ہوئی چیزوں کو گناہوں میں استعمال نہ کرنا۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم زیادتی نہ کرنا فضول خرچی نہ کرنا اور شیخی مت بگھارنا وغیرہ' قال صاحب الروح بالا خلال بشکره وتعدی حدود اللہ تعالیٰ فیه بالسرف والبطر والاستعانة به علی معاصی اللہ تعالیٰ ومنع الحقوق الواجبة فیه فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ (ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہوگا) وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى (اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا سو وہ گر گیا) یعنی وہ ہلاک ہوا اور دوزخ میں گرا وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (اور بلاشبہ میں اسے بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا۔ اور نیک عمل کئے پھر ہدایت پر قائم رہا) اس میں شرک اور کفر

سے توبہ کرنا مراد ہے اس لئے امن سے پہلے ذکر فرمایا جو آدمی کفر و شرک سے توبہ کرے اور ایمان قبول کرے اور نیک اعمال میں لگا رہے اور ہدایت پر مستقیم رہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا وعدہ ہے۔ لفظ غفار مبالغہ کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾

اور اے موسیٰ آپ کو کس چیز نے جلدی میں ڈالا کہ آپ اپنی قوم سے آگے بڑھ گئے انہوں نے عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں اور اے رب میں آپ کی طرف

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى

جلدی آ گیا تا کہ آپ راضی ہوں، فرمایا سو بلاشبہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنہ میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔ پھر موسیٰ اپنی

قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۗ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ

قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے رنجیدہ حالت میں واپس ہوئے انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

فرمایا؟ کیا تم پر زیادہ زمانہ گذر گیا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ نازل ہو جائے سو تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی، وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾

اس کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی، لیکن بات یہ ہے کہ ہم پر قوم کے زیوروں کے بوجھ لدے ہوئے تھے سو ہم نے ان کو ڈال دیا۔ پھر سامری نے

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾

اسی طرح ڈال دیا پھر اس نے لوگوں کے لئے ایک بچھڑا نکالا جو ایک جسم تھا اس میں سے گائے کی آواز آ رہی تھی۔ سو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور وہ ان کے لئے کسی ضرر اور نفع کی قدرت نہیں رکھتا، اور بلاشبہ اس سے پہلے

هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا

ہارون نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم اس کی وجہ سے تم فتنہ ہی میں ڈالے گئے ہو، بلاشبہ تمہارا رب رحمان ہے سو تم میرا اتباع کرو اور

اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ

میرے حکم کو مانو، وہ کہنے لگے کہ ہم ضرور ضرور اسی پر جمے رہیں گے جب تک ہمارے پاس موسیٰ واپس نہ آئے، موسیٰ نے کہا کہ اے ہارون جب تم نے انہیں دیکھا

اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ

کہ گمراہ ہو گئے تو کس چیز نے تمہیں اس بات سے روکا کہ تم میرے پاس چلے آئے۔ سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا۔ ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے تم میری داڑھی

وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴿۹۴﴾

اور میرا سر نہ پکڑو بلاشبہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ یوں کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں زیوروں سے سامری کا بچھڑا بنانا، اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا واپس ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پر ناراض ہونا

تفسیر: جب بنی اسرائیل فرعون سے چھٹکارا پا کر دریا پار ہو گئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا۔ اور ایک صحراء کو عبور کرنا تھا اس سفر میں بہت سے امور پیش آئے انہیں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا کر توریت شریف عطا فرمائی جس کا اوپر وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ میں تذکرہ فرمایا اور من و سلویٰ نازل ہونے اور پتھر سے پانی کے چشمے نکلنے کے واقعات ظہور پذیر ہوئے معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۲۷ میں لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لینے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو انہوں نے ستر آدمی چن لئے تا کہ ان کو اپنے ساتھ پہاڑ تک لے چلیں، ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں پیچھے چھوڑ کر جلدی سے آگے بڑھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ پہاڑ کے پاس آ جاؤ، اللہ جل شانہٗ نے سوال فرمایا کہ تم اپنی قوم کو چھوڑ کر آگے کیوں بڑھے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے قریب ہی ہیں زیادہ آگے نہیں بڑھا ہوں آپ کی مزید رضامندی کے لئے میں نے ایسا کیا۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر پہنچے ادھر گئو سالہ پرستی کا واقعہ پیش آ گیا، واقعہ یوں ہوا کہ بنی اسرائیل جب مصر سے چلنے لگے تو ان کی عورتوں نے قوم فرعون کی عورتوں سے کہا کہ کل کو ہمیں عید منانا ہے اور میلے میں جانا ہے ذرا زیب و زینت کے لئے ہمیں عاریتاً یعنی مانگے کے طور پر زیور دے دو ہم میلہ سے آ کر واپس کر دیں گے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کل کو تو واپس ہو ہی جائیں گے اپنے زیور بنی اسرائیل کی عورتوں کے حوالے کر دیئے یہ زیور ان کے ساتھ ہی تھے جب مصر سے نکلے اور دریا پار ہوئے اب وطن جانے کے لئے خشکی کا راستہ تھا وطن پہنچنے میں انہیں چالیس سال لگ گئے انہیں چالیس سال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا ہوئی جب وہ اپنے منتخب افراد کے ساتھ توریت شریف لینے کے لئے طور پر پہنچے تو یہاں پیچھے سامری نے جو سنار کا کام کرتا تھا ان زیوروں کو جمع کیا جو بنی اسرائیل کی عورتیں فرعون کی عورتوں سے مانگ کر لے آئی تھیں۔ سامری نے آگ جلائی اور بنی اسرائیل کے لوگوں سے کہا کہ تم یہ

زیورات اس میں ڈال دوان لوگوں نے اس کے کہنے سے یہ زیورات آگ میں ڈال دیئے جب یہ پگھل گئے تو اس نے ان سے گائے کے بچھڑے کی صورت بنا دی' اس میں سے بچھڑے کی آواز بھی آنے لگی یہ لوگ اس کی پرستش اور پوجا پاٹ میں لگ گئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی طور پر ہی تھے کہ اللہ جل شانہ' نے انہیں مطلع فرمایا کہ تمہاری قوم کو ہم نے فتنہ میں ڈال دیا' اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا' موسیٰ علیہ السلام جب واپس ہوئے تو بہت غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تھے انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے مجھے کتاب دینے کے لئے بلایا تھا اور اس کتاب میں تمہارے لئے احکام دینے کا وعدہ تھا' یہ تم نے کیا غضب کیا کہ میرے پیچھے بت پرستی میں لگ گئے تمہیں اللہ کے وعدے کا اور میرے آنے کا انتظار کرنا لازم تھا کچھ زیادہ زمانہ بھی نہیں گذرا کہ تم اللہ کی طرف سے کتاب ملنے سے نا امید ہو گئے اور اس کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو گئے' کیا یہ بات تو نہیں ہے کہ تم نے اپنے رب کا غصہ نازل ہونے کا قصداً وارادۃً انتظام کر لیا اور مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔

تم نے جو یہ کھیل کھیلا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے غصہ کو دعوت دی ہے' بنی اسرائیل نے ایک عجیب جواب دیا جو بالکل ہی احمقانہ ہے وہ کہنے لگا کہ یہ جو کچھ ہم نے آپ سے وعدہ کر کے خلاف ورزی کی ہے یہ اپنے اختیار سے نہیں کی۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ قوم فرعون کی زیوروں کا جو بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا سامری کے کہنے سے ہم نے اسے ڈال دیا یعنی ایک جگہ جمع کر دیا پھر سامری نے وہ زیور ڈالا جو اس کے پاس تھا۔ اور سامری نے اس زیور کے مجموعے سے ایک بچھڑا بنا دیا۔ یہ بچھڑا ایسا تھا کہ اس سے گائے کے بولنے کی سی آواز بھی آ رہی تھی یہ بچھڑا بن کر تیار ہوا اور اس کی آواز سنی تو بنی اسرائیل سے کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے موسیٰ بھول گئے اپنے اس معبود کو چھوڑ کر (العیاذ باللہ) طور پر چلے گئے تاکہ وہاں سے کتاب لے کر آئیں۔

بنی اسرائیل مصر میں مشرکین کو دیکھتے تھے اور شرک کے طریقے ان سے سیکھ لئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں گائے کی پرستش بھی ہوتی تھی' جب دریا پار کر کے خشکی میں آئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی ایسی ہی معبود بنا دو جیسا کہ ان کے لئے معبود ہیں (کما مر فی سورۃ الاعراف) ان کے ذہنوں میں شرک کی اہمیت بیٹھی ہوئی تھی اس لئے جب گائے کے بچھڑے کا بت سامنے آ گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس میں آواز آ رہی تھی تو اچانک شرک کے جذبہ نے ان پر حملہ کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کو اپنا معبود مان لیا بلکہ یہاں تک کہہ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی معبود ہے اور اپنی حماقت و جہالت میں یہاں تک آگے بڑھے کہ یوں بول اٹھے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے معبود کو بھول گئے۔

صدیوں سے جو ان کے ذہنوں میں شرک نے جگہ پکڑ رکھی تھی وہ رنگ لے آئی اور اس کا اثر ظاہر ہو گیا اور اسی بچھڑے پر دھرنا دے کر بیٹھ گئے جیسا کہ مشرکین کی عادت ہے کہ وہ اپنے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر پڑے رہتے ہیں

اور ان کی عبادت سے چمٹے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ، نے ان کی حماقت اور جہالت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَفَلَا یَرَوْنَ اَنْ لَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (کیا وہ نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا) وَلَا یَمْلِکُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (اور وہ ان کے لئے کسی بھی طرح کے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا) کچھ تو غور کرتے اور سمجھتے کیا ایسی چیز کو معبود بنایا جائے جس میں نہ بات کرنے کی قوت نہ جواب دینے کی طاقت اور نہ کسی قسم کی کوئی حرکت اور نہ کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچانے کی سکت بنی اسرائیل نے یہ جو کہا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا (ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی) اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اقدام ہم نے اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر مجبور ہو گئے۔ ان کا یہ عذر، عذر لنگ ہے جو غلط بیانی پر مبنی ہے سامری نے مجبور نہیں کیا، تلوار اٹھا کر بت پرستی پر آمادہ نہیں کیا اس نے تو ایک بچھڑا بنا دیا تھا گو اس کی پرستش میں اس کی رائے بھی شامل تھی لیکن بنی اسرائیل نے جو کچھ کیا اپنے اختیار ہی سے کیا۔

ان زیورات کو جو اوزار یعنی بوجھ فرمایا یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ قوم فرعون سے مانگ کر لائے تھے اور واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا اور جب واپس نہیں دیئے اور ساتھ لے آئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ زیور تمہارے اوپر بوجھ بنے ہوئے ہیں یعنی تم ان کی وجہ سے گنہگار ہو ان کو پھینک دو اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ سامری نے بچھڑا بنانے کے لئے ان لوگوں کو یہ بات سمجھائی تھی کہ دوسروں کا مال ہے تمہارے لئے حلال نہیں ہے اسے ایک گڑھے میں ڈال دو لہٰذا انہوں نے ایسا ہی کیا۔

کافر حربی کا مال اگر جنگ کر کے حاصل کیا جائے تو غنیمت کے حکم میں ہوتا ہے لیکن سابق امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا اور یہ زیور جنگ کے ذریعہ حاصل نہیں کئے گئے تھے اس لئے ہارون علیہ السلام نے انہیں مشورہ دیا کہ انہیں ڈال دو، نیز یہ بات بھی ہے کہ جو چیز مانگی ہوئی ہو خواہ کافر ہی سے مانگی ہو وہ امانت ہے اور امانت کا حکم یہ ہے کہ جس کے پاس امانت ہو اس کے لئے حلال نہیں ہوتی رسول اللہ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا تو لوگوں کی جتنی بھی امانتیں تھیں ان کے ادا کرنے کا یہ انتظام فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا کہ جس کی جو امانت ہے اس کو واپس کر دینا اور تم اس کام سے فارغ ہو کر ہجرت کرنا اگر ان زیورات کو مال غنیمت تسلیم کر لیا جائے تب بھی بنی اسرائیل کی ملکیت تامہ مستقلہ من کل الوجوہ لکل فرد ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تقسیم نہیں کی گئی تھی پھر موسیٰ علیہ السلام نے وہی کیا جو پرانی امتوں کے لئے اموال غنیمت کا قانون تھا یعنی آخر میں اسے جلا دیا اس میں اتنا فرق ہے کہ اس کے جلانے کے لئے آسمان سے آگ نہیں آئی چونکہ عبرت دلانا مقصود تھا کہ دیکھو جسے تم نے معبود بنایا تھا وہ جل رہا ہے اور جل چکا ہے یہی جلانا آسمانی آگ کے قائم مقام ہو گیا۔ اسی سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی املاک ضائع کر دینے پر ضمان کیوں لازم نہیں آیا (املاک ہوتی تو ضمان ہوتا) پھر یہ بات بھی ہے کہ امام المسلمین کو آلات معصیت تلف

کرنے کا حکم ہے پھر وجوب ضمان کیسا؟ بچھڑا تو سب سے بڑی معصیت یعنی شرک کا آلہ تھا اس کے اتلاف پر ضمان لازم ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے اور ان کے ذمہ بنی اسرائیل کی نگرانی سپرد فرما گئے تھے جب ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تو ہارون علیہ السلام نے انہیں متنبہ فرما دیا اور فرمایا اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ (تم اس کی وجہ سے فتنہ میں ڈالے گئے ہو) وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ (اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب رحمان ہے اسے چھوڑ کر دوسری چیز کی پرستش میں لگنا فتنہ میں پڑنا ہے' میں جو بات کہہ رہا ہوں اس کا اتباع کرو اور اسے مانو)۔

لیکن بنی اسرائیل تو اس بچھڑے کے دل دادہ ہو چکے تھے ہارون علیہ السلام کی نصیحت کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ بلکہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جواب دے دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو برابر اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ (علیہ السلام) واپس آ جائیں' جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ تمہاری قوم فتنہ میں پڑ گئی تو واپس تشریف لائے اور انہوں نے اپنی قوم سے بھی خطاب کیا اور ہارون علیہ السلام پر بھی خفگی کا اظہار کیا اور یہ اظہار بھی معمولی نہ تھا بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال کھینچنے لگے اور توریت شریف کی جو تختیاں لے کر آئے تھے ان کو بھی ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں' ہارون علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو اس سے کیا چیز مانع تھی کہ تم مجھے خبر دیتے۔ تم نے میرا اتباع کیوں نہ کیا اور میری نافرمانی کیوں کی۔ جب شرک کا ماجرا دیکھا تو تم میرے پاس چلے آئے ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے میری ڈاڑھی اور میرے بال نہ پکڑو' مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ آپ یوں فرمائیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق کر دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔ یہاں سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے انہیں روکا تو تھا اور بتا دیا تھا کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو لیکن سختی فرمانا مناسب نہ جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا انتظار فرمایا' اور سورہ اعراف میں یوں ہے کہ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (ہارون نے کہا کہ میرے ماں جائے بات یہ ہے کہ قوم نے مجھے ضعیف سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے لہٰذا آپ میرے ذریعہ دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیجئے اور مجھے ظالموں کے ساتھ نہ کیجئے) جب ہارون علیہ السلام نے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یوں دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیجئے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا لیس الخبر كالمعاينة یعنی خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے پھر آپ نے بطور مثال یوں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے بچھڑے کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا ہے لیکن توریت شریف کی تختیوں کو نہیں ڈالا پھر جب اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت

دیکھ لی (توریت شریف کی) تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ ٹوٹ گئیں (مسند احمد ج اص ۲۷۱) جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو توریت شریف کی تختیاں اٹھالیں کما فی سورۃ الاعراف وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں بچھڑے کی پرستش کا فتنہ ظاہر ہوا تو اس وقت ان میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ رہا ان کی اطاعت کی اور گئوسالہ پرستی سے دور رہے۔ اس جماعت کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جس نے گئوسالہ پرستی کو اپنا لیا لیکن یوں بھی کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لاکر منع فرمائیں گے تو ہم چھوڑ دیں گے، تیسرا فرقہ وہ تھا' جو یوں کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی واپس آ کر اسی کو معبود بنالیں گے یہی ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔ جب ان آخری دو فرقوں کا جواب حضرت ہارون علیہ السلام نے سنا تو اپنے ساتھ بارہ ہزار ساتھیوں کو لے کر علیحدہ ہو گئے لیکن وہیں رہتے سہتے رہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام کو عتاب کیا اور گرفت فرمائی تو انہوں نے اپنا عذر بتادیا۔ کہ میں بارہ ہزار ساتھیوں کو لے کر باقی بنی اسرائیل کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جاتا یا ان سے مقابلہ کرتا تو اس سے بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ میں نے جتنا مناسب جانا اسی قدر کام کر دیا ان کو بتا بھی دیا اور ان سے عقیدۃً علیحدہ بھی ہو گیا اپنے موحد ساتھیوں کو الگ کر لیا اس سے آگے مقاتلہ اور مقابلہ کرنا میرے نزدیک مصلحت کے خلاف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی رائے کو خطا اجتہادی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا میں مشغول ہو گئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ

موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا حال ہے اس نے کہا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی' سو میں نے فرستادہ کے

اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ

نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھالی میں نے اس مٹھی کو ڈال دیا اور میرے نفس نے مجھے یہی بات اچھی کر کے دکھائی' موسیٰ نے کہا کہ بس تو چلا جا سو تیرے لئے زندگی میں

اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

یہ سزا ہے کہ تو یوں کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے' اور بلاشبہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے اور تو اپنے معبود کو دیکھ لے

عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

جس پر تو جما ہوا تھا ہم ضرور ضرور اسے جلادیں گے پھر اسے دریا میں اچھی طرح بکھیر دیں گے۔ تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری سے خطاب، اس کے لئے بددعا کرنا اور اس کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر سمندر میں بکھیر دینا

تفسیر: حضرت ہارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خطاب اور عتاب سے فارغ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تیرا کیا حال ہے یہ حرکت تو نے کیوں کی کس طرح سے کی؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسرے لوگوں کو نظر نہ آئی، میں نے اس میں ایک مٹھی اٹھا لی اور جو مٹھی بھری تھی وہ اس مجسمہ میں ڈال دی جو میں نے چاندی سونے سے بنایا تھا علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ سامری بھی بنی اسرائیل میں سے تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے نہیں تھا بلکہ قوم قبط (فرعون کی قوم) میں سے تھا بنی اسرائیل جب دریا پار ہوئے تو منافق بن کر یہ ان کے ساتھ آ گیا عبور دریا کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام بنی اسرائیل کی مدد کے لئے تشریف لائے تھے وہ اس وقت گھوڑے پر سوار تھے خشکی میں پہنچے تو سامری نے دیکھا کہ ان کا گھوڑا جہاں پاؤں رکھتا ہے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی ہے اس نے سمجھ لیا کہ اس مٹی میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے جو دوسری مٹیوں میں نہیں ہوتا اس وقت اس نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی مٹی اٹھا لی سامری نے جو یوں کہا فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ اس میں الرسول سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں جس کا ترجمہ فرستادہ کیا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے۔ بعض مفسرین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سامری نے یہ کیسے سمجھا کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اس کا سیدھا سادھا جواب تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ابتلاء کے لئے جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رویت کرا دی اور ان کے گھوڑے کے نیچے کی زمین کو اس کی نظروں کے سامنے سرسبز دکھا دیا جبکہ کسی اسرائیلی کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی تو اسی طرح اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ اسلام ہی ہو سکتے ہیں جو اس وقت بنی اسرائیل کی مدد کے لئے تشریف لائے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ بات بھی فرمائی ہے جسے صاحب درمنثور نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے کہ جب فرعون اسرائیلی بچوں کو قتل کرتا تھا تو سامری کی ماں اُسے کسی غار میں چھپا کر آ گئی تھی تا کہ ذبح ہونے سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی وہ اس کے پاس جاتے تھے اور اسے اپنی انگلیاں چٹاتے تھے ایک انگلی میں شہد اور دوسری میں دودھ ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ ان کی اس صورت کو پہچانتا تھا جس میں وہ انسانی صورت اختیار کر کے تشریف لایا کرتے تھے اسی صورت میں اس نے اس موقع پر بھی پہچان لیا۔ واللہ اعلم۔

جب سامری نے زیورات کا بچھڑا بنایا تو اس میں حیاۃ کا اتنا اثر آ گیا کہ اس سے بچھڑے کی آواز آنے لگی یہ آواز کا پیدا ہو جانا حضرت جبریل علیہ السلام کے پاؤں کی مٹی کے اثر سے تھا۔

بنی اسرائیل میں شرک کا جو مزاج تھا وہ اپنا کام کر گیا اور یہ لوگ بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے ان کے بس دماغ یہ بات تھی کہ اگر یہ واقعی بچھڑا نہ بن گیا ہوتا تو اس میں سے آواز کیوں آتی لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ جب اصل بچھڑا ہی معبود اور

نفع وضرر کا مالک نہیں ہوسکتا تو یہ نقلی بچھڑا کیسے معبود ہوسکتا ہے مشرک کا مزاج ہے کہ جس سے کسی خلاف عادت چیز کا صادر ہوتا دیکھتے ہیں اس کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں۔ جعلی پیروں اور فقیروں کا تو یہ مستقل دھندہ ہے کہ کچھ شعبدہ کے طریقے پر اور کچھ کیمیائی طریقوں سے بعض چیزوں کی مشق کر لیتے ہیں اور خلاف عادت چیزیں دکھا کر عوام کو معتقد بنا لیتے ہیں جبکہ اس کا قرب الٰہی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جا دفع ہو یہ کام تو نے ایسا کیا ہے کہ لوگ تیری طرف متوجہ ہو گئے اور تجھے شرک میں اپنا رہنما بنا لیا اور اس طرح سے تو مقتدا بن گیا اب اس کی سزا میں تیرے لئے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر تو جہاں کہیں بھی جائے گا تو لا مساس کہتا پھرے گا جس کا معنی یہ ہے کہ مجھ سے دور رہو مجھے مت چھوؤ۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کے لئے ایسی صورتحال پیدا فرما دی کہ جو بھی کوئی شخص اسے چھوتا تھا یا وہ کسی کو چھوتا تھا تو دونوں کو تیز بخار چڑھ جاتا تھا۔ لہٰذا لوگ اس سے دور دور رہتے تھے اور وہ بھی خوب زور زور سے کہتا تھا کہ مت چھوؤ۔ مت چھوؤ۔ دنیا میں تو اس کی یہ سزا ملی اور آخرت میں جو سزا ہے وہ اس کے علاوہ ہے اسی کو فرمایا ہے۔ وَاِنَّ لَکَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ (اور بلاشبہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے)

ہندوستان کے ہندوؤں میں گائے کی پرستش بھی ہے اور چھوت چھات بھی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ گائے کی پرستش ان میں بنی اسرائیل سے آئی ہوں جنہوں نے اہل مصر سے سیکھی تھی اور چھوت چھات سامری کی تقلید میں اختیار کر لی ہو وہ تو اس لئے چھوت چھات کرتا تھا کہ اسے اور چھونے والے کو بخار نہ چڑھ جائے لیکن بعد کے آنے والے مشرکین نے اسے مذہبی حیثیت دے دی **والعلم عند اللہ الخبیر العلیم۔**

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے مزید فرمایا کہ اب تو دیکھ جس چیز کو تو معبود بنا کر دھرنا دیئے بیٹھا تھا ہم اس کا کیا حال بناتے ہیں ہم اسے جلا دیں گے پھر اسے دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے تا کہ تو اور تیرا اتباع کرنے والے آنکھوں سے دیکھ لیں اور پوری ہوش مندی کے ساتھ یہ سمجھ لیں کہ اگر یہ معبود ہوتا تو جلانے سے کیوں جلتا' بھلا وہ کیا معبود ہے کہ کسی مخلوق کے جلانے کے جل جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کر دیا کہ اسے جلا کر سمندر میں بکھیر دیا کچھ بعید نہیں کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنے مردوں کو جلا کر اس کی راکھ پانی میں بہا دیتے ہیں یہ بھی اسی کا بقیہ ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے معبود باطل کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے تو عبرت کے لئے ایسا کیا تھا اور انہوں نے اسے اپنا مذہب بنا لیا' آگ میں جہاں ان کا صنم گیا وہیں خود چلے جاتے ہیں بعض مفسرین نے یہ اشکال کیا ہے کہ بچھڑا تو زیورات سے بنایا گیا تھا اور چاندی سونا جلتا نہیں ہے جس کی راکھ ہو جائے بلکہ وہ تو پگھل جاتا ہے لہٰذا اس کی راکھ کیسے بنی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بچھڑا جب بولنے لگا تو اس کا قالب بھی بدل گیا اور گوشت پوست والا بچھڑا بن گیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پہلے ذبح فرمایا پھر آگ میں جلا دیا اور راکھ کو سمندر میں بہا دیا۔ اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ اسے ریتی سے ریت کر ذرہ ذرہ کر دیا پھر سمندر میں ڈال دیا صاحب معالم التنزیل ج ۳ ص ۶۳ میں یہ دونوں باتیں لکھی ہیں لیکن دوسری بات کے سمجھنے میں اشکال

رہ جاتا ہے کیونکہ چاندی سونے کے ذرات کو ریزہ ریزہ کر کے آگ میں ڈالا جائے تو تب ہی پگھلتے ہیں راکھ نہیں بنتے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگ میں ڈالنے پر بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے پگھلانے کے بجائے اسے راکھ بنا دیا ولا اشکال فی ذٰلک آخر میں فرمایا اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے) اس میں مشرکین کی تردید ہے کہ وہ جن کی عبادت کرتے ہیں انہیں اپنی ذات ہی کا علم نہیں دوسری مخلوق کا کیا علم ہوگا۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾

اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ

جس شخص نے اس سے اعراض کیا سو بلاشبہ وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ لادے گا۔ ایسے لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بوجھ

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ

قیامت کے دن ان لوگوں کے لئے برا ہوگا جس روز صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرمین کو اس حالت میں جمع کریں گے ان کی آنکھیں نیلی

زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

ہوں گی وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس دن رہے ہو ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کے بارے میں وہ بات کریں گے

اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

جبکہ ان میں سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والا یوں کہے گا کہ تم تو بس ایک ہی دن ٹھہرے ہو

جو شخص اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ لاد کر آئے گا، مجرمین کا اس حالت میں حشر ہوگا کہ ان کی آنکھیں نیلی ہونگی، آپس میں گفتگو کرتے ہوں گے کہ دنیا میں کتنے دن رہے؟

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس طرح ہم نے موسیٰ اور فرعون کا واقعہ اور بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں (یہ خبریں آپ کی نبوت کی دلیلیں ہیں آپ انہیں

نہیں جانتے تھے صرف وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوئیں) اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے جو سارے عالم کے انسانوں کے لئے وعظ اور نصیحت ہے جو اس پر عمل کرے گا کامیاب ہوگا اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اپنے اوپر کفر کا بوجھ لادے ہوئے ہوگا اس طرح کے لوگ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہیں گے یعنی اس بوجھ کے اٹھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں ہمیشہ عذاب کی جگہ میں رہنا ہوگا۔ اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لئے برا بوجھ ہوگا۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں صور پھونکا جائے گا۔

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو آسمان والے زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے اور زندہ انسان سب مر جائیں گے۔ اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوں گے ان محشورین یعنی قیامت کے دن حاضرین میں جو کفار ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ یہ لوگ مجرم ہیں یہ لوگ خوف زدہ بھی ہوں گے اور خوف کی وجہ سے چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ قبروں میں کتنے دن رہے؟ ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ دس دن رہے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ہم تو حشر نشر ہی کے منکر تھے ہمارا گمان تھا کہ مر مرا گئے خاک میں مل گئے اب کیسا زندہ ہونا اور قبروں سے نکلنا؟ ہمارا خیال تو غلط نکلا یہ تو بتاؤ قبروں میں کتنے دن رہنا ہوا۔ ان میں بعض جواب دیں گے کہ صرف دس دن رہے ہیں۔ اس دن کی پریشانی اور سخت گھبراہٹ کی وجہ سے ان کی سمجھ میں ایسا ہی آئے گا جو مدت دراز انہوں نے برزخ میں گزاری اسے دس دن کی مدت بتائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ بات کریں گے ہمیں اس کا خوب علم ہے وہ کتنی تھی' ان میں سے ایک شخص یوں کہے گا کہ تم تو قبروں میں ایک ہی دن رہے ہو۔ جو شخص یہ بات کہے گا اسے اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً فرمایا۔ یعنی اس کی رائے سب لوگوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ اس یوم کی درازی اور پریشانی کے اعتبار سے گزشتہ جو وقت گزرا اس کی مدت ایک دن بیان کرنا ہی زیادہ اقرب ہے اس شخص کو شدت کا زیادہ ادراک ہوگا اس لئے اس کی رائے بہ نسبت پہلی رائے کے اصح اور اصوب ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ واقعی قبر میں ایک ہی دن رہے۔

یہاں یوں فرمایا کہ مجرمین اس حالت میں محشور ہوں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور سورۃ الاسراء میں فرمایا کہ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (کہ ہم انہیں قیامت کے دن اس حال میں جمع کریں گے کہ اندھے اور بہرے اور گونگے ہوں گے) یہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہے' عرصہ قیامت بہت طویل ہوگا اس میں مجرمین پر مختلف حالات گذریں گے' لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی طرح یہاں مجرمین کی یہ بات نقل کی کہ کوئی کہے گا کہ قبروں میں دس دن رہے اور کوئی کہے گا کہ ایک دن رہے اور سورہ روم میں ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین اس دن قسم کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے)

اور سورہ والنازعات میں فرمایا کَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (جس روز یہ قیامت کو دیکھیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں) یہ احساس اور وجدان مختلف اشخاص کو مختلف احوال میں ہوگا لہٰذا اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾

اور وہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا، پھر زمین کو ایک

لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ

ہموار میدان بنا دے گا۔ اے مخاطب تو اس میں کوئی ناہمواری اور کوئی بلندی نہیں دیکھے گا، جس روز بلانے والے کا اتباع کریں گے اس کے سامنے کوئی

الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا

ٹیڑھا پن نہیں ہوگا اور رحمٰن کے لئے آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے مخاطب تو پاؤں کی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنے گا، جس دن شفاعت

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

نفع نہ دے گی مگر اسی کو جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی اور جس کے لئے بولنا پسند فرمایا۔ وہ جانتا ہے جو ان کے پہلے احوال تھے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ

اور ان لوگوں کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا، اور تمام چہرے حی و قیوم کے لئے جھک جائیں گے۔ اور جو شخص ظلم اٹھا کر لے گیا ہو

ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

وہ ناکام ہوگا، اور جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں اچھے عمل کئے سوائے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی کمی کا اندیشہ نہ ہوگا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑا دے گا زمین ہموار میدان ہوگی، آوازیں پست ہوں گی، شفاعت اسی کے لئے نافع ہوگی جس کے لئے رحمٰن اجازت دے، سارے چہرے حی و قیوم کیلئے جھکے ہوئے ہوں گے

تفسیر: ان آیات میں روز قیامت کے احوال اور اعمال صالحہ پر پورا پورا اجر و ثواب ملنے کا تذکرہ ہے۔ صاحب معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۳۱ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بنی ثقیف میں سے ایک شخص نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ، نے آیت شریفہ

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ (الآیۃ) نازل فرمائی۔ جس میں بتادیا کہ پہاڑوں کی بڑائی اور بلندی اور سختی اور پھیلاؤ کی کچھ حیثیت بھی نہ رہے گی وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں اڑادے گا' سورۃ واقعہ میں فرمایا۔ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار کی طرح ہوں گے) اور سورۃ القارعۃ میں فرمایا ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (اور پہاڑ ایسے ہوجائیں گے جیسے دھنی ہوئی رنگین اون ہو) ان سب آیات میں پہاڑوں کی حالت بتائی ہے' پھر زمین کے بارے میں فرمایا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (اور اللہ تعالیٰ زمین کو اس حال میں کردے گا کہ وہ ہموار میدان ہوگی اس میں ناہمواری اور پستی اور بلندی نہیں ہوگی' یعنی اس میں کسی جگہ نہ گہرائی ہوگی اور نہ کوئی اٹھی ہوئی جگہ' اس کے بعد فرمایا يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ (جس دن پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی جس کا ذکر اوپر ہوا' اس دن لوگ بلانے والے کی آواز کے پیچھے چل دیں گے لا عوج له اس کے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہیں رہے گا۔ اس کی آواز کے خلاف کوئی بھی شخص دوسری راہ اختیار نہ کرسکے گا) پکارنے والے کی آواز کے پیچھے چلنا ہی ہوگا اور میدان حشر میں جمع ہونا ہی پڑے گا۔

صاحب روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۶۴ میں لکھتے ہیں کہ الداعی (بلانے والا) اس سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں۔ وہ دوسری بار صور پھونکیں گے تو صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہوکر یوں آواز دیں گے ایتها العظام البالية والجلود المتمزقة واللحوم المتفرقة هلموا الى الرحمٰن فيقبلون من كل صوب الى صوته (اے گلی ہوئی ہڈیو اور ٹکڑے بنے ہوئے چمڑو اور الگ الگ ہوئے ہوئے گوشتو چلے آؤ رحمٰن کی طرف تمہاری پیشی ہوگی) یہ اعلان سن کر ہر طرف سے سب لوگ اس کی آواز کی طرف چل دیں گے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں۔ لا يزيغون عنه يمينا ولا شمالا ولا يقدرون عليه بل يتبعونه سراعا یعنی پکارنے والے کی آواز سے ہٹ کر دائیں بائیں کسی طرف نہ جائیں گے اور نہ جاسکیں گے بلکہ جلدی جلدی اس کی آواز کا اتباع کریں گے۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (اور رحمٰن کے لئے آوازیں پست ہوجائیں گی سوائے مخاطب تو ہمس کے سوا کچھ نہ سنے گا) ہمس بہت ہلکی آواز کو کہتے ہیں اور اونٹوں کے چلنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے بھی ہمس کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میدان قیامت میں حاضر ہونے والے بہت ہی ہلکی آواز میں بات کریں گے جیسا کہ اوپر يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ میں بتایا جاچکا ہے۔ دنیا میں جو یہ بلند آوازیں ہیں کسی کا وہاں کوئی اثر نہ ہوگا سب دب جائیں گے خوف کا یہ عالم ہوگا کہ آواز نکالنے کی ہمت ہی نہ ہوگی۔

پھر فرمایا يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (جس دن شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس کو جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی اور جس کے لئے بولنا پسند فرمایا) مطلب یہ ہے کہ اس ہولناک دن میں مصیبت سے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا اور شفاعت کام نہ دے گی۔ ہاں جس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی

اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ بولنا پسند فرمائے گا اس کے حق میں شفاعت نافع ہوگی۔ اول تو ہر ایک شفاعت کر نہیں سکے گا جسے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی وہی شفاعت کی جرأت کرے گا جیسا آیۃ الکرسی میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اور سفارش کرنے کی اجازت بھی نہ ہر ایک کو ہوگی اور نہ ہر ایک کے لئے ہوگی۔ جنہیں شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی وہ اسی کی شفاعت کر سکیں گے جس کے لئے شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ سفارش صرف مومن بندوں کے لئے ہوگی غیر مومن کے لئے وہاں شفاعت کا کوئی مقام نہ ہوگا۔ اور مومنین کے لئے بھی یہ شفاعت حسب مواقع ہو سکے گی جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں اس توضیح سے یہ معلوم ہو گیا کہ جہاں کہیں شفاعت کے نفع دینے کی نفی فرمائی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ کافروں کو کوئی شفاعت نفع نہ دے گی۔ کمافی سورۃ المومن مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارش کرنے والا) یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہ ان سب کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے)۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (اور ان لوگوں کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا) صاحب روح المعانی ج ۱۶ص ۲۲۵ نے اس کا ایک مطلب تو یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کو مخلوق کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی صفات کمال کے ساتھ بندے پوری طرح نہیں جان سکتے۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ (اور تمام چہرے حی وقیوم کے لئے جھک جائیں گے) یعنی میدان قیامت میں سبھی عاجزی کی حالت میں ہوں گے دلوں میں اور نفسوں میں اور اعضاء میں سب میں جھکاؤ ہوگا جو متکبر تھے ان کا سب تکبر دنیا میں ہی دھرا رہ گیا اب تو الجبار المتکبر کی بارگاہ میں کھڑے ہیں وہاں جھکاؤ بھی ہے عاجزی بھی ہے وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا (اور جو شخص ظلم اٹھا کر لے گیا وہ ناکام ہو گیا) سب سے بڑا ظلم کفر اور شرک ہے اور بندوں پر جو مظالم کئے ان کی فہرست بھی وہاں موجود ہوگی ظلم کرنے والے وہاں ناکام ہوں گے نامراد ہوں گے اور عذاب میں جائیں گے۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (اور جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں اچھے عمل کئے سو اسے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی طرح کی کمی کا اندیشہ نہ ہوگا) جیسے ظالم ناکام ہوں گے ایسے ہی اہل ایمان کامیاب اور بامراد ہوں گے ان لوگوں نے جو بھی کوئی نیکی کی تھی اس سب کا پورا پورا بدلہ ملے گا نہ کوئی نیکی ماری ہوگی اور نہ ثواب میں کچھ کمی ہوگی۔ جہاں ایک نیکی کا ثواب کئی گناہ دیا جائے گا وہاں اصل ثواب میں کمی ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ سورۃ نساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ فرمائے گا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو چند در چند کر دے گا۔ اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا) سورۃ جن میں فرمایا فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (سو جو شخص اپنے

رب پر ایمان لے آیا سوا سے کسی کی کا اور کسی طرح کے ظلم کا اندیشہ نہ ہوگا) وھو مومن کی قید سامنے رہنی چاہئے۔ غیر مومن کو وہاں کسی نیکی کا کچھ بھی بدلہ نہ ملے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

اور اسی طرح ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ لوگ ڈر جائیں

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

یا یہ قرآن ان کے لئے کسی قدر سمجھ پیدا کر دے۔ سو اللہ برتر ہے بادشاہ ہے حق ہے اور آپ قرآن میں اس سے پہلے جلدی نہ کیجئے

يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

کہ اس کی وحی پوری کر دی جائے اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کہ ہم نے آپ کی طرف عربی میں قرآن نازل کیا، اس میں طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں، آپ وحی ختم ہونے سے پہلے یاد کرنے میں جلدی نہ کریں اور علم کی زیادتی کے لئے دعا کرتے رہیں

تفسیر: قیامت کا ذکر فرمانے کے بعد اب قرآن مجید کے بارے میں چند باتیں ارشاد فرمائیں، اول تو یہ فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے عربی بنا کر نازل کیا ہے جب یہ عربی ہے جس کا مخاطبین کو بھی انکار نہیں ہے اور عرب ہونے کی وجہ سے اس کے اولین مخاطبین اس کو سمجھتے بھی ہیں اور اس کی فصاحت اور بلاغت کو جانتے بھی ہیں تو ایمان لانے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ ہم نے اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ ڈر جائیں اور ایمان لے آئیں یا اگر پوری طرح نہ ڈریں تو قرآن کے ذریعہ ان میں کچھ سمجھ پیدا ہو جائے اور سمجھتے سمجھتے آگے بڑھ کر کسی وقت کفر کو چھوڑ دیں۔

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (سو اللہ برتر ہے بادشاہ ہے حق ہے) اس کے کلام پر ایمان لانا فرض ہے اگر کوئی شخص ایمان نہ لائے تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ کسی کے ایمان کا محتاج نہیں، وہ حقیقی بادشاہ ہے وہ حق ہے اور اس کا کلام بھی حق ہے جو ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا۔

قال صاحب الروح وفيه ايماءٌ الى ان القرآن وما تضمنه من الوعد والوعيد حق كله لا يحوم

حول حماه الباطل بوجه وان المحق من اقبل علیه بشرا شره وان المبطل من اعرض من تدبر زواجره (ج ۱۶ ص ۲۸)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جب آپ پر قرآن نازل ہوا کرے تو آپ پہلے خوب اچھی طرح اخیر تک سن لیں وحی پوری ہونے سے پہلے اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں جلدی نہ کریں آپ حضرت جبرئیل کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور بھولنے کے اندیشہ کی وجہ سے ایسا کر لینے میں آپ کو تعب ہوتا تھا اس لئے ارشاد فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں اور بھولنے کا اندیشہ نہ کریں ہم آپ کو ضرور یاد کرا دیں گے سورۃ قیامہ میں اسی کو فرمایا لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ (اے پیغمبر آپ نزول قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا، تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے) مطلب یہ ہے کہ جب جبرائیل کے واسطہ سے ہماری طرف سے وحی آئے تو آپ دھیان سے سنیں۔ اور دہرانے میں جلدی نہ کریں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ مشقت نہ اٹھائیں پوری وحی سن لیں۔ پھر اس کو دہرائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ بعض مرتبہ کسی کلمہ کے تلفظ کی مشغولیت میں اس کے بعد والا کلمہ سننے سے رہ جانے کا احتمال ہو سکتا ہے اس لئے آپ کو جلدی کرنے سے منع فرمایا، وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دیجئے) اس کے عموم میں آگے مزید وحی آنے کا بھی سوال آ گیا اور قرآن مجید میں جو کچھ علوم و معارف اور اسرار و رموز ہیں ان کا اور ان کے علاوہ دیگر علوم جن سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو ان کا بھی سوال ہو گیا۔ علوم الٰہیہ کی انتہا نہیں ہے مومن بندوں کو چاہئے کہ برابر زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہونے کی دعا کرتے رہیں۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ کسی خیر کے سننے سے مومن کا پیٹ نہیں بھر سکتا یہاں تک کہ اس کا منتھی جنت ہی ہو گی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴)

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور اس سے پہلے ہم نے آدم کو حکم دیا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

کہ آدم کے لئے سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے انکار کر دیا۔ سو ہم نے کہا اے آدم بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ

سو یہ ہرگز تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے سو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے بلاشبہ تمہارے لئے یہاں یہ بات ہے کہ تم اس میں نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ہو گے اور

لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی

نہ یہاں تم پیاسے ہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا وہ کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تمہیں ہیشگی والا

شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ

درخت اور ایسی بادشاہی نہ بتادوں جس میں کبھی ضعف نہ آئے، سوان دونوں نے اس میں سے کھالیا سوان کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں

عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ

اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا سوان کی توبہ

عَلَیْهِ وَهَدٰی ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ

قبول فرمائی اور انہیں ہدایت پر قائم رکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی

هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴿۱۲۳﴾

ہدایت آئے تو سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ شقی ہو گا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں مخصوص درخت کھانے سے منع فرمانا، پھر شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے بھول کر اس میں سے کھالینا، اور دنیا میں نازل کیا جانا

تفسیر: حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا علیہا السلام کا قصہ سورۃ بقرہ اور سورۃ اعراف میں گذر چکا ہے دونوں جگہ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں اور اجمالی طور پر سورہ حجر اور سورہ بنی اسرائیل میں بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا لیکن وہ اسے بھول گئے اور پختگی کے ساتھ حکم کی پابندی کا دھیان نہ رکھا لہٰذا غفلت ہوگئی۔ پہلی آیت میں بالاجمال اس کو بیان فرمایا، اس کے بعد واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو ان سب نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا وہ حکم ماننے سے انکار کر بیٹھا اور کٹ حجتی بھی کی کہنے لگا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے لہٰذا میں افضل ہوا جو افضل ہے وہ اپنے سے کم درجہ والے کو کیوں سجدہ کرے؟ اس نے حکم عدولی بھی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خلاف حکمت بھی بتایا اور اپنی افضلیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ جب اس نے یہ حرکت کی تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ اے آدم یہ تمہارا دشمن ہے یہ تمہارے پیچھے لگے گا اور کوشش کرے گا کہ تمہیں یہاں سے نکلوا دے۔ تم ہرگز اس کے کہنے میں نہ آنا ورنہ مصیبت میں پڑ

جاؤ گے۔ (دنیا میں جانا پڑے گا اور وہاں کی مشقتوں اور محنتوں میں پڑو گے۔ مشکلات اور مصائب سہو گے) یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ کھاؤ' پیئو' پہنو نہ یہاں بھوکے رہو گے نہ پیاسے اور نہ ننگے' یہاں تمہیں دھوپ کی حرارت بھی نہیں پہنچے گی۔ وھو من باب الاکتفاء کقولہ تعالٰی سرابیل تقیکم الحر (ای والبرد فلا یمسھم الحر ولا البرد) (اور وہ اکتفاء کے باب سے ہے جیسے کہ اللہ تعالٰی کا قول سرابیل تقیکم الحر ہے یعنی ایسے جو تمہیں گرمی اور سردی سے بچائیں گے پس انہیں نہ گرمی چھوئے گی اور نہ سردی۔) اس میں یہ بتا دیا کہ شیطان کے بہکاوے میں آنے سے یہاں سے نکلنا ہوگا اور دنیا میں جانا ہوگا اور وہاں ان مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

سجدہ نہ کرنے پر جب شیطان ملعون اور مردود ہو گیا تھا تو اس نے پہلے ہی ٹھان لی تھی کہ ان کو جنت سے نکلوانا ہے اور ان کی ذریت کو گمراہ کرنا ہے۔ وہ تو وہاں سے نکال دیا گیا اور یہ دونوں حضرات رہتے رہے دونوں کو حکم ہوا تھا کہ جنت میں رہو سہو خوب کھاؤ پیئو لیکن فلاں درخت کے پاس نہ جانا اگر اس میں سے کھا لیا تو یہ تمہارا اپنی جان پر ظلم کرنا ہو گا۔ اب شیطان ان کے پیچھے لگا اور اس نے کہا کہ دیکھو اس درخت کے کھانے سے جو تمہیں منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسے کھا لے گا وہ یہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا۔ اور اس کے کھانے سے تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے (کما فی سورۃ الاعراف) اور یہاں جو تمہیں عیش و آرام حاصل ہے اور ایک طرح کی بادشاہی حاصل ہے اس میں کبھی بھی کوئی ضعف نہ آئے گا۔ (کما فی سورۃ طٰہٰ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى) اس نے یہ بات قسم کھا کر کہی اور یہ بھی کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ دونوں حضرات شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور اس درخت سے کھا لیا جس سے منع کیا گیا تھا اس درخت کا کھانا تھا کہ ان کے کپڑے جسموں سے علیحدہ ہو گئے۔ دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے لے لے کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ دشمن کے پھسلانے میں آ کر اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور غلطی میں پڑ گئے۔

اللہ پاک کا ارشاد ہوا اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ شیطان واقعی تمہارا کھلا دشمن ہے) چونکہ ان کی نافرمانی سرکش نافرمانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ جنت میں ہمیشہ رہنے کی بات سن کر دشمن کے بہکانے میں آ گئے تھے اس لئے فوراً اپنے قصور کا اقرار کیا اور توبہ کی جس کو سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو واقعی ہم خسارہ میں پڑنے والے ہو جائیں گے) شیطان نے بغاوت کی اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت بھی بتایا یہ تو اس کا حال تھا اور ان دونوں نے جلدی سے قصور کا اقرار کر لیا اور توبہ کر لی۔ جیسا کہ مخلصین اور مؤمنین کا طریقہ رہا ہے اللہ تعالٰی شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں چن لیا یعنی اور زیادہ مقبول بنا لیا اور ان کو ہدایت پر قائم رکھا کما قال تعالٰی ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى چونکہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو تکوینی طور پر دنیا میں آنا ہی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہی اس لئے ہوئے تھے کہ ان کی اولاد زمین میں خلافت کی

ذمہ داری اٹھائے اس لئے ان کا گناہ تو معاف فرمادیا لیکن دنیا میں ان کو بھیج دیا گیا اسی کو فرمایا قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ارشاد فرمایا (کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (تمہاری ذریت میں جو لوگ ہوں گے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے) (ان دشمنیوں کو مٹانا اور فیصلے کرنا خلافت کے کام میں داخل ہے)

مزید فرمایا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (سو اگر تم میں سے کسی کے پاس میری ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا) اس کے زمین میں آنے سے پہلے ہی اللہ جل شانہٗ نے بتادیا تھا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی اس پر چلنے میں کامیابی ہے جو اسے قبول کرے گا نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا' اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں کے ذریعہ ہدایات پہنچتی رہی ہیں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی اب نیا نبی کوئی نہیں آئے گا خاتم المرسلین کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی کارِ نبوت یعنی دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام جاری ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سب باقی ہیں جو ہدایت پر عمل کرے گا اسے وہی بلند مقام مل جائے گا جہاں سے اس کی ماں باپ آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام اس دنیا میں آئے تھے' جنت اپنے باپ کی جگہ ہے جہاں وہ تھے اور جہاں واپس گئے وہیں ان کی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور جنہوں نے اللہ کی ہدایت کو نہ مانا کفر پر رہے اور اسی پر مرے وہ جنت میں نہ جائیں گے کیونکہ اختلاف دین کی وجہ سے میراث کا استحقاق نہیں رہتا' جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر رہے اس کے لئے ضمانت ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ نہیں اور آخرت میں بدنصیب نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اتباع کیا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہدایت پر رکھیں گے اور قیامت کے دن اسے برے حساب سے بچائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (کذا فی درالمنثور ج ۴ ص ۳۱۱)

ضروری فوائد

فائدہ: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ بھول گئے اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں فنسی العهد ولم یهتم به ولم یشتغل بحفظه حتی غفل عنه۔ (کہ حضرت آدم علیہ السلام عہد بھول گئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں جو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت میں سے نہ کھانا) یہ ان کے ذہن میں سے اتر گیا اور انہوں نے اسے یاد رکھنے کا اہتمام نہ کیا جس کی وجہ سے غفلت ہوگئی' اور وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں تصمیم رای و ثبات قدم فی الامور یعنی ہم نے ان کے لئے رائے کی مضبوطی اور پختگی نہیں پائی گویا کہ یہ نسیان کی تفسیر ہے یعنی اگر وہ یاد رکھنے کا اہتمام کرتے تو ثابت قدم اور پختہ عزم والے رہتے لیکن بے دھیانی کی وجہ سے بھول گئے جس کی وجہ سے شجرہ ممنوعہ میں سے کھا بیٹھے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ

سے لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کا یہ معنی مروی ہے کہ وہ درخت کے کھانے سے بچ نہ سکے اور اس کے ترک پر صبر نہ کر سکے۔ اور صاحب روح المعانی نے ایک جماعت سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ انہوں نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا خلاف ورزی تو ہوئی خطا بھی ہوگئی لیکن جانتے بوجھتے جو گناہ ہوتا ہے اس کے ذیل میں نہیں آتا عن ابن زید و جماعة ان المعنی لم نجدله عزما علی الذنب فانه علیه السلام اخطا و لم یتعمد (ابن زید اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے گناہ پر ان کا ارادہ نہیں پایا ان سے خطاء اور بھول کر ہوا ہے جان بوجھ کر نہیں کیا) (ج ۱۶ ص ۲۷۰) جہاں تک نسیان کا تعلق ہے وہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں ممتنع الوقوع یعنی محال نہیں ہے سید الانبیاء نے فرمایا اِنَّمَا انا بشر مثلکم انسی کما تنسون کما فی مشکوۃ المصابیح ص ۹۲ (میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں تم جیسے بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں) سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بھول تو معاف ہے جب وہ بھول گئے تھے تو اس پر مواخذہ کیوں ہوا اور اس کو معصیت کیوں قرار دیا گیا۔

اس کا ایک جواب تو مذکورہ بیان میں گذر چکا ہے کہ نسیان پر مواخذہ نہیں جن وجوہ سے نسیان ہوا ان پر مواخذہ ہوا یعنی انہوں نے یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جبکہ وہ یاد رکھ سکتے تھے مثلاً ایک دوسرے کو آپس میں وصیت کرتے کہ ہم میں سے کوئی کھانے لگے تو یاد دلائے یا کوئی ایسی صورت حال اختیار کر لیتے جو یاد دلانے والی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ ایک دن سفر میں رات کے آخری حصہ میں سونے لگے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جگانے کے لئے مقرر فرمایا پھر آپ اور آپ کے ساتھی سو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی آنکھ لگ گئی وہ بھی سو گئے حتیٰ کہ سورج نکلنے پر سب کی آنکھ کھلی صحابہ جو گھبرائے تو آپ نے فرمایا فاذا رقد احدکم عن الصلوۃ او نسیها ثم فزع الیها فلیصلها کما کان یصلیها فی وقتها (سو جب تم میں سے کوئی شخص سوتا رہ جائے جس کی وجہ سے نماز جاتی رہے یا نماز کو بھول جائے پھر گھبرا کر اٹھے تو اسی طرح پڑھ لے جیسا کہ اس کے وقت میں پڑھتا تھا (ص ۶۷ مشکوۃ المصابیح) آنحضرت نے حضرت بلال کو جگانے پر لگایا پھر آپ نے سونا منظور فرمایا چونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے یاد رکھنے میں کوتاہی ہوئی اس لئے ان کا مواخذہ ہوا علامہ قرطبی نے ایک اور بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ اس وقت آدم علیہ السلام بھولنے پر بھی ماخوذ تھے اگرچہ ہم سے بھول پر مواخذہ نہیں ہوتا (ج ۱۱ ص ۲۵۱) اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جس عمل کا صدور ہوا گو وہ سہو اور خطا ہی تھا مگر ان کے بلند مرتبہ کے خلاف تھا جن اعمال پر عامة الناس سے مواخذہ نہیں ہوتا بلند مرتبہ والوں سے ان پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے جملہ حسنات الابرار سیئات المقربین میں اسی مضمون کو واضح کیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں عصمت انبیاء کا سوال بھی اٹھایا ہے لیکن جب یہ معصیت حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہو خصوصاً جبکہ وہ بھول کر تھی اور اس کا صدور بھی نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے تھا اور وہ بھی عالم بالا میں دنیا کے دار التکلیف میں آنے سے پہلے ہو لہٰذا عصمت انبیاء کے عقیدہ میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا خصوصاً جبکہ اسے

سورۃ الاعراف میں ذلت یعنی لغزش قرار دیا ہے کما قال تعالیٰ شانہٗ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا۔

اس میں اختلاف ہے کہ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے کبیرہ کا صدور ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ کفر و کذب کے علاوہ باقی معاصی کا صدور ہوسکتا ہے قال صاحب الروح (ج۱۶ص۲۷۴) فقد قال عضد الملة فی المواقف ان الا کثرین جوزوا صدور الکبیرة یعنی ماعدا الکفر والکذب فیما دلت المعجزة علی صدقهم علیهم السلام فیه سهوا وعلی سبیل الخطا منهم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں عضد الملت نے مواقف میں کہا ہے اکثر حضرات نے کہا کفر و کذب کے علاوہ کبیرہ گناہ صادر ہوسکتا ہے۔ باقی وہ صورتحال جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے وہ غلطی اور بھول سے واقع ہو گیا ہے) اھ اب رہا لفظ فغویٰ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو درخت کھالیا اس میں وہ اپنے مطلوب کے بارے میں غلطی میں پڑ گئے ان کو جو دشمن نے یہ سمجھایا کہ تم اس درخت کو کھالو گے تو ہمیشہ یہیں رہو گے اس کی باتوں میں آ گئے۔ اس کے کہنے سے یہ سمجھ لیا کہ یہاں ہمیشہ رہیں گے لیکن اس کی بات ماننے سے وہاں سے نکلنا پڑا۔ قال صاحب الروح ضل عن مطلوبه الذی هو الخلود اوعن المطلوب منه وهو ترک الاکل من الشجرة او عن الرشد حیث اغتر بقول العدو (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے مطلوب جو کہ جنت میں ہمیشہ رہنا تھا یا درخت کو نہ کھانے یا سیدھی راہ سے بہک گئے کہ آپ نے دشمن کی بات سے دھوکہ کھالیا) (ج۱۶ص۲۷۴)

فائدہ (۲): یہ جو فرمایا فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۔ اس میں بظاہر صیغہ تثنیہ فتشقیان ہونا چاہئے تھا مفرد لانے میں ایک نکتہ تو وہ ہے جو علمائے بلاغت نے لکھا ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مفرد کا صیغہ لایا گیا' اور بعض علماء نے اس سے ایک فقہی نکتہ مستنبط کیا ہے اور وہ یہ کہ کمائی کرنا اور بیوی کے کھانے پینے پہننے کی ضروریات پوری کرنا شوہر ہی کے ذمہ ہے عورت اس کسب میں شریک نہیں' اس لئے صرف حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اور آئندہ بنی نوع انسان کو یہ سبق دے دیا گیا کہ کسب مال کی مشقت اٹھانا اور اس کے لئے محنت کرنا صرف مرد کی ذمہ داری ہے۔

فائدہ (۳): حضرت آدم اور حوا علیہما السلام ابھی جنت ہی میں تھے کہ ان سے فرما دیا تھا کہ تم اس میں رہو اس میں بھوکے ننگے نہ رہو گے اور نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ' جنت میں تو بہت زیادہ نعمتوں اور لذتوں کا سامان ہے پھر بھی۔ انہیں چیزوں کا تذکرہ فرمایا اس سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ انسان کی اصل ضرورت کھانا پینا پہننا اور رہنے کی جگہ میسر ہونا ہی ہے۔ جس میں سردی گرمی سے بچ سکے اس کے علاوہ اور جو کچھ ہے التذاذ اور زیب و زینت کے لئے ہے جو اصل ضرورت سے زائد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے ایک تو رہنے کا گھر ہو اور دوسری شرم کی جگہ چھپانے کے لئے کپڑا ہو تیسرے روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو (رواہ الترمذی) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کو اس حال میں صبح ہوئی کہ وہ اپنے نزدیک امن سے ہے اور اس کے جسم میں عافیت ہے اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے تو گویا اس کو ساری دنیا مل گئی (رواہ الترمذی)

نکاح بھی انسان کی ضرورت کی چیز ہے نفس و نظر کو پاک رکھنے اور تکثیر نسل کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ آیت

کریمہ میں اس کا تذکرہ نہیں فرمایا کیونکہ وہ دونوں پہلے سے میاں بیوی تھے' رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے نے نکاح کر لیا تو آدھا ایمان محفوظ کر لیا اب باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے (مشکوٰۃ ص ۲۶۸) کچھ اشخاص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس آئے یہ لوگ اپنے آپ کو فقراء سمجھتے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کیا تیرے پاس بیوی ہے جس کی طرف ٹھکانہ پکڑتا ہے (یعنی کام کاج کر کے اس کے پاس جا کر آرام کرتا ہے) اس نے کہا ہاں بیوی تو ہے' فرمایا کیا تیرے پاس رہنے کے لئے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے' فرمایا بس تو مالداروں میں سے ہے' وہ کہنے لگا کہ میرا ایک خادم بھی ہے فرمایا پھر تو بادشاہوں میں سے ہے۔ رواہ مسلم

فائدہ (۴): اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہیں۔ اسی نے مرتبے دیئے ہیں اور اسی نے جسے چاہا نبوت سے سرفراز فرمایا اور جس کسی سے کوئی لغزش ہوئی اس کا مواخذہ فرمایا پھر توبہ کرنے پر معاف بھی فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو یوں کہیں کہ وہ گنہگار تھے یا یوں کہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا یا کسی بھی نبی کی لغزش کا ہم خود سے تذکرہ کریں' ہاں آیت کا مضمون بیان کر دیں تو یہ دوسری بات ہے خواہ مخواہ ان واقعات کو لے کر ان حضرات کی طرف گناہ یا عیب منسوب نہ کریں خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف بھی فرما دیا۔ سورہ طٰہٰ میں یہاں بالتصریح ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى فرمایا ہے اور سورہ نون میں یونس علیہ السلام کے بارے میں فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فرمایا ہے اب کس کا منہ ہے کہ کوئی شخص ان حضرات کی لغزشوں کو اچھالے اور ان کی غیبت کر کے لذت حاصل کرے اگر کوئی شخص ہمارے قریب ترین باپ دادا کو کہہ دے کہ وہ گنہگار تھا یا گناہ گار ہے تو کتنا برا لگے گا۔ پھر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام جو نبی تھے اور سارے انبیاء کے باپ تھے ان کے حق میں یہ کہنا اور اچھالنا کہ انہوں نے گناہ کیا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے'

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ

اور جس شخص نے میری نصیحت سے اعراض کیا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا اور ہم اسے قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائیں گے کہ وہ اندھا ہو گا وہ کہے گا

رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ

کہ اے میرے رب مجھے آپ نے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات پہنچی تھیں تو انہیں بھول گیا

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ

اور آج تو بھلا دیا جائے گا اور ہم اس طرح اسے سزا دیں گے جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے' اور یہ واقعی بات ہے کہ آخرت کا عذاب

الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ

زیادہ سخت ہے اور بڑا دیرپا ہے' کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝

بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا' عذاب کی وعید' ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈروں سے عبرت حاصل نہ کرنے پر تنبیہ

تفسیر: حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے قصہ کے آخر میں یہ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی جو شخص اس کا اتباع کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا۔ نہ بدبخت ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دنیا میں آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کی نصیحت سے اعراض کیا' ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے تنگ زندگی ہے' ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے رسول اللہ کی ذات گرامی ہے دونوں باتیں درست ہیں کیونکہ ایک دوسرے کو لازم ہے۔ رسول اللہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اور جو قرآن مجید میں بتایا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے اور اس سے اعراض کرنا معیشت ضنک یعنی تنگ زندگی کا سبب ہے۔ تنگ معیشت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند بزار سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس سے عذاب قبر مراد ہے پھر اس کی اسناد کو جید بتایا ہے اور بعض دیگر روایات بھی اس سلسلہ میں نقل کی ہیں (ج ۳ ص ۱۶۹) اگر تنگ معیشت سے دنیا کی معیشت بھی مراد لی جائے تو الفاظ کے عموم میں اس کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بہت سے کافر منکر دنیا میں کھاتے پیتے حال میں ہیں ان کے پاس مال بھی ہے اور نعمتیں بھی ہیں پھر معیشت تنگ کیسے ہوئی۔ اس کے جواب میں مفسرین نے فرمایا کہ جتنا بھی مال ہو اس سے کافر کو اطمینان نہیں ہوتا زائد کے طلب میں سرگرداں رہتا ہے مصائب اور مشکلات میں پھنسا رہتا ہے جس سے تنگ دلی کا شکار رہتا ہے۔ اس کی یہ سینہ کی تنگی اور دل کی مصیبت اس کے لئے تنگ معیشت ہے۔ اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والے کے لئے ایک تو تنگ معیشت کی سزا ہے اور دوسری سزا یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اندھا ہو کر اٹھے گا وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں تو دنیا میں بینا اور دیکھنے والا تھا آپ نے مجھے نابینا کر کے کیوں اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ جس طرح تو نے دنیا میں ہماری آیات کو جھٹلایا تیرے پاس ہماری آیات آئیں ان سے تو نے منہ موڑا۔ میں نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اپنی کتابیں نازل کیں تو نے انکار کیا اور ان سے منحرف رہا حق آیا اور تو اس کی جانب سے اندھا بنا رہا لہٰذا تجھے آج اندھا کر کے اٹھایا گیا تو ہماری آیات کو بھولا آج تیرے ساتھ بھی بھول بھلیاں والا معاملہ کیا جائے گا یعنی تجھے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا اور پھر اس سے نجات نہ دی جائے گی۔

اس کے بعد مستقل طور پر قانون بیان فرمایا۔ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ (الآیۃ) اور اسی طرح ہم اس شخص کو بدلہ دیتے ہیں جو حد سے آگے نکلا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا' اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور بہت دیر پا ہے' اس میں بتا دیا کہ ہر وہ شخص جس نے کفر اختیار کیا اس کا یہی حال ہو گا جو اوپر بیان ہوا۔ اندھا کر کے بھی اٹھایا جائے گا اور ہمیشگی والے سخت عذاب میں بھی داخل ہو گا۔

آخر میں فرمایا اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ (الآیۃ) کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں' بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے مخالف ہیں انہیں پرانی امتوں کے واقعات معلوم ہیں تباہ شدہ آبادیاں ان کے سامنے ہیں وہاں جاتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔ بربادیوں کے نشان دیکھتے ہیں' ویران گھروں کے اینٹ پتھر ان کے سامنے ہیں۔ (اور اب تو تاریخ کی کتابیں بھی چھپ گئی ہیں جن کا مطالعہ کرتے ہیں) ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے' بھی اثر نہیں لیتے' قرآن کی دعوت نہیں مانتے' اہل عقل اور اہل بصیرت کے لئے یہ برباد شدہ آبادیوں کی زمین اور نشانات کافی ہیں' ان کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ عبرت حاصل کرنے کی بجائے ان چیزوں کو تفریح گاہ بنا رکھا ہے کیمرے ساتھ لے جاتے ہیں فوٹو لیتے ہیں وہاں وقت گذارتے ہیں رات گزار کر کھانا کھا کر تفریح کر کے بغیر کسی عبرت کے واپس آ جاتے ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک بات فرمائی ہوئی نہ ہوتی۔ اور اجل مقرر نہ ہوتی تو لازمی طور پر عذاب آ جاتا۔ سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

اور سورج کے نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہئے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح پڑھیئے اور دن کے اطراف میں بھی

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

تاکہ آپ خوش ہو جائیں اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ بڑھائیں جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے جو ان کی بیویاں ہیں

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ۗ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ

اور دنیاوی زندگی کی رونق ہے' اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے اور بہت دیر پا ہے' اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے

وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا ۖ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور خود بھی اس کی پابندی کیجئے ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے ہم آپ کو رزق دیں گے اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے۔

صبح شام اور رات کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیجئے، اہل دنیا کی طرف آپ کی نظریں نہ اٹھیں، اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ جب اہل مکہ کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور ایمان لانے کی تلقین فرماتے تھے تو وہ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور آپ کی شان میں ناروا کلمات استعمال کرتے تھے۔ انہیں ایمان لانے سے بھی انکار تھا اور جب عذاب کی بات آتی تھی تو اس کا بھی مذاق بناتے تھے کہ اگر ہم غلط راہ پر ہیں تو عذاب کیوں نہیں آ جاتا' اس کا جواب قرآن مجید میں کئی جگہ دے دیا گیا ہے' یہاں ارشاد فرمایا کہ آپ کی طرف سے پہلے سے ایک بات فرمائی ہوئی ہے اور عذاب کے لئے ایک اجل مقرر ہے دنیا میں جو عذاب آنا ہے اس کے لئے بھی اور آخرت میں جو عذاب ہونا ہے اس کے لئے بھی وقت مقرر ہے ان کی جلدی مچانے سے مقررہ وقت سے پہلے عذاب نہیں آئے گا۔ پہلی آیت میں یہی مضمون مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جو ان کی باتوں سے تکلیف پہنچتی تھی اس کے بارے میں دو چیزوں کا حکم فرمایا' اول صبر دوم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہونا دوسری آیت میں دونوں باتیں بیان فرمائی ہیں۔

ارشاد فرمایا فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (اور سورج نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہئے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح پڑھئے اور دن کے اطراف میں بھی) مطلب یہ ہے کہ آپ صبر بھی کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تقدیس میں بھی مشغول رہئے' ان دونوں چیزوں کے اختیار کرنے سے منکرین کی طرف سے جو تکلیف پہنچے گی وہ ختم ہو جائے گی یا اس میں خفت ہو جائے گی۔ پھر فرمایا لَعَلَّكَ تَرْضٰى (تاکہ آپ خوش ہو جائیں) کیونکہ صبر سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اللہ کی مدد بھی ہوتی ہے اور راحت اور اطمینان بھی نصیب ہوتا ہے اور لوگوں کی ایذاؤں کی طرف توجہ بھی نہیں رہتی سورہ حجر میں فرمایا وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (اور بلاشبہ کہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے سو آپ اپنے رب کی تسبیح پڑھئے اور سجدہ کرنے والوں میں شامل رہئے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آیت بالا میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے نماز فجر اور قبل غروبہا سے نماز ظہر اور عصر اور مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے۔ اور لفظ اَطْرَافَ النَّهَارِ فرما کر نماز فجر اور نماز عصر کی تاکید فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کو دنیاوی حالات میں مالیات کی کمی رہتی تھی اور آپ کا یہ فقر اختیاری تھا ایک شخص کو ہزار ہزار بکریاں دے دیتے تھے لیکن اپنے لئے فقر ہی کو اختیار فرمایا اور آپ کے ساتھ جو مومنین تھے جنہوں نے ابتداءً مکہ مکرمہ

میں ایمان قبول کیا تھا وہ بھی تنگدستی میں مبتلا رہتے تھے اور ان کے مقابل کفار اس زمانہ کے اعتبار سے خوش عیش تھے کھانے پہننے اور رہنے کے مکانوں میں انہیں برتری حاصل تھی۔ دنیاوی رونق اور زینت انہیں میسر تھی اور ان کے پاس بیویاں بھی تھیں اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی کو خطاب کر کے فرمایا (یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن مقصود آپ کے ساتھیوں کو تلقین فرمانا ہے) کہ ان لوگوں کو جو ہم نے بیویاں دیں' زیب وزینت کا سامان دیا' ان کی طرف آپ نظریں نہ اٹھائیں' یہ تو ہم نے اس لئے دیا ہے کہ انہیں فتنہ میں ڈالیں' لہٰذا یہ چیزیں اس لائق نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔ اور انکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا جائے وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی اور آپ کے رب کا رزق جو دنیا میں اس کی رضا کے ساتھ ملے اور جو اس کی رضا کے کاموں میں لگے یہ بہتر ہے اور اس کی طرف سے جو آخرت میں رزق ملے گا وہ بہتر بھی ہے اور دیرپا بھی ہے کیونکہ وہاں نعمتیں ہمیشہ رہیں گی اور اہل جنت ان سے ہمیشہ متمتع ہوں گے۔ اہل دنیا کی نعمتوں اور لذتوں اور احوال کو دیکھ کر رال ٹپکانا مومن کی شان نہیں۔ مومن آخرت کے لئے عمل کرتا ہے وہاں کی دائمی نعمتوں کی امید رکھتا ہے دنیا میں جو چیزیں اللہ کی رضا کے ساتھ مل جائیں وہ بھی خیر ہیں لیکن کفر اور فسق کے ساتھ جو ملیں اور معاصی میں خرچ ہوں وہ تو دنیا اور آخرت میں وبال ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **لا تغبطن فاجراً بنعمته فانک لا تدری ماھو لاق بعدموته ان له عند الله قاتلا لا یموت یعنی النار** ہرگز کسی بدکار کی نعمت پر رشک نہ کر' کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت میں مبتلا ہونا ہے' موت کے بعد اس کے لئے اللہ کی طرف سے ایک قاتل ہوگا اس قاتل کو کبھی موت نہیں آئے گی یہ قاتل آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷) جسے دوزخ میں جانا ہو اس کی نعمت و دولت پر رشک کرنا سراپا ناسمجھی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت نہیں اسی لئے رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کسی کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۱)

آخر میں فرمایا وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ (آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے) وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا (اور خود بھی اس پر جمے رہئے) یعنی پابندی کے ساتھ ادا کیجئے' (اس میں دو حکم دیئے ہیں ایک اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینا دوسرے خود بھی اس کا اہتمام کرنا' چونکہ نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے یعنی کلمہ شہادت کا یقین کرنے کے بعد دوسرا درجہ نماز ہی کا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا کہ نماز کا اہتمام فرمائیں اور گھر والوں سے بھی اس کا اہتمام کرائیں اور چونکہ ساری امت آپ کے تابع ہے اس لئے امت کو بھی خطاب ہو گیا' اہل ایمان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ نمازوں کا اہتمام کریں اور اپنے گھر والوں سے نماز پڑھوائیں۔ گھر والوں کے عموم میں بیوی بچے سب داخل ہیں۔ جب انسان خود کسی امر شرعی کا اہتمام کرے گا تو اپنے ماتحتوں سے بھی عمل کرا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بطور سرکاری فرمان اپنے گورنروں کو لکھ کر بھیجا تھا کہ بلاشبہ میرے نزدیک

تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ بڑھ کر نماز ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی وہ اپنے باقی دین کی حفاظت کرے گا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اس کے سوا باقی دین کو اس سے زیادہ ضائع کرلے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا وھو الحدیث الخامس من الموطا) عموماً لوگ سمجھتے ہیں خلافت راشدہ اور دور حاضر کی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں وہ بھی اقتدار تھا اور یہ بھی اقتدار ہے۔ یہ خیال غلط ہے خلافت راشدہ میں اولین مقصد لوگوں کو دین پر چلانا اور دین کی حفاظت کا اہتمام تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی عوام الناس کی جائز حاجات پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جاتا تھا' اب تو صرف کرسی کی حفاظت کا نام اقتدار ہے نہ خود نماز پڑھیں نہ لوگوں کو نماز پڑھوائیں۔ بس عوام راضی ہیں چاہے جتنے بھی گناہ کرلیں۔ گناہوں کے کاموں کے لائسنس تک دیئے جاتے ہیں' یہ حکومتیں تو اپنی اور عوام الناس کی دنیا و آخرت تباہ کرنے والی ہیں۔

لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ معاش کمانے میں لگیں۔ (یہ خطاب امت کو بھی شامل ہے) یعنی زندگی کا مقصد رزق کمانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت مقصود حیات ہے اور گو کسب حلال کے لئے اسباب اختیار کرنا بھی مفید ہے لیکن اس درجہ میں نہیں کہ نماز اور فرائض برباد ہوجائیں اور کمانا ہی اصل رہ جائے نَحْنُ نَرْزُقُکَ (ہم آپ کو رزق دیں گے) جو رزق مقدر ہے وہ سبھی کو ملے گا۔ لہٰذا اسباب اختیار کرنے میں فرائض اور واجبات ترک نہ کریں اور محرمات کا ارتکاب نہ کریں۔ جو لوگ اسباب اختیار نہیں کرتے رزق انہیں بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت ہے کہ ساری مخلوق رزق پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتی ہے۔ قال صاحب الروح ج ۱۶ ص ۲۸۵۔

دفع انما عسی ان یخطر ببال احد من ان المداومة علی الصلوٰة ربما تضر بامر المعاش فکانه قیل داوموا علی الصلوٰة غیر مشتغلین بامر المعاش عنها اذلا نکلفکم رزق انفسکم اذنحن نرزقکم۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں اس وہم کو دفعہ کیا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ نماز پر ہمیشگی روزگار کے معاملہ کو متاثر کرے تو گویا کہا گیا کہ تم معاش کے معاملہ میں الجھے نہ رہو نماز پر مداومت کرو کیونکہ ہم نے تم پر اپنے رزق کی ذمہ داری نہیں ڈالی رزق تو ہم تمہیں دیتے ہیں)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کو جب اپنے گھر میں کوئی سختی یا تنگی پیش آتی تھی تو انہیں نماز کا حکم دیتے تھے اور آیت کریمہ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوةِ تلاوت فرماتے تھے۔ (روح المعانی عن البیہقی فی شعب الایمان بسند صحیح) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ رات کو بمشیت الٰہی نماز پڑھتے رہتے تھے جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا تھا تو اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نماز پڑھو نماز پڑھو' اور ساتھ ہی آیت بالا تلاوت کرتے تھے (رواہ مالک فی الموطا فی صلوٰة اللیل)

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی (اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے) لہٰذا فرائض کا اہتمام رکھا جائے جن میں سب سے بڑھ کر نماز ہے اور ممنوعات اور محرمات سے پرہیز کیا جائے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے رب کی نشانی کیوں نہیں لاتا' کیا ان کے پاس پرانی کتابوں کا مضمون نہیں پہنچا'

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہماری طرف کوئی رسول

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

کیوں نہیں بھیجا جس کا ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے اتباع کر لیتے آپ فرما دیجئے سب انتظار کرنے والے ہیں سو تم بھی انتظار کرو۔ سو عنقریب جان لوگے

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

سیدھے راستے والا اور ہدایت یافتہ کون ہے

اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے بعد ہلاک فرماتا ہے

لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ رسول آتا تو پیروی کر لیتے

تفسیر: یہ سورہ طٰہٰ کی آخری تین آیات ہیں۔ پہلی آیت میں قریش مکہ کی ایک بیہودہ بات ذکر فرمائی ہے اور اس کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کہا کہ یہ صاحب نبوت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہم جو ان سے کہتے ہیں کہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کرانے کے لئے ہمارے سامنے فلاں معجزہ لاؤ تو وہ ایسا معجزہ کیوں نہیں لاتے' اگر ہمارا مطلوبہ معجزہ لے آئیں تو ہم مان لیں گے' یہ بات ان کی بطور عناد کے تھی بہت سے معجزات ان کے سامنے تھے لیکن ان کے ہوتے ہوئے ایمان نہیں لاتے تھے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید تھا جو ابد تک دنیا کے سامنے ہے سابقہ کتب توراۃ انجیل وغیرہ میں جو عقائد اور اصولی احکام تھے قرآن ان کو بیان کرتا ہے اور ان کے سچا ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس قرآن کا سامنے ہونا ہی اہل عقل کے لئے کافی ہے۔ قال صاحب الروح فالمراد بالبينة القرآن الكريم والمراد بالصحف الاولى التوراة والانجيل وسائر الكتب السماوية وبما فيها العقائد الحقة و اصول الاحكام التى اجتمعت عليها كافة الرسل عليهم السلام ومعنى كونه بينة لذلك كونه شاهدا بحقيقته۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ یہاں بینہ سے مراد قرآن کریم ہے اور الصحف الاولیٰ سے مراد توراۃ و انجیل اور باقی آسمانی کتابیں اور ان میں موجود عقائد حقہ اور احکام کے وہ اصول ہیں جن پر تمام انبیاء کرام متفق رہے اور اس کا ان کے لئے بینہ ہونے کا مطلب ہے اس کا ان کے حق ہونے کی گواہی دینا ہے)

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ان کو کوئی عذاب بھیج کر قرآن نازل کرنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ ہمارے پاس رسول بھیجا جاتا تو ہم اس کا اتباع کرتے ایمان لاتے احکام مانتے اور اب عذاب میں پڑ کر ذلیل اور رسوا نہ ہوتے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ہم نے رسول بھیج دیا حجت پوری کر دی اب یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ کوئی رسول آتا تو ہم ایمان لے آتے اور عذاب میں داخل نہ ہوتے۔ اللہ جل شانہٗ نے بغیر اتمام حجت نہ کسی قوم کو ہلاک کیا اور نہ اس کے بغیر آخرت میں کسی کو عذاب ہوگا۔ سورۃ الاسراء میں ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں عذاب دینے والے نہیں ہیں) اور سورۃ فاطر میں فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ (بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں ہم نے ڈرانے والا نہ بھیجا ہو) تیسری آیت میں فرمایا کہ آپ ان منکرین سے فرما دیں کہ دیکھو اس دنیا میں کیا ہوتا ہے اور آخرت میں کیا ہوگا سب اس کے انتظار میں ہیں سو تم بھی انتظار کر لو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے' یہاں تو حق کی تکذیب کر رہے ہو تمہیں حق سے انحراف ہے موت کے وقت اور اس کے بعد کے حالات تمہیں بتا دیں گے کہ صحیح راستہ پر کون ہے تمہیں اپنی غلطی کا اس وقت پتہ چلے گا جب اس کی تلاوت نہ ہو سکے گی اور عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ صحیح بات یہی ہے کہ آج ہی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لے آؤ۔ دلائل کو دیکھو حق کو پہچانو' صراط مستقیم پر چلو' حق سے منہ موڑ کر بربادی کے گڑھے میں نہ گرو۔

تذییل

سورہ طٰہٰ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا سبب ہے مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا تو سرداران قریش دشمنی پر تل گئے لیکن جو ضعفاء اور مساکین' فقراء اور پردیسی اور غلام تھے ان میں اسلام پھیلتا رہا یہ لوگ پوشیدہ طور پر مسلمان ہوتے تھے کیونکہ قریش مکہ کی طرف سے ان کو مارا پیٹا جاتا تھا اور بری طرح سزائیں دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے اور اہل ایمان کو ایذائیں پہنچانے میں شریک رہتے تھے۔ ضعفاء اور فقراء کے علاوہ کچھ اونچے طبقہ کے لوگ بھی شدہ شدہ اسلام قبول کرنے لگے تھے لیکن وہ بھی خفیہ طور پر قبول کرتے تھے۔ انہیں حضرات میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن فاطمہ بنت الخطاب اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید (جن کا عشرہ مبشرہ میں شمار ہے) رضی اللہ عنہما بھی تھے جنہوں نے پوشیدہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا ان کے پاس حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھپ چھپ کر جاتے تھے اور دونوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر نکلے ان کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب پر حملہ کریں یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ بہت سے صحابہ قریش کی ایذاؤں سے محفوظ ہونے کے لئے حبشہ کو ہجرت کر چکے تھے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لئے جا رہے تھے کہ نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے کہا اے عمر کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد ہیں جنہوں نے نیا دین نکالا ہے اور قریش میں تفریق ڈالی ہے اور قریش کو بے وقوف بنایا ہے ان کے دین کو عیب لگایا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہا ہے میں اس نئے دین لانے والے کو قتل کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عمر! تم کس دھوکہ میں ہو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ محمد کو قتل کر دو گے تو بنی عبد مناف تمہیں زمین پر چلتا ہوا چھوڑ دیں گے تم ذرا اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔ ان کو ٹھیک کرو' کہنے لگے کون سے میرے گھر والے؟ حضرت نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ تمہاری بہن فاطمہ

اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید جو تمہارے چچازاد بھائی بھی ہیں یہ دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے تابع ہو گئے ہیں پہلے تم وہاں جاؤ' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بہن فاطمہ کے گھر کی طرف چلے وہاں پہنچے تو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں سورہ طٰہٰ کا درس دے رہے تھے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آہٹ سنی تو حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پردہ کے پیچھے چلے گئے اور حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ ورقہ لے کر چھپا دیا جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازہ کے قریب پہنچ کر حضرت خباب کی آواز سن لی تھی۔ دروازہ کھولا گیا تو اندر داخل ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا آواز تھی؟ ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا نہیں کوئی بات نہیں۔ کہنے لگے "کیسے نہیں" مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دونوں نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے یہ کہا اور حضرت سعید بن زید کو مارنے کے لئے پکڑا حضرت فاطمہ بنت الخطاب اپنے شوہر کو بچانے کے لئے کھڑی ہوئیں تو ان کو ایسا مارا کہ ان کے چہرہ سے خون جاری ہو گیا۔ جب یہ بات یہاں تک پہنچی تو بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لو۔ اس کے بعد بہن کے چہرے پر نظر پڑی اور خون دیکھا تو شرمندہ ہو گئے اور اپنی بہن سے کہا اچھا لاؤ مجھے دکھاؤ اس کاغذ میں کیا ہے جو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ محمد ﷺ جو کچھ لائے ہیں میں اسے دیکھوں' ان کی بہن نے کہا تمہارا کچھ بھروسہ نہیں تم اسے پھاڑ دو گے کہنے لگے تم ڈرو نہیں اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ حضرت فاطمہ نے موقع کو غنیمت جانا اور ان کے دل میں یہ بات آئی کہ ان شاء اللہ یہ ابھی اسلام قبول کر لیں گے' کہنے لگیں کہ بھیا تم اپنے شرک پر ہو اور ناپاک ہو یہ ایسی چیز ہے جس کو صرف پاک انسان ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور غسل کیا ان کی بہن نے وہ کاغذ دے دیا جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی جب اس کا شروع والا حصہ پڑھا تو کہنے لگے کہ واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے اور بہت ہی عزت کی چیز ہے' جب حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر سے یہ بات سنی تو فوراً نکلے اور کہنے لگے کہ اے عمر اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے نبی کی دعا کی وجہ سے قبول فرما لیا۔ میں نے کل آپ کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو تقویت دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دعا تمہیں لگ گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے اے خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کروں۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ وہ صفا کے قریب ایک گھر میں ہیں' وہاں اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہیں حضرت عمر وہاں پہنچے اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور چونکہ تلوار لئے ہوئے تھے اس لئے بعض صحابہ ان کو دروازہ کی درازوں سے دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو عمر بن خطاب ہیں جو تلوار لگائے ہوئے آئے ہیں۔ اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا (جو حضور اقدس ﷺ کے چچا تھے) کہ عمر کو اندر بلا لو' اگر کوئی خیر کا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں اور اگر شر کا ارادہ ہے تو اسی کی تلوار سے اسے قتل کر دیں گے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ عمر کو اندر آنے کی

اجازت دے دو لہٰذا ان کو اجازت دے دی گئی وہ اندر آئے تو رسول اللہ نے ان کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچا اور فرمایا اے ابن الخطاب کیسے آئے میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنے کفر و شرک سے اس وقت باز آؤ گے جب تم پر کوئی مصیبت آئے گی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں تو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں اس پر رسول اللہ نے زور سے اللہ اکبر کہا جس سے گھر والوں نے پہچان لیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کر لیا ہے جو حضرات وہاں موجود تھے (حبشہ نہیں گئے تھے) انہیں یہ تسلی ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے دشمنوں کے حملوں سے حفاظت ہوگی (ذکرہ حافظ ابن کثیر فی البدایة والنہایة عن ابن اسحاق ج۳ ص۷۹-۸۰-۸۱)

ولقد تم تفسیر سورہ طه فی محرم الحرام ۱۴۱۵ھ من هجرة
سید الانبیاء والمرسلین علیه صلوات الله وسلامه وعلی اله
واصحابه اجمعین والحمد لله اولا وآخرا وباطنا وظاهرا

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَا عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانبیاء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بارہ آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ

لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں اعراض کئے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کے

مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ

رب کی طرف سے جو کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل غفلت میں ہیں

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ

اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے چپکے چپکے سرگوشی کی کہ یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارے جیسا انسان ہے۔ کیا تم دیکھتے ہوئے جادو کو

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ

مانتے ہو۔ اس نے کہا میرا رب بات کو جانتا ہے آسمان میں اور زمین میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ یہ تو خوابوں کی

الْعَلِيْمُ ۝۴ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا

گٹھڑیاں ہیں۔ بلکہ یوں کہا کہ اس شخص نے جھوٹ بنا لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے سو چاہئے کہ ہمارے پاس نشانی لے کر آئے

بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا

جیسا کہ اس سے پہلے لوگ نشانیاں دیکر بھیجے گئے۔ ان سے پہلے کسی بستی والے ایمان نہیں لائے جسے ہم نے ہلاک کیا

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا

سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے اور ہم نے آپ سے پہلے جن کو رسول بنا کر بھیجا وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ سو تم

اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ہو اور ہم نے ان کو کوئی ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ

پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا سو ہم نے انہیں اور جس جس کو چاہا نجات دے دی

وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا
اور ہم نے حد سے نکلنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے
تَعْقِلُوْنَ ⑩ؑ
کیا تم نہیں سمجھتے۔

منکرین کے عناد کا تذکرہ اور ان کی معاندانہ باتوں کا جواب

تفسیر: یہاں سے سورۃ الانبیاء علیہم السلام شروع ہو رہی ہے اس میں چوتھے رکوع کے ختم تک معاندین اور منکرین توحید و رسالت اور منکرین کی تردید ہے۔ پھر پانچویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے انہوں نے جو اپنی قوم سے خطاب کیا اور بتوں کو توڑنے پر جو قوم نے ان سے سوال و جواب کئے اور انہیں آگ میں ڈالا اس کا تذکرہ ہے' اس کے بعد حضرت لوط' حضرت نوح' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت ایوب اور حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل اور حضرت ذوالنون (یعنی حضرت یونس) اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کا تذکرہ ہے پھر آخر سورۃ تک مختلف مواعظ ہیں اور انہیں کے ذیل میں یاجوج ماجوج کے خروج اور وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ اپنی غفلتوں میں روگردانی کئے ہوئے ہیں انہیں کوئی فکر نہیں کہ قیامت ہوگی اور حساب ہوگا اور یہ ان کی غفلت اس لئے ہے کہ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہیں' جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بھی نئی نصیحت ان کے پاس آتی ہے یعنی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اور ان کے دل غافل ہوتے ہیں اور رسول اللہ کی تکذیب بھی کرتے ہیں اور چپکے چپکے آپس میں یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو یوں کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ تو تمہارا ہی جیسا آدمی ہے اور یہ جو کچھ معجزہ کے نام سے تمہیں دکھاتا ہے یہ جادو ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کو مان لو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے؟ ان کی ان باتوں کا جواب رسول اللہ نے یوں دیا کہ آسمان میں اور زمین میں جو بات ہوتی ہے کیسی ہی خفیہ اور پوشیدہ ہو میرا رب اسے خوب جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ تمہاری باتوں کا اسے علم ہے وہ ان کی سزا دے گا۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کے ماننے سے بھی انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ تو خوابوں کی گٹھڑیاں ہیں۔ ان کو خواب میں کچھ باتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں انہیں کو پیش کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کیطرف سے نازل ہوا اس سے بڑھ کر انہوں نے یوں کہا کہ یہ باتیں خود ہی اپنے پاس سے بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ شاعر ہے وہ لوگ یہ سب عناد اور ضد میں

کہتے تھے وہ جانتے تھے کہ آپ شاعر نہیں اور جو اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ شعر ہے نہ شاعری ہے شاعروں کی تک بندیوں اور دنیائے خیالات کی باتوں سے بلند اور بالا ہے۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جیسے ان سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نشانیاں لے کر آئے یہ بھی کوئی ایسی نشانی لے کر آئیں' معجزات تو بہت تھے جنہیں بار ہا دیکھتے رہتے تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کی چھوٹی سی ایک سورۃ کے مقابلہ میں ذرا سی عبارت بنا کر لانے سے بھی عاجز تھے۔ لیکن ان معجزات موجودہ کے علاوہ اپنے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ معاندین کی اس بات کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ لوگوں کا پابند نہیں کہ جو لوگ معجزہ چاہیں وہی بھیجے۔ اور ان سے پہلے بعض امتوں کے پاس فرمائشی معجزہ آیا وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ لہٰذا ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی کو فرمایا مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ان سے پہلے کسی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا (فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی) ایمان نہ لائے اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ (کیا یہ ایمان لے آئیں گے) اگر یہ ایمان نہ لائے تو پرانی امتوں کی طرح ان پر بھی عذاب نازل ہو جائے گا اور چونکہ ابھی عذاب نازل فرمانا قضا و قدر میں نہیں ہے اس لئے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کئے جاتے۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ تو تمہاری طرح کے آدمی ہیں اور ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا اس کے جواب میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد ہی تھے۔ یعنی آدمی ہی تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے) نبی اور غیر نبی میں وحی آنے نہ آنے کا فرق ہے ایسا کوئی قانون نہیں کہ جو نبی ہو وہ بشر نہ ہو فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تم اس بات کو نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں فاسالوا ایها الجهلة اهل الکتاب الواقفین علی احوال الرسل السالفة علیهم الصلوة والسلام لتزول شبهتکم مطلب یہ ہے کہ اے جاہلو اہل کتاب سے پوچھ لو جنہیں گزشتہ رسولوں کے حالات معلوم ہیں وہ تمہیں بتا دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام انسان تھے بشر تھے' تم اہل کتاب سے یہ مشورہ تو کرتے ہو کہ رسول اللہ کا امتحان کرنے کے لئے آپ سے کیا پوچھیں ذرا یہ بھی تو پوچھ لو کہ پہلے جو انبیاء کرام تشریف لائے تھے کیا وہ بشر کے علاوہ کسی دوسری جنس کے افراد تھے۔ تمہیں تو انبیاء سابقین علیہم السلام کی خاص خبر بھی نہ تھی اہل کتاب ہی کے بتانے ہی سے تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم ہوا ہے اور اہل کتاب ہی کے سمجھانے سے تم نے یہ کہا ہے فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ تم ان سے معلومات کرتے رہتے ہو تو یہ بھی تو معلوم کرو کہ انبیاء سابقین علیہم السلام بشر تھے یا بشر کے علاوہ اور کسی دوسری جنس سے تھے؟ جب تم ان سے پوچھو گے اور وہ صحیح جواب دیں گے تو یہی بتائیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام انسان تھے بشر تھے۔ جب وہ حضرات بشر تھے تو خاتم النبیین کے بشر ہوتے ہوئے نبی ہونے پر کیا اعتراض ہے۔

مزید فرمایا وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (کہ ہم نے رسولوں کے ایسے بدن نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں) چونکہ وہ فرشتے نہیں تھے بشر تھے اس لئے کھانا بھی کھاتے تھے اور کھانا کھانا مقام نبوت کے منافی نہیں ہے سورۂ فرقان میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر ایسے رسول جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے)

وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ (اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے) وہ انسان ہی تھے انسانوں کی طرح انہیں بھی موت آئی اور موت کا آنا بھی نبوت کے منافی نہیں ہے۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ پھر ہم نے انبیاء کرام سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا یعنی ان کو اور ان کے علاوہ جس جس کو چاہا (جو اہل ایمان تھے) نجات دے دی وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو ہلاک کر دیا۔

آخر میں فرمایا لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اور ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی جس میں تمہاری نصیحت ہے کیا تم نہیں سمجھتے) بعض حضرات نے ذکرکم کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اس کی وجہ سے عرب کی عزت ہے اور دائمی شہرت ہے قرآن کی برکت سے ان لوگوں کو عروج ہوا عرب و عجم کے فاتح بنے قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے دنیا میں عرب کی کوئی بھی حیثیت نہ تھی قرآن کی وجہ سے انہیں بلندی ملی اب اس بلندی کی لاج رکھنا ان کا اپنا کام ہے یہ معنی لیا جائے تو الفاظ قرآنیہ کے مناسب ہے۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یہ حکم سورۂ نحل میں بھی گذر چکا ہے اس میں حکم ہے کہ جسے معلوم نہیں وہ اہل علم سے پوچھ لے اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ ہر وہ آدمی جسے احکام شریعت معلوم نہیں اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید کرے اور جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کے لئے علماء سے رجوع کرے جاہل رہنا عذر شرعی نہیں ہے۔ خلاف شرع کام کرے اور پھر یوں کہہ دے کہ مجھے پتہ نہ تھا اس سے دنیا میں یا آخرت میں چھٹکارا نہ ہوگا بہت سے لوگ قصداً و عمداً علم دین حاصل نہیں کرتے اور اپنی اولاد کو بھی نہیں پڑھاتے اور اپنے حالات و معاملات میں احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔ اور جب کوئی ٹوکتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہ تھا' پتہ کے پاؤں تو ہیں نہیں کہ خود سے چل کر آ جائے پتہ کرنا پڑتا ہے علماء کے پاس جانا پڑتا ہے علم سے دور رہنا اور بیزار رہنا اور جہالت کو عذر بنانا شریعت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ

اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو توڑ دیا جو ظلم کرنے والی تھیں' اور ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا فرما دیا' سو جب

اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ

انہوں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنے لگے' مت بھاگو اور ان چیزوں کی طرف جن میں تم عیش میں پڑے ہوئے تھے

فِيهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ

اور اپنے گھروں کی طرف واپس آجاؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے وہ کہنے لگے ہائے ہماری خرابی بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے۔ سو برابر ان کا

دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

یہی کہنا رہا یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا

ہلاک ہونے والی بستیوں کی بدحالی

تفسیر: ان آیت میں منکرین اور مکذبین کو عبرت دلائی ہے اور پرانی بستیوں کی ہلاکت بتا کر یاددہانی فرمائی ہے کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظلم کرتی تھیں، یہ ظلم کفر و شرک اختیار کرنے کی وجہ سے تھا انہوں نے اپنی جانوں پر کیا ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی جب انہیں پتہ چلا کہ عذاب آ رہا ہے تو وہاں سے دوڑ کر جانے لگے ان سے کہا گیا کہ مت دوڑو تم جس عیش و عشرت میں لگے ہوئے تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے انہیں میں واپس آ جاؤ تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ تم جس ساز و سامان اور جن مکانوں پر گھمنڈ کرتے تھے اور اتراتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کہاں ہے جائے پناہ اور کہاں ہے حفاظت کی جگہ؟ جب عذاب آ ہی گیا تو کہنے لگے ہائے ہماری کمبختی! ہم ظالم تھے! کیونکہ عذاب آ جانے کے وقت توبہ کرنا اور ظلم کا اقرار کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا اس لئے وہ لوگ اپنی یہی بات کہتے رہے کہ ہائے ہائے ہم ظالم تھے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا۔

لفظ قصمنا کا اصل معنی توڑ دینے کا ہے اس لئے بہت زیادہ تکلیف کو قاصم الظهر کمر توڑنے والی کہا جاتا ہے یہاں یہ لفظ لا کر ہلاک شدہ بستیوں کی پوری طرح تباہی بیان فرمائی ہے۔ اور رکض گھوڑے کے پاؤں مارنے کے لئے بولا جاتا ہے جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑنا شروع کرتے ہیں تو اسے ایڑی مارتے ہیں اس لفظ کو بھاگ جانے کے لئے استعمال فرمایا ہے۔

لَا تَرْكُضُوْا جو فرمایا اس سے پہلے قیل لهم حذف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ عذاب دیکھ کر بھاگنے لگے تو ان سے عذاب کے فرشتوں نے یا ان اہل ایمان نے جو وہاں موجود تھے بطور استہزا اور تمسخر یوں کہا کہ ٹھہرو کہاں دوڑتے ہو تمہیں تو اپنی نعمت اور دولت عیش و عشرت پر بڑا ناز تھا اپنے گھروں کو مزین کر رکھا تھا اور اونچے اونچے مکان بنا کر فخر کرتے تھے آؤ دیکھو تمہارے مکان کہاں ہیں؟ تم سے کوئی سوال کرنے والا سوال کرے تو اس کا جواب دو اب تو ظلم اور عیش و عشرت کا نتیجہ دیکھ لیا بتاؤ کیا انجام ہوا؟

حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ اس میں ہلاک شدہ لوگوں کا انجام بتایا ہے حصید کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں اور خامدین خمود سے مشتق ہے جو بجھنے کے معنی میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ ہلاک ہوئے تو ان کے اجسام کے ڈھیر پڑے ہوئے

تھے جیسے کھیتی کاٹ کرڈھیر لگادیا جاتا ہے۔ اوران کی شوں شاں اور کروفر ایسی ختم ہوگئی جیسے جلتی ہوئی شمعیں بجھادی جائیں اور آگ جل کر ٹھنڈی ہو جائے اور ذرا بھی روشنی نہ رہے۔ قرآن مجید میں یہاں مطلقاً یوں فرمایا ہے کہ ''کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا'' کسی خاص بستی اور خاص علاقہ کا ذکر نہیں ہے اور عبرت دلانے کے لئے یہ اجمال کافی ہے لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اہل حضرموت مراد ہے جو یمن کا ایک علاقہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک نبی بھیجا تھا انہوں نے اسے جھٹلایا اور قتل کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے انہیں قتل کیا اور قید کیا جب قتل کا سلسلہ جاری ہوا تو پشیمان ہوئے اور بھاگنے لگے تو اس پر ان سے کہا گیا لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا (الآیۃ) (معالم التنزیل ص ۲۴۰ ج ۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا
اور ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھلونا
تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ
بناتے تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہوتے، بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے
فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ⑱ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
پھر وہ چلا جاتا ہے، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس کی وجہ سے تمہارے لئے خرابی ہے، اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے
وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ⑲ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ
اور جو بندے اللہ کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں، رات دن اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں،
وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ⑳
ان میں سستی نہیں آتی۔

اثبات توحید، ابطال شرک، اور حق کی فتح یابی

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے جو آسمان وزمین پیدا کئے ہیں ان کا پیدا کرنا کوئی فعل عبث کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں جن میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ ان کے وجود اوران کی بڑائی اور پھیلاؤ سے ان کے خالق کو پہچانیں، اگر آسمان وزمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی محض ایک مشغلہ ہی کے طور پر بنانا مقصود ہوتا تو ہم اپنے پاس سے کسی چیز کو مشغلہ بنا لیتے۔ لیکن ہمیں یہ کرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی صفات اس سے برتر اور بالا ہے کہ وہ کسی چیز کو بطور لہو ولعب پیدا فرمائیں یا کسی چیز کو بطور لہو ولعب کے اختیار فرمائیں۔

دنیا میں چونکہ حق و باطل کا معرکہ رہتا ہے اور آخر میں حق ہی غالب ہوتا ہے اس لئے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ کہ ہم حق کو باطل پر پھینک دیتے ہیں سو وہ باطل کا سر پھوڑ دیتا ہے یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے قال صاحب معالم التنزیل اصل الدمغ شج الراس حتی یبلغ الدماغ فاذاھو زاھق (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں دمغ کا اصل معنی ہے سر کا زخم جو دماغ تک پہنچ جائے کہ پس دماغ جانے والا ہو) سو باطل مغلوب ہو کر دفع ہو جاتا ہے۔ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو یعنی حق کے خلاف بولتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں جو ایسی باتیں کرتے ہو جن سے وہ پاک ہے اس حرکت کی وجہ سے تمہارے لئے خرابی ہے یعنی ہلاکت ہے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الاٰیتین) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مملوک اور مخلوق ہے اور جو بندے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس میں عار نہیں سمجھتے کہ وہ اس کی عبادت میں مشغول ہوں وہ برابر اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ذرا سستی نہیں کرتے رات دن اس کی تسبیح میں مشغول ہیں تھکنے کا نام نہیں ان تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنے والوں سے فرشتے مراد ہیں۔ ان کی عبادت اور تسبیح اور تقدیس میں مشغول علی الدوام ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود برحق مانتے اور جانتے ہیں اہل دنیا میں جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اپنی جہالت اور بے عقلی سے شرک میں مبتلا ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ

کیا ان لوگوں نے زمین کی چیزوں میں سے معبود بنا لئے ہیں جو زندہ کرتے ہیں؟ اگر آسمان میں اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ان دونوں کا

اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ

نظام درہم برہم ہو جاتا' سو اللہ جو عرش والا ہے اس چیز سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے

وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا

سوال نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں سے باز پرس ہوتی ہے کیا ان لوگوں نے اس کے سوا معبود بنا لئے ہیں آپ فرما دیجئے اپنی دلیل لاؤ' یہ

ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ

ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں اور جو مجھ سے پہلے تھے' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ

سو وہ اس سے اعراض کئے ہوئے ہیں' اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف یہ وحی بھیجی کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ

میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کرو۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے بیٹا بنالیا ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ اس کے معزز

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

بندے ہیں وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ

جو ان کے اگلے پچھلے احوال ہیں اور وہ کسی کے لئے سفارش نہیں کریں گے بجز ایسے شخص کے جس کی سفارش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی

مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ

مرضی ہو۔ اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں سو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

ہم اسی طرح ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

توحید کے دلائل اور فرشتوں کی شان عبدیت کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات جلیلہ بیان کی ہیں (مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ (کیا ان لوگوں نے زمین میں سے کاٹ چھانٹ کر ایسے معبود بنالئے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں) یعنی انہوں نے اجزائے زمین سے بنا کر معبود تو بنالئے جنہیں پتھروں سے تراشا اور لکڑی وغیرہ سے بنایا ہے لیکن یہ باطل معبود ہیں اگر حقیقی معبود ہوتے تو مردوں کو زندہ کر دیتے۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ان کو معبود بنانا سراسر حماقت ہے وہ کیا زندہ کرتے وہ تو خود ہی بے جان ہیں' سورۃ النحل میں فرمایا اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں انہیں پتہ نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر آسمان زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ چونکہ ایک کی مشیت کچھ ہوتی دوسرے کا ارادہ کچھ اور ہوتا' اس طرح سے ٹکراؤ ہو جاتا اور اس ٹکراؤ کا اثر آسمان و زمین کے نظام پر ہونا لازم تھا جب آسمان زمین میں فساد نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معبود صرف ایک ہی ہے ایک سے زیادہ نہیں ہے اس مضمون کو سورۂ مومنون میں یوں فرمایا مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ ۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ نے کوئی اولاد اپنے لئے

نہیں بنائی نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا جب یہ سب باتیں نہیں ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ معبود صرف ایک ہی ہے فَسُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (سو اللہ جو عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں)

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ وہ قادر مطلق ہے مختار کامل ہے احکم الحاکمین ہے کسی کی کوئی مجال نہیں کہ اس سے کوئی باز پرس کرے اور یوں پوچھے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ اور اس کی مخلوق سے باز پرس کی جاتی ہے اور کی جائے گی یعنی دنیا میں بھی ان سے مواخذہ ہے اور آخرت میں بھی' جس کسی نے غلط عقائد اختیار کئے اور برے اعمال کئے اس سے باز پرس ہوگی اور مستحق سزا ہوگا۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً (کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا معبود تجویز کر لئے ہیں (یہ استفہام انکاری بطور توبیخ کے ہے)

قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ (آپ فرما دیجئے کہ شرک کے جواز پر اپنی دلیل لے آؤ) تم اس پر کوئی بھی دلیل نہیں لا سکتے شرک کرنا بے دلیل ہے' عقلاً بھی قبیح ہے اور نقلاً بھی حضرات انبیاء علیہم السلام جو پہلے گذرے ہیں انہوں نے بھی شرک سے منع کیا ہے اور کتب الٰہیہ میں شرک کا گمراہی ہونا مذکور ہے اسی کو فرمایا ھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ (یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب ہے یعنی قرآن مجید) اور جو حضرات مجھ سے پہلے تھے ان کی کتابیں یعنی توراۃ انجیل بھی موجود ہیں ان سب میں شرک کی قباحت بتائی ہے اور شرک کو گمراہی بتایا ہے سو عقلاً و نقلاً شرک مذموم ہے اور قبیح ہے۔

بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ (بلکہ ان میں اکثر وہ ہیں جو حق کو نہیں جانتے سو وہ اس سے اعراض کئے ہوتے ہیں)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' سو تم میری عبادت کرو) اس میں مشرکین اہل کتاب کی تردید ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معبود بتاتے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا ہے اس نے ہماری طرف سے یہی بات پہنچائی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم اس کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہو۔ اور اپنے دین شرک کو نبیوں کی طرف منسوب کرنے کی گمراہی میں کیوں مبتلا ہو؟ اس کے بعد ان لوگوں کی تردید فرمائی جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے ارشاد فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ (الآیۃ) کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں یکسر مو حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ وہ ہیبت الٰہی سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور سفارش بھی اسی کے لئے کر سکتے ہیں جس کے لئے سفارش کرنا اللہ کی رضا کے مطابق ہو' ان میں سے کوئی فرد بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں معبود ہوں۔ بالفرض اگر ایسا کہے گا تو دیگر مدعیان الوہیت کی طرح وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ
کیا کافروں کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے ان دونوں کو کھول دیا'
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ
اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا کیا وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے' اور ہم نے زمین میں
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾
جمنے والی چیزیں بنا دیں تاکہ وہ ان کو لے کر نہ ہلے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ وہ راہ پالیں'
وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ
اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا اور وہ ہماری نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں' اور وہ
الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾
ایسا ہے جس نے رات کو اور دن کو اور چاند کو اور سورج کو بنایا سب ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں

مزید دلائل توحید کا بیان' تخلیق ارض و سماء' پہاڑوں کا جما دینا اور شمس و قمر کا ایک ہی دائرہ میں گردش کرنا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی صفت خالقیت کو بیان فرمایا ہے اور مخلوق میں جو بڑی بڑی چیزیں ہیں ان کو بطور نشانی کے پیش فرما کر اہل کفر کو ایمان کی دعوت دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ کافروں کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان و زمین سب بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے کچھ پیدا ہوتا تھا پھر ہم نے انہیں اپنی قدرت سے کھول دیا۔ بارشیں بھی خوب ہونے لگیں اور زمین سے نباتات بھی نکلنے لگے یہ چیزیں منکرین کے سامنے ہیں کچھ لوگ تو خالق و مالک کو مانتے ہی نہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو مانتے تو ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں' ان دونوں قسم کے کافروں کو ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر توحید کا قائل ہونا لازم تھا لیکن ان سب کے باوجود پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

قدرت الٰہیہ کے مظاہر بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا) اس عموم میں جتنے بھی جاندار ہیں سب داخل ہیں اور من الماء سے بارش کا پانی مراد ہے جس کا کسی نہ کسی درجہ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ جاندار چیزوں کے پیدا ہونے میں یا زندہ رہنے میں دخل ہے۔ یہ بھی بہت بڑی نشانی ہے جو اہل عقل کے لئے کافی ہے۔ لیکن کافر پھر بھی منکر ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ بارش برسانے والا اور اس پانی کو زندگی کا

ذریعہ بنانے والا صرف خالق وحدہ لاشریک لہٗ ہی ہے ایمان نہیں لاتے۔ مزید فرمایا وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ (یعنی ہم نے زمین میں بھاری بوجھل چیزیں بنا دیں جو زمین پر مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہیں تا کہ وہ لوگوں کو لے کر نہ ہلے) ان بھاری چیزوں سے پہاڑ مراد ہیں۔ جیسا کہ سورۃ والنّازعات میں فرمایا وَالْجِبَالَ أَرْسٰهَا (اور زمین میں پہاڑوں کو جما دیا) اور سورہ والمرسلات میں فرمایا وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ (اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے جو اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں)

یہ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہیں ان کے جو دوسرے فوائد ہیں وہ اپنی جگہ ہیں ان کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اونچے بھی ہیں بوجھل بھی ہیں زمین کے اوپر بھی ہیں اندر بھی ہیں، زمین میں میخوں کی طرح گڑھے ہوئے ہیں۔ سورۃ النباء میں فرمایا أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا وَّالْجِبَالَ أَوْتَادًا (کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا) یہ پہاڑ زمین کو حرکت نہیں کرنے دیتے اور زمین پر رہنے والے اطمینان اور سکون سے رہتے اور بستے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ہے اور اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی بھی ہے، یہ تو زمین کے عام احوال کے اعتبار سے ہے پھر جب کبھی کسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کو زلزلہ بھیجنا ہوتا ہے تو انہیں پہاڑوں کے ہوتے ہوئے زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور خود پہاڑ بھی اس کی مد میں آ کر چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنا دیئے تا کہ وہ راہ پا لیں) یعنی بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جائیں۔

یہ راستے ایک شہر سے دوسرے شہر کو ملاتے ہیں ان میں پیدل اور سواریوں پر گزرتے ہیں پہاڑوں تک میں اللہ تعالیٰ نے راستے بنا دیئے ہیں۔ ادھر ادھر پہاڑ ہیں درمیان میں ایک گاڑی کے چلنے کا راستہ ہے۔ جنہیں عموماً مسافر جانتے ہیں۔ سورۂ نوح میں فرمایا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو) وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا) اور یہ آسمان زمین کے لئے چھت کی طرح سے ہے اور محفوظ بھی ہے گرنے سے بھی محفوظ ہے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی۔ پھر جب قیامت آئے گی اس وقت آسمان پھٹ پڑیں گے اس سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ فرما رکھا ہے۔ جس طرح ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہیں اسی طرح شیاطین سے بھی محفوظ ہیں جیسا کہ سورۂ حجر میں فرمایا وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ (اور ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا مگر یہ کہ ان میں سے کوئی چوری سے بات سن بھاگے، اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے) وھم عن آیاتھا معرضون (اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں) آسمان میں بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں لوگ قصداً ان سے اعراض کرتے ہیں اور ایمان کی طرف نہیں آتے۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اور اللہ وہی ہے جس نے رات کو اور دن کو اور

چاند کو اور سورج کو پیدا فرمایا) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو شخص بھی ان میں غور کرے گا اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور حکیم مطلق اور مدبر ہونے کا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہوگا کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستے مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان میں رواں دواں ہیں)

انہیں راستوں پر چلتے ہیں عربی میں فلک گول چیز کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا ترجمہ دائرہ سے کیا گیا ہے۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں فی فلک ای مستدیر کالطاحونة فی السماء یسبحون یسرون بسرعته کالسابح فی السماء یعنی وہ چکی کی طرح گول دائرہ میں اسی تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والا چلتا ہے۔ سورہ یٰس میں فرمایا لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (نہ سورج کے لئے یہ بات درست ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب گول دائرہ میں تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں)

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا' اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ لوگ کیا ہمیشہ رہیں گے ہر

نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' اور ہم تمہیں بری اور بھلی حالتوں کے ذریعہ اچھی طرح آزماتے ہیں' اور تم ہماری ہی طرف واپس کر دیئے جاؤ گے

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو ہنسی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں کیا یہی ہے وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ

اور وہ رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں' انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے' میں عنقریب

اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾

تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا' سو تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ' اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو'

لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ

اگر کافر لوگ اس وقت کو جان لیتے جب اپنے چہروں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے

وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی' بلکہ وہ آگ اچانک ان کے پاس آ جائے گی سو وہ انہیں بدحواس کر دے گی' سو وہ اسے نہ ہٹا سکیں گے

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی، اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے ان کا

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾

تمسخر کیا انہیں وہ چیز پہنچ گئی جس کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔

منکرین ومعاندین کا آپ کی موت کا آرزومند ہونا اور آپ کے ساتھ تمسخر کرنا، اور تمسخر کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہونا

تفسیر: اہل مکہ اور دیگر مشرکین رسول اللہ کے دنیا سے رخصت ہونے کا انتظار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ بس جی ان کی یہ باتیں تھوڑے ہی دن کی ہیں چند دن میں ختم ہو جائیں گی چند دن کی ان کی زندگی ہے آج دنیا سے گئے کل دوسرا دن کون انہیں پوچھے گا اور ان کی باتیں کہاں تک چلیں گی؟ اسی کو سورۂ طور میں فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خود ہمیں ہی دنیا میں کتنے دن رہنا ہے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا) دنیا میں جو بھی آئے ہیں سب کو موت سے دوچار ہونا ہے۔ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ (اگر آپ کی وفات ہو گئی تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے) مرنا تو ان کو بھی ہے اور حال یہ ہے کہ آپ کی موت کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ مزید فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان موت کو چکھنے والی ہے) جب سب کو مرنا ہی ہے اور قیامت کے دن جمع ہونا ہے تو ہر شخص اس کی فکر کرے کہ وہاں میرا کیا ہوگا، اللہ کے نبی کی تکذیب کرنے پر عذاب ہوگا اور اس سے چھٹکارا کا کوئی راستہ نہیں ہوگا اس کے لئے فکر مند ہوں تو ایمان کی توفیق ہو جائے گی، اس میں بھی مخالفین کے اس گمان کی بھی تردید ہے کہ محمد عنقریب دنیا سے اٹھ جائیں گے تو ہم لوگوں سے کہیں گے کہ دیکھو اگر یہ نبی ہوتے تو وفات کیوں پاتے۔

آپ سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے وہ بھی تو وفات پا گئے لہٰذا اس انتظار میں رہنا کہ ان کی وفات ہو جائے تو ہم لوگوں کو یہ بتائیں گے یہ نبی ہوتے تو وفات کیوں پاتے ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔

مزید فرمایا وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (ہم تمہیں بطور آزمائش شر اور خیر کے ساتھ جانچیں گے) یعنی تمہارا امتحان کریں گے اس زندگی میں اچھی حالت بھی پیش آئے گی (جیسے تندرستی مالداری خوشی اور ازواج اولاد کا موجود ہونا) اور بدحالی بھی پیش آئے گی (مثلاً رنجیدہ ہونا مرض اور تنگدستی کا پیش آنا اولاد کا مرنا وغیرہ وغیرہ) زندگی میں یہ سب چیزیں آزمائش کے طور پر پیش آتی ہیں کون ایمان لاتا ہے اور اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے، اور کون کفر اور نافرمانی کی زندگی گزارتا ہے،

مختلف احوال سے اشخاص وافراد کو آزمایا جاتا ہے اسی آزمائش میں یہ بھی ہے کہ بعض مرتبہ کافر دنیاوی احوال کے اعتبار سے آرام اور آسائش میں ہوتے ہیں اور اہل ایمان تنگدستی اور مشکل میں مبتلا ہوتے ہیں' ان فقراء اور مساکین کو دیکھ کر اہل کفر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں اور اس طرح آزمائش میں فیل ہو جاتے ہیں' اپنی آسائش اور خوشحالی کو کفر پر جمنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں (العیاذ باللہ) وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن حاضر کئے جاؤ گے) اس دن حق اور ناحق کے فیصلے کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا (جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ذات کو تمسخر کا ذریعہ بنالیتے ہیں) اور یوں کہتے ہیں اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ (کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے) یعنی تمہارے معبودوں کا انکار کرتا ہے اور ان کی عبادت پر اعتراض کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ یہ بے جان ہیں نفع اور ضرر کے مالک نہیں' وہ لوگ یہ بات آپ کی شان معظم کو گھٹانے کے لئے کہتے تھے اور ان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی صاحب حیثیت دنیاوی جاہ مرتبہ والا نہیں تھا۔ جسے نبی بنایا جاتا؟ کیا اسی آدمی کو نبوت دی گئی ہے جو ہمارے معبودوں کو برائی کے ساتھ یاد کرتا ہے۔

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (اور یہ لوگ رحمان کے ذکر کے منکر ہیں) یعنی نبی اکرم ﷺ نے جوان کے باطل معبودوں کو برا کہا وہ تو انہیں کھل رہا ہے اور ناگوار ہو رہا ہے لیکن خود ان کی حرکت ہے اس پر توجہ نہیں دیتے رحمٰن جل مجدہ جس نے انہیں اور ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے نہ اسکی توحید کے قائل ہوتے ہیں نہ اسکی ذات عظیمہ اور صفات جلیلہ پر ایمان لاتے ہیں ان کو تو خود اپنی ذات پر ہنسنا چاہئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اپنی حماقت اور ضلالت کا خیال نہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ کے سچے نبی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

جب مشرکین کے سامنے دنیا میں عذاب آنے یا قیامت آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ یہ ڈرانا خواہ مخواہ کا ہے عذاب آنا ہی ہے تو بس آجائے دیر کیوں لگ رہی ہے۔ اسی کو فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) یعنی اس کے مزاج میں جلد بازی رکھدی گئی ہے اپنے اس مزاج کی وجہ سے وہ عذاب کو بھی وقت سے پہلے بلانے کو تیار ہے۔ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (سو میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھادوں گا سو تم مجھ سے عذاب کی جلدی مت مچاؤ) کیونکہ عذاب وقت مقرر سے پہلے نہیں آتا اور جب آجائے تو ٹالا نہیں جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قہر کی نشانیاں ظاہر ہوئیں جن میں غزوہ بدر کے موقع پر سرداران قریش کا مارا جانا اور قید ہونا بھی تھا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) عذاب کی باتیں سن کر تکذیب کرتے تھے اور چونکہ عذاب کی خبر کو سچی نہیں مانتے تھے اس لئے بار بار ایسی باتیں کہتے تھے کہ اجی! عذاب آنے والا نہیں ہے اگر آنا ہے تو کیوں نہیں آجاتا۔ ان لوگوں کو یہ بات قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر فرمائی ہے

یہاں ان کے جواب میں فرمایا۔ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۞ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ (اگر کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب وہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، بلکہ وہ آگ ان کے پاس اچانک آ جائے گی سو وہ انہیں بدحواس بنا دے گی پھر وہ اسے ہٹا نہ سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی) یعنی جب وہ لوگ دوزخ کی آگ کے لپیٹ میں اور اس کی لپٹوں میں گھریں گے اگر انہیں اس وقت کی حالت کا علم ہو جاتا تو ایسی باتیں نہ بناتے، جب وہ لوگ انہیں گھیرے میں لیں گے تو ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اس وقت اسے نہ ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو یہ مہلت دی جائے گی کہ زندہ ہو کر دنیا میں واپس آ کر مومن بن جائیں اور دوبارہ مر کر پھر حاضر ہوں اور عذاب سے بچ جائیں، جب عذاب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو بس داخل ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے چلے گئے اب وہاں سے نکلنے کا اور مہلت ملنے کا کوئی موقع نہیں۔

آخر میں فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کا وہ تمسخر کرتے تھے) اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی گئی ان کا مذاق بنایا گیا۔ پھر انجام کے طور پر تمسخر کرنے والوں نے اپنے تمسخر اور تکذیب کا مزہ چکھ لیا اور جس عذاب کا وہ مذاق بناتے تھے یہ عذاب ان پر نازل ہو گیا، آپ کے مخالفین جو عذاب کا مذاق بنا رہے ہیں یہ بھی اطمینان سے نہ بیٹھیں گے ان پر بھی دنیا میں عذاب آ سکتا ہے۔ اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ہو تو ہر کافر کو عذاب میں مبتلا ہونا ہی ہے۔

قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

آپ فرما دیجئے وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ بلکہ وہ لوگ اپنے رب کی توحید سے

مُّعْرِضُوْنَ ۞ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ

اعراض کئے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے لئے ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ اپنی جانوں کی حفاظت نہیں کر سکتے

وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ۞ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَیْهِمُ

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی شخص ان کا ساتھ دے سکتا ہے! بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک

الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۞

عرصہ دراز گذر گیا۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹا رہے ہیں کیا وہ غالب آنے والے ہیں؟

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ وَلَئِنْ

آپ فرما دیجئے بات یہی ہے کہ میں تمہیں وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں اور بہرے لوگ پکار کو نہیں سنتے جبکہ وہ ڈرائے جاتے ہیں اور اگر

مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

آپ کے رب کی طرف سے انہیں عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے تو ضرور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی واقعی ہم ظالم تھے

رحمٰن کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، منکرین دنیاوی عیش و عشرت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے، اور بہرے پکار کو نہیں سنتے

تفسیر: ان آیات میں مخاطبین سے یہ فرمایا ہے کہ دیکھو رات دن گزرتے چلے جار ہے ہیں بتاؤ خالق اور مالک جل مجدہ کے عذاب سے تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عذاب بھیج دے تو تمہیں اس کے عذاب سے بچانے والا اور تمہاری حفاظت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ تم بھی اس بات کو جانتے اور مانتے ہو، یہ جانتے ہوئے پھر بھی اپنے پروردگار کی یاد سے اور اس کو وحدہ لاشریک لہ ماننے سے اعراض کئے ہوئے ہو، پھر فرمایا کہ یہ لوگ معبود حقیقی جل مجدہ کو چھوڑ کر جو غیروں کی عبادت کرتے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ جب ہماری طرف سے عذاب آئے گا تو ان کے یہ باطل معبود انہیں ہمارے عذاب سے بچالیں گے، ان کا یہ خیال غلط ہے۔ وہ ان کی کیا مدد کریں گے وہ تو اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے۔ خود ان پر ہماری طرف سے کوئی عذاب آ جائے یا کوئی تکلیف پہنچ جائے تو ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ پھر فرمایا کہ سرکشی کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان عیش دیا تھا اسی میں پھلتے پھولتے رہے اور اس پر زمانہ دراز گذر گیا پشت در پشت جب عیش و آرام میں پڑے رہے تو غفلت کے پردے پڑ گئے۔ نہ دنیا کے انقلاب سے چونکے نہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بیدار کرنے سے بیدار ہوئے اور اب اسلام کے اور مسلمانوں کے مخالف بن رہے ہیں کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ جس زمین پر وہ قابض ہیں ہم اسے ہر چار طرف سے برابر گھٹاتے چلے آ رہے ہیں یعنی ان سے لے کر مسلمانوں کے قبضہ میں دے رہے ہیں، کیا انہیں پھر یہ بھی خیال ہے کہ اہل ایمان پر غالب ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیں کہ میں تو تمہیں وحی کے ذریعہ ہی ڈراتا ہوں لیکن تم بہرے بنے ہوئے ہو۔ بہرے پکار کو سنتے ہی نہیں ہیں، حقیقت میں بہرے نہیں لیکن بہرے لوگوں کا ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے۔ ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور عذاب آنے کی رٹ لگاتے ہیں عذاب کی تاب نہیں اور عذاب کا تقاضا ہے۔ اسی کو فرمایا: وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ (الآیۃ) (اگر آپ کے رب کی طرف سے انہیں عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے تو ضرور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی واقعی ہے) عذاب کے ایک جھونکا کی بھی تاب نہیں لیکن پھر بھی

اپنی بیوقوفی سے عذاب آنے کی رٹ لگا رہے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ اِنْ كَانَ

اور قیامت کے دن ہم عدل والی میزان قائم کر دیں گے۔ سو کسی پر ذرا سا ظلم بھی نہ ہو گا اور اگر کوئی عمل

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے حاضر کر دیں اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

قیامت کے دن میزان عدل قائم ہوگی، کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا

تفسیر: اس میں سب کو قیامت کے دن کے محاسبہ کی یاددہانی فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہم میزان عدل قائم کر دیں گے کسی پر ذرا سا ظلم نہ ہوگا جس کسی نے کوئی بھی نیکی کی ہوگی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو ہم اسے وہاں حاضر کر دیں گے۔ اور وہ بھی حساب میں شامل کر لی جائے گی۔

سورۂ نساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (بلاشبہ اللہ کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا) اور سورۃ الزلزال میں فرمایا) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (سو جس نے ذرہ کے برابر خیر کا کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا) آیت کے ختم پر فرمایا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں یعنی ہمارے وزن اور حساب کے بعد کسی اور حساب کتاب کی ضرورت نہ رہے گی ہمارا حساب لینا کافی ہے ہمارے فیصلے کے بعد کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے چند غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں انہیں برا کہتا ہوں اور مارتا بھی ہوں تو میرا اور ان کا کیا بنے گا؟ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی خیانت اور نافرمانی اور جھوٹ بولنے کا اور تیرے سزا دینے کا حساب کیا جائے گا، سو اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں کے برابر ہوگا تو معاملہ برابر سرابر رہے گا نہ ان سے تجھے کچھ ملے گا نہ تجھ پر کچھ وبال ہوگا، اور اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں سے کم ہوگا تو تجھے اس سے بدلہ دلایا جائے گا اور اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں سے زیادہ ہوگا تو اس زائد کا انہیں تجھ سے بدلہ دلایا جائے گا یہ سن کر وہ شخص وہاں سے ہٹ گیا اور اس نے چیخنا اور رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کیا تو اللہ کی کتاب نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا یہ سن کر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ اللہ کی قسم میں ان کے لئے اور اپنے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں سمجھتا کہ ان سے جدا ہو جاؤں۔

میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۴)

الموازین میزان کی جمع ہے لفظ جمع کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بہت سے ترازو ئیں ہوں گی لیکن جمہور علماء کا فرمانا یہ ہے کہ میزان تو ایک ہی ہوگی اور بہت بڑی ہوگی لیکن چونکہ وہ زیادہ میزانوں کا کام دے گی اس لئے جمع سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور لفظ **قِسط** انصاف کے معنی میں آتا ہے اس کو موازین کی صفت قرار دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ترازو سراپا انصاف ہوگی حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ترازو رکھ دی جائے گی اور وہ اتنی بڑی ہوگی کہ اگر اس میں آسمان و زمین سب رکھ دیئے جائیں تو سب اس میں سما جائیں فرشتے اسے دیکھ کر کہیں گے کہ یارب یہ کس کے لئے وزن کرے گی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اپنی مخلوق میں سے میں جس کے لئے چاہوں گا وزن کروں گا۔ اس پر فرشتے کہیں گے **سبحانک ما عبدناک حق عبادتک** (تیری ذات پاک ہے ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسی عبادت کا حق ہے) (**قال المنذری فی الترغیب** ج ۴ ص ۴۲۵ **رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم**) اعمال کا وزن کس طرح ہوگا اسکے بارے میں کچھ تفصیل سورہ اعراف کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ انوار البیان ج ۴ ص ۳۹۲۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ
اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ والی چیز اور روشنی اور نصیحت کی چیز عطاء کی جو متقیوں کے لئے نصیحت تھی
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ
جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے خوفزدہ ہیں اور یہ ایک نصیحت ہے مبارک ہے جو ہم نے
اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾
نازل کی ہے سو کیا تم پھر بھی اس کے منکر ہو۔

توریت شریف اور قرآن مجید کی صفات

تفسیر: یہ تین آیات ہیں پہلی دو آیات میں توریت شریف کا ذکر ہے اور تیسری آیت میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا ہے۔ توریت کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو عطا کی جو فرقان ہے یعنی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی ہے اور ضیاء یعنی روشنی ہے جس سے قلوب منور ہوتے ہیں اور ذکر یعنی نصیحت ہے' اس کے یہ فوائد ہیں تو سبھی کے لئے' لیکن خاص کر ان لوگوں کے لئے وہ جو متقی ہیں یعنی گناہوں سے بچتے ہیں اور بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن سے یعنی وہاں کے حساب کتاب سے بھی خوفزدہ ہیں' یہ صفات ان لوگوں کی تھیں جو توریت پر چلتے تھے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فرقان سے اللہ تعالیٰ کی مدد مراد ہے جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے شامل حال رہی دونوں نے فرعون کے لشکر سے اپنی قوم کے ساتھ نجات پائی اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کی مدد سے نوازا اور ضیاء اور ذکر سے توریت شریف مراد ہے الفاظ میں اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں فرمایا وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (یہ قرآن نصیحت ہے بہت بابرکت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے پہلے سے تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بھی کتابیں نازل فرمائی ہیں) پھر اس کے نازل ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے صحیح راہ عطا کی اور ہم ان کو جانتے تھے جبکہ انہوں نے

لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا

اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ

کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے، ابراہیم نے کہا کہ بلا شبہ تم اور تمہارے باپ دادے کھلی

مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

گمراہی میں ہیں! وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کرنے والوں میں سے ہو۔ ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ

وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں اور اللہ کی قسم میں اس کے بعد ضرور ضرور

لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا

تمہارے بتوں کے بارے میں کوئی تدبیر کروں گا جب تم پشت پھیر کر چلے جاؤ گے سو انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سوائے ان کے ایک بڑے بت کے

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ

شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بے شک ایسا کرنے والا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا

ظالموں میں سے ہے، کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو سنا تھا جو ان کا ذکر کر رہا تھا اس جوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے کہنے لگے اس

بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

جوان کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ ہو جائیں کہنے لگے اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا

ایسا کیا ہے؟ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ حرکت ان کے اس بڑے نے کی ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں، پھر وہ

اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ

اپنے نفسوں کی طرف رجوع ہوئے پھر کہنے لگے کہ بلاشبہ تم ہی ظلم کرنے والے ہو پھر انہوں نے اپنے سروں کو جھکایا بے شک اے ابراہیم تم کو معلوم ہے

مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا

کہ یہ بولتے نہیں ہیں، ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکے نہ نقصان

يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

پہنچا سکے، تف ہے تم پر اور ان پر جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟ کہنے لگے اس کو جلا دو

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا اور ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برا برتاؤ کرنا چاہا

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

سو ہم نے انہیں ان میں سے کر دیا جو بہت ہی زیادہ ناکام ہوتے ہیں۔

داعی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا، بت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرمانا، ان کے بتوں کو توڑ دینا اور اس کی وجہ سے آگ میں ڈالا جانا، اور سلامتی کے ساتھ آگ سے باہر تشریف لے آنا

تفسیر: سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس علاقے میں پیدا ہوئے وہ بت پرستوں کا علاقہ تھا خود ان کا باپ بھی بت پرست تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو شروع ہی سے مشرکین کے عقائد اور اعمال سے دور رکھا تھا۔ وہاں کوئی موحد نہیں تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید سکھاتا اور شرک کی گمراہی پر متنبہ کرتا لیکن سب سے بڑا معلم اللہ جل شانہ ہے۔ وہ جسے صحیح راہ بتائے حق سمجھائے رشد و ہدایت سے نوازے اسے کوئی بھی گمراہ کرنے والا اپنے قول اور عمل سے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتا اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی بڑی بت پرست قوم کے اندر ہدایت پر رکھا اور

ان میں اظہار حق اور دعوت حق کی استعداد رکھ دی تھی اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم تھا۔ اسی کو فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھرانے کو اور اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا) یہ لوگ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے خصوصاً اور اپنے قوم سے عموماً سوال فرمایا کہ یہ مورتیاں جن پر تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان خود تراشیدہ بے جان چیزوں کی عبادت کرنا اس کی کیا تک ہے؟ وہ لوگ کوئی معقول جواب نہ دے سکے (اور کوئی بھی مشرک معقول جواب نہیں دے سکتا یہ لوگ ماں باپ کی اندھی تقلید کرتے رہے ہیں) انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور یہی کرتے دیکھا ہے کہ ان مورتیوں کی پوجا کرتے تھے انہیں کی دیکھا دیکھی ہم بھی بت پرستی کرتے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی مضبوطی اور قوت کے ساتھ فرمایا کہ تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں ہو' وہ لوگ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا یوں ہی دل لگی کے طور پر باتیں کرتے ہو' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حق بات لے کر آیا ہوں تم سے دل لگی نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا فرمایا' جس نے پیدا کیا اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرنا یہ سراپا گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے؟ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچی بات ہے اور میں اس کے سچا ہونے کا گواہ ہوں۔ یعنی دلیل سے بات کرتا ہوں اور یاد رکھو کہ تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو اللہ کی قسم میں ان کے لئے کوئی تدبیر کروں گا۔ اور ایسا داؤ استعمال کروں گا کہ ان پر بہت بڑی زد پڑے گی' مجھے موقعہ کا انتظار ہے تم کہیں گئے اور میں نے ان کا تیا پانچا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا سورہ صافات میں بھی مذکور ہے وہاں یوں بیان فرمایا۔

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں' غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہ ان کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں ہو؟ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے' ابراہیم نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے ابراہیم کے لئے ایک آتش خانہ تعمیر کرو پھر ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہی سو ہم نے ان کو نیچا دکھا دیا۔

سورۂ صافات (ترجمہ آیت ۸۵ تا ۹۸)

معالم التنزیل میں مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ہر سال ایک میلہ لگتا تھا اس میں جمع ہوتے تھے پھر واپس آ کر اپنے بتوں کو سجدہ کر کے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

ان کے بت توڑے یہ ان لوگوں کے میلہ کا دن تھا جب یہ لوگ میلہ میں جانے کے لئے بستی سے باہر جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کہا کہ اے ابراہیم تم بھی ہمارے ساتھ چل کر ہماری عید میں شریک ہو جاؤ تو مناسب ہوگا ممکن ہے کہ تمہیں ہمارا دین پسند آ جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دور ساتھ چلے اور ستاروں پر ایک نظر ڈالی پھر فرمایا کہ میں تو مریض ہونے والا ہوں۔ (چونکہ وہ لوگ ستاروں کو مانتے تھے اس لئے ستاروں میں نظر ڈالنے کو ایک بہانہ بنا لیا) وہ لوگ تو میلہ میں چلے گئے اور وہاں اس خیال سے کھانا رکھ دیا واپس آنے تک یہ بت انہیں متبرک کر دیں گے پھر اس میں سے ہم کھالیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کھانا رکھا دیکھا تو بطور استہزاء تمسخر فرمایا اَلَا تَاْکُلُوْنَ (کیا تم کھاتے نہیں) وہ تو بت تھے ان میں نہ روح نہ جان بولتے کہاں سے جب جواب نہ ملا تو فرمایا کہ مَا لَکُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں ہو) یہ بھی بطور تمسخر ہی تھا اس کے بعد کلہاڑا لے کر چلانا شروع کر دیا خوب قوت کے ساتھ کلہاڑا چلایا اور سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہاں ان میں جو سب سے بڑا بت تھا اس کو نہیں توڑا اور اس کی گردن میں کلہاڑا لٹکا دیا۔ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ یہ انہوں نے اس امید پر کیا کہ ممکن ہے وہ لوگ اپنے معبودوں کا عاجز ہونا دیکھ لیں تو ابراہیم علیہ السلام یعنی ان کے دین کی طرف رجوع کر لیں اور بعض حضرات نے الیہ کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع کی ہے اور آیت شریفہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ شاید وہ بڑے بت کی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں کہ ہمارے ان معبودوں کو کس نے توڑا' اور ممکن ہے کہ اس کے گلے میں کلہاڑا پڑا ہوا دیکھ کر اس سے یوں کہیں کہ ہو نہ ہو تو نے ہی یہ حرکت کی ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۴۸ ج ۳)

اب قوم کے لوگ آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود کٹے پڑے ہیں' ٹکڑے ٹکڑے ہیں' دیکھ کر بڑے سٹ پٹائے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ جس نے ایسا کیا ہے وہ تو کوئی ظالم ہی ہو گا۔ پھر ان میں سے بعض یوں بولے کہ ہاں یاد آ گیا ایک جوان جسے ابراہیم کہہ کر بلایا جاتا ہے یہ ان کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا اس نے یوں کہا تھا کہ میں تمہارے پیچھے ان کی گت بنا دوں گا۔ اندازہ ہے کہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔ کہنے لگے کہ اچھا اسے بلاؤ وہ سب لوگوں کے سامنے آئے اگر لوگوں کے سامنے اقرار کر لے تو گواہ بن جائیں اور اس آدمی کو بھی پہچان لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا اور ان سے قوم کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا نام کیوں لگاتے ہو جو ان سب سے بڑا ہے اسی نے یہ سب کارستانی کی ہے اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں آتا تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ اگر وہ بولتے ہیں تو ان ہی سے دریافت کرنا چاہیے۔

یہ سن کر اول تو وہ لوگ ٹھٹرے اور سوچ میں پڑ گئے اور پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم ہی ظالم ہو یعنی ابراہیم کی بات صحیح

ہے ان بتوں کی عبادت کرنا ظلم کی بات ہے بھلا وہ کیسا معبود جو نہ بول سکے نہ بتا سکے۔ پھر شرمندگی کے مارے اپنے سروں کو جھکا لیا۔ لیکن شرک سے پھر بھی توبہ نہ کی' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں (یہ دعوت کا ایک طریقہ کار ہے کہ مخاطب سے بات کرتے کرتے اسے ایسے موقع پر لے آئیں کہ اس کی زبان سے خود اس کے اپنے مسلک اور اپنے دعوٰی کے خلاف کوئی بات نکل جائے) جب ان لوگوں کے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی کہ یہ بولتے نہیں ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً پکڑ لیا اور فرمایا کہ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ (کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے) مزید فرمایا اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں ہو)

جب وہ لوگ جواب سے عاجز ہو گئے اور کوئی بات نہ بنی تو کہنے لگے کہ ان شخص کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ (یہ بات بھی عجیب ہے کہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کی مدد کا دم بھر رہے ہیں اور اپنے معبودوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ وہ کیسا معبود جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو لیکن مشرکین کی عقلوں پر پتھر پڑے رہتے ہیں ایسی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی)

صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے انہیں آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا (جن میں نمرود بھی تھا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا اور آگ جلانے کے لئے ایک احاطہ بنایا پھر اس میں ایک مدت تک طرح طرح کی لکڑیاں ڈالتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں کچھ ایسی صورت حال بن گئی کہ جو شخص مریض ہو جاتا یہ نذر مان لیتا تھا کہ میں اچھا ہو جاؤں گا تو ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کروں گا' عورتیں اپنی محبوب چیزوں کے حصول کے لئے یوں نذر مانتی تھیں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو آتش ابراہیم میں لکڑیاں ڈالوں گی' لوگ لکڑیاں خرید خرید کر اس میں ڈالتے تھے حد یہ ہے کہ جو کوئی عورت چرخہ کاتتی تھی وہ بھی اس کی آمدنی سے لکڑیاں خرید کر آتش ابراہیم میں ڈال دیتی تھی' یہ لوگ ایک ماہ تک لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ اس کے بعد ہر جانب آگ لگا دی آگ جلی خوب شعلے نکلے' اور اس جگہ کی گرمی کا یہ حال تھا کہ جانور بھی وہاں سے گزرتا تھا تو اس کی گرمی کی شدت کی وجہ سے مر جاتا تھا ان لوگوں نے برابر ایک ہفتہ تک آگ جلائی۔ (ایک آدمی کو جلانے کے لئے اتنی آگ کی تو ضرورت نہ تھی لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ ڈر تھا کہ اگر ہم نے اس کو آگ میں ڈالا اور نہ جلا تو ہماری ذلت ہو گی' لہٰذا اتنی آگ جلاؤ اور اتنے دن تک جلاؤ کہ اس کی سخت حرارت میں یہ شخص جل ہی جائے اور زندہ باسلامت بچنے کا احتمال نہ رہے)

آگ تو تیار کر لی لیکن اب سوال یہ تھا کہ اس آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالیں کیسے؟ اس کے پاس تو پھٹکنا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ اس میں باقاعدہ ڈالنے کے لئے ایک دو منٹ ٹھہریں' ابلیس چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی

دشمنی میں آگے آگے رہتا تھا اور اب بھی اسلام کے دشمنوں کو سبق پڑھاتا رہتا ہے اس لئے اس موقع پر بھی حاضر ہو گیا اور اس نے سمجھایا کہ دیکھو کہ ایک منجنیق بناؤ (یہ ڈھینکلی کی طرح کسی بھاری چیز کو اٹھانے اور پھینکنے کا آلہ تھا آج کل عمارتی بنانے میں جو کرین استعمال کی جاتی ہے اسے دیکھنے سے منجنیق کی کچھ تقریبی صورت اور اس کا عمل سمجھ میں آ سکتا ہے) منجنیق تیار ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعہ آگ میں ڈال دیا۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تو پانیوں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں۔ اور ہواؤں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ چاہیں تو آگ کو ہواؤں میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں اور یوں بھی کہا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل (مجھے اللہ کافی ہے وہ بہترین کار ساز ہے) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈال رہے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کوئی حاجت ہے؟ جواب میں فرمایا کہ مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں انہوں نے کہا اچھا تو اپنے رب ہی سے سوال کر لو فرمایا میرے رب کو میرا حال خوب معلوم ہے اس کے علم میں ہونا ہی کافی ہے چنانچہ انہوں نے تفویض سے کام لیا اور دعا تک نہ کی۔ (فصلی اللہ علی خلیلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہے مخلوقات میں جو صفات ہیں اور جو تاثیرات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا انہیں خطاب ہوتا ہے وہ اسے سمجھتے بھی ہیں گو ہم نہیں سمجھتے۔

آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا لہٰذا وہ سرد پڑ گئی اور چونکہ برداً کے ساتھ سلاماً بھی فرمایا تھا اس لئے اتنی ٹھنڈی بھی نہ ہوئی کہ ٹھنڈک کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہلاک ہو جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سات دن آگ میں رہے آگ نے ان پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔ ہاں ان کے پاؤں میں جو بیڑیاں تھیں وہ جل گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے کہ سایہ ڈالنے والا فرشتہ ان کے پاس پہنچا جو انہیں کی صورت میں تھا وہ انہیں مانوس کرتا رہا حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ایک کرتہ اور ایک قالین لے کر آئے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا گیا تھا) حضرت جبرائیلؑ نے انہیں کرتہ پہنایا اور نیچے قالین بچھایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر وہیں باتیں کرنے لگے۔

نمرود اپنے محل میں سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام باغیچہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص بیٹھا ہوا باتیں کر رہا ہے آس پاس جو لکڑیاں ہیں انہیں آگ جلا رہی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیح سالم ہیں باتوں میں مشغول ہیں، نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں یہ فرمایا اور اپنی جگہ سے روانہ ہو گئے حتیٰ کہ آگ سے باہر نکل آئے یہ دیکھ کر نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم تمہارا معبود تو بڑی قدرت والا ہے جس کے حکم کی آگ بھی پابند ہے میں تمہارے معبود کے لئے چار ہزار گائیں نذر کے طور پر ذبح کروں

گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تو اپنے دین پر رہے گا اللہ تعالیٰ تجھ سے کچھ بھی قبول نہ فرمائے گا۔ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اور میرا دین اختیار کر لے۔ نمرود نے کہا میں اپنے دین کو اور ملک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں بطور نذر کے جانور ذبح کر دوں گا اس کے بعد نمرود نے جانور ذبح کر دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے سے بھی باز آ گیا۔ (معالم التنزیل ص ۲۵۰ و ص ۲۵۱ ج ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں نے خوب آگ جلائی اور بہت زیادہ جلائی جس کے بارے میں سورہ صافات میں فرمایا قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ (کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک مکان بناؤ پھر اسے سخت جلنے والی آگ میں ڈال دو) اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اولاً آگ جلانے کے لئے مستقل ایک مکان بنایا پھر بہت زیادہ آگ جلائی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا۔ لفظ الجحیم کے بارے میں قاموس میں لکھا ہے۔ والجحیم النار الشدیدة التاجج وکل نار بعضها فوق بعض کالحجمة ویضم وکل نار عظیمة فی مهواة والمکان الشدید الحر کالجاهم۔ (جحیم سخت بھڑکنے والی آگ اور ہر اس آگ کو کہتے ہیں جو انگاروں کی طرح اوپر نیچے ہو اور ملی ہوئی ہو اور وہ بڑی آگ جو فضا میں بلند ہو اور سخت گرم مکان جیسے کہ چنگاریاں)

پوری قوم میں نمرود اور اس کی حکومت میں شخص واحد ہے جسے سب نے مل کر بہت بڑی آگ میں ڈال کر جلانا چاہا مگر اپنے مقصد میں ناکام ہوئے اور ذلیل ہوئے۔ اور انہیں نیچا دیکھنا پڑا اسی کو سورۃ الانبیاء میں وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ سے اور سورہ صافات میں فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ سے تعبیر فرمایا۔

ہم نے جو کچھ معالم التنزیل سے نقل کیا ہے اس میں بعض چیزیں تو وہی ہیں جو سیاق قرآن کے موافق ہیں ان سے قرآن مجید کے مفہوم کی تشریح ہوتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو بظاہر اسرائیلیات سے منقول ہیں' چونکہ ان سے کسی حکم شرعی کا تعلق نہیں ہے اور کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہیں اس لئے ان کو نقل کر دیا گیا ہے' کتب حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ مذکورہ سے متعلق جو چند روایات ملتی ہیں وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

گرگٹ کی خباثت اور اس کے قتل کرنے میں اجر

حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پھونک رہا تھا۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۴ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈال دیا تو گرگٹ نے بھی اپنی خباثت کا ہنر دکھایا' وہ بھی وہاں جا کر پھونکنے لگا' جہاں اتنی بڑی آگ جل رہی تھی وہاں اس کے پھونکنے نہ پھونکنے سے کیا ہو سکتا تھا؟ لیکن اس کی طبعی خباثت نے اس پر آمادہ کیا اور شیطان نے اسے استعمال کر لیا' کیونکہ دشمن سے جتنی بھی دشمنی ہو سکے چوکتا نہیں ہے وہ فریق مقابل کو تکلیف پہنچانے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے باز نہیں رہتا' چونکہ گرگٹ خبیث چیز ہے زہریلا جانور ہے اس لئے آپ نے مارنے کا حکم فرمایا بلکہ اسے مارنے میں جلدی کرنے کی ترغیب دی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے گرگٹ کو پہلے ہی ضرب میں مار دیا اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دو ضربوں میں مارا اس کے لئے اس سے کم اور جس نے تیسری ضرب میں مارا اس کے لئے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ مسلم ص ۲۳۶ ج ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کے دن سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم لوگ اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ پاؤں میں جوتے اور جسموں پر کپڑے نہ ہوں گے اور غیر مختون بھی ہو گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے (رواہ البخاری) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جزوی فضیلت اس وجہ سے دی جائے گی کہ انہیں دشمنوں نے کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا تھا۔ شراح حدیث میں یہ بات لکھی ہے۔ قال الحافظ فی الفتح ص ۳۹۰ ج ۶ ویقال ان الحکمة فی خصوصیة ابراهیم بذالک لکونه القی فی النار عریانا وقیل لانه اول من لبس السراویل. (حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت اس لئے ہے کہ آپ کو آگ میں بے لباس کر کے ڈالا گیا تھا اور بعض نے کہا اس لئے ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے شلوار پہنی تھی)

ثَلَاثُ کَذِبَاتٍ اور ان کی تشریح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قیامت کے دن شفاعت کبریٰ سے عذر فرمادینا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین باتوں کے دو باتیں تو ان میں ایسی تھیں جو اللہ کی ذات کے بارے میں تھیں (یعنی ان میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود تھی) ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جانے سے انکار کرنے کے لئے یوں فرمادیا کہ انی سقیم (میں بیمار ہوں) اور دوسری بات یہ کہ (بتوں کو توڑ کر) فرمادیا بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ (بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنی بیوی سارہ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے کہ ان کا ایک ظالم بادشاہ پر گذر ہوا اس ظالم بادشاہ کو کسی نے بتا دیا کہ یہاں ایک شخص ہے اس کے ساتھ بہت خوبصورت عورت ہے اس ظالم نے انہیں طلب کرنے کا حیلہ اختیار کرنے آدمی بھیجا جو آدمی قاصد بن کر آیا اس نے کہا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سارہ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اس ظالم بادشاہ سے خطرہ ہے اگر اسے معلوم ہو گیا کہ تو میری بیوی ہے تو تجھے اپنے پاس رکھ لے گا سو اگر تجھے اس کے پاس جانا پڑے اور سوال کرے تو کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو (ممکن ہے کہ وہ یہ بات سن کر تجھے چھوڑ دے) اور بہن کہنا کوئی غلط بھی نہیں ہے کیونکہ

تو میری دینی بہن ہے اس سرزمین میں میرے اور تیرے علاوہ کوئی مومن نہیں ہے اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو جبراً اور قہراً طلب کیا تو ناچار ہو کر پہلی بار چلی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی جب حضرت سارہ اس ظالم بادشاہ کے پاس پہنچیں تو اس نے ہاتھ ڈالنا چاہا جوں ہی ہاتھ بڑھایا اس کو دورہ پڑ گیا اور پاؤں مارنے لگا اور حضرت سارہ سے درخواست کی کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا لیکن پھر شرارت سوجھی اور دوبارہ ہاتھ بڑھایا اس مرتبہ پھر اسے دورہ پڑ گیا جیسے پہلی بار پڑا تھا یا اس سے بھی سخت تھا' پھر کہنے لگا کہ میرے لئے اللہ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا تو تو میرے پاس شیطان کو لے آیا ہے اس کے بعد اس نے سارہ کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ ایک خادمہ بھی کر دی جن کا نام ہاجرہ تھا' سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز کی حالت میں ہاتھ کے اشارہ سے سوال کیا کیا ماجرا ہوا؟ سارہ نے بیان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو الٹا اسی پر ڈال دیا اور ایک ہاجرہ نامی عورت خدمت کے لئے دے دی (رواہ البخاری ص ۴۷۴ ج ۲) حدیث بالا میں ثَلَاثُ کَذِبَاتٍ (تین جھوٹ) کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اول تو یہ کہ جب قوم کے لوگوں نے اپنے ساتھ باہر جانے کو کہا تو فرمادیا کہ انی سقیم (بلاشبہ میں بیمار ہوں) پھر جب ان کے بتوں کو توڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تم اُن کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ تو فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ (بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے) ان دونوں باتوں کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں باتیں اللہ کے لئے تھیں کیونکہ اپنے کو بیمار بتا کر ان کے ساتھ جانے سے رہ گئے اور پھر اسی پیچھے رہ جانے کو بتوں کو توڑنے کا ذریعہ بنالیا' اور اس طرح بتوں کی عاجزی ظاہر کر کے معبود حقیقی کی توحید کی دعوت دے دی' تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو یہ سمجھا دیا کہ میں نے ظالم بادشاہ کے قاصد کو بتا دیا ہے کہ تم میری بہن ہو تم سے بات ہو تو تم بھی یہی بتانا ممکن ہے کہ یہ بات سن کر ظالم تمہیں چھوڑ دے' چونکہ مطلق بہن نسبی بہن کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے اسے جھوٹ میں شمار فرمایا۔ اگرچہ انہوں نے دینی بہن مراد لے لی تھی اور یہ بات اخی فی الاسلام کہہ کر انہیں بتا بھی دی تھی' اس بات کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں تھی اور اس کے خلاف بھی نہیں فرمایا کیونکہ اس میں تھوڑا سا نفس کا حصہ بھی ہے اوّل تو یہ واقعہ سفر ہجرت کا ہے اور ہجرت اللہ کے لئے تھی پھر کسی بھی مومن عورت کو کافر سے بچانا بھی اجر و ثواب کا کام ہے۔ پھر اپنی مومن بیوی کی حفاظت کرنا جو عفت اور عصمت میں معاون ہے کیونکر ثواب کا کام نہ ہوگا اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۳۹۲ ج ۶) میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تین باتیں کہیں (جو بظاہر کذب ہے) ان کو انہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت ہی کے واسطے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اختیار کیا۔ حضرات علمائے حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ تین باتیں جنہیں جھوٹ

سے تعبیر فرمایا ان میں بظاہر جھوٹ ہے لیکن چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور تعریض کے یہ باتیں کہی تھیں۔ (جن میں ایسا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ انہیں جھوٹ نہ کہا جائے) اس لئے صریح جھوٹ بھی نہ تھیں مثلاً اِنِّـیْ سَقِیْمٌ فرمایا اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھ جانے کو میرا دل گوارہ نہیں کرتا اس ناگواری کو بیماری سے تعبیر فرمایا اگر چہ وہ لوگ جسمانی بیمار سمجھے اور بعض علماء نے یہ بھی فرمایا کہ لفظ سقیم صفت کا صیغہ ہے اس میں کسی زمانہ پر دلالت نہیں ہے لہٰذا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں اسی طرح جب ان لوگوں نے بتوں کے بارے میں پوچھا تو یہ فرمایا ہی نہیں کہ میں نے نہیں توڑے ہاں یوں فرمادیا کہ ان کے بڑے نے توڑے ہیں اگر بڑے سے بڑا بت ہی مراد لیا جائے تو یہ بظاہر کذب ہے لیکن مقابل سے بات کرتے ہوئے اس کے منہ سے اپنے موافق کوئی بات اگلوانے کے لئے کوئی بات کہہ دی جائے جو علیٰ سبیل الفرض والتقدیر ہو تو یہ بھی تعریض کے مشابہ ایک صورت بن جاتی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ بولتے ہوں تو سمجھ لو کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے اس کو معلق بالشرط کر دیا اور اس طرح تعلیق بالشرط جائز ہے اس میں کذب نہیں ہے۔

اب رہی بیوی کو بہن کہنے والی بات تو اس کی تاویل اس وقت انہوں نے خود ہی کر دی اور دینی بہن مراد لے کر جھوٹ سے بچ گئے اس سب کے باوجود جو تینوں باتوں کو کذب فرمایا یہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ہے بڑوں کی بڑی باتیں ہیں گناہ تو ان باتوں میں ہے ہی نہیں کیونکہ یہ سب چیزیں بطور تاویل اور تعریض کی تھیں اور تھیں بھی حق پر جمنے کے لئے اور حق کے پھیلانے کے لئے لیکن پھر بھی انہوں نے جو کچھ فرمایا اسے کذب میں شمار کر لیا گیا (صحیح بخاری (ص ۴۷ ج ۲) میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن جب سارے انسانوں کو شفاعت کی ضرورت ہوگی تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ انکار کر دیں گے اور فرمائیں کہ ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ میں شفاعت کرنے کے مقام پر نہیں ہوں اس موقع پر وہ اپنے ان کذبات کو یاد کر لیں گے جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئے تھے۔ یہ انکار شفاعت بھی اسی لئے ہوگا کہ ان سے جو مذکورہ تینوں باتیں صادر ہوئیں تھیں ان کی وجہ سے اپنے کو لائق شفاعت نہیں سمجھیں گے۔ ؏ جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

قال الحافظ فی الفتح (ثنتین منهن فی ذات الله) خصهما بذالک لان قصة سارة وان كانت ايضا فی ذات الله لكن تضمنت حظا لنفسه ونفعه بخلاف اثنين الاخيرتين فانهما فی ذات الله محض وقد وقع فی رواية المذكورة ان ابراهيم لم يكذب قط الاثلث كلهن فی ذات الله وفی حديث ابن عباس عند احمد والله ان جادل بهن لا عن دين الله' وقال ايضا واما اطلاقه الكذب على الامور الثلاثة لكونه قال قولا يعتقده السامع كذبا لكنه اذا حقق لم يكن كذبا لانه من باب المعاريض المحتملة لا مرين ليس بكذب محض۔

(حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔ ان میں سے دو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے تھے دو کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ حضرت سارہ علیہا السلام کا واقعہ میں بھی اگر چہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے (سفر میں) پیش آیا لیکن اس میں ان کا اپنا نفع ومفاد تھا۔ بخلاف آخری دو واقعات کے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھے اور مذکورہ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہرگز جھوٹ نہیں بولا مگر تین جھوٹ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے تھے اور امام احمد کے ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ ان تین کذبات کی وجہ سے حجت طلب کرے نہ کہ اپنے دین کے لئے۔ اور یہ بھی کہا کہ ان تین امور پر جھوٹ کا اطلاق اس لئے کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی بات کہی جسے سننے والے نے کچھ اور سمجھا لیکن تحقیق کی جائے تو وہ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ ایسے مواضع تھے جن میں دو چیزوں کا احتمال تھا وہ محض جھوٹ نہیں تھا)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث شفاعت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں والحق انها معاريض ولكن لما كانت صورتها صورة الكذب سماها اكاذيب واستنقص من نفسه لها فان من كان اعرف بالله واقرب منه منزلة كان اعظم خطرا او اشد خشية وعلى هذا القياس سائر ما اضيف الى الانبياء عليهم السلام من الخطايا' قال ابن الملك الكامل قديو اخذ بما هو عباده فى حق غيره كما قيل حسنات الابرار سيئات المقربين. یعنی حق بات یہ ہے کہ ان تینوں میں تعریض ہے (صریح جھوٹ نہیں ہے) لیکن چونکہ بظاہر جھوٹ کی صورت میں تھیں اس لئے جھوٹ سے تعبیر کر دیا اور اپنی ذات کو مرتبہ شفاعت سے کمتر سمجھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی معرفت حاصل ہوگی اور جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا اسی قدر وہ اپنے بارے میں زیادہ خطرہ محسوس کرے گا اور اس میں بہت زیادہ خوف خشیت کا ظہور ہوگا دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو خطایا منسوب ہیں ان کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے' ابن الملک نے فرمایا ہے کہ جو شخص کامل ہو بعض مرتبہ اس بات پر اس کا مواخذہ ہو جاتا ہے جو غیر کے حق میں عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

فائدہ: یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ علیہا السلام کو بلوایا تھا اگر اسے قبضہ کرنا اور چھیننا ہی تھا تو کسی کی بیوی یا بہن ہونے سے کیا فرق پڑتا تھا ظالم جب ظلم پر تل جائے تو اسے مقصد برآری کے سوا کچھ نہیں سوجھتا لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے جو یہ فرمایا کہ تم یوں کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں اس بات کے کہنے اور سمجھانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر جب انہوں نے بتا دیا کہ میں اس کی بہن ہوں تو اس نے پھر بھی ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی (یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہاتھ پاؤں کے دورے میں مبتلا کر دیا اور حضرت سارہ کی حفاظت فرمائی) اس سوال کو حل کرنے کے لئے مفسرین اور شراح حدیث نے کئی باتیں لکھی ہیں جن میں ایک یہ بات ہے کہ وہ ظالم بادشاہ گو ظالم تھا لیکن اپنے طور پر جس کسی مذہب کا پابند تھا اس میں کسی کی بہن کو اس کے بھائی کی موجودگی مین چھیننے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوگئی تھی اس لئے حضرت سارہ سے یہ فرما دیا کہ تم یہ کہہ دینا کہ میں انکی بہن ہوں۔ لیکن اس ظالم نے جب اس کا حسن و جمال دیکھا تو دین و مذہب سب کو بالائے طاق رکھا اور حرکت بد کا ارادہ کر لیا ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں لگے ہوئے تھے ادھر حضرت سارہ نے بھی وہاں پہنچ کر نماز شروع کر دی۔

نیز حضرت سارہ نے وہاں یہ دعا بھی کی اللهم ان كنت تعلم انى امنت بك و برسولك و احصنت فرجى الا على زوجى فلا تسلط على الكافر (اے اللہ آپ کے علم میں ہے کہ میں آپ پر آپ کے رسول پر ایمان لائی اور میں نے اپنی شرم کی چیز کو اپنی شوہر کے علاوہ ہر کسی سے محفوظ رکھا لہٰذا آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ فرمائیے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور کافر کے تسلط سے نجات دی (فتح الباری)

اس ظالم بادشاہ نے شیطانی حرکت کا خود ارادہ کیا لیکن اپنے بعض دربانوں سے کہا کہ تم میرے پاس شیطان کو لے

آئے ہو ہاتھ پاؤں کا دورہ پڑا تو اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا اور پاکباز عورت کو شیطان بنایا۔

زبانی طور پر تو اس نے حضرت سارہ کو شیطان بنا دیا لیکن ان کی نماز اور دعا سے متاثر ہو کر اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ کوئی بڑی حیثیت والی خاتون ہے اس کی خدمت کے لئے ایک خادمہ دینی چاہئے چنانچہ اس نے ایک ہاجرہ نامی عورت ان کی خدمت کے لئے دے دی' وہ واپس ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں اور ہاجرہ نامی عورت کو بھی اپنے ساتھ لے آئیں یہ ہاجرہ نامی عورت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بنیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے فلسطین سے آئے اور اپنے چھوٹے بچے اسماعیل اور ان کی والدہ کو مکہ مکرمہ کی چٹیل زمین اور سنسان میدان میں چھوڑ دیا انہیں دو ماں بیٹوں سے مکہ مکرمہ کی آبادی شروع ہوئی اور انہیں دونوں ماں بیٹوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی ایک شاخ چلی جنہیں بنو اسماعیل اور عرب کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوب ہی نوازا انہیں مشرکین کے درمیان ہوتے ہوئے داعی توحید بنایا دشمنوں نے آگ میں ڈال دیا تو اس سے صحیح سالم نکال دیا اور آتش نمرود کو گلزار ابراہیم بنا دیا۔ اور انہیں اپنا دوست بنا لیا کما فی سورۃ النساء وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (اور ان سے (بشمولیت اسماعیل علیہ السلام) کعبہ شریف تعمیر کرایا پھر ان سے حج کی ندا دلوائی۔ اور انہیں ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا باپ بنایا' خاتم النبیین ﷺ بھی انہیں کی ذریت میں سے ہیں' حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے اس وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ مکہ کے رہنے والوں میں سے ایک رسول بھیج دینا آپ کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ان دونوں کی نسل سے سیدنا محمد رسول ﷺ کو پیدا فرمایا آپ کی نبوت کا ظہور مکہ مکرمہ میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لئے تا قیام قیامت ہادی اور داعی بنا دیا اور آپ پر نبوت ختم فرما دی اور آپ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا ملت ابراہیم کی بہت سی چیزیں خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت کا جزو ہیں اور توحید تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا سب سے پہلا اور مرکزی نقطہ ہے ہی۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دے دی جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے برکت رکھ دی ہے اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

اور یعقوب پوتا عطا کیا' اور ہم نے ان سب کو صالحین بنا دیا اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کا مبارک سرزمین کی طرف ہجرت کرنا

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کے بیٹے تھے ان آیات میں ان دونوں کی ہجرت کا تذکرہ فرمایا ہے' دونوں اپنے علاقہ کو چھوڑ کر شام کے علاقہ فلسطین میں چلے گئے تھے بتوں کی سرزمین کو اور بتوں کے پوجنے والوں کو چھوڑ کر اس سرزمین کے لئے ہجرت کی جس میں اللہ تعالیٰ نے برکات رکھی ہیں۔ اور یہ برکات دنیا جہان والوں کے لئے ہیں' ان کے اس ہجرت کرنے کو نجات سے تعبیر فرمایا کیونکہ کافروں سے چھوٹ کر بابرکت سرزمین میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق نامی بیٹا عطا کیا اور پھر اس بیٹے کا بیٹا یعقوب بھی دیا جو مزید انعام تھا اسی مزید انعام کی وجہ سے پوتے کو نافلہ سے تعبیر فرمایا' اور ان سب کو صالحین میں سے بنا دیا' سب اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتے تھے اور اس کے اوامر کی پابندی کرتے تھے' چونکہ نبی تھے اور پیشوا تھے اس لئے دوسروں کو بھی اللہ کی توحید اور اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ نیک کام کریں نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں وہ ان کاموں میں لگے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشغولیت ان کا خصوصی امتیاز تھا جس کا انہیں اہتمام تھا اسی کو فرمایا وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔

وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ
اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے برے کام کیا کرتے تھے'
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾
بلاشبہ وہ لوگ بد ذات تھے' بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے

حضرت لوط علیہ السلام پر انعام' بدکار بستی سے نجات' اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونا

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے شام میں آ کر آباد ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا اور نبوت سے نوازا' شام میں چند بستیاں تھیں' جو اردن کے قریب تھیں ان کی طرف انہیں مبعوث فرمایا وہ لوگ بڑے بدکار تھے۔ مردوں اور لڑکوں سے شہوت رانی کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے برے اعمال میں مشغول رہتے تھے' ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف دعوت دیتا ہے جب کوئی قوم مردوں سے شہوت رانی کے عمل کو اپنا اور اپنے رواج میں داخل کر لے تو اس کے بعد دوسرے برے اعمال کا ارتکاب کرنا معمولی سی بات ہے' حضرت لوط علیہ السلام

نے قوم کو بہت سمجھایا لیکن اپنی بدفعلیوں اور بری حرکتوں سے باز نہ آئے ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان پر پتھر برسا دیئے گئے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ جو اہل ایمان تھے (جو ان کے گھر والے ہی تھے) ان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور سب کافر ہلاک ہو گئے۔

ان ہلاک شدگان میں ان کی بیوی بھی تھی پورا قصہ سورہ اعراف اور سورہ ھود میں گذر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۳ و ج ۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرما لیا۔ یعنی ان بندوں میں شمار فرمایا جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ ہوا کرتی ہے۔ آخر میں فرمایا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے) قرآن مجید میں لفظ صالح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی وارد ہوا ہے۔ صالحیت بہت بڑا مقام ہے اور اس کے بڑے مراتب ہیں سب سے بڑا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے کیونکہ وہ معصوم ہوتے تھے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾
اور نوح کو یاد کیجئے جب اس نے اس سے پہلے پکارا سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پھر ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے نجات دی
وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ
اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان سے نجات دینے کے لئے ہم نے نوح کی مدد کی، بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو
اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾
ہم نے ان سب کو ڈبو دیا

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا، اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوم کی غرقابی

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے، جب انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی۔ استغفار کی طرف بلایا اور ایک مدت دراز تک اس بارے میں اپنی جان کھپائی تو ان میں سے معدودے چند افراد ہی مسلمان ہوئے اور باقی لوگ کہتے رہے کہ ہمیں توحید اختیار نہیں کرنی، ہمیں اپنے بتوں پر جمے رہنا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی معروض پیش کی اور عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (کہ اے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑ) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، بہت بڑا طوفان آیا آسمان سے بھی پانی برسا اور زمین سے بھی پانی ابلا، حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہل و عیال اور دیگر اہل ایمان کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو طوفان سے نجات دی اور باقی ساری قوم غرق ہو گئی ان کا ایک بیٹا جو کافر تھا وہ بھی انہیں ڈوبنے والوں میں شامل کر دیا گیا، ان کی بیوی بھی کافرہ تھی وہ بھی آتش دوزخ کی مستحق ہو گئی۔ سورۃ نوح میں فرمایا مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (اپنی خطاؤں کی وجہ سے وہ لوگ غرق کر

دیئے گئے پھر آگ میں داخل کر دیئے گئے) حضرت نوح علیہ السلام کی نجات اور ان کی قوم کی بربادی کا واقعہ بھی سورہ اعراف اور سورہ ہود میں گزر چکا ہے اور سورہ نوح میں بھی مذکور ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اس میں کرب عظیم سے طوفان میں غرق ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے اور قوم کی ایذائیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی پریشانی اور بے چینی سے ان کو نجات عطا فرمائی۔

(انوار البیان ج ۳ - ج ۴)

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِۚ وَكُنَّا
اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ دے رہے تھے جبکہ اس میں قوم کی بکریاں روندی گئی تھیں، اور ہم ان کے
لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا
فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور ہم نے
مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ
داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا اور پرندوں کو جو تسبیح میں مشغول رہتے تھے، اور ہم کرنے والے تھے، اور ہم نے داؤد کو زرہ بنانے کی صنعت
لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً
سکھائی، تاکہ وہ تمہیں جنگ میں محفوظ رکھے۔ سو کیا تم شکر کرنے والے ہو۔ اور سلیمان کے لئے تیزی سے چلنے
تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَاؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ
والی ہوا مسخر کر دی جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف لے جاتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں، اور
مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَۚ وَكُنَّا لَهُمْ
بعض شیاطین ایسے تھے جو ان کے لئے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم
حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾
حفاظت کرنے والے تھے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اکرام اور انعام کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان

کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام پر فرمایا تھا۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت سے نوازا اور طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مسخر فرما دیئے جو ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر فرما دی اور جنات کو ان کا تابع کر دیا۔

کھیت اور بکریوں کے مالکوں میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ

شروع میں ایک جھگڑے کا اور اس جھگڑے کے فیصلہ کا تذکرہ فرمایا جس کا واقعہ یوں ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک شخص بکریوں والا اور دوسرا کھیتی والا تھا۔ کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دے۔ یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا؟ دونوں فریق نے بیان کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مقدمے کا فیصلہ میں کرتا تو فریقین کے لئے مفید اور نافع ہوتا پھر خود والد صاحب حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی، حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا کہ وہ کیا فیصلہ ہے؟ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ بکریاں تو سب کھیت والے کو دے دیں تا کہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت کی زمین بکریوں والے کے سپرد کریں۔ وہ اس میں کاشت کر کے کھیت اگائے۔ جب یہ کھیت اس حالت پر آ جائے جس پر بکریوں نے کھایا تھا تو کھیت۔ کھیت والے کو اور بکریاں بکری والے کو واپس کر دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلہ کو پسند کیا اور فرمایا بس اب یہی فیصلہ رہنا چاہئے اور فریقین کو بلا کر یہ فیصلہ نافذ کر دیا اسی کو فرمایا فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا) وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا) اس سے معلوم ہوا کہ فیصلے دونوں ہی کے درست تھے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا۔ اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو بکریاں دلوا دیں اور قانون کا یہی تقاضا تھا جس میں مدعی اور مدعی علیہ کی رضا شرط نہیں مگر چونکہ اس میں بکریوں والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے دوسری صورت تجویز فرما دی جو باہم جانبین کی رضامندی پر موقوف تھی اور جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی کہ چند روز کے لئے بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں جو ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزارہ کرلے اور بکری والے کو وہ کھیت سپرد کر دیا جائے جو بکریوں نے خراب کر دیا

تھا وہ آبپاشی وغیرہ کرے جب کھیت پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت اور بکریاں ان کے اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں کذافی الدر المنثور عن ابن مسعود و مسروق و ابن عباس و مجاہد و قتادۃ الزہری (ص ۳۲۴/ج ۴) اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔ اسی لئے وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا بڑھا دیا۔ انتہی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں کے کھیتی خراب کرنے پر جو فیصلہ دیا۔ ان کا یہ فیصلہ اجتہاد سے تھا اور بالآخر حضرت سلیمان علیہ السلام کے صلح کرا دینے سے حل ہو گیا۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مروی ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک اونٹنی بعض لوگوں کے باغ میں داخل ہو گئی اور ان کا باغ خراب کر دیا اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ اہل جانور جو زخمی کر دے اس کا کوئی ضمان نہیں اہل اموال پر لازم ہے کہ دن میں اپنے اموال کی حفاظت کریں اور اہل مواشی پر لازم ہے کہ رات کو انہیں محفوظ رکھیں اور یہ کہ رات کو جو جانور کوئی نقصان کر دے جانوروں کے مالک اس کے ذمہ دار ہوں گے (رواہ ابوداؤد فی آخر کتاب البیوع و ابن ماجہ فی ابواب الاحکام) اور ایک حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ العجماء جرحھا جبار (رواہ البخاری) حضرات آئمہ کرام کے مذاہب معلوم کرنے کے لئے شرح حدیث اور کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور واقعہ

صحیح بخاری میں اس طرح مروی ہے کہ دو عورتیں کسی جگہ موجود تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اپنا اپنا ایک بیٹا بھی تھا۔ بھیڑیا جو آیا تو ایک کے لڑکے کو لے کر چلا گیا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے یوں کہنے لگی کہ بھیڑیا تیرے بیٹے کو لے گیا اور یہ جو موجود ہے یہ میرا بیٹا ہے اس مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے (اپنے طور پر غور و خوض اور اجتہاد کر کے) بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا' واپس ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام پر گزریں اور انہیں پورے واقعہ کی خبر دی انہوں نے فرمایا چھری لے آؤ میں اس لڑکے کو کاٹ کر تم دونوں کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں یہ سن کو چھوٹی عمر والی کہنے لگی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجئے۔ (میں اپنا دعویٰ واپس لیتی ہوں) میں تسلیم کرتی ہوں کہ وہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دے دیا کہ وہ لڑکا چھوٹی ہی کا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۸۷) یہ کھیتی اور بکریوں والوں کا فیصلہ اور ان دو عورتوں کا فیصلہ جو حضرت داؤد علیہ السلام نے دیا تھا یہ دونوں وحی سے نہیں تھے۔ اجتہاد کے طور پر تھے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے دوسرا فیصلہ دے دیا جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی تسلیم فرما لیا۔ اس آخری قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ کو چھری سے کاٹنے والی

جو بات کی یہ ایک تدبیر تھی جس سے انہوں نے حقیقت حال تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا جب یہ فرمایا کہ چھری لاؤ میں اسے کاٹ کر آدھا آدھا کر دیتا ہوں تو بڑی خاموش رہ گئی اور چھوٹی گھبرا گئی اور اس نے کہا کہ میں یہ مانتی ہوں کہ یہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس کے تڑپنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ اسی کا بچہ ہے اگر بڑی کا بچہ ہوتا تو وہ تڑپ اٹھتی۔ لیکن وہ چپکی کھڑی رہی جس سے معلوم ہوا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے۔ لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی کے بارے میں فیصلہ فرما دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا اقتدار، پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور مال و دولت سے بھی۔ اور اقتدار سے بھی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف بھی عطا فرمائی تھی۔ سورۂ ص میں ان کے ایک فیصلہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی) سورۂ نمل میں فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ (اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف کا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں میں فضیلت دی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا اے لوگو ہمیں جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے دیا گیا ہے بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے)

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی بخشا تھا کہ پہاڑوں کو اور جانوروں کو مسخر فرما دیا تھا جو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ جس کا یہاں سورۃ انبیاء میں تذکرہ فرمایا ہے اور سورۂ سبا میں اور سورۂ ص میں بھی مذکور ہے۔ سورۂ سبا میں فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ (اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی اے پہاڑو داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا) اور سورۂ ص میں فرمایا اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً کُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی، جو جمع ہو جاتے تھے سب ان کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے)

احادیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے خوش آواز تھے اول تو ان کی خوش آوازی پھر اللہ کی

تسبیح اور مزید اللہ تعالیٰ کا حکم سب باتیں مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور پڑھتے وقت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے وقت عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ اڑتے ہوئے پرندے وہیں ٹھہر جاتے تھے اور تسبیح میں مشغول ہو جاتے تھے اور پہاڑوں سے بھی تسبیح کی آواز نکلتی تھی۔ اس میں خوش آوازی کی کشش بھی تھی اور معجزہ بھی تھا۔ سورۃ بقرہ کی آیت وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ کی تفسیر میں ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جن چیزوں کو ہم جمادات اور بے جان سمجھتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں۔ ہم سے چونکہ وہ بات نہیں کرتے اور جان دار چیزوں کی طرح پیش نہیں آتے اس لئے ہم انہیں محروم سمجھتے ہیں لیکن ان کا اپنے خالق و مالک سے جو تعلق ہے وہ ادراک اور شعور والا تعلق ہے۔ وہ سب اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو انہیں بولنے کی قوت بھی دے دی جاتی ہے۔

زرہ بنانے کی صنعت

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے ایک اور امتیازی انعام سے نوازا تھا اور وہ یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں زرہ بنانا سکھایا تھا' پہلے زمانہ میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی تو مقابل کے حملہ سے بچنے کے لئے خود اور زرہ اور ڈھال استعمال کرتے تھے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال لے کر دشمن سے لڑتے تھے اور لوہے کی زرہ پہن لیتے تھے یہ ایک قسم کا کرتہ ہوتا تھا جو لوہے سے بنایا جاتا تھا اگر کوئی شخص تلوار کا وار کرتا تھا تو سر خود کے ذریعہ اور سینہ اور کمر زرہ کے ذریعہ کٹنے سے بچ جاتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے جو زرہیں بنائی جاتی تھیں وہ لوہے کی تختیاں ہوتی تھیں جنہیں کمر اور سینہ پر باندھ لیتے تھے۔ سب سے پہلے زرہ بنانے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں یہاں سورۃ الانبیاء میں فرمایا وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ (اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت سکھا دی۔ جو تمہارے لئے نفع مند ہے) لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِكُمۡ (تا کہ وہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے) اور سورہ سبا میں فرمایا۔ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِى السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا اِنِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ (اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو بلاشبہ میں تمہارے سب اعمال کو دیکھنے والا ہوں) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم فرما دیا وہ اپنی انگلیوں سے لوہے کے تار بنا لیتے تھے پھر ان کے حلقے بناتے تھے اور ان حلقوں کو جوڑ کر زرہ بنا لیتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام روزانہ ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اسے چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتے تھے جن میں دو ہزار اپنے' اور اہل وعیال کی ضرورت کے لئے خرچ کرتے تھے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کو خبز الحواری یعنی معدہ کی روٹی کھلانے پر خرچ فرماتے تھے (ص ۵۲۷ ج ۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کے جو دو فیصلے اوپر مذکور ہوئے جن کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرے فیصلے دیئے ان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر کسی قاضی نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کر دیا پھر اس کے خلاف خود اس کے اپنے

اجتہاد سے یا کسی دوسرے حاکم یا عالم کے بتانے سے معلوم ہو جائے کہ فیصلہ غلط ہوا ہے تو اپنا فیصلہ واپس لے کر دوسرا صحیح فیصلہ نافذ کر دے یہ اجتہاد کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ نصوص قطعیہ کے خلاف فیصلہ حرام ہے اور نصوص شرعیہ ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا بھی حرام ہے۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حضرت عمرؓ کا ایک خط نقل کیا ہے جو امور قضا سے متعلق ہے وہ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو حکام اور قضاۃ کے لئے ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔

عن سعید بن ابی بردة واخرج الکتاب فقال هذا کتاب عمر' ثم قری علی سفیان من ها هنا الی ابی موسی الاشعری' امابعد فان القضاء فریضة محکمة' وسنة متبعة' فافهم اذا ادلی الیک' فانه لا ینفع تکلم بحق لا نفاذلهٗ آس بین الناس فی مجلسک' ووجهک' وعدلک' حتی لا یطمع شریف فی حیفک' ولا یخاف ضعیف جورک' البینة علی من ادعی' والیمین علی من انکر' الصلح جائز بین المسلمین' الا صلحا احل حراما او حرم حلالا' لا یمنعک قضاء قضیته بالامس راجعت فیه نفسک وهدیت فیه لرشدک ان تراجع الحق' فان الحق قدیم' وان الحق لا یبطله شئی' و مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل' الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرک' ممالم یبلغک فی القرآن والسنة' اعرف الامثال والاشباه' ثم قس الامور عند ذلک' فاعمد الی احبها الی الله' واشبهها بالحق فیما تری' واجعل للمدعی امدا ینتهی الیه' فان احضر بینة' والا وجهت علیه القضاء فان ذلک اجلی للعمی' وابلغ فی العذر' المسلمون عدول بینهم بعضهم علی بعض' الا مجلودا فی حداو مجربافی شهادة زور' او ظنینا فی ولا او قرابة' فان الله تولی منکم السرائر' ودرا عنکم بالبینات' ثم ایاک والضجر والفلق والتادی بالناس' والتنکر للخصوم فی مواطن الحق التی یوجب الله بها الاجر ویحسن بها الذکر' فانه من یخلص بینة فیما بینه وبین الله' یکفه الله مابینه وبین الناس' ومن تزین للناس بما یعلم الله منه غیر ذلک' شانه الله.

(۲) یہ خط امام دارقطنی نے کتاب الاقضیة والاحکام میں نقل کیا ہے افادۃً للعوام اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے حضرت سعید بن ابی بردہ نے ایک خط نکالا اور بیان کیا کہ یہ خط حضرت عمرؓ کا ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا۔

امابعد

جان لینا چاہئے کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا ایک محکم فریضہ ہے اور ایک ایسا طریقہ ہے جسے اختیار کرنا ضروری

سعید بن ابی بردہ حضرت ابوموسی اشعریؓ کے پوتے تھے ابو بردہ کا نام عامر تھا (تهذیب التهذیب ص ۱)

ہے سوتم یہ سمجھ لو کہ جب تمہارے پاس مقدمہ کوئی لے کر آئے (تو جو حق فیصلہ ہو وہ نافذ کردو۔ کیونکہ وہ حق بات فائدہ نہیں دیتی جسے نافذ نہ کیا جائے' اپنی مجلس میں اور اپنے سامنے بٹھانے میں اور انصاف کرنے میں لوگوں کے درمیان برابری رکھو تا کہ کوئی صاحب وجاہت یہ لالچ نہ کرے کہ اس کی وجہ سے دوسرے پر ظلم کردو گے اور کوئی کمزور اس بات سے خائف نہ ہو کہ اس پر ظلم کردو گے گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر ہے' مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے لیکن ایسی کوئی صلح نہیں ہو سکتی جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کردے۔ کل جو کوئی فیصلہ تم کر چکے ہو اور اس کے بعد صحیح بات سمجھ میں آ گئی تو حق کی طرف رجوع کرنے سے تمہارا سابق فیصلہ مانع نہ بن جائے کیونکہ حق اصل چیز ہے اور حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر چلتے رہنے سے بہتر ہے جو چیز تمہارے سینہ میں کھٹکے اسے خوب سمجھنے کی کوشش کرو اگر یہ ان چیزوں میں سے ہو جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں سے کوئی بات نہیں پہنچی (اگر قرآن وحدیث کی بات موجود ہو پھر اسی پر عمل کرنا لازم ہو) امثال واشباہ کو پہچانو پھر ان پر دوسری چیزوں کو قیاس کرو اور ان میں جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور مدعی کے لئے ایک مدت مقرر کردو جس میں وہ اپنے گواہ لے آئے اگر گواہ حاضر کردے تو قانون کے مطابق فیصلہ کردو اگر وہ گواہ نہ لائے تو اس کے خلاف فیصلہ دے دو۔ گواہ لانے کے لئے مدت مقرر کرنا یہ نامعلوم حقیقت کو زیادہ واضح کرنے والی چیز ہے اور اس میں صاحب عذر کو انجام تک پہنچانے کا اچھا ذریعہ ہے۔ مسلمان آپس میں عدول ہیں ایک کی گواہی کے بارے میں قبول کی جا سکتی ہے لیکن جسے حد قذف کی وجہ سے (یعنی تہمت لگانے پر) کوڑے لگائے ہوں یا جس کے بارے میں تجربہ ہو کہ وہ جھوٹی گواہی بھی دیتا ہے یا کسی رشتہ داری کے معاملہ میں وہ متہم ہے (یعنی رشتہ داری کی رعایت کر کے جھوٹی گواہی دیتا ہے) تو ایسے لوگوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ شانہ سب کی پوشیدہ باتیں اور پوشیدہ ارادے جانتا ہے (وہ اس کے مطابق فیصلے کرے گا اور اس دنیا میں مخلوق کے درمیان گواہوں پر فیصلے رکھ دیئے ہیں) گواہ جھگڑوں کو ختم کرنے والے ہیں اور لوگوں کے آنے سے تنگ دل مت ہونا تکلیف محسوس نہ کرنا اور پریشان نہ ہونا' جو لوگ فیصلے کرانے کے لئے آئیں ان سے الگ ہو کر مت بیٹھ جانا ان کے فیصلے حق کے موافق کرنا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے اور لوگ اچھائی سے یاد کرتے ہیں جس کی نیت اللہ کے اور اس کے اپنے درمیان خالص ہو اللہ تعالیٰ ان مشکلات کی کفایت فرماتے ہیں جو لوگوں کے تعلقات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اور جو شخص ظاہری طور پر اچھا بنے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرما دیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تسخیر

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً (الآیتین) ان دونوں آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار بیان فرمایا ان کی

حکومت نہ صرف انسانوں پر تھی بلکہ ہوا اور جنات بھی ان کے تابع تھے۔ سورۂ ص میں فرمایا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ۔

سلیمان نے دعا مانگی اے میرے رب میرا قصور معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت دے جو میرے بعد میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ اے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرمایئے جو میرے بعد اور کسی کو نہ دی جائے ان کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی انہیں جنات پر بھی اقتدار دے دیا اور ہوا بھی ان کے لئے مسخر فرما دی جو خوب تیزی سے چلتی تھی جو انہیں اور ان کے لشکروں کو ذرا سی دیر میں دور دراز مسافت پر پہنچا دیتی تھی اور ان کے حکم کے مطابق چلتی تھی۔ کبھی خوب تیز جسے سورۃ الانبیاء میں عاصفة سے تعبیر فرمایا اور کبھی آہستہ جسے سورۂ ص میں رخاء سے تعبیر فرمایا۔ اس کی تیز رفتاری کے بارے میں سورۂ سباء میں غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّرَوَاحُھَا شَھْرٌ فرمایا ہے۔ جب آپ کو کہیں جانا ہوتا تو ہوا آپ کو اور آپ کے لشکر کو (جو انسانوں اور جنات اور پرندوں پر مشتمل ہوتا تھا) آپ کے حکم کے مطابق اسی منزل پر پہنچا دیتی تھی جہاں جانا ہوتا تھا۔ آپ شیاطین سے بھی کام لیتے تھے شیاطین کو سزا بھی دیتے تھے اور انہیں زنجیروں میں باندھ کر بھی ڈالتے تھے جس پر وہ چوں بھی نہیں کر سکتے تھے جنات سے وہ سمندروں میں غوطے لگانے کا کام بھی لیتے تھے وہ ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور سمندر سے قیمتی چیزیں نکال کر لاتے تھے اور ان سے مکانات بھی تعمیر کراتے تھے جیسا کہ سورۂ ص میں فرمایا وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ اور دیگر کاموں میں بھی استعمال کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ سباء میں فرمایا ہے یَعْمَلُوْنَ لَهُ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کو پکڑ لینا

ایک مرتبہ ایک سرکش جن کہیں سے چھوٹ کر آ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جن نے کوشش کی کہ آپ کی نماز تڑوا دے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قابو دے دیا آپ نے اس کا گلا گھونٹ دیا پھر صبح آپ نے صحابہ کرام کو اس کا یہ قصہ بتایا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح ہو کر تم سب اسے دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمانؑ کی دعا یاد آ گئی انہوں نے یہ دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ

(لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا) سو اللہ نے اسے ذلیل کر کے واپس لوٹا دیا یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے (راجع صحیح البخاری و صحیح مسلم) اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ کا دشمن ابلیس ایک شعلہ لے کر آیا تا کہ میرے چہرہ پر ڈالے میں نے تین مرتبہ اعوذ باللہ منک کہا تین بار العنک بلعنة الله التامة کہا وہ اس پر نہ ہٹا تو میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے باندھ لیتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ صبح تک بندھا رہتا اور اس سے مدینہ کے بچے کھیلتے (صحیح مسلم ص ۲۰۵ ج ۱)

سانپوں کو حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا عہد یاد دلانا

سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو کہو انا نسئلک بعهد نوح وبعهد سليمان بن داؤد ان لا تؤذينا (ہم تجھے وہ عہد یاد دلاتے ہیں جو تو نے نوح اور سلیمان بن داؤد علیہم السلام سے کیا تھا کہ تو ہمیں تکلیف نہ دے) پھر اس کے بعد بھی ظاہر ہو جائے تو اسے قتل کر دو۔ اور جب انسانوں پر اور جنات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی تو ظاہر ہے کہ ہر طرح کے جانوروں پر بھی تھی ان میں زہریلے جانور بھی تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سانپوں کو زہر اتارنے کے الفاظ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر پیش کرو چنانچہ آپ پر پیش کیا گیا آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس معاہدہ کے الفاظ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زہریلے جانوروں سے لیا تھا الفاظ یہ ہیں بسم الله شجة قرنية ملحة بحر قفطا (الدر المنثور ص ۳۲۷ ج ۴)

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا
اور ایوب کو یاد کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں سو ہم نے ان کی دعا قبول کی
لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ
اور ان کی جو تکلیف تھی وہ دور کر دی ہم نے ان کو کنبہ عطا فرما دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی دیا اپنی رحمت خاصہ کی وجہ سے
عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝
عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت اور اس سے نجات کا تذکرہ

تفسیر: ان دو آیتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا پھر ان کے دعا کرنے کا اور دعا قبول ہونے کا اور

آل اولاد کے جدا ہونے کے بعد دوگنا ہو کر مل جانے کا اجمالی تذکرہ ہے سورۂ ص میں ان کی تکلیف اور دعا اور شفایاب ہونا مذکور ہے۔ قرآن مجید میں دونوں جگہ اجمال ہے اور اس کا ذکر نہیں ہے کہ کیا تکلیف تھی اور کیسی تکلیف تھی اور کتنے دن تک رہی اور کسی صحیح صریح مرفوع حدیث میں بھی اس کی کوئی تفسیر نہیں ملتی البتہ قرآن مجید کے سیاق سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بہت زیادہ تکلیف تھی اور عام طور پر جو انبیاء اور صالحین کا ابتلا ہوتا تھا اس سے زیادہ ہی ابتلا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ آل اولاد سب مفقود ہو کر یا ہلاک ہو کر جدا ہو گئے تھے۔ اس بارے میں عام طور سے جو روایات ملتی ہیں عموماً اسرائیلی روایات ہیں جو تفسیر در منثور میں مذکور ہیں۔ قران مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ایوب علیہ السلام کے دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت و عافیت عطا فرمادی اور یہ محض اللہ کی رحمت سے تھا۔ اس میں آئندہ آنے والے عبادت گزاروں کے لئے بھی ایک یادگار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کا ابتلا یا کسی کی کتنی ہی بڑی مصیبت ہو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے ان کا کنبہ واپس کر دیا اور ان جیسے اور بھی دے دیئے اس کے بارے میں مفسرین نے دونوں احتمال لکھے ہیں کہ صحت و عافیت کے بعد یا تو ان کو اتنی گمشدہ اولاد واپس کر دی گئی جو ان سے جدا ہو گئی تھی اور اگر وہ وفات پا گئے تھے تو اتنے ہی ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اور پیدا فرما دیئے۔ اور مِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ بھی ساتھ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی سابق اولاد تھی اتنی ہی مزید اولاد اس کی اپنی صلب سے یا ان کی اولاد کی صلب سے عطا فرما دی۔ یہاں پر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ ص کی تفسیر میں لکھیں گے البتہ اتنی بات یہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اسرائیلی روایات میں جو یہ مذکور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے یا یہ کہ کوئی برس کوڑی پر پڑے رہے یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ اس حالت میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری نہیں رہ سکتا اور عامۃ الناس قریب نہیں آسکتے اس لئے یہ بات لائق قبول نہیں ہے پھر بیماری تو غیر اختیاری تھی کوڑی پر پڑے رہنے کو اختیار فرمانا یہ تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی طہارت اور نظافت طبع کے بھی خلاف ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ
اور اسماعیل کو اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو، یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے اور ہم نے انہیں اپنی
رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
رحمت میں داخل کر لیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل و حضرت ادریس و حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت اسماعیل حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا یہ

سب صابرین میں سے تھے حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا تذکرہ سورۂ مریم میں گزر چکا ہے اور حضرت ذوالکفل کا نام یہاں قرآن مجید میں پہلی جگہ آیا۔ اور سورۂ ص میں بھی حضرت ذوالکفل کا تذکرہ ہے وہاں فرمایا وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ (اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب اچھے لوگوں میں سے ہیں) حضرت الیسع کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا ہے یہاں حضرت ذوالکفل کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ احادیث مرفوعہ میں ان کے بارے میں بھی واضح معلومات نہیں ملتی ہیں' اسی لئے ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا انبیاء کے علاوہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت ذوالکفل کون تھے؟

تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس وحضرت مجاہد وغیرھما سے کچھ باتیں نقل کی ہیں بظاہر یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی تھے۔ انہوں نے اپنی امت کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو میری امت کے درمیان فیصلہ کرنے (یعنی قاضی بننے) کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اور میری شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ عہدہ قبول کرے وہ غصہ نہ ہو' ان میں سے ایک جوان کھڑا ہوا اس نے کہا کہ میں اس کا ذمہ دار بنتا ہوں' تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوا جب تین مرتبہ اس جوان نے ذمہ داری لے لی تو اس سے قسم کھلوائی اس نوجوان نے قسم کھالی اور اس کو قضا کا عہدہ سپرد کر دیا گیا' ایک دن دوپہر کے وقت شیطان آیا جبکہ یہ نوجوان قاضی نیند میں تھے اس نے انہیں آواز دے کر جگا دیا اور ان سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھ پر زیادتی کی ہے میری مدد کیجئے اس کا ہاتھ پکڑ کر چل دیئے تھوڑی دور چلے کہ شیطان اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا۔ چونکہ شیطان بے وقت مدعی بن آیا۔ اور ان کو سوتے سے جگایا پھر بھی غصہ نہ ہوئے اور جو ذمہ داری لی تھی اس پر قائم رہے اس لئے ان کا نام ذوالکفل رکھ دیا گیا یعنی ذمہ داری والا شخص۔

اس کو نقل کرنے کے بعد صاحب درمنثور نے بحوالہ عبدالرزاق وعبد بن حمید وغیرھما نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے لیکن بنی اسرائیل میں ایک صالح آدمی تھے جو روزانہ دن بھر نماز پڑھتے تھے جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے بعد ایک اور شخص نے اسی طرح دن بھر نماز پڑھنے کا عہد کیا چنانچہ وہ اس پر عمل کرتے تھے اس وجہ سے ان کا نام ذوالکفل (ذمہ داری والا شخص) رکھ دیا گیا۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے سنن ترمذی سے بھی ایک حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ذوالکفل بنی اسرائیل میں سے ایک شخص تھا جو کسی بھی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا تھا اس کے پاس ایک عورت آئی اس نے اس عورت کو اس شرط پر ساٹھ دینار دیئے کہ اس کے ساتھ برا کام کرے' جب وہ اس کے اوپر بیٹھ گیا تو وہ عورت کانپ گئی اور رونے لگی وہ کہنے لگا تو کیوں روتی ہے میں نے تجھ سے کوئی زبردستی تو نہیں کی' وہ کہنے لگی یہ بات تو ٹھیک ہے' لیکن یہ ایسا کام ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا ضرورت نے مجبور کیا اس لئے میں اس پر آمادہ ہو

گئی۔ اس پر اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے؟ یہ کہہ کر وہ ہٹ گیا اور وہ ساٹھ دینار بھی اسی کو دے دیئے اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اس کے بعد میں کوئی گناہ نہیں کروں گا پھر اسی آنے والی رات میں مر گیا صبح کو اس کے دروازہ پر یوں لکھا ہوا تھا کہ بلا شبہ اللہ نے کفل کو بخش دیا۔ امام ترمذی نے یہ واقعہ ابواب صفۃ القیامۃ میں نقل فرمایا ہے اور اسکو حدیث حسن بتایا ہے۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ اسی شخص کا واقعہ ہو جس کو قرآن مجید نے ذوالکفل بتایا ہے اور اگر اسی شخص کا واقعہ ہو تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا یہ ذوالکفل نبی نہیں تھے چونکہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے بھی کبائر سے محفوظ ہوتے ہیں پھر مزید بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں الکفل ہے ذوالکفل نہیں ہے، لفظی مشابہت کی وجہ سے مفسرین نے اس قصہ کو یہاں نقل کر دیا۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ

اور مچھلی والے کو یاد کرو جبکہ وہ غصہ ہو کر چل دیئے سو انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان کے ساتھ تنگی والا معاملہ نہ کریں گے، سو انہوں نے

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

اندھیروں میں یوں پکارا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں

مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں

ذوالنون یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ، مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا، پھر اس مچھلی کا آپ کو سمندر کے باہر ڈال دینا

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے، چونکہ انہیں ایک مچھلی نے نگل لیا تھا اسلئے انہیں ذوالنون فرمایا عربی میں نون مچھلی کو کہتے ہیں اور حوت بھی کہتے ہیں اس لئے سورہ ن والقلم میں صاحب الحوت فرمایا ہے، حضرت یونس علیہ السلام کا مفصل قصہ ہم سورۂ یونس میں بیان کر چکے ہیں (۱) اور انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ صافات کی تفسیر میں بھی ذکر کریں گے، یہاں یہ قصہ بقدر ضرورت ذکر کیا جاتا ہے جس سے ان دونوں آیتوں کا مفہوم سمجھ میں آ جائے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا البستی والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور دعوت و تبلیغ میں بہت محنت کی لیکن وہ برابر سرکشی پر تلے رہے آپ نے ان سے فرمادیا کہ اب تم پر عذاب آئے گا عذاب آنے میں ذرہ دیر لگی تو وہاں سے روانہ ہو گئے اس روانہ ہونے میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں بھیجی گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت کر لی گئی ان کا گمان تھا کہ ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے جانے میں کوئی حرج کی بات

نہیں ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا ادھر تو آپ اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے ادھر قوم پر عذاب آنے کے آثار ظاہر ہو گئے ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹالیا جیسا کہ سورۃ یونس میں فرمایا لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْھُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰی حِیْنٍ اللہ تعالیٰ کی اس قوم کے ساتھ یہ خصوصی مہربانی تھی ورنہ تکوینی قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب آ جائے تو اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا اور عذاب نہیں ٹلتا حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہو کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے وہ کشتی ڈگمگانے لگی اس پر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحی آنے سے پہلے چلا آیا اور اسی وجہ سے کشتی ڈگمگا رہی ہے کشتی والوں سے کہا کہ مجھے سمندر میں ڈال دو تاکہ تم نجات پا جاؤ' وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور پکڑلیں گے تاکہ تمہاری وجہ سے ہم بچ جائیں اس پر فرمایا کہ قرعہ ڈال لو جس کا نام نکلے اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے' چنانچہ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا لہٰذا انہوں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی جیسے ہی سمندر میں پہنچے وہاں ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا اور تین اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے ایک اندھیری رات کی دوسری اندھیری سمندر کی تہہ کی اور تیسری اندھیری مچھلی کے پیٹ کی' وہاں جو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے اس کے الفاظ سورۃ انبیاء میں یوں نقل کئے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں' بلاشبہ میں ظلم کرنے والوں میں ہوں)

سورۂ صافات میں فرمایا فَلَوْلَآ اَنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو غم اور گھٹن سے نجات دی سورۂ ن والقلم میں فرمایا۔ فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰی وَھُوَ مَکْظُوْمٌ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَکَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَھُوَ مَذْمُوْمٌ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے جبکہ انہوں نے دعا کی اور وہ غم میں گھٹ رہے تھے اگر ان کے رب کا احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈال دیئے جاتے' پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کرلیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا)

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی ان کو نجات بھی دے دی اور ان کو برگزیدہ بندہ بھی بنالیا صالحین میں سے ہونے کی سند بھی دے دی لیکن بے پڑھے مفسرین ان سے راضی نہیں ان کی پیغمبرانہ معصومیت کو داغدار کرنے میں اپنا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ آیات قرآنیہ میں ان کے کسی گناہ کا ذکر نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ وہ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور اس چلے جانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کا انتظار نہیں کیا اور اجتہادی طور پر یہ گمان کرلیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے البتہ ان کے مقام رفیع کے خلاف ہے جو ان کی شان کے اعتبار سے

ایک زلت یعنی ایک لغزش ہے' حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے ان کی جانوں کا بدلہ لے لیا اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے زلات کا جہاں کہیں قرآن مجید اور احادیث میں ذکر آیا ہے اس کو آیت اور حدیث کی تشریح کے ذیل میں بیان کرنا تو درست ہے لیکن ان باتوں کو اڑانا ان حضرات کی طرف خطا اور قصور کی نسبت کرنا اور اس پر مضمون لکھنا یہ امت کے لئے جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ قرطبی سے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کے ختم پر ہم سورۃ طٰہٰ میں لکھ آئے ہیں۔

فائدہ: حضرت یونس علیہ السلام نے جو مچھلی کے پیٹ میں دعا کی اس میں تہلیل یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ میں مذکور ہے اور اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرنے کا بھی ذکر ہے جو لفظ سُبْحٰنَكَ میں مذکور ہے اور اپنے قصوروار ہونے کا بھی اعتراف ہے جو اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے لئے لفظ دعا اور توبہ کے لئے لفظ توبہ اگر زبان پر نہ لایا جائے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور تسبیح بیان کر لی جائے اور اپنے قصور کا اقرار کر لیا جائے تو یہ بھی دعا ہے اور توبہ ہے (ہاں اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد ذمہ ہوں تو ان کی ادائیگی بھی توبہ کا ایک جزو ہے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مچھلی والے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) کی جو دعا مچھلی کے پیٹ میں تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جو مسلمان بھی اس کے ذریعہ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ تفسیر درمنثور میں بحوالہ مستدرک حاکم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں اللہ کا اسم نہ بتادوں؟ وہ یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جو بھی کوئی مسلمان چالیس بار اس کے ذریعے اپنے رب سے دعا کرے گا پھر اس مرض میں مر جائے جس میں یہ دعا کی تو اسے شہید کا ثواب دیا جائے اور اگر اچھا ہو گیا تو اس حالت میں اچھا ہو جائے گا کہ اس کے گناہ بخشے جا چکے ہوں گے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا

اور زکریا کا تذکرہ کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑیئے اور آپ سب وارثوں سے بہتر وارث ہیں' سو ہم نے

لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ

ان کی دعا قبول کی اور انہیں یحییٰ عطا کر دیا اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا بلاشبہ یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے

وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

اور ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے اور اس عورت کو یاد کیجئے جس نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا

فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے کو جہاں والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔

بڑھاپے میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگنا' اور ان کی دعا قبول ہونا

تفسیر: یہ تین آیات ہیں ان میں پہلے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا' ان کا کوئی لڑکا نہ تھا خود بھی بوڑھے تھے اور بیوی بھی بانجھ تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمائے جو میرا وارث ہو میں اکیلا ہوں میرے بعد کوئی دینی امور کا سنبھالنے والا ہونا چاہئے۔ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمایئے جو میرا خلیفہ بن جائے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں بیٹے کی بشارت دیدی۔

دعا تو اللہ تعالیٰ سے امید باندھ کر کر لی پھر جب فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو طبعی طور پر انہیں تعجب ہوا کہ میری اولاد کیسے ہوگی میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے رب کے لئے آسان ہے اس نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تمہارا وجود ذرا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا دیدیا اور ان کی بیوی کو قابل ولادت بنا دیا اور بیٹے کا نام یحییٰ تجویز فرما دیا اور اس بیٹے کو نبوت سے سرفراز فرما دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا مفصل قصہ سورۂ آل عمران رکوع نمبر ۴ میں اور سورۃ مریم رکوع نمبر ایک میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تین عظیم صفات

گزشتہ دو رکوع میں متعدد انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا پھر ان کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ (بلاشبہ وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے) دوسری صفت یہ کہ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (اور وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے) اور تیسری صفت یہ کہ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (اور وہ ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے) یہ تین بڑی صفات ہیں تمام اہل ایمان کو ان سے متصف ہونا چاہئے پہلی صفت یہ ہے کہ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کریں حسب استطاعت نیک کاموں میں دیر نہ لگائیں سورہ آل عمران میں فرمایا کہ وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو جو اتنی بڑی کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے) دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگیں خوب رغبت اور لالچ کے ساتھ مانگیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہیں اپنے اعمال پیش نظر رکھیں' ہر دعا کرنے والا اس بات سے بھی ڈرتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اعمال کی

خرابی یا آداب دعا کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے دعا قبول نہ ہو یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ رَغَبًا وَّرَهَبًا دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہوں یعنی راغبین اور راهبین اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ رغبت اور خوف کی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے کسی حالت میں بھی دعا سے غافل نہ ہوتے تھے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ (اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے)

خشوع قلبی جھکاؤ کو کہتے ہیں پھر جس کا دل جھکا ہوتا ہے اس کے اعضاء میں بھی جھکاؤ ہوتا ہے یعنی ان سے فخر وتکبر کا مظاہرہ نہیں ہوتا جس کے دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ گئی اس کے قلب میں اور اعضاء و جوارح میں اپنی بڑائی کا کہاں تصور ہو سکتا ہے؟ اور اس کے اعضاء و جوارح میں کیسے اکڑ مکڑ ہو سکتی ہیں اس میں جو لفظ لَنَا بڑھایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ ذات خداوندی کی عظمت اور کبریاء مومنین اور موقنین کے یقین میں گھلی ملی ہوتی ہے لہٰذا وہ حالت خشوع ہی میں رہتے ہیں نماز میں تو خشوع ہوتا ہی ہے دیگر احوال و اوقات میں بھی ان کے قلوب میں خشوع رہتا ہے ذات باری تعالیٰ کے لئے جس کے دل میں جھکاؤ ہوگا وہ مامورات پر بھی عمل کریگا اور منہیات سے بھی بچے گا جعل لنا اللہ تعالٰی منہ حظاو افرا.

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

اس عورت کو یاد کرو جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا اس سے حضرت مریم علیہا السلام مراد ہیں جیسا کہ سورۃ التحریم کے آخر میں اس کی تصریح ہے انہوں نے اپنی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا ان کا نہ کسی مرد سے نکاح ہوا اور نہ کسی مرد سے کوئی گناہ گاری کا تعلق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں یہ تھا کہ ان کو بیٹا دیا جائے پھر یہ بیٹا اللہ کا رسول بنے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرشتہ بھیجا جس نے ان کے کرتہ کے دامن میں پھونک ماردی اس سے حمل قرار ہو گیا اور اس کے بعد لڑکا پیدا ہو گیا یہ لڑکا کون تھا؟ یہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل فرمائی اور انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ کی اور شریعت کے احکام بتائے بنی اسرائیل ان کے سخت مخالف ہو گئے اور ان کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا قیامت سے پہلے دوبارہ تشریف لائیں گے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور ہم نے اس عورت کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لئے نشانی بنا دیا) تاکہ دنیا جہان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ بغیر مرد کے کسی عورت کے رحم میں حمل پیدا فرما سکتا ہے اور بغیر باپ کے بھی عورت کی اولاد ہو سکتی ہے گو عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اپنی قدرت بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حواء علیہا السلام کو بغیر ماں کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیا ذٰلِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ یاد رہے کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاک دامن ہونے کی اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی تصریح آ گئی ہے لیکن چونکہ اور کسی کے لئے اس کی تصریح نہیں ہے اس لئے کوئی عورت یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ میرا یہ حمل بغیر مرد کے ہے اگر کوئی بے شوہر والی عورت ایسا کہے گی اور اسے حمل ہوگا تو امیر المومنین اس پر حد جاری کردے گا کیونکہ بندے ظاہر کے مکلف ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ
بلاشبہ یہ تمہارا دین ہے جو ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو اور اپنے دین میں اختلاف کر کے لوگ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے
كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾
سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔

تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا دین واحد ہے

تفسیر: متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں فرمایا کہ ان حضرات کا جو دین تھا یہی تمہارا دین ہے یہی دین اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے منظور فرمایا ہے یہ دین توحید ہے تم سب اسی دین کو اختیار کرو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب توحید ہی کی دعوت لیکر آئے اور اسی کی دعوت دی اصول دین یعنی توحید رسالت اور معاد میں ان حضرات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں لوگوں میں عیسیٰ ابن مریم سے سب سے زیادہ قریب تر ہوں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی تمام انبیاء آپس میں بھائی ہیں جیسے آپس میں باپ شریک بھائی ہوتے ہیں اور مائیں الگ الگ ہوتی ہیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے اور میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے (رواہ البخاری کمافی المشکوٰۃ ۵۰۹) یعنی احکام فرعیہ میں گو اختلاف تھا لیکن اصولی اعتبار سے سب کا دین ایک ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت ربوبیت اور خالقیت اور مالکیت کے ماننے اور تسلیم کرنے کے سب نبیوں نے دعوت دی، سارے انسانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی لئے آیت کے ختم پر فرمایا وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو) وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی اس کی بجائے کہ لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر چلتے اور توحید کو اختیار کرتے لوگوں نے آپس میں اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے طرح طرح کے عقیدے تراشے اور مختلف قسم کی جماعتیں بنالیں ان جماعتوں میں صرف وہ جماعت حق پر ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے دین پر تھی اور اب خاتم النبیین ﷺ کے دین پر ہے اس ایک جماعت کے علاوہ جتنی بھی جماعتیں تھیں یا اب ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور کافر ہیں كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ (سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں) ہر ایک اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کی جزا پائے گا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور جو شخص نیک عمل کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہو سو اس کی محنت کی ذرا بھی ناقدری نہیں اور بلاشبہ ہم اسے لکھ لیتے ہیں

مومن کے اعمال صالحہ کی ناقدری نہیں ہے

تفسیر: اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص مومن ہوتے ہوئے کوئی بھی نیک کام کرے گا وہ اس کا بھرپور اجر پائے گا کسی کے کسی بھی نیک عمل کی ناقدری نہ ہوگی جس کا جو عمل ہوگا چند در چند بڑھا دیا جائے گا اور کسی نیکی کا ثواب دس نیکی سے کم تو ملنا ہی نہیں ہے دس گنا تو کم سے کم ہے اور اس سے زیادہ بھی بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر ثواب ملے گا۔

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ (اور ہم ہر شخص کا عمل لکھ لیتے ہیں) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں تمام اعمال لکھتے ہیں قیامت کے دن یہ اعمال نامے پیش ہونگے جو اعمال کیے تھے سب سامنے آ جائیں گے سورۃ الکہف میں فرمایا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (اور جو کچھ عمل کیے تھے ان سب کو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کریگا)

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور یہ بات ضروری ہے کہ ہم نے جس بستی کو ہلاک کیا وہ رجوع نہیں کریں گے

ہلاک شدہ بستیوں کے بارے میں یہ طے شدہ بات ہے کہ وہ رجوع نہ کریں گے

تفسیر: اس آیت کے مفہوم میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے حرام کا معروف معنی لیا ہے ای ممتنع اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حرام معنی میں ہے واجب کے اور لا کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ زائدہ ہے یا نفی کے معنی میں ہے، ہم نے جو اوپر ترجمہ کیا ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ہے انہوں نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے وجب انھم لا یرجعون ای لا یتوبون جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی بستی کے ہلاک کرنے کا فیصلہ فرما دیا ہے وہ آخر تک کفر پر ہی جمے رہیں گے اور توبہ نہ کریں گے حتیٰ کہ ہلاک ہو جائیں گے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ لا زائدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ لوگ ہلاک ہونے کے بعد دنیا کی طرف واپس نہ ہونگے ان کی واپسی ممتنع ہے اس صورت میں حرام اپنے اصلی معنی میں ہوگا لیکن بعض حضرات نے اس مطلب کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس بات کے کہنے میں بظاہر کچھ فائدہ نہیں (جو لوگ عذاب سے ہلاک کیے بغیر دنیا سے چلے گئے وہ بھی تو واپس نہ ہونگے پھر ہلاک شدگان کی خصوصیت کیا رہی)

قال القرطبی فی احکام القرآن ج۱۱ ص۳۴۰ واختلف فی "لا" فی قوله "لا یرجعون" فقیل هی صلة روی ذلک عن ابن عباس واختاره ابو عبید ای و حرام ۸۳ علی قریة اهلکناها ان یرجعوا بعد الهلاک، وقیل لیست بصلة وانما هی ثابتة ویکون الحرام بمعنی الواجب ومن احسن ماقیل فیها واجله مارواه ابن عیینة وابن علیة وهشیم وابن ادریس ومحمد بن فضیل و سلیمان بن حیان ومعلی عن داؤد بن ابی هند عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قول الله عزوجل "وحرام علی قریة اهلکناها" قال وجب انهم لا یرجعون قال لا یتوبون، اما قول ابی عبید ان "لا" زائدة فقد رده علیه جماعة لانها لا تزاد فی مثل هذا الموضع ولا فیما یقع فیه اشکال ولو کانت زائدته لکان التاویل بعیدا "ایضا" لانه ان اراد "وحرام علی قریة اهلکناها ان یرجعوا الی الدنیا" فهذا مالا فائدة فیه وان اراد التوبة فالتوبة لا تحریم وقیل فی الکلام اضمار ای و حرام علی قریة حکمنا باستئصالها او بالختم علی قلوبها ان یتقبل منهم عمل لا نهم لا یرجعون ای لا یتوبون، قاله الزجاج وابو علی، و "لا" غیر زائدة وهذا هو معنی قول ابن عباس رضی الله عنه. (علامہ قرطبیؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں لایرجعون میں جولا ہے اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا یہ زائدہ ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اور ابوعبید نے اسے ترجیح دی ہے مطلب یہ ہے کہ جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے تو ان کا اس بستی میں اب لوٹنا حرام ہے بعض نے کہا یہ لازائدہ نہیں ہے بلکہ بامعنی ہے اور حرام بمعنی واجب ہے اور اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سب سے بہتر اور سب سے وزنی وہ ہے جو ابن عیینہ ابن علیہ ہشیم ابن ادریس محمد بن فضیل سلیمان بن حیان اور معلٰی نے داؤد بن ہند سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وحرام علیٰ قریة اهلکنا ها کے بارے میں نقل کیا ہے فرمایا یہ واجب ہے کہ وہ نہ لوٹیں یعنی توبہ نہ کریں اور ابوعبید کا کہنا کہ "لا" زائدہ ہے اس کی ایک جماعت نے تردید کی ہے کیونکہ ایسے مواقع میں لا زائدہ نہیں ہوتا اور نہ ایسی جگہ جہاں اشکال واقع ہوتا ہو اور اگر زائدہ ہو تو بھی اس کی تاویل بہت دور کی ہے اس لئے کہ اگر مراد یہ ہو کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا ہے اس پر ان کا دنیا میں لوٹنا حرام ہے تو یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر اس سے مراد توبہ ہو تو توبہ حرام نہیں ہوتی بعض نے کہا یہاں کلام میں عبارت محذوف ہے یعنی یوں ہے کہ جس بستی کی ہلاکت یا جن دلوں پر مہر کا ہم نے فیصلہ کردیا تو ان پر حرام ہے کہ ان سے کوئی عمل قبول کیا جائے کیونکہ وہ لوٹیں گے نہیں یعنی توبہ نہیں کریں گے۔ اسے زجاج ابوعلی نے کہا ہے۔ اور "لا" زائدہ نہیں ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا یہی مطلب ہے)

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ
یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی چلے آئیں گے، اور
الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ
سچا وعدہ قریب آجائے گا تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے بے خبر تھے
مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ
بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے بلاشبہ تم اور جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے تھے سب دوزخ کا ایندھن ہو
اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾
تم اس میں داخل ہوگے اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس میں کیوں داخل ہوتے اور سب کو اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
دوزخ میں ان کی چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں نہ سنیں گے

قیامت سے پہلے یاجوج ماجوج کا نکلنا' قیامت کے دن کافروں کا حسرت کرنا اور اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں جانا

تفسیر: ان آیات میں قرب قیامت کا پھر وقوع قیامت کا اور قیامت کے دن اہل کفر کی ندامت اور بدحالی کا

تذکرہ ہے' پہلے تو یہ فرمایا کہ اہل کفر برابر سرکشی میں اور کفر میں پڑے رہیں گے اور انکارِ حق پر اڑے رہیں گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج نکل آئیں جو ہر اونچی جگہ سے نکل کر پھیل پڑیں گے اور قیامت کا جو سچا وعدہ ہے وہ قریب ہو جائے' قیامت کے قریب آ جانے پر بھی ان لوگوں کو ہوش نہ آئے گا اور حق قبول نہ کریں گے حتیٰ کہ قیامت واقع ہو ہی جائے گی جب قیامت واقع ہو گی تو حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی ہوں گی جیسے اردو کے محاورہ میں آنکھیں پھٹی ہوئی رہ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے جب قیامت آ گئی اور کفر کی وجہ سے بدحالی میں مبتلا ہونگے اور عذاب کا سامنا ہو گا تو حسرت اور ندامت کے ساتھ یوں کہیں گے یَاوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ ھٰذَا (ہائے ہماری کمبختی ہم تو اس کی طرف سے غافل تھے) قیامت کا نام سنتے تھے تو مانتے نہیں تھے اور قیامت کے دن کی سختی اور عذاب کے بارے میں جو خبریں دی جاتی تھی ان کا انکار کرتے تھے۔

بَلْ کُنَّا ظَالِمِیْنَ اس بارے میں کسی کو بھی الزام نہیں دیا جا سکتا جو کچھ الزام ہے اپنے ہی اوپر ہے بات یہ ہے کہ ہم ہی ظالم تھے۔ یاجوج ماجوج کے بارے میں ضروری معلومات اور قیامت کے قریب ان کے خروج کا تذکرہ سورۃ کہف کے ختم کے قریب گزر چکا ہے۔

فی روح المعانی ص ۹۳ ج ۱۷ (حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج) ابتدائیة والکلام بعدها غایة لما یدل علیه ماقبلها کانه قیل: یستمرون علی ماهم علیه من الهلاک حتی اذاقامت القیامة یرجعون الیها ویقولون یا ویلنا الخ او غایة للحرمة ای یستمر امتناع رجوعهم الی التوبة حتی اذا قامت القیامة یرجعون الیها وذلک حین لا ینفعهم الرجوع اوغایة لعدم الرجوع عن الکفر ای لا یرجعون عنه حتی اذا قامت القیامة یرجعون عنه وهو حین لا ینفعهم ذلک" وهذا بحسب تعدد الأقوال فی معنی الآیة المتقدمة والتوزیع غیر خفی' اھ (صفحہ ۱۶۷:۔(۱) روح المعانی میں ہے حتیٰ اذا فتحت یا جوج و ماجوج کا جملہ ابتدائیہ ہے اور اس کے بعد والا کلام اس کی غایت ہے' جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہلاکت کے اسی راستہ پر قائم رہیں گے۔ حتیٰ کہ جب قیامت قائم ہو گی تو اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اور کہیں گے یا ویلنا الخ (ہائے کمبختی ہم غفلت میں تھے) یا یہ حرمت کی غایت ہے یعنی توبہ کی طرف ان کا رجوع مسلسل ممتنع رہے گا حتیٰ کہ جب قیامت قائم ہو گی تو توبہ کی طرف رجوع کریں گے اور یہ اس وقت ہو گا جب ان کو لوٹنا فائدہ نہیں دے گا یا یہ کفر سے رجوع نہ کرنے کی غایت ہے یعنی وہ کفر سے نہیں ہٹیں گے حتیٰ کہ جب قیامت قائم ہو جائے گی تو کفر سے رجوع کریں گے اور اس وقت انہیں کفر سے رجوع کرنا نفع نہیں دے گا اور یہ اختلاف سابقہ آیت کے مطلب میں متعدد اقوال کی وجہ سے ہے اور اس اختلاف کی ان اقوال پر تطبیق مخفی نہیں ہے)

وقال القرطبی ج ۱۱ ص ۳۴۲ واقترب الوعد الحق یعنی القیامة وقال الفراء والکسائی وغیرهما الواو زائدة مقحمة والمعنی حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج اقترب الوعد الحق فاقترب جواب اذا' واجاز الکسائی ان یکون جواب اذا فاذا هی شاخصة ابصار الذین کفروا ویکون قوله اقترب الوعد الحق معطوفا علی الفعل الذی هو شرط' وقال البصریون الجواب محذوف والتقدیر قالوا یاویلنا وهو قول الزجاج وهو قال حسن اھ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں واقترب الحق سے مراد قیامت ہے اور کسائی وغیرہ حضرات فرماتے ہیں واؤ زائدہ مقحمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے تو وعدہ حق قریب ہو جائے گا پس فاقترب اذا کا جواب ہے اور کسائی نے اس کو بھی جائز رکھا ہے کہ اذا کا جواب فاذا هی شاخصة ابصار الذین کفروا ہو اور واقترب الوعد الحق اس فعل کا معطوف ہو جو شرط ہے اور بصریین کہتے ہیں۔ جواب محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے۔ قالو ایاویلنا اور یہی زجاج کا قول ہے اور یہی حسن نے کہا ہے)

پھر فرمایا اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (بلاشبہ تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کو خطاب ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ مشرکین خود اور

اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے یعنی دوزخ میں جائیں گے۔ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ (تم سب دوزخ میں داخل ہو گے) اس میں سابق مضمون کی تاکید ہے۔

مشرکین جب اپنے معبودوں کو دوزخ میں دیکھیں گے تو اس وقت وہ پوری طرح سے سمجھ لیں گے کہ اگر یہ عبادت کے لائق ہوتے تو دوزخ میں کیوں داخل ہوتے دوزخ میں جانے کے بعد مشرک اور کافروں کا اس میں سے نکلنا نہیں ہو گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں چیخیں گے اور چلائیں گے اور یہ چیخ و پکار ایسے ہوگی کہ ایک دوسرے کی چیخ و پکار کی آواز آپس میں نہ سن سکیں گے مشرکین چونکہ اپنے باطل معبودوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کر دیں گے ان کی یہ غلط فہمی اس وقت بالکل ہی دور ہو جائے گی جب اپنے معبودوں کو دوزخ میں دیکھیں گے باطل معبودوں میں شیاطین بھی ہونگے اور بت بھی بتوں کو عذاب دینے کے لئے نہیں بلکہ ان کی عبادت کرنے والوں کو عبرت دلانے کے لئے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو دوزخ میں ہوا سے عذاب ہی ہو اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ آگ میں کوئی چیز ہو اور اسے تکلیف نہ ہو دوزخ میں عذاب دینے والے فرشتے بھی ہونگے اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ
بلاشبہ جن کے لئے پہلے ہی ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ مقرر ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے ۔
وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ
اور اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے ان کو بڑی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال
الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
کریں گے یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

جن کے بارے میں بھلائی کا فیصلہ ہو چکا وہ دوزخ سے دور رہیں گے

تفسیر: جب آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الآیۃ) نازل ہوئی تو عبداللہ بن الزبعری نے اعتراض کیا (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا) کہ پھر تو عیسیٰ اور عزیر اور فرشتے علیہم السلام سب ہی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ ان کی بھی عبادت کی جاتی رہی ہے اس پر آئندہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ نازل ہوئی (بلاشبہ جن کے لئے پہلے ہی ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے) لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْمَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ (وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے) لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں

گے) ان آیات میں معترض کا جواب دیدیا ہے اور فرمادیا کہ جن حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے طے فرما دیا ہے کہ ان کے لئے خوبی اور بہتری ہے اور انعام و کرام ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے جہنم میں جانا تو کجا وہ جہنم کی آہٹ بھی نہ سنیں گے وہ جنت میں داخل ہونگے وہاں اپنی نفس کی خواہشوں کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے انہیں بڑی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کریگی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' بڑی گھبراہٹ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے کئی قول لکھے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے نفخہ ثانیہ مراد ہے یعنی جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف روانہ ہونگے اس وقت کی گھبراہٹ مراد ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے' اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ جس وقت دوزخیوں کو دوزخ میں جانے کا حکم ہوگا اس سے اس وقت کی گھبراہٹ مراد ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لاکر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کیا جائے گا اس وقت جو کیفیت ہوگی اسے فزع اکبر یعنی بڑی گھبراہٹ سے تعبیر فرمایا ہے در حقیقت ان اقوال میں کوئی تنافی اور تعارض نہیں ہے' جن حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے طے فرمادیا کہ ان کے لئے خوبی ہی خوبی ہے دوزخ سے دوری ہے اور جنت کا داخلہ ہے' انہیں کوئی بھی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی۔

وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور فرشتے ان سے یوں بھی کہیں گے هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (کہ تمہارا یہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا) تمہیں ایمان اور اعمال صالحہ پر اجور و ثمرات کی جو خوشخبری دی جاتی تھی آج اس خوشخبری کے مطابق ہمیں امن چین عیش و آرام اکرام و انعام سب کچھ حاصل ہے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا

وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے ہم نے جس طرح پہلی بار مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کی تھی

عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ

اسی طرح ہم اسے لوٹا دیں گے ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ بلاشبہ زمین کے

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

وارث میرے نیک بندے ہونگے' بلاشبہ اس میں عبادت گزاروں کے لئے کافی مضمون ہے

قیامت کے دن آسمان کا لپیٹا جانا جس طرح ابتدائی آفرینش ہوئی اسی طرح دوبارہ پیدا کئے جائیں گے

تفسیر: گزشتہ آیات میں مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کے دوزخ میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا

اوران حضرات کے اہل جنت ہونے کا ذکر تھا جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ کہ انہیں بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور یوں کہیں گے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' چونکہ ان چیزوں کا تعلق وقوع قیامت سے ہے اس لئے اس کے بعد اس کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کا واقعہ کرنا ہمارے لئے معمولی سی بات ہے تمہاری نظروں کے سامنے سب سے بڑی چیز آسمان ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ اسی کو فرمایا کہ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے۔ جیسے مضمون لکھی ہوئی کتاب کو لپیٹ دیا جاتا ہے جس طرح لکھنے والے کاغذ کو لپیٹ دیتے ہیں ہم اسی طرح آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ جب آسمان کا یہ حال ہوگا تو دوسری مخلوق کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔

هٰذا علی احد الاقوال فی معنی السجل و الکتاب' وفی الدر المنثور ص۳۴۷ ج۴ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما کطی الصحیفة "علی الکتاب" الدال علی المکتوب. (یہ السجل اور الکتاب کے معنی میں ایک قول کے مطابق ہے اور تفسیر درمنثور میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کطی الصحیفۃ ''علی الکتاب' الدال علی المکتوب یعنی اس صحیفہ کا لپیٹنا کتاب پر جو لکھے ہوئے پر دلالت کرتی ہے)

دوسری آیات میں آسمان کے پھٹنے کا اور رنگی ہوئی اون کے گالوں کی طرح ہو جانے کا ذکر ہے یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے پہلے لپیٹ دیا جائے پھر وہ پھٹ جائے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے۔ قیامت کا انکار کرنے والے جو یہ سوال اٹھاتے تھے کہ دوبارہ کیسے زندہ کئے جائیں گے اس کے جواب میں فرمایا کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ (جس طرح ہم نے مخلوق کی پہلی بار ابتدا کی تھی ہم اس طرح لوٹا دیں گے) یہ بات عجیب ہے کہ پہلی بار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا منکرین بعث کے اس کو مانتے ہیں اور دوبارہ پیدا کئے جانے کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جیسے پہلے پیدا فرمایا پھر اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے' سمجھ کی بات تو یہ ہے کہ جس نے بے مثال تخلیق کر دی اسے دوبارہ پیدا کرنے میں اور زیادہ آسان ہونا چاہئے اگر چہ اللہ تعالیٰ کیلئے ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہیں پھر دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیوں ہے؟

وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں) کوئی مانے یا نہ مانے قیامت آئیگی فیصلے ہونگے جنتی جنت میں دوزخی دوزخ میں جائیں گے اس کے بعد فرمایا کہ ذکر یعنی لوح محفوظ کے بعد آسمانی کتابوں میں ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے مطلب یہ ہے کہ یہ بات لوح محفوظ میں اور آسمانی کتابوں میں لکھ دی اور بتادی ہے کہ زمین کے وارث صالحین ہونگے۔

لفظ الزَّبُوْرُ اور لفظ الذکر سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ہم نے حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد کا قول لیا ہے کہ الزبور سے آسمانی کتب اور الذکر سے لوح محفوظ مراد ہے۔

عن ابن عباس فی الآیة قال الزبور التوراة والانجیل والقرآن' والذکر الاصل الذی نسخت منه هذه الکتب الذی فی السماء' وقال مجاهد الزبور الکتب والذکر ام الکتاب عند الله" (الدرالمنثور ص۳۴۱ ج۴) (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے آپ نے فرمایا زبور سے مراد تورات' انجیل اور قرآن ہے اور ذکر سے مراد وہ اصل ہے جو آسمان میں ہے جس سے یہ کتابیں لکھی گئیں اور مجاہدؒ کہتے ہیں زبور سے مراد کتابیں ہیں اور ذکر سے مراد وہ ام الکتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے)

کونسی زمین کے بارے میں فرمایا ہے کہ صالحین اُس کے وارث ہیں؟ اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اور حضرت مجاہد اور حضرت شعبی اور حضرت عکرمہ نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت کی سرزمین مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ صالحین جنت کے وارث ہونگے سورۃ زمر میں اللہ تعالیٰ شانہ' کا ارشاد ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (اور جنت والے کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں) چونکہ اس سے جنت کی سرزمین مراد ہے اس لئے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ ہم تو اس زمین پر کافروں فاسقوں کی حکومتیں بھی دیکھتے ہیں پھر آیت میں جو وعدہ ہے وہ کیسے پورا ہوا؟ لیکن اگر دنیا والی زمین مراد لی جائے تب بھی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو یہ بتائے کہ زمین پر ہمیشہ صالحین ہی کی حکومت رہے گی اگر کافروں اور فاسقوں کی حکومتیں ہیں تو صالحین کی حکومتیں بھی تو رہی ہیں جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی تھے اور ان کی متبعین بھی' اور امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا ملک عطا فرمایا' حکومت چلانے والوں میں صالحین بھی تھے' یہ دوسری بات ہے کہ مسلمانوں کی ایمانی کمزوری اور بد عملی اور غفلت کی وجہ سے بڑے بڑے ملک ہاتھوں سے نکل گئے' اور اب جہاں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں فاسق چھائے ہوئے ہیں اس کا باعث بھی مسلمانوں کی دینی وایمان کی کمزوری ہی ہے کہ وہ صالحین کو اقتدار پر دیکھنا نہیں چاہتے اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر صالحین کا اقتدار ہوا تو قرآن وسنت کی حکومت ہوگی اور من مانی زندگی نہ گزار سکیں گے۔

آخر میں یہ فرمایا اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (بلاشبہ اس میں عابدین کے لئے کافی مضمون ہے) جسے سمجھ کر اور جان کر اعمال صالحہ کی طرف متوجہ اور آخرت کے لئے متفکر ہو سکتے ہیں' کعب الاحبار کا قول ہے کہ قوم عابدین سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے' اور حضرت حسن سے منقول ہے کہ عابدین سے وہ لوگ مراد ہیں جو پانچوں وقت پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں' حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ عابدین سے عاملین مراد ہیں (لہٰذا یہ لفظ تمام اعمال صالحہ والوں کو شامل ہے) الدر المنثور ج ۴ ص ۳۴۱

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہی تھے

تفسیر: آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا مبارک اور معظم لقب عطا فرمایا اور سورۂ توبہ میں آپ کو رؤف رحیم کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا انما انا رحمت مهداة یعنی میں اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں اور سراپا رحمت ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے آپ نے فرمایا ان اللہ

تعالٰی بعثنی رحمۃ للعالمین وھدی للعالمین وامرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلیب وامر الجاھلیۃ. بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت عام ہے آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا اس وقت سے لیکر آج تک کروڑوں انسان اور جنات ہدایت پا چکے ہیں۔ ساری دنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا میں ایمان کی ہوا چلی توحید کی روشنی پھیلی جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۱)

یہ اللہ کی یاد آپ ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے' ایک حدیث میں آیا ہے کہ عالم کے لئے آسمانوں کے اور زمین کے رہنے والے ہیں اور ان کے حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴)

اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ جب تک علوم نبوت کے مطابق دنیا میں اعمال موجود ہیں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی اگر یہ نہ ہوں تو قیامت آجائے اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنا چاہئے' ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کیا آج تیرے اوپر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گزرا تھا تو یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے (ذکر ابن الجزری فی الحصن الحصین) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گزرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے مجموعہ عالم میں آسمان زمین چرند پرند چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سبھی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا سب کا بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمت للعالمین ﷺ سے ملی ہے اس اعتبار سے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے رحمت ہوگی جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آجاتا

تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کردی جاتی تھیں آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سبھی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے عذاب ہوگا وہ آخرت سے متعلق ہے۔

دنیا میں آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمة (میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹)

آپ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ کے ساتھ بدخلقی کا بہت بڑا برتاؤ کیا۔ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے آکر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا میں امید کرتا ہوں کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۳

سورۂ توبہ میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ آپ ﷺ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ بھی حرص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ آپ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رافت اور رحمت کا تعلق ہے آپ ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو جاتے۔ آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق تھا ظاہراً بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

حضرات صحابہ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکرمند ہوتے تھے عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے دوا بتاتے تھے مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح ۴۰۴) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۶) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ

اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ البخاری و مسلم) جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑے مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۹)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے کسی کا چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرلے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا)

آپ ﷺ امت کو اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ (مشکوٰۃ ۴۲) نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ المصابیح) کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔ اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں اس شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں اس طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے (رواہ البخاری و مسلم) سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے لئے نرم ہوگئے اور اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ﷺ ان کو

معاف فرمادیجئے اوران کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو آپ اللہ پرتوکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں)

آیت بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت وشفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہؓ جو آپ ﷺ کے پاس جمع ہیں جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہوجاتے ہیں' حضرت سعدی نے کیا اچھا فرمایا۔

کس نہ بیند کہ تشنگان حجاز ۔۔۔ برلب آب شور گرد آیند

ہر کجا چشمہ بود شیریں ۔۔۔ مردم و مرغ و مور گرد آیند

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا جب کوئی شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتداء نہ کرتا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل وعیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ہو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی' مجھ سے کبھی کچھ نقصان ہوگیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضا وقدر میں ہے تو وہ ہوکر ہی رہے گی آپ رحمۃ للعالمین تھے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری ومسلم) آپ نے فرمایا کہ مومنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک ہی جسم ہو' جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسی شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بدبخت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنیوالوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳

امت محمدیہ پر لازم ہے کہ اپنے نبی ﷺ کا اتباع کریں اور سب آپس میں رحمت وشفقت کے ساتھ مل کر رہیں اور اپنی معاشرت میں رحمت اور شفقت کا مظاہرہ کریں' سورۂ توبہ کی آخری آیت لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ کی

تفسیر بھی ملاحظہ کرلیں۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ
آپ فرما دیجئے کہ میری طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو کیا تم بات ماننے والے ہو، سو اگر
تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۗ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا
وہ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں خوب صاف طریقہ پر اطلاع دے چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے
تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ
وعدہ ہوا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے، بلاشبہ بات ہے کہ اللہ زور کی کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور میں
اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ
نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا ہو، رسول نے کہا کہ اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے
وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
اور ہمارا رب رحمن ہے، جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو

توحید کی دعوت اور روگردانی پر عذاب کی وعید

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرمادیں کہ میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقی اور واقعی معبود ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے جو کوئی شخص توحید والے دین پر ہوگا جسے رحمۃ للعالمین ﷺ ارحم الراحمین جل مجدہ کی طرف سے لائے ہیں اور دنیا و آخرت میں مورد الطاف ہوگا اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے نوازا جائے گا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (کیا تم ماننے والے ہو) یعنی تم اس بات کو مان لو تمہارا اسی میں بھلا ہے۔

پھر فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت قبول نہ کریں اور روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں حجت پوری کر چکا ہوں نہایت صاف طریقہ پر بتا چکا ہوں توحید کی دعوت بھی تمہیں دیدی اسلام کی حقانیت پر دلائل بھی دے دیئے معجزات بھی پیش کر دیئے اب ذرہ برابر بھی تم پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی نہ مانو گے تو اپنا برا کرو گے، پھر فرمایا کہ تم کو جو یہ بتایا ہے کہ دین حق قبول نہ کرنے پر دنیا میں عذاب آئے گا اور قیامت کے دن بھی عذاب میں مبتلا ہو گے یہ وعدہ سچا ہے لیکن اس کے وقوع میں جو دیر لگ رہی ہے اس کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ اس کا وقوع نہیں ہوگا خود مجھے بھی معلوم نہیں کہ وہ قریب ہی واقع ہونے والا ہے یا اس کے وقوع میں دیر ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی

اجل مقرر ہے میرا اور تمہارا اس اجل کو نہ جاننا اس بات کی دلیل نہیں کہ موعودہ عذاب کا وقوع نہیں ہوگا۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ (بلاشبہ اللہ جانتا ہے زور سے کہی ہوئی بات کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم چھپاتے ہو) تم زبانوں سے حق کا انکار کرو یا دلوں سے اس کی تردید کرو اس کی سزا پالو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہی سزا دینے والا ہے' اگر کفر اور شرک کی باتوں کو اپنے دل میں چھپاتے ہو تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ چونکہ زبان سے نہیں نکالا اس لئے مواخذہ نہ ہوگا وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (اور میں نہیں جانتا' شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک زمانہ تک فائدہ پہنچانا ہو)

مطلب یہ ہے عذاب آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی کیا حکمت ہے میں نہیں جانتا ممکن ہے عذاب کی تاخیر میں تمہارا امتحان مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ کی یوں مشیت ہو کہ ایک وقت محدود تک تمہیں اس زندگی سے فائدہ پہنچانا مقصود ہو' جب اسباب عیش میں پڑو گے تو کفر پر ہی جمے رہو گے۔ اور مزید عقوبت اور عذاب کے مستحق ہو گے میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے جانتے بوجھتے اپنی جانوں کو عذاب میں مبتلا کرنا یہ سمجھداروں کا کام نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ یہ زندگی اور زندگی کے اسباب تمہارے لئے فتنہ بن سکتے ہیں قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (پیغمبر ﷺ نے کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور ہمارا رب رحمان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم لوگ بیان کرتے ہو) یہ سب باتیں بیان کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ دشمنان اسلام کے سامنے کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے اپنے بارے میں یہ سمجھ لیں کہ وہ باطل پر ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی حق اور باطل فیما بین العباد فیصلہ سامنے لانے کے لئے غزوہ بدر پیش آیا جس میں بڑے بڑے کفر کے سرغنے مارے گئے جو خود یہ دعا کر کے چلے تھے کہ اے اللہ ہمارا اور محمد (رسول اللہ ﷺ) کا مقابلہ ہے جو حق پر ہو اسے غالب کر کما مر فی تفسیر قولہ تعالیٰ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (سورۃ الانفال) اسی لئے غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ داعی اسلام ﷺ اور ان کے ساتھی نیست و نابود ہو جائیں جس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ دین اسلام ختم ہو جائے اس کی دعوت دینے والا' اس کا نام لینے والا کوئی نہ رہے ان کی اس خواہش کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جو باتیں کہتے ہو اور ہمارے خلاف جو ارادے رکھتے ہو اس کے مقابلہ میں ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں وہ رحمٰن ہے ہم پر رحم فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا اور کافروں کے ارادے نیست نابود ہو گئے۔

وھذا آخر الکلام فی تفسیر سورۃ الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام والحمد للہ علی التمام والصلوٰۃ والسلام علی البدر التمام وعلی آلہ واصحابہ البرۃ الکرام الی یوم القیام

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشَرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حج مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھتر آیات اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بلا شبہ قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے

كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ

ہر دودھ پلانے والی اسے بھول جائے گی جسے دودھ پلایا اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی، اور اے مخاطب تو لوگوں کو دیکھے گا کہ

سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي

وہ نشہ کی حالت میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب سخت چیز ہے، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ

اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں جس کے بارے میں یہ بات لکھی جاچکی ہے کہ جو بھی کوئی شخص اس سے دوستی کرے گا تو وہ

يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

اسے گمراہ کر دے گا اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے راستہ پر ڈال دے گا۔

قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے وہ بڑا ہولناک وقت ہوگا

تفسیر: یہاں سے سورۃ الحج شروع ہو رہی ہے اس کے چوتھے پانچویں رکوع میں حج اور اس سے متعلق چیزوں کا بیان ہے اس لئے سورۃ الحج کے نام سے موسوم ہے پہلے رکوع میں قیامت کا بیان ہے اور جو لوگ قیامت کے وقوع کو مستبعد یا ناممکن سمجھتے تھے یا اب سمجھنے والے ہیں ان کے جاہلانہ استبعاد کا جواب دیا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو ڈرنے کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرو ان تقاضوں میں سے اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لانا بھی ہے اور فرائض کی ادائیگی بھی ہے اور ممنوعات سے بچنا بھی ہے۔ اور قیامت کے آنے کا بھی یقین کرو اس کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جب اس کا زلزلہ آئے گا اس وقت کی پریشانی اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ دودھ پلانے والی اسکی سختی کی وجہ سے دودھ پلاتے بچہ کو بھول جائے گی۔ اور حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ اس حالت میں ہوں گے کہ گویا نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے اللہ کے عذاب کی سختی کی وجہ سے جو ہیبت سوار ہوگی۔ اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے ان پر نشہ سوار ہے آیت بالا میں جو

قیامت کے زلزلہ کا ذکر ہے یہ زلزلہ کب ہوگا اس کے بارے میں حضرت علقمہ اور حضرت شعبی وغیرہما سے منقول ہے کہ اس سے وہ زلزلہ مراد ہے جو ایسے وقت میں آئے گا جب قیامت بہت ہی زیادہ قریب ہو چکی ہوگی اور یہ زلزلہ قرب قیامت کی علامت ہوگا۔ ان حضرات نے یہ اس لئے فرمایا کہ عین وقوع قیامت کے وقت جو عورتیں قبروں سے نکلیں گی ان کے ساتھ دودھ پیتے بچے ہوں یا پیٹوں میں حمل ہوں یہ بات کسی واضح دلیل سے ثابت نہیں اور چونکہ قیامت سے پہلے زلزلہ آنے کی روایات حدیث میں ذکر ہے اس لئے آیت بالا میں وہی زلزلہ مراد لینا چاہئے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے وقوع قیامت مراد ہے کیونکہ جب قیامت ہوگی اس وقت بھی زلزلہ آئے گا جیسا کہ سورۃ زلزال کی پہلی آیت میں فرمایا اور جیسا سورۃ والنزعات میں فرمایا یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ الراجفہ سے نفخہ اولی مراد ہے جس سے چھوٹے بڑے اجسام حرکت میں آجائیں گے اور الرادف سے دوسرا نفخہ مراد ہے (ذکرہ البخاری فی ترجمۃ باب ج ۲/۹۶۵) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (جبکہ زمین کو زلزلہ آجائے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے) اس سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ وقوع قیامت کے وقت بھی زلزلہ آئے گا۔ اس قول کے اختیار کرنے میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی کہاں ہوں گی اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے اول یہ کہ یہ علی سبیل الفرض والتقدیر ہے یعنی قیامت کے واقع ہونے سے دلوں پر ایسی سخت دہشت اور ہیبت سوار ہوگی کہ اگر عورتوں کے پیٹوں میں بچے ہوں تو ان کے حمل ساقط ہو جائیں اور اگر عورتوں کی گودوں میں ایسے بچے ہوں جنہیں دودھ پلاتی ہوں تو وہ انہیں بھول جائیں اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے جو عورت حالت حمل میں مری ہو اسی حالت میں حشر ہو اور جس عورت کو دودھ پلانے کے زمانہ میں موت آئی ہو وہ اپنے دودھ پیتے بچہ کے ساتھ محشور ہو' تیسرا قول یہ ہے کہ زلزلہ بمعنی حرکت ارضی مراد نہیں ہے بلکہ اس وقت کی بدحالی اور گھبراہٹ کو زلزلہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ بات بھی بعید نہیں کیونکہ قرآن مجید میں لفظ زلزال سخت مصیبت کی گھڑی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں اہل ایمان کا ابتلاء بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے' صحیح بخاری ۹۶۶ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ اے آدم! وہ عرض کریں گے لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ اپنی ذریت سے دوزخ کا حصہ نکال لو وہ عرض کریں گے کہ کتنا حصہ ہے' ارشاد ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے نکالو یہ بات سن کر بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اپنی حمل کو ڈال دے گی اور اے مخاطب تو لوگوں کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا یہ بات سن کر حضرات صحابہ کو بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر ہزار میں سے جنت کے لئے ایک شخص لینے سے ہمارا کیا حال بنے گا ہم میں سے وہ کون کون شخص ہوگا جو جنتی ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پورے بنی آدم کا حساب ہے تم لوگ خوش ہو جاؤ کیونکہ یاجوج ماجوج کی تعداد اس قدر

زیادہ ہے کہ ان میں سے ایک ہزار کے مقابلہ میں تم میں سے ایک شخص آتا ہے (اور وہ بھی بنی آدم میں سے ہیں) پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم پوری جنت کے آباد کرنے والوں میں تہائی افراد ہو گے اس پر ہم نے اللہ کی حمد بیان کی اور اللہ کی بڑائی بیان کی' پھر آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی آدھی تعداد ہوگی پھر فرمایا کہ ساری امتیں ملا کر تعداد کے اعتبار سے تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید بال ہو کالے بیل کی کھال میں یا جیسے گدھے کے اگلے پاؤں میں ذرا سا گول دائرہ ہو۔

اس میں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتیں ہوں گی اس کے وہی دو جواب ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں (کما ذکرھما شراح الحدیث)

اس کے بعد فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ (الآیتین)

مفسر ابن کثیر نے سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں بتائیے کہ آپ کا رب سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا' اس پر آسمان میں ایک گرج پیدا ہوئی اور اس شخص کی کھوپڑی گر کر سامنے آ گئی' اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اس طرح کا سوال کیا' جس پر بجلی آئی اور اسے ہلاک کر دیا اس قسم کے سوال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو بے علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں شیطان جو کچھ انہیں سمجھا دیتا ہے اسے مان لیتے ہیں اور شیطان جو سوالات سمجھاتا ہے ان سوالات کو آگے بڑھا دیتے ہیں۔ سوال کرنے والوں نے باطل معبودوں یعنی بتوں کو دیکھا تھا جو مختلف چیزوں سے بنائے جاتے ہیں انہیں پر قیاس کر کے یہ سوال کر بیٹھے کہ تمہارا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے' جہالت کے ماروں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ باطل معبود جو خود تراشے ہیں اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں ان پر خالق کائنات جل مجدہ کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ شیطان نے جب انہیں ایسا سمجھایا تو رسول اللہ ﷺ سے بے جا سوال کر بیٹھے یہ لوگ شیطان سے دوستی کرتے ہیں اور اس کی بات مانتے ہیں اور شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کر دیا گیا کہ جو بھی کوئی اس سے دوستی کرے گا اس کی بات مانے گا وہ اس دنیا میں اسے گمراہ کر دے گا اور آخرت میں اسے دہکتی ہوئی آگ کے عذاب میں داخل کرانے کا ذریعہ بن جائے گا' شیطان خود بھی گمراہ ہے اسے خود بھی دوزخ میں جانا ہے اور جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا گمراہ کی دوستی سے گمراہی اور گناہ کے سوا کچھ اور نہیں ملتا جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا اور اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بنے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
اے لوگو! اگر تم اٹھائے جانے کی طرف سے شک میں ہو تو بلاشبہ سو ہم نے مٹی سے پھر

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ

نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی بنی ہوئی صورت سے اور جو صورت ابھی نہ بنی ہو اس سے تمہیں پیدا کیا تا کہ ہم تمہیں بتائیں،

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا

اور ہم اپنی مشیت کے موافق مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہراتے ہیں پھر تمہیں اس حال میں نکالتے ہیں کہ تم بچہ کی صورت میں

أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ

ہوتے ہو پھر تا کہ تم اپنی قوتوں کو پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو اٹھا لئے جاتے ہیں اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو نکمی عمر کو پہنچ جاتے ہیں

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ

تا کہ علم کے بعد کچھ بھی نہ جانیں، اور اے مخاطب تو زمین کو بھی سوکھی پڑی ہوئی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں

وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝٥ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي

تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور وہ بڑھ جاتی ہے اور ہر طرح کے خوشنما جوڑے اگا دیتی ہے یہ اس وجہ سے کہ اللہ حق ہے اور وہ

الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝٦ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ

مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، اور بلاشبہ

اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝٧

اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں

وقوع قیامت کے منکرین کو جواب اور تخلیق انسانی کے مختلف ادوار کا تذکرہ

تفسیر: جو لوگ بعث کا یعنی مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور قیامت کے وقوع میں انہیں شک تھا (اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں) ان کے شبہات میں سے ایک یہ شبہ تھا کہ جب مر کھپ گئے جسم ریزہ ریزہ ہو گیا تو اب زندہ ہونا جسموں میں جان پڑنا پورا آدمی بن کر کھڑا ہونا سمجھ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے تو تمہارا شک اور استبعاد غلط ہے اور بے جا ہے تم دوبارہ اٹھائے جانے کو پہلی خلقت پر قیاس کر لو دیکھو پہلے تمہارا وجود ہی نہیں تھا اول تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ان کا مٹی کا مجسمہ بنایا پھر اس مجسمہ میں روح پھونک دی اس کے

بعد ہم نے اولاد آدم کی پیدائش میں ایک ترتیب قائم کی اور اسی ترتیب سے بنی آدم کی نسلیں چل رہی ہیں کہ اوّل مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے تو پھر یہ نطفہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اس میں تھوڑی سی قوت آتی ہے تو وہ بوٹی بن جاتا ہے یعنی جو اس لائق ہو جاتا ہے کہ اسے چبایا جا سکے (یہ مضغہ کا ترجمہ......؟) اور اس بوٹی کی دو حالتیں ہوتی ہیں پہلے تو صرف ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں کوئی عضو بنا ہوا نہیں ہوتا (اسکو غیر مخلقہ سے تعبیر فرمایا) پھر اس میں اعضاء بن جاتے ہیں اور انسانی شکل وصورت ظاہر ہو جاتی ہے (اسکو مخلقہ سے تعبیر فرمایا) اور اعضاء بننے کے ساتھ ہی پیدائش نہیں ہوتی بلکہ رحم میں پرورش ہوتی رہتی ہے اور جسم بڑھتا رہتا ہے رحم میں رہنے کی بھی مدت مقرر ہے اللہ تعالیٰ جس کو جتنے دن چاہتا ہے ماں کے رحم میں رکھتا ہے۔ اسی کو فرمایا وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى (اپنی مشیت کے موافق ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں) پھر رحم میں رہنے کی مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد ہم تمہیں زندہ بچہ کی صورت میں نکال دیتے ہیں۔

رحم سے باہر آنے کے بعد آگے مزید احوال سے گزرنا ہوتا ہے بچپن کا زمانہ گزرتا ہے حتیٰ کہ جوانی آجاتی ہے اس کو فرمایا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ (پھر تاکہ تم اپنی قوت کو پہنچ جاؤ) جسمانی طاقت عقل وفہم کی قوت اور سوچ سمجھ کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ زمانہ اٹھارہ سال سے لیکر تیس سال تک کا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے تیس سال سے لیکر چالیس سال کی درمیانی عمر مراد ہے۔ (واختارہ فی الجلالین) سورۃ غافر میں ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا بھی فرمایا ہے (پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو) باپ کے نطفے سے لیکر بوڑھا ہونے تک ان کے احوال سے تدریجا گزرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ سب پر یہ پورے احوال گزریں۔

جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کے مطابق ہوتا ہے لوگ بعض پہلے ہی اٹھالئے جاتے ہیں اور جوانی کا زمانہ آنے سے پہلے ہی انہیں موت آجاتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ بڑھاپا آنے کے بعد بھی عمر بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ نکمی عمر کا زمانہ آجاتا ہے یہ نکمی عمر ایسی ہوتی ہے جس میں انسان کا علم ختم ہو جاتا ہے پہلے سے جو چیزیں اس کے علم میں تھیں وہ بھی ذہن سے غائب ہو جاتی ہیں۔ بس یوں ہی بھوک پیاس کی تھوڑی سی شدھ بدھ رہ جاتی ہے یہ سب اطوار اور احوال سب کے سامنے ہیں۔ جس ذات پاک نے مٹی سے تخلیق فرمائی پھر مختلف احوال سے گزارا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ موت دے کر ہڈیوں کو ریزہ ریزہ بنا کر کے دوبارہ جسم مرکب فرمادے اور اس میں جان ڈال کر قبروں سے اٹھائے اور پھر میدان قیامت میں جمع فرما کر محاسبہ اور مواخذہ فرمائے۔ مُخَلَّقَة اور غیر مخلقة کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا' اور بعض مفسرین نے مخلقه کا مطلب یہ بتایا ہے کہ بچہ پورا ہو کر زندہ پیدا ہو جائے اور غیر مخلقه کا یہ مطلب لیا ہے کہ بچہ پورا ہونے سے پہلے ضائع ہو جائے جسے حمل گرنا کہتے ہیں اور غیر مخلقه ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بچہ ناقص الاطراف زندہ پیدا ہو جائے الفاظ سے یہ معنی بھی قریب ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ جمع رکھا جاتا ہے اس کے بعد چالیس دن علقہ یعنی جما ہوا خون رہتا ہے پھر چالیس دن تک مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے عمل اور اس کی اجل اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور یہ بھی لکھ دیتا ہے یہ شقی ہے یا سعید ہے (رواہ البخاری)

قرآن مجید میں جو انسانی تخلیق کے ادوار اور اطوار بتائے ہیں ان کے بارے میں حدیث شریف میں بتا دیا کہ چالیس چالیس دن تک ایک ایک حالت رہتی ہے۔

قبروں سے زندہ اٹھائے جانے کے استبعاد کو تخلیق اول کی یاد دہانی کی تذکیر فرمانے کے بعد (کہ جس طرح پہلے پیدا فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا فرما دے گا) دوسری نظیر بیان فرمائی کہ دیکھو زمین خشک ہو جاتی ہے اس میں کسی طرح کی کوئی سبزی نظر نہیں آتی نہ گھاس نہ دانہ بالکل مردہ پڑی رہتی ہے پھر ہم اس پر بارش نازل فرما دیتے ہیں تو اس میں ہری بھری گھاس نکل آتی ہے بیل بوٹے پیدا ہو جاتے ہیں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو زمین صرف مٹی تھی اب وہ بڑھ رہی ہے اوپر کو اٹھ رہی ہے اور اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے نکل رہے ہیں جس طرح سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا اسی طرح سے ہم انسانوں کو دوبارہ پیدا کر دیں گے سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو اس حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ سوکھی ہوئی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور اوپر کو اٹھ جاتی ہے بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ کیا وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

یہاں سورۃ الحج میں بھی آیت کے ختم پر یہی فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یہ انسان کی ابتدائی تخلیق اور اس کے تدریجی ادوار اور زمین کا سوکھنا پھر اللہ کے حکم سے ہرا بھرا ہو جانا یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے) وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا (اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں) وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ اور بلاشبہ اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں) یعنی قبروں میں دفن کئے ہوئے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور پھر میدان حساب میں حاضر کئے جائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝ ثَانِیَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی ایسی کتاب کے جو روشنی دکھانے والی ہو اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، یہ ایسا شخص ہے

عِطْفِہٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَہٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّنُذِیْقُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

جو گردن کو موڑ کر چلا جاتا ہے تاکہ اللہ کے راستہ سے ہٹا کر لوگوں کو گمراہ کرے اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ہم اسے قیامت کے دن

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰

جلنے کا عذاب چکھائیں گے' یہ اس کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا' اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

معاندین کا متکبرانہ طرزِ عمل اور آخرت میں ان کا عذاب ورسوائی

تفسیر: روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی' بعض حضرات کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ اخنس بن شریق تھا اور بہت سے حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی سبب نزول جو بھی ہو بہر حال آیت کا عموم ہر اس شخص کی مذمت اور دنیا و آخرت کی ذلت اور بدحالی کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بے تکے سوال کرے اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول نہ کرے' نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ اس کی عقل رہبر ہے اور نہ اس کے پاس کوئی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہو' وہ ہر اعتبار سے جاہل ہے یہ تو اس کا حال ہے اور جب ہدایت سامنے آتی ہے تو یہ سمجھ کر کہ اس کے قبول کرنے میں میری بے آبروئی ہے اور ہیٹی ہے تکبر کے انداز میں گردن موڑ کر چلا جاتا ہے وہ اس متکبرانہ طور طریق کی وجہ سے خود بھی گمراہی میں پڑا ہوا اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے ہٹاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان کیلئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلنے کا عذاب چکھیں گے۔ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ (کہ یہ وہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی تو نے جو اعمال کئے یہ انہیں کی سزا ہے) بغیر کفر اور شرک اور بغیر معصیت کے اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتا۔ اور وہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اسی کو فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ دنیا میں تو نضر بن حارث اور ابوجہل کی یوں ذلت ہوئی کہ وہ بدر میں مقتول ہوئے اور اخنس بن شریق کی موت کا حال معلوم نہ ہو سکا بہر حال یہ بات لازمی ہے کہ جو لوگ بھی آیت کے مصداق ہوئے یا آئندہ ہوں گے سب دنیا میں ذلیل ہوں گے اور آخرت میں دوزخ میں جائیں گے جلنے کا عذاب چکھیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں جیسے کوئی شخص کنارہ پر ہو پھر اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچ گئی تو اس کی وجہ سے

اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

مطمئن ہو گیا اور اگر کچھ آزمائش آ گئی تو اپنے چہرہ کے بل پلٹ گیا وہ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے تباہ ہو گیا۔

الْمُبِيْنُ ۝۱۱ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ

یہ کھلی ہوئی تباہی ہے۔ یہ شخص اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے جو اسے نہ ضرر دے اور نہ نفع دے۔ یہ دور والی گمراہی ہے

الْبَعِيدُ ۝١٢ يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ۝١٣

وہ اسے پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے واقعی وہ برا دوست ہے اور برا رفیق ہے

طلب دنیا کے لئے اسلام قبول کرنے والوں کی تباہی

تفسیر: صحیح بخاری ج ۲/ص ۶۴۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص مدینہ منورہ آیا اسکی بیوی کو حمل تھا اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا اور اس کے گھوڑوں کے بھی بچے پیدا ہو گئے تو اس پر وہ کہتا تھا کہ واقعی یہ دین (یعنی اسلام) اچھا دین ہے اور اگر اسکی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا اور گھوڑی نے بچے نہ دیئے تو کہتا تھا کہ یہ اچھا دین نہیں ہے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ تفسیر ابن مردویہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کر لیا اس کے بعد اسکی بینائی جاتی رہی اور مال بھی چلا گیا۔ نیز اولاد بھی ختم ہو گئی۔ اس نے اسے اسلام کی نحوست سمجھا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری بیعت توڑ دیجئے آپ نے فرمایا بیعت اسلام نہیں توڑی جاتی وہ کہنے لگا کہ اس دین میں مجھے خیر نہیں ملی میں اندھا ہو گیا میرا مال بھی گیا اور اولاد بھی مر گئی آپ نے فرمایا کہ اے یہودی! لوگوں کو اسلام (بطور امتحان) پگھلا دیتا ہے جیسا کہ لوہے اور سونے اور چاندی کو آگ پگھلا کر کھوٹ اور میل دور کر دیتی ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کے بارے میں آیت کریمہ کا نزول ہوا سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت کا مضمون عام ہے جو لوگ اسلام کو ظاہری طور پر دنیا کے منافع کے لئے قبول کر لیتے ہیں اور جن منافع کی امید تھی وہ منافع حاصل نہیں ہوتے تو اسلام سے پھر جاتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور حق کے طالب بھی نہیں ہوتے، آخرت کی نجات کے لئے اسلام قبول نہیں کرتے، دنیاوی منافع کے لئے ظاہری طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا، ایسے لوگوں کی دنیا بھی تباہ ہوتی ہے اور آخرت بھی اور یہ کھلی ہوئی تباہی ہے جسے اَلْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ سے تعبیر فرمایا ہے۔

جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مصیبتوں کیلئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو پہلے ہی سے مشرک ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا اور مدد کیلئے پکارنا ان کے حق میں مفید نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو پکارتے ہیں جسے ضرر یا نفع پہنچانے کی ذرا بھی قدرت نہیں اور اسے اس بارے میں ذرا سا بھی اختیار نہیں ذٰلِکَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ (یہ طریقہ دور کی گمراہی ہے) یَدْعُوْ لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ (یہ مشرک ان کو پکارتا ہے جن کا ضرر نفع کی بنسبت زیادہ قریب ہے) کیونکہ یہ باطل معبود دنیا اور آخرت میں مدد تو کچھ کر ہی نہیں سکتے البتہ ان کی عبادت کا ضرر انہیں ضرور پہنچے گا دنیا میں گمراہ رہیں گے اور آخرت میں عذاب دوزخ میں داخل ہوں گے، ان کی عبادت کا یہ پھل ملے گا کہ جلنے کے عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں

گے لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ یعنی یہ معبودان باطل برے دوست ہیں اور برے رفیق ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب قیامت کے دن کافر دیکھیں گے کہ کسی بھی معبود باطل سے نفع نہ پہنچا اور اس کی عبادت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا تو بلند آواز سے پکار کر کہیں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہم نے جس کی عبادت کی وہ تو برا دوست اور برا رفیق نکلا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے

الْأَنْهٰرُ ؕ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي

نہریں جاری ہوں گی بلا شبہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ

دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول کی مدد نہ کرے گا تو اسے چاہئے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے پھر کاٹ دے پھر دیکھ لے آیا اس کی

كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

تدبیر اس کے غیظ کی چیز کو ختم کر سکتی ہے اور ہم نے اسی طرح کھلی ہوئی آیات نازل کیں اور بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے آیات بینات نازل فرمائی ہیں وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

تفسیر: اس آیت سے پہلی آیت میں مشرکوں اور کافروں کی بدحالی بیان فرمائی اور بتایا کہ اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ ان کو کوئی نفع اور نقصان نہیں دے سکتے ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے ان کی دوستی اور رفاقت وبال جان ہے اس کے بعد اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ انہیں ایسی باغوں میں داخل فرمائے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ساتھ ہی إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازنے کا ارادہ فرمائے اسے ہدایت دے دیتا ہے اسے پورا پورا اختیار ہے وہ قادر مطلق ہے اس کے ارادے سے اسے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ اس کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو دین اسلام کے کاٹ میں اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں لگے رہتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی یہ دعوت چند دن کی ہے یہ جو وحی کا دعویٰ کرتے ہیں یہ وحی بھی ختم ہو جائے گی اور ان کا دین بھی آگے نہیں بڑھے گا کچھ دن کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ یہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے رسول کی مدد نہ فرمائے گا اور یوں چاہتے ہیں کہ آپ کی دعوت کا کام رک جائے اور وحی آنا بند ہو

جائے یہ ان لوگوں کی جھوٹی آرزو ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد فرمائے گا اگر کسی معاند اور مخالف کو یہ گوارا نہیں ہے تو وہ زمین سے لیکر آسمان تک ایک رسی تان لے اور اس رسی پر چڑھتا چلا جائے اور وہاں جا کر وحی کا سلسلہ منقطع کر دے۔ یہ بطور فرض کے ارشاد فرمایا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کی مخالفت اور عناد سے وحی کا سلسلہ بند ہونے والا نہیں اور سوا بیہودہ آرزو کے ان کے پاس کچھ نہیں ہے نبی اکرم ﷺ پر وحی تو آسمان سے آتی ہے جسے قدرت ہو کہ آسمان پر جا کر رکوا دے تو ایسا کر لے لیکن ایسا کرنے کی کسی کو بھی قوت نہیں ہے۔ وحی کی وجہ سے جس کسی کو غیظ وغضب ہے اپنے غیظ اور دل کی جلن کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے تو کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کے مقابلہ میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا دشمن جلتے رہیں گے وحی آتی رہے گی دین بڑھتا رہے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ آل عمران میں فرمایا قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو! تم اپنی جل میں مر جاؤ)

مذکورہ بالا جو تفسیر لکھی گئی ہے بعض مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے یہ اس صورت میں ہے کہ لَنْ يَّنْصُرَهُ کی ضمیر منصوب رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہو اور بعض حضرات نے اس آیت کی یوں تفسیر کی ہے کہ سماء سے مکان کی چھت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی معاند جاہل کی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس کے دین کی مدد نہ کرے اور یہ معاند اسلام کے خلاف غیظ وغضب لئے ڈٹا رہے تو سمجھ لے کہ اس کی مراد کبھی پوری نہ ہوگی اس احمقانہ غیظ وغضب کا تو یہی علاج ہے کہ اپنے گھر کی چھت پر رسی ڈال کر پھانسی لے لے اور مر جائے۔

اور بعض حضرات نے آیت کی تفسیر بتاتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے گا رزق دے گا اور جتنا چاہے گا دے گا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ مجھے رزق نہ دے گا دنیا وآخرت میں میری مدد نہ فرمائے گا تو یہ شخص اللہ کی قضا اور قدر پر راضی نہیں اور صابر وشاکر نہیں تو گلا گھونٹ کر مر جائے جو چاہے کرے اللہ کی تقسیم نہیں بدلے گی اور اللہ تعالیٰ جسے جتنا رزق دے گا اسے اتنا ہی ملے گا گلا گھونٹ کر مر جانے سے کچھ نہیں ہوگا یہ معنی لینے سے لن ینصرہ کی ضمیر منصوب من کی طرف راجع ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اسلام قبول کر کے روٹی رزق اور دنیاوی آسانی ملنے پر اسلام پر برقرار رہیں اور تنگدستی آنے پر اسلام کو چھوڑ دیں ایسے لوگوں کو بتا دیں کہ تم کچھ بھی کر لو ایمان پر رہو یا ایمان کو چھوڑ دو بہر حال جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر کے موافق ہوگا مرتد ہو جانے سے رزق بڑھ نہ جائے گا۔ راجع روح المعانی ج ۱۷/ ۱۲۷-۱۲۸

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ (الآیۃ) اور ہم نے قرآن کو اسی طرح نازل کیا ہے جس کی آیات بالکل واضح ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور جو فرقہ صابئین ہے اور نصاریٰ ہیں اور جو مجوس ہیں

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا بلاشبہ اللہ
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
ہر چیز سے واقف ہے، اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں
فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ
اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان
مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ہو چکا ہے اور اللہ جسے ذلیل کرے اس کو کوئی عزت
مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾ السجدۃ
دینے والا نہیں، بلاشبہ اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

اہل ایمان اور یہود و نصاریٰ، مجوس اور مشرکین سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلے فرمائے گا، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں

تفسیر: دنیا میں ایک جماعت تو اہل ایمان کی ہے جو خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے اور ان کے علاوہ بہت سی جماعتیں ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان میں یہودی نصرانی صابئین اور آتش پرست اور طرح طرح سے شرک اختیار کرنے والے لوگ ہیں مسلمانوں کے علاوہ جتنی دوسری جماعتیں ہیں وہ آپس میں اپنے عقائد اور اعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن چونکہ کفر ایک ہی ملت ہے اس لئے ایک فریق اہل ایمان کا اور دوسرا فریق مجموعی حیثیت سے تمام کافروں کا ہے یہ سب لوگ گو آپس میں مختلف ہیں لیکن با ایمان نہ ہونے میں سب شریک ہیں اس لئے مومنین اور کافرین کو ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ دو گروہ بتا دیئے، جو اہل ایمان ہیں وہ تو ہیں ہی دین حق پر، لیکن دوسری جو جماعتیں ہیں وہ بھی اپنے بارے میں یہ گمان رکھتی ہیں کہ قیامت کے دن اپنے اس دین کی وجہ سے جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے بخش دیئے جائیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اہل ایمان کی بخشش ہو

گی اور تمام اہل کفر دوزخ میں داخل ہوں گے وہاں ان سب کو معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ کفر پر تھے وہ غلط راہ پر تھے۔ سورۃ الم سجدہ میں فرمایا اِنَّ رَبَّکَ هُوَ یَفۡصِلُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ (بلاشبہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں میں فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح واقف ہے) ہر ایماندار کے ایمان کو اور ہر کافر کے کفر کو وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اے مخاطب کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ کی مخلوق جو آسمان میں ہے اور جو لوگ زمین میں ہیں اور چاند سورج ستارے پہاڑ درخت اور چوپائے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (ہر ایک کا سجدہ اس کی اپنی حالت اور کیفیت کے اعتبار سے ہے اور بعض حضرات نے یسجد کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کے سامنے عاجزی کرتی ہیں' جو حضرات آسمانوں میں ہیں اور جو مخلوق زمین میں ہے بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور سجدہ ریز ہیں البتہ روئے زمین پر جو انسان ہیں ان میں سے بہت سے لوگ مسلم ہیں فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ منکر ہیں کافر ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ عذاب میں داخل ہوں گے۔

پھر فرمایا وَمَنۡ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّکۡرِمٍ (اور اللہ جسے ذلیل کردے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں) کافر قیامت کے دن ذلیل ہوں گے پھر دوزخ کے عذاب میں داخل ہوں گے وہاں جو ذلت ہوگی اس سے بڑی کوئی ذلت نہیں اور موت کے وقت بھی کافروں کی روح ذلت کے ساتھ قبض کی جاتی ہے اور دنیا میں بھی ذلیل ہوتے رہتے ہیں' جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں انہیں بھی بہت سے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دنیا میں ذلت اٹھاتے ہیں وزارتوں کے پیچھے دوڑتے ہیں بڑے بڑے گناہ کر کے وزارت حاصل کرتے ہیں پھر مقتول یا معزول ہو جاتے ہیں لاکھوں آدمی انہیں برائی سے یاد کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کو ذلیل کرے تو پھر اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ (بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ فلاں فلاں چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے اس سے سجدہ کا معروف معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے لیکن ہر ایک کا سجدہ اس کے مناسب حال ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جب سورج چھپ گیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے سوال فرمایا کہ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا کہ یہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے گا اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور طلوع کی اجازت طلب کرے گا تو اسے اجازت نہ دی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے تو آیا ہے وہیں واپس چلا جا لہٰذا وہ پچھم کی طرف سے نکلے گا' یہ فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا میں اسی کو بیان فرمایا ہے اس کا مستقر (یعنی ٹھہرنے کی جگہ) عرش کے نیچے ہے۔ (رواہ البخاری ج۱/۴۵۴)

جس طرح سورج سجدہ کرتا ہے اسی طرح دوسری مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور تکوینی طور پر سبھی تو فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فرشتے بھی ہیں انسان بھی ہیں جنات بھی ہیں یہ تو ذوی العقول ہیں' اللہ تعالیٰ نے زیادہ ان میں سب سے سمجھ رکھی ہے یہ اختیاری طور پر اپنے ارادہ سے اطاعت' فرمانبرداری کرتے ہیں اور معروف معنی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں' البتہ انسانوں میں اور جنات میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی' فرشتے سراپا فرمانبردار ہیں دوسری مخلوق حیوانات نباتات جمادات ان میں بھی عقل و شعور ہے حیوانات کا شعور تو سبھی کو معلوم ہے نباتات کا شعور حیوانات سے کم ہے اور جمادات میں بھی عقل و شعور ہے مگر وہ ہمیں محسوس نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان شعور ہے اسی شعور سے وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ سورۂ نحل میں ارشاد ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ان آیات کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ اس مضمون کو سورۂ نور میں یوں ارشاد فرمایا كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے) اس کی تفسیر وہاں دیکھ لی جائے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ

یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے آگ کے

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾

کپڑے قطع کئے جائیں گے' ان کے سروں پر گرم پانی ڈال دیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ سب گل جائے جو ان کے پیٹوں میں ہو گا

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا

اور کھالیں بھی گل جائیں گی ان کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے جب کبھی گھٹن کی وجہ سے دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں وہ واپس کر دیئے

فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھ لو

دوزخ میں کافروں کی سزا' آگ کے کپڑے پہننا سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جانا' لوہے کے ہتھوڑوں سے پٹائی ہونا

تفسیر: دو فریق یعنی مومنین اور کافرین نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا یعنی ایک جماعت وہ ہے جو اہل

ایمان کی ہے اور ایک جماعت اہل کفر کی ہے دونوں جماعتوں میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہے، جھگڑے بھی ہیں اور قتل وقتال بھی۔ دونوں جماعتوں کی باہمی دشمنی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مومنین تو اللہ تعالیٰ کے لئے لڑتے ہیں مشرکین اور کافرین جو کسی درجہ میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور مالکیت کا اقرار کرتے ہیں وہ بھی اپنے خیال میں اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے لڑتے ہیں' کیونکہ وہ بھی اپنے دین کو جہالت اور سفاہت کی وجہ سے اللہ کا مقبول دین سمجھتے ہیں اس لئے دونوں جماعتوں کیلئے اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فرمایا' اہل مکہ جب جنگ بدر کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو حق پر ہو اس کو فتح نصیب فرما' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کیلئے جو حضرات انصار آگے بڑھے تو قریشیوں نے کہا کہ ہم تم سے مقابلہ نہیں چاہتے ہم تو اپنے چچا کے لڑکوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن حارث میدان میں نکلے اور مشرکین مکہ کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ سامنے آئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا حضرت عبیدہ' کا عتبہ سے مقابلہ ہوا اور ہر ایک دوسرے کی تلوار سے نیم جان ہو گیا پھر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے عتبہ پر حملہ کیا اور اسے بالکل ہی جان سے مار دیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لے آئے پھر جب مدینہ کو واپس ہو رہے تھے تو مقام صفراء میں حضرت عبیدہ کی وفات ہو گئی' حضرت علی فرماتے تھے کہ یہ آیت ہماری ان دونوں جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی (صحیح بخاری ج ۲/ ۵۶۵ والبدایۃ والنهایہ والتفصیل فی القسطلانی) سبب نزول خواہ انہیں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہو جن کا ذکر اوپر گزرا جیسا کہ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا لیکن آیت کا عموم یہ بتا رہا ہے کہ اہل ایمان اور اہل کفر کی دونوں جماعتیں آپس میں اپنے اپنے دین وملت کیلئے لڑ رہی ہیں' بدر کا مذکورہ واقعہ بھی اسی دینی دشمنی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ' نے اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتائی' اہل کفر کے بارے میں فرمایا فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ کہ ان کے لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے یعنی جس طرح کپڑے کا تھان بیونت کر کاٹا جاتا ہے تاکہ پہننے کے لئے کپڑا سیا جائے اسی طرح کافروں کے لئے آگ کے کپڑے کاٹ کر تیار کئے جائیں گے' یہ تو ان کا لباس ہو گا اس کے ساتھ دوسری سزائیں بھی دی جائیں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا۔ اسی کو فرمایا یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ مزید فرمایا یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک کھولتا ہوا پانی ضرور دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں پہنچ کر ان تمام چیزوں کو کاٹ دے گا جو ان کے پیٹوں کے اندر ہیں' اور آخر میں قدموں سے نکل جائے گا اس کے بعد پھر دوزخی کو ویسا ہی کر دیا جائے گا جیسا تھا پھر ارشاد فرمایا کہ آیت میں جو لفظ یُصْهَرُ ہے اس کا یہی

مطلب ہے (رواہ الترمذی) پھر دوزخیوں کے ایک اور عذاب کا تذکرہ فرمایا وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (جب کبھی بھی وہ گھٹن کی وجہ سے اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے) یعنی لوہے کے گرز مار کر انہیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو)

جن گرزوں سے مارنے کا ذکر ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کا لوہے والا ایک گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور اگر اس کو تمام جنات اور انسان مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم کا لوہے والا گرز اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو یقیناً وہ ریزہ ریزہ ہو کر راکھ ہو جائے (راجع الترغیب والترہیب ص ۴۷۲ ج ۴)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انہیں اللہ ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى

جاری ہوں گی انہیں اس میں ایسے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا جو سونے اور موتیوں کے ہوں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور ان کو کلمہ

الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

طیبہ کی ہدایت دی گئی اور ان کو اس ذات کے راستہ کی ہدایت دی گئی جو لائق حمد ہے

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کا انعام، جنت کا داخلہ، ان کے کنگنوں اور لباس کا تذکرہ

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، یہ حضرات جنت کے باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کا لباس سونے کا ہوگا اور ان کو کنگنوں کا زیور بھی پہنایا جائے گا۔

ان کنگنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ سونے کے کنگن ہوں گے جو موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے، دنیا میں تو عورتیں ریشم پہنتی ہیں اور زیور بھی پہنتی ہیں اور شرعاً مردوں کو ان کا پہننا ممنوع ہے لیکن جنت میں مرد بھی ریشم کے کپڑے پہنیں گے، اور زیور بھی پہنیں گے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے اور ریشم کو میری امت کی عورتوں کیلئے حلال کیا گیا اور مردوں پر حرام قرار دیا گیا (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں

پہنے گا (رواہ البخاری) یعنی وہاں اس نعمت سے محروم رہے گا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم چاہتے ہو تو ان کو دنیا میں مت پہننا (رواہ النسائی کما فی المشکوٰۃ ۳۷۹)

دوسری آیت میں فرمایا وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کہ ان کو دنیا میں اچھی بات یعنی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی طرف رہبری کی گئی اس کو انہوں نے قبول کیا اللہ کی توحید کے قائل ہوئے اور اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب پر ایمان لائے جن کے ذریعہ انہیں ہدایت ہوئی اب انہیں اس کا یہ پھل ملے گا کہ جنت میں آرام سے نعمتوں میں رہیں گے' وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ کی ہدایت دی گئی جو تعریف کے لائق ہے اور سب تعریفیں اسی کو زیبا ہیں' دنیا میں جب اس کی راہ پر چلے آخرت میں اس کی طرف سے انعام پائیں گے' وہ اپنی راہ پر چلنے والوں کو محروم نہ فرمائے گا۔

فائدہ: آیت بالا میں جنتیوں کا زیور بیان کرتے ہوئے صرف کنگنوں کا ذکر فرمایا ہے حدیث شریف میں تاج پہنائے جانے کا بھی ذکر ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کے سروں پر تاج ہوں گے جن کے ادنیٰ موتی کی چمک اس قدر ہوگی کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیان (کے خلا کو) روشن کرسکتا ہے یعنی ان تاجوں میں سے اگر ادنیٰ موتی اس دنیا میں آجائے تو پورب سے پچھم تک پوری فضا کو روشن کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۹۹ از ترمذی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

بلاشبہ جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے مقرر کیا ہے' اس میں رہنے

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ

والا اور باہر سے آنے والا سب برابر ہیں' اور جو کوئی شخص اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

دردناک عذاب چکھادیں گے

مسجد حرام حاضر اور مسافر سب کے لئے برابر ہے' اس میں الحاد کرنا عذاب الیم کا سبب ہے

تفسیر: مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کی اس وقت مکہ والے چونکہ مشرک تھے اس لئے پوری طرح دشمنی پر تل گئے خود بھی ایمان نہیں لاتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے باز رکھتے تھے اور مسجد حرام کے چونکہ وہی متولی تھے اس لئے مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ ان کی دشمنی کا یہ سلسلہ برابر

جاری رہا حتی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ وہاں ہجرت فرما گئے چند سال مدینہ منورہ قیام کے بعد ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو شہر میں جانے سے روک دیا اور بہت حجت کی پھر آخر میں دس شرطوں پر صلح ہوگئی لیکن اس کے باوجود اس وقت عمرہ نہیں کرنے دیا' صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا اور صلح کی شرطوں میں ایک شرط یہ لگائی کہ آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں۔

مسجد حرام کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادُ کہ ہم نے اس کو تمام آدمیوں کے لئے مقرر کیا ہے اس میں سب برابر ہیں وہاں کا رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی) علماء نے فرمایا کہ المسجد الحرام سے پورا مکہ مکرمہ مراد ہے کیونکہ جب باہر سے آنے والے آئیں گے تو لامحالہ انہیں رات دن گزارنے' سونے اور کھانے پینے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ مکہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ باہر سے آنے والوں کو مکہ مکرمہ میں یا مسجد حرام میں آنے سے روکیں عموماً اس پر مکہ مکرمہ کے رہنے والے عمل کرتے رہے ہیں جو لوگ مسجد حرام سے روکیں گے مستحق عذاب ہوں گے' رہی یہ بات کہ مکہ مکرمہ کی زمین کو بیچنا اور اس کے گھروں کو کرایہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ موسم حج میں مکہ مکرمہ کے گھر کرایہ پر دینا مکروہ ہے اور حضرت امام یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور چونکہ حرمت کی کوئی دلیل نہیں اس لئے ان حضرات نے کراہت کو اختیار کیا ہے یہ کراہت ذاتی نہیں عارض کی وجہ سے ہے اور وہ عارض یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس گھر ہوتے ہیں وہ ان گھروں کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور حجاج کرام سے بہت زیادہ کرایہ لے لیتے ہیں اس کرایہ کی وجہ سے بہت سے لوگ حج کرنے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ تک آنے جانے کا کرایہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کثیر رقم زمانہ قیام کے کرایہ کے لئے بھی ہو جب کوئی شخص حج کا ارادہ کرسکتا ہے۔

بہت سے لوگ مکہ مکرمہ میں رہتے ہی اس لئے ہیں کہ مالکوں سے بلڈنگیں سستے کرایہ پر لے لیں اور پھر ان بلڈنگوں میں حجاج کو ٹھہرا کر بہت زیادہ پیسہ کمالیں' حجاج کی خدمت کی بجائے اس پر نظریں لگی رہتی ہیں کہ کب حاجی آئیں اور کب ان سے بھاری رقمیں وصول ہوں' ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار کوئی محمود اور محبوب نہیں ہے۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ موسم حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں مکہ معظمہ کے گھروں کو اجارہ پر دینا جائز ہے یعنی اس میں کراہت نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ مکہ کی سرزمین کو بیچنا جائز ہے یا نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں اور دیگر آئمہ کے نزدیک بلا کراہت مکہ معظمہ کی زمین بیچنا جائز ہے۔

آخر میں فرمایا وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (اور جو شخص اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھا دیں گے) اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو حرم

میں الحاد اور ظلم و زیادتی کا کام کریں، ظلم سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ شرک کرنا اور گناہ کرنا اس میں سب داخل ہے امام ابوداؤد نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ **احتکار الطعام فی الحرم الحاد فیه** یعنی حرم میں غلے کا احتکار کرنا (ضرورت ہوتے ہوئے فروخت نہ کرنا) یہ بھی الحاد کی بات ہے حضرات اکابر سلف مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بہت احتیاط کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **ومن یرد** سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے رہتے ہوئے گناہ کا ارادہ کر لینا بھی مواخذہ کا سبب ہے اگرچہ عمل نہ کرے جبکہ دوسرے شہروں میں عمل کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے۔ (ارادوں کی قسموں کے اعتبار سے اس مسئلہ میں تفصیل ہے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کا ایک مطلب مروی ہے کہ کوئی شخص دنیا میں کہیں بھی ہو وہاں رہتے ہوئے حرم مکہ میں گناہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس ارادہ پر بھی اللہ تعالیٰ اسے عذاب چکھا دے گا (درمنثور ج ۴/۳۵۱)

حضرت مجاہد تابعی فرماتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں جس طرح نیکیوں کا ثواب چند در چند ہو کر بہت زیادہ ملتا ہے اسیطرح ایک گناہ کئی گناہ بڑھا کر لکھ دیا جاتا ہے، حضرت مجاہد نے بیان کیا کہ حضرت ابن عبداللہ ابن عمرو کا ایک گھر حدود حرم میں تھا اور ایک گھر حل میں تھا جب نماز پڑھتے تھے تو حرم والے گھر میں پڑھتے تھے اور بچوں کو ڈانٹتے ڈپٹتے تھے تو حل والے گھر میں اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہم آپس میں یہ مذاکرہ کیا کرتے تھے کہ حرم میں (کسی کو ڈانٹنے کے لئے) **کلا واللہ بلی واللہ** بھی الحاد ہے (الدر المنثور ص ۳۵۲ ج ۴)

یہ جو فرمایا کہ جو شخص مسجد حرم میں یعنی مکہ مکرمہ میں کوئی گناہ کا کام کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے اس سے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں سزا دینا مراد ہے اگر کسی کو دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت میں مل جائے گی اصحاب فیل کو جو دنیا میں سزا ملی وہ تو معلوم و مشہور ہی ہے ان کی بربادی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو بھیجا جو اپنے ساتھ کنکریاں لئے ہوئے تھے انہوں نے ایسی کنکریاں ڈالیں کہ سارا لشکر ہاتھیوں سمیت وہیں **عصف ماکول** یعنی کھائے ہوئے بھوسہ کا ڈھیر بن گیا، یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں جو عذاب وہ اس کے علاوہ ہے، تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تبع (ایک شخص کا نام ہے) نے کعبہ شریف پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تھا کراع الغمیم (ایک جگہ کا نام ہے) میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے بہت سخت ہوا بھیج دی جس کی وجہ سے کھڑا ہونا اور بیٹھنا سب دوبھر ہو گیا جب یہ ہوا تو تبع نے اپنے دو عالموں کو بلایا (جو اس کے ساتھ سفر میں تھے) اور ان سے دریافت کیا کہ یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی انہوں نے کہا کہ اگر ہماری جان بخشی ہو تو ہم بتائیں اس پر اس نے کہا کہ تم بے خطر رہو اس کے بعد ان دونوں نے بتایا کہ چونکہ تو ایک ایسے گھر پر حملہ کرنے کے لئے جا رہا ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے اس لئے یہ مصیبت نازل ہوئی ہے، اس پر تبع نے کہا کہ پھر میں کیا کروں؟ دونوں عالموں نے بتایا کہ تو سلے ہوئے کپڑے اتار دے اور دو چادریں پہن کر **لبیک اللھم لبیک** کہتا ہوا داخل ہو پھر طواف کر اور وہاں کسی کو اپنی جگہ سے مت ہٹا تبع نے کہا کہ اگر میں سب کچھ کر لوں تو کیا یہ ہوا

چلی جائے گی ان دونوں نے کہا کہ ہاں ایسا کرنے سے یہ ہوا ہٹ جائے گی چنانچہ اس نے چادریں پہنیں اور تلبیہ پڑھا اور آندھی ختم ہوگئی (ج۴/۳۵۲)

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتادی کہ تم میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بناؤ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں

وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۲۶﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ

اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا' اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو وہ تمہارے پاس پیدل چل کر

ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ

اور دبلی اونٹنیوں پر آئیں گے' یہ اونٹنیاں دور دراز راستوں سے آئیں گی تاکہ لوگ اپنے منافع کیلئے حاضر ہوں'

اللّٰهِ فِيْٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا

اور ایام مقررہ میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہوں'

الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾

تم ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ پھر اپنے میل کچیل کو دور کریں اور اپنی نذروں کو پوری کریں اور البیت العتیق کا طواف کریں

بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کعبہ شریف تعمیر فرمانا اور حج کا اعلان کرنا طواف زیارت کی فرضیت اور جانور ذبح کرنے کی مشروعیت

تفسیر: ان آیات میں کعبہ شریف کی تعمیر ابراہیمی اور لوگوں کو حج کی دعوت دینے اور ایام منیٰ میں جانوروں کو ذبح کرنے اور اس میں سے کھانے اور کھلانے اور احرام سے نکلنے کیلئے سر مونڈنے اور نذریں پوری کرنے اور طواف زیارت کرنے کا حکم مذکور ہے۔

اولاً فرشتوں نے پھر ان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفان نوح کی وجہ سے اس کی دیواریں مسمار ہوگئیں اور عمارت کا ظاہری پتہ نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اور کعبہ بنایا (کما ذکرہ الازرقی) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو متعین کر کے اس کی جگہ بتادی گئی جس کا ذکر سورۂ حج کی آیت کریمہ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ میں تذکرہ فرمایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ بیت اللہ بنائیں تو انہیں اسکی جگہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جو خوب تیز چلی اور اس نے پرانی بنیادوں کو ظاہر کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم میری مدد کرنا عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا' ابراہیم علیہ السلام نے ایک اونچے ٹیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤں اس کے بعد دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا شروع کیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہوگئیں تو یہ پتھر لے آئے جسے مقام ابراہیم کہا جاتا ہے یہ زینہ کا کام دیتا تھا اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے۔

یہاں سورۂ حج میں فرمایا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ فرمایا اور سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کے بارے میں فرمایا ہے وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کا طواف کرنے والوں کیلئے اور وہاں کے مقیمین کیلئے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو) اس میں کعبہ شریف کو پاک رکھنے کا حکم ہے اور کعبہ شریف کے ساتھ مسجد حرام کے پاک رکھنے کا بھی حکم ہوگیا کیونکہ طواف اور نماز کی ادائیگی اس میں ہوتی ہے' پاک کرنے میں سب کچھ داخل ہے باطنی ناپاکی شرک و کفر اور بت پرستی سے اور گندی باتوں سے جھوٹ سے' فریب سے' بدعملی سے پاک رکھیں' اور ظاہری ناپاکی سے بھی پاک صاف رکھیں' کوڑا کباڑ سے بدبودار چیزوں سے محفوظ رکھیں طواف ایک ایسی عبادت ہے جو صرف مسجد حرام ہی میں ہوسکتی ہے طواف کعبہ شریف کے چاروں طرف ہوتا ہے سورۂ بقرہ میں جو لفظ العاکفین وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مکہ مکرمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں' اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو عاکفین میں شمار ہوگئے اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مسجد حرام میں اعتکاف کریں کیونکہ لفظ عکوف ان پر بھی صادق آتا ہے۔

دونوں سورتوں میں جو الرُّكَّعِ السُّجُودِ فرمایا ہے اس سے نماز پڑھنے والے مراد ہیں سورۂ حج میں القائمین میں بھی فرمایا ہے اس سے بھی نمازی مراد ہیں اور اس طرح سے نماز کے تینوں عملی ارکان قیام' رکوع اور سجود کا تذکرہ آ گیا بعض حضرات نے القائمین سے مقیمین مراد لئے ہیں۔ بہرصورت مسجد حرام کا اہتمام اور تولیت سنبھالنے والوں پر لازم ہے کہ کعبہ شریف کو اور مسجد حرام کو پاک صاف رکھیں اور طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو ہر وقت مسجد حرام میں داخل ہونے دیں اور نماز و طواف میں مشغول ہونے اور اعتکاف کرنے سے منع نہ کریں الحمدللہ فتح مکہ کے دن ہی سے آج

تک اس پر عمل ہو رہا ہے اور مسجد حرام کے دروازے برابر رات دن کھلے رہتے ہیں جس وقت فرض نماز کھڑی ہوتی ہے اس وقت تو طواف کرنے والے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور اس کے علاوہ ہر وقت طواف ہوتا رہتا ہے' پھر فرمایا وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا (الایۃ) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ ملا کر کعبہ شریف کی تعمیر پوری کر لی تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو یعنی پکارو کہ حج کے لئے چلے آؤ' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں لوگوں میں اس بات کا کیسے اعلان کروں حالانکہ میری آواز نہیں پہنچ سکتی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم پکارو آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ صفا پر اور ایک قول کے مطابق جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر انہوں نے یوں آواز دے دی یا ایھا الناس ان ربکم قد اتخذ بیتا فحجوہ (اے لوگو! یقین جانو تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے لہٰذا تم اس کا حج کرو) ان کے اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام گوشوں میں پہنچا دیا اور ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج کرنا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنوا دی حتیٰ کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جو ماؤں کے رحموں میں تھے اور باپوں کے پشتوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حضرت ابراہیم کی آواز پہنچا دی۔ اور جس جس کیلئے قیامت تک حج کرنا مقرر اور مقدر تھا ان سب نے اسی وقت لبیک اللھم لبیک پڑھ لیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے۔ گزشتہ زمانہ میں تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص کی آواز بیک وقت پورے عالم میں کیسے پہنچی ہوگی؟ لیکن اب تو جدید آلات نے سب پر واضح کر دیا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے' ایک شخص ایشیا میں بولتا ہے تو اسی وقت اس کی آواز امریکہ میں سنی جاتی ہے اور امریکہ میں بولتا ہے تو ایشیا والے گھروں میں بیٹھے بیٹھے سن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم حج کی دعوت دے دو گے تو تمہاری اس دعوت پر آواز سننے والے پیدل چل کر اور اونٹنیوں پر سفر کر کے دور دراز راستوں سے حج کے لئے چلے آئیں گے اس مضمون کو یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ میں بیان فرمایا ہے' ضامر سے دبلی اونٹنیاں مراد ہیں کیونکہ اس کی صفت میں یاتین صیغۃ جمع مونث غائب لایا گیا ہے' عرب کے لوگ تیز رفتاری کی ضرورت سے گھوڑوں کو اور اونٹوں کو کم کھلاتے تھے کیونکہ موٹے ہوں گے تو بوجھل ہونے کی وجہ سے چل نہ سکیں گے' ایسے جانوروں کو ضامر کہا جاتا تھا۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جب اپنے اہل وعیال کو مکہ مکرمہ کی سرزمین میں آباد کیا تھا اس وقت یہ دعا بھی کی تھی فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ کہ اے رب لوگوں کے دلوں کو ایسا بنا دے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز بھی پہنچا دی اور ان کی دعا بھی قبول فرما لی اس وقت سے لیکر آج تک کروڑوں انسان حج وعمرہ کر چکے ہیں ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش ہے کہ کعبہ شریف کو دیکھے اور اس کا طواف کرنے زمین کے دور دراز گوشوں سے مختلف راستوں سے طرح طرح کی سواریوں سے مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں اور حج وعمرہ کرتے ہیں اس میں بہت سے دینی دنیاوی منافع ہیں مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کو باہر کے

آنے والوں سے طرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں اور آنے والے بھی دینی اور دنیاوی منافع سے مستفید ہوتے ہیں جسے لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ میں بیان فرمایا ہے اس کی کچھ تفصیل سورۃ مائدہ کی آیت کریمہ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (اور تاکہ مقررہ ایام میں اس نعمت پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دی ہے یعنی چوپائے) یہاں کئی باتیں محتاج تشریح ہیں اول یہ کہ ایام معلومات سے کیا مراد ہے دوسرے یہ کہ اللہ کا نام ذکر کرنے سے کیا مراد ہے سوم یہ کہ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ کیا ہیں؟ چہارم یہ جانور وجوباً کس موقعہ پر اور استحباباً کس موقع پر ذبح کئے جائیں۔

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ: (مقررہ ایام) سے کون سے دن مراد ہیں؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ (یعنی ذوالحجہ کے اولین دس دن) مراد ہیں ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کریں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بقرعید کے دس دن میں جس قدر نیک عمل اللہ کو محبوب ہے اس سے بڑھ کر کسی زمانے میں اس قدر محبوب نہیں (یعنی یہ دن فضیلت میں دیگر ایام سے بڑھے ہوئے ہیں) صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کی عبادت سے افضل نہیں ہے آپ نے ارشاد فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان ایام کے اعمال سے افضل نہیں الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال لیکر نکلے اور ان میں سے کچھ بھی واپس لیکر نہ لوٹے (مشکوٰۃ المصابیح ۱۲۸ بحوالہ بخاری) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بہت ہیں ان سب کا شکر یہ ادا کرنا چاہئے لیکن چونکہ بهيمة الانعام (چوپائے) دسویں دن سے ذبح ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے ان جانوروں کی تلاش ہوتی ہے خریداری ہوتی ہے کھلایا پلایا جاتا ہے۔ صحیح سالم ذبح کرنے کیلئے جانوروں کو تیار کیا جاتا ہے اس لئے یوں فرمایا کہ مقررہ ایام میں اس نعمت پر اللہ کا ذکر کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کی صورت میں عطا فرمائی ہے ان میں دینی فائدہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اور دنیاوی منافع بھی ہیں ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں دودھ بھی پیتے ہیں اور سوار بھی ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے ایام معلومات سے ایام النحر یعنی دس' گیارہ' بارہ ذوالحجہ مراد لئے ہیں ان تینوں دنوں میں پورے عالم میں قربانیاں کی جاتی ہیں جو صاحب نصاب پر واجب ہوتی ہیں اور منیٰ میں بھی جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں حج کی قربانیاں بھی ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ وہ قربانیاں بھی کرتے ہیں جو مالک نصاب ہونے کی وجہ سے فرض ہوتی ہیں ایام منیٰ میں یوں بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے سورۂ بقرہ میں فرمایا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ (اور چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو) اس سے منیٰ کے ایام میں ذکر کرنا مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعرات کو کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کی سعی کرنا اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ (رواہ الترمذی)

حج سراپا ذکر ہے تلبیہ ذکر ہے طواف بھی ذکر ہے سعی میں ذکر ہے عرفات میں ذکر ہے مزدلفہ میں ذکر ہے ایام منیٰ میں ذکر ہے رمی کرتے وقت ذکر ہے قربانی کرتے وقت ذکر ہے، معالم التنزیل ج ۱/ ۱۷۸ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نمازوں میں منیٰ میں تکبیر کہتے تھے اور مجلس میں بھی اور بستر پر ہوتے ہوئے بھی اور راستوں میں بھی، صحیح مسلم ج ۱/ ۳۶۰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **لا تصوموا فی ھذہ الایام فانما ایام اکل و شرب و ذکر اللہ** (ان دنوں میں روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں)

بھیمة الانعام: (چارپاؤں پر چلنے والے جانور) ان سے وہ جانور مراد ہیں جو حج کے دنوں میں منیٰ میں اور پورے عالم میں **اضحیہ** (قربانی واجبہ) کی ادائیگی کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں ہر جانور اور ہر چوپائے کی قربانی جائز نہیں ہوتی اس کے لئے اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بکرا بکری، دنبہ دنبی، بھیڑ بھیڑا، ہی متعین ہیں، اور چونکہ بھینس بھی گائے کی ایک جنس ہے اس لئے اس کی بھی قربانی درست ہے ان جانوروں کی عمریں بھی مقرر ہیں اور یہ بات بھی لازم ہے کہ جانور کے جسم میں عیب نہ ہو۔ ناک، کان، ہاتھ، پاؤں ٹھیک ہوں البتہ تھوڑا سا کوئی نقص ہو تو اس کے ذبح کرنے کی گنجائش ہے (جس کے مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں) اونٹ اور اونٹنی کی قربانی کے لئے خواہ حج کی قربانی ہو خواہ کوئی صاحب نصاب اپنے وطن میں قربانی کرنا چاہے تو پانچ سال کا اونٹ یا اونٹنی ہونا لازم ہے۔ گائے، بیل بھینس دو سال کا ہونا اور بکرا بکری، بھیڑ بھیڑا، اور دنبہ دنبی میں ایک سال کی عمر ہونا شرط ہے گائے اور بیل، بھینس بھینسا، اونٹ اونٹنی میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔

حج میں جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں قرآن مجید میں اسی کا نام ھدی رکھا ہے، جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو اس پر قربانی کرنا واجب ہے یہ قربانی دس گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کسی دن کر دی جائے بارہویں تاریخ کا سورج چھپنے کے بعد ذبح کیا تو ایک قربانی مزید واجب ہوگی جسے دم جنایت کہتے ہیں، قران اور تمتع کی ھدی ذبح کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے حلق یا قصر نہ کرے، اس کی خلاف ورزی کرنے سے دم جنایت واجب ہوگا، جس نے حج افراد کیا ہو اس کے لئے ھدی کا جانور ذبح کرنا مستحب ہے۔

فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ (سو ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ) حج میں جو قربانیاں کی جاتی ہیں ان میں ایک تمتع اور قران کی قربانی ہے دوسرے دم جنایت ہے تیسرے دم احصار ہے اور چوتھے نفلی قربانی ہے ان میں سے جو دم جنایت اور دم احصار ہے اس میں سے صرف فقراء اور مساکین ہی کھا سکتے ہیں نہ قربانی والا خود کھا سکتا ہے نہ اپنے اہل وعیال کو کھلا سکتا ہے اور نہ کسی صاحب نصاب کو اس میں سے دینا جائز ہے، اور ضروری نہیں ہے کہ یہ گوشت حرم کے مساکین ہی کو دیا جائے البتہ حرم کے فقراء کو دینا افضل ہے، تمتع اور قران کی قربانی اور حج کی نفلی قربانی سے خود کھانا، اہل و عیال کو کھلانا دوست احباب کو دینا یہ سب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے یہی حکم اس قربانی کا ہے جو صاحب نصاب ساری دنیا میں کرتے ہیں، جس ھدی کا گوشت مالک کو کھانا جائز ہے اس میں تہائی گوشت فقیروں کو دینا مستحب ہے احکام

حج میں کسی واجب کے چھوٹ جانے یا بعض واجبات میں تقدیم وتاخیر کرنے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے اسے دم جنایت کہا جاتا ہے۔

جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہو گیا پھر کسی صاحب اقتدار نے آگے بڑھنے سے روک دیا کسی دشمن نے نہ جانے دیا یا ایسا سخت مریض ہو گیا کہ سفر کے قابل نہ رہا اس کو احصار کہا جاتا ہے اگر ایسا واقعہ پیش آ جائے تو حدود حرم میں صحیح سالم ایک سالہ بکرا یا بکری ذبح کرا کر احرام سے نکل جائے اسے دم احصار کہتے ہیں۔ اگر چہ مجبوری کی وجہ سے دم دیکر احرام سے نکل جائے گا لیکن حج یا عمرہ کی قضا پھر بھی واجب رہے گی تفصیلی مسائل حج کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

فائدہ: دم احصار دم تمتع اور دم قران اور دم جنایات ان سب کا حدود حرم میں ہی ذبح کرنا واجب ہے دم تمتع اور دم قران منیٰ میں ہونا افضل ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (پھر اپنے میل کچیل کو دور کریں) دس تاریخ کی صبح کو مزدلفہ سے آتے ہیں اس روز منیٰ میں قربانیاں کی جاتی ہیں جس شخص نے صرف حج افراد کیا ہو وہ مزدلفہ سے آ کر پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے پھر حلق کرائے پھر سر منڈوائے اور اگر حج کی قربانی بھی کرنی ہو (جو اس کے لئے مستحب) تو افضل یہ ہے کہ رمی کرنے کے بعد پہلے قربانی کرے پھر حلق کرائے اور جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو وہ منی میں اولاً جمرہ عقبہ کی رمی کرے اس کے بعد قربانی کرے اس کے بعد حلق کرنے کے بعد ناخن وغیرہ کاٹے جائیں اسی کو فرمایا کہ پھر اپنے میل کچیل کو دور کر لیں، بالوں کا قصر کرنے یعنی کاٹنے سے بھی احرام سے نکل جاتا ہے لیکن حلق کرنا افضل ہے اور عورت کے لئے قصر ہی متعین ہے کیونکہ اس کو سر منڈانا منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلق کرانے والوں کے لئے تین بار اور قصر کرنے والوں کے لئے ایک بار رحمت کی دعا دی پورے سر کا حلق یا قصر کیا جائے اگر سر نہ منڈائے اور قصر یعنی بال کٹانے کو اختیار کرے تو اس میں بھی پورے سر کے بالوں کو کاٹ دے اور یہ کاٹ دینا اس وقت معتبر ہے جبکہ بال بڑے بڑے ہوں اور بقدر ایک پورے کے پورے سر کے یا کم از کم چوتھائی سر کے بال کٹ جائیں اگر اتنے بڑے بال نہ ہوں جو ایک پورے کی لمبائی کے بقدر کٹ سکیں تو پھر حلق ہی متعین ہو گا۔ حج کے احرام سے نکلنے والے کے لئے افضل ہے کہ منیٰ میں حلق یا قصر کرے اگر چہ حدود حرم میں کسی جگہ بھی حلق یا قصر کرنا درست ہے، اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کچھ سر مونڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا منع ہے۔

تنبیہ: لوگوں نے یہ جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لئے دو چار جگہ سے چند بال کٹوا لیتے ہیں یہ طریقہ آنحضرت ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے ثابت نہیں ہے اس طرح کرنے سے احرام سے نہیں نکلتا پورے سر کا حلق کرے یا کم از کم چوتھائی سر سے ایک پورے کے برابر لمبائی میں بال کاٹ دے، اگر ایسا نہ کیا تو برابر احرام ہی میں رہے گا۔ اور چونکہ ایسے شخص کا احرام بدستور باقی رہے گا اس لئے سلے ہوئے کپڑے پہن لینا یا خوشبو لگانا یا ناخن کاٹنا یا سر کے علاوہ کسی اور جگہ کے بال مونڈنا یا کاٹنا احرام کی جنایات میں شمار ہو گا۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (اور اپنی نذروں کو پوری کریں) اس میں نذریں پوری کرنے کا حکم فرمایا ہے جس کسی عبادت کی نذر مان لی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے نماز کی روزے کی حج کی عمرہ کی صدقہ کرنے کی قربانی کی جو بھی نذر مان لے اسے پوری کرے۔ سورۂ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ میں ابرار یعنی نیک بندوں کی جو تعریف فرمائی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا (وہ نذروں کو پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کی سختی عام ہوگی) جو لوگ حج کو جاتے ہیں ان میں سے بعض کا تو حج وہی ہوتا ہے جو حج کی نذر کر کے واجب کر لیا تھا اور بعض لوگ عمرے کرنے کی نذریں مان لیتے ہیں بعض لوگ منیٰ میں یا مکہ میں قربانی کرنے کی نذر مانتے ہیں اس لئے احکام حج کے ذیل میں ایفائے نذر یعنی نذر پوری کرنے کا بھی حکم فرما دیا۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (اور بیت عتیق کا طواف کریں) بیت عتیق کعبہ شریف کے ناموں سے ایک نام ہے سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کا نام عتیق یعنی آزاد اس لئے رکھا ہے کہ اسے بڑے بڑے سرکشوں سے محفوظ فرمایا ہے کوئی جابر اور ظالم اس پر غالب نہیں ہو سکتا یہ تو حدیث مرفوع ہے نیز حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مجاہد سے بھی ایسا ہی منقول ہے حج میں تین فرائض ہیں اول حج کا احرام باندھنا دوسرے حج کا احرام باندھ کر ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے لیکر صبح صادق سے پہلے پہلے کسی بھی وقت عرفات میں موجود ہونا' جسے وقوف عرفات کہا جاتا ہے' تیسرے وقوف عرفات کے بعد طواف کرنا جسے طواف افاضہ' طواف زیارۃ' طواف رکن' اور طواف فرض بھی کہا جاتا ہے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں طواف زیارت ادا کرنے کا حکم ہے کیونکہ میل کچیل دور کرنے کا حکم دینے کے بعد طواف کرنے کا حکم دیا ہے یہ طواف ترتیب مسنون کے مطابق دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی اور پھر قربانی پھر حلق کے بعد کرنا چاہئے' رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا لیکن اگر کوئی شخص مزدلفہ سے سیدھا مکہ مکرمہ چلا جائے اور پہلے طواف زیارت کر لے پھر منیٰ میں آ کر رمی اور ذبح اور حلق کرے تو یہ بھی جائز ہے یعنی اس سے کوئی دم واجب نہیں ہوتا اگر چہ افضلیت کے خلاف ہے' یہ طواف دس گیارہ بارہ ذی الحجہ تینوں تاریخوں میں سے کسی بھی تاریخ میں رات میں یا دن میں ادا کر لیا جائے۔ اگر کسی ایسی مجبوری کے بغیر بارہ تاریخ کا سورج غروب ہونے کے بعد کیا جو مجبوری شرعاً معتبر ہے تو دم واجب ہوگا لیکن ادا پھر بھی ہو جائے گا۔

طواف زیارت چھوڑنے یا چھوٹنے کی تلافی کسی بھی بدل یا دم سے نہیں ہو سکتی، ہاں اگر کوئی شخص وقوف عرفات کے بعد مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کر دی کہ میرا حج پورا کر دیا جائے تو طواف زیارت کے بدلے پورا ایک بدنہ یعنی ایک سالم اونٹ یا ایک سالم گائے ذبح کر کے مسکینوں کو دے دیں۔ حج میں ایک طواف مسنون ہے اور وہ طواف قدوم ہے جو میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے سنت ہے اور ایک طواف واجب ہے وہ طواف وداع ہے جو طواف زیارت کرنے کے بعد مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت کیا جاتا ہے یہ طواف ان لوگوں پر واجب ہے جو حرم اور حل سے باہر رہتے ہیں' ان طوافوں کے علاوہ جتنے چاہے نفلی طواف کرے' البتہ اگر کسی نے طواف کی نذر مان لی تھی تو نذر پورا کرنا واجب

ہو جائے گا' ہر طواف میں سات ہی چکر ہیں ہر چکر حجر اسود سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے' تفصیلی مسائل حج کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

فائدہ: طواف زیارت اگر بارہ تاریخ کے اندر اندر ادا نہیں کیا تو زندگی میں جب کبھی بھی ادا کرے گا ادا ہو جائے گا۔ لیکن جب تک طواف نہ کرے گا بیوی سے میل ملاپ حرام رہے گا اگر کوئی ایسی حرکت کر لی میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے تو جنایت شمار ہو گی اور بعض صورتوں میں بکری اور بعض صورتوں میں بدنہ واجب ہو گا اگر حلق کرنے کے بعد طواف کرنے سے پہلے ایک ہی مجلس میں متعدد مرتبہ جماع کیا تو ایک ہی دم واجب ہو گا اور اگر متعدد مجلسوں میں جماع کیا تو ہر مجلس کے جماع پر علیحدہ علیحدہ دم ہے۔

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ
یہ بات ہو چکی اور جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کیلئے بہتر ہے اور تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾
سوائے ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں' سو تم گندگی سے یعنی بتوں سے بچو' اور جھوٹی بات سے بچو'
حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ
اس طرح سے کہ اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہو اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ آسمان سے
فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ
گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اسے ہوا نے اڑا کر کسی دور جگہ جا کر پٹک دے۔ یہ بات ہو چکی اور جو شخص اللہ کے شعائر
اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ
کی تعظیم کرے سو یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔ تمہارے لئے ان میں ایک مقررہ وقت تک منافع ہیں پھر ان کا
اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾
پہنچنا ہے بیت عتیق تک

اللہ تعالیٰ کی حرمات اور شعائر کی تعظیم کا حکم' شرک اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید' مشرک کی مثال' جانوروں کے فوائد کا تذکرہ

تفسیر: دونوں آیتوں کے شروع میں جو لفظ ذٰلِكَ ہے اسکے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ

یہ اسم اشارہ فصل بین الکلامین یا کلام واحد کی دو وجوہ بیان کرنے کے درمیان بولا جاتا' یہ ایسا ہی ہے جیسے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بات تو ہو چکی اب آئندہ بات سنو' پھر ایک قول یہ بھی لکھا کہ یہاں لفظ امتثلوا محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ پہلے بیان ہوا ہے اس پر عمل کرو' وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (اور جس شخص نے اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے تو وہ اس کے رب کے پاس اس کے لئے بہتر ہے) لفظ حرمات حرمت کی جمع ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حرمت سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کا شرعاً احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے تمام احکام شرعیہ جن کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے (خواہ حج سے متعلق ہو خواہ دوسری عبادات سے) ان سب کا احترام کرنا لازم ہے۔ اور سب سے بڑا احترام یہ ہے کہ دل و جان سے تسلیم کرے اور اخلاص کے ساتھ حکم کے مطابق عمل کرے' اس کے عموم میں نماز' روزہ کا احترام' علم دین کا احترام' اور سارے اعمال دینیہ کا احترام آجاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حج میں جو حرمات ہیں وہ یہ ہیں گناہ نہ کرے۔ لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے۔ میاں بیوی والے تعلق کو کام میں نہ لائے۔ خشکی کا شکار نہ کرے' احرام کی خلاف ورزیاں نہ کرے' جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا نفع میں رہے گا' اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی قدردانی فرمائے گا اور قیامت کے دن ان پر اجر و ثواب دے گا۔

وَاُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ (اور تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے یعنی ان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دی گئی ہے) اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ (مگر جن کی تم پر تلاوت کی گئی) یعنی جس کا بیان قرآن کریم کی دوسری آیات میں پڑھ کر سنا دیا گیا ہے یہ بیان سورہ بقرہ اور سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام میں ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی بھی اس کی تفصیل بتا دی گئی ہے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں اس بات کا ذکر یہ بتانے کے لئے ہے کہ حلال جانور جنہیں عام طور پر ذبح کر کے کھاتے ہیں (مثلاً اونٹ' گائے' بکرا' بھیڑ' دنبہ) احرام میں ان کے ذبح کرنے کی ممانعت نہیں ہے صرف خشکی کے جانوروں کا شکار کرنے کی ممانعت ہے۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو) مشرکین جانوروں کو بتوں کے تقرب کے لئے ذبح کرتے تھے اور یہ ان کے نزدیک بتوں کی عبادت تھی اس لئے فرمایا کہ حلال جانوروں کو کھاؤ پیؤ لیکن بتوں کی عبادت میں استعمال نہ کرو۔ نہ دیوی دیوتا اور بتوں کے لئے ذبح کرو اور نہ ذبح کرنے کے بعد ان کے گوشت کا ان پر چڑھاوا چڑھاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید سکھائی تھی اور قربانی کی ابتداء کی تھی اور یہ قربانی صرف اللہ کی رضا کیلئے تھی لیکن بعد میں اہل عرب مشرک ہو گئے جو بتوں کیلئے احرام باندھتے تھے اور ان کے تقرب کیلئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور تلبیہ میں بھی شرک کے الفاظ کا اضافہ کرتے تھے اور یوں کہتے ہیں الا شریکا هو لک اس لئے حج کے ذیل میں یہ بات بیان فرمائی کہ جانوروں کا استعمال کھانے پینے کیلئے ہے غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کے واسطے نہیں۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (اور جھوٹی بات سے بچو) اس میں ہر طرح کے جھوٹ سے بچنے کا حکم فرما دیا۔ جھوٹی بات'

جھوٹی خبر، جھوٹی قسم، جھوٹا وعدہ، سب سے بچنا فرض ہے جھوٹ سے بچنے کا حکم تو عام ہے لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ مشرکین عرب جو شرک کر کے کام کرتے تھے جن میں بعض جانوروں کی تحلیل اور تحریم بھی تھی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے جس کا بیان سورہ مائدہ کی آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ (الآیۃ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے سورہ اعراف میں وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا میں بھی ان کی اس گمراہی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دیکھو انوار البیان ج ۳

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ اس کا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے اور جھوٹی بات سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے ہوئے رہو یعنی عقیدہ بھی توحید کا رکھو اور اعمال بھی اس کے حکم کے مطابق انجام دو۔ شرک سے دور رہو۔

اس کے بعد مشرک کا حال بیان فرمایا وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ (الآیۃ) یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بلندی سے گر پڑے اور پرندے اسے اچک لیں اور اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا جائیں، اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ جیسے کسی شخص کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پھینک دے، علامہ بغوی نے معالم التنزیل ج ۳/ ۲۸۶ میں لکھا ہے کہ جیسے کوئی شخص گرے اور پرندے اچک کر اور نوچ نوچ کر اس کی بوٹیاں کھالیں یا جیسے ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور جگہ لے جا کر پھینک دے یہی حال مشرک کا ہے اور وہ لامحالہ ہلاک ہی ہو کر رہے گا اس کی خلاصی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کی آخرت برباد ہے اس کے لئے عذاب دوزخ ہے اِلَّا اَنْ يَّتُوْبَ مِنَ الْكُفْرِ وامن قبل موته احقر کے ذہن میں آیت کی ایک تقریر یوں سمجھ میں آئی ہے کہ جو شخص مشرک ہوتا ہے وہ بہت سے معبودوں کو مانتا ہے اور جس کو معبود بنایا ہوا ہے ان کا اس پر تسلط ہوتا ہے جو اس نے خود ہی دے رکھا ہے اب یہ ان کے پنجہ میں ہے انہوں نے اس کی تکہ بوٹی کر لی ہے اور آپس میں بانٹ لیا ہے ایسے شخص کے بارے میں یہ امید رکھنا کہ شرک کو چھوڑ کر کبھی توحید پر آئے گا اس کا کوئی موقعہ نہیں۔

اور یہ فرمایا کہ "مشرک کی ایسی مثال ہے" جیسے کسی کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پٹک دے" اس کے بارے میں ذہن میں یوں آیا کہ سورہ انعام میں جو كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا فرمایا ہے یہ اسی کے قریب ہے، یہاں یہ فرمایا ہے کہ ہوا اڑا کر لے گئی اور کہیں دور دراز جگہ لے جا کر ڈال دیا وہاں فرمایا ہے کہ اصحاب ضلال اسے ہر طرف سے بلا رہے ہیں جس کسی کی طرف جائے گا مزید

گمراہی میں پڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم ہوگا والعلم عند اللہ الکریم پھر فرمایا ذلک (یہ بات اسی طرح سے ہے) وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو بلاشبہ یہ قلوب کی تقوی کی بات ہے) اس سے پہلے اللہ کی حرمات کی تعظیم کی فضیلت بیان فرمائی۔ اس کے بعد اللہ کے شعائر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان کی تعظیم کرے گا اس کے بارے میں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ تعظیم کرنا قلوب کے تقوی کی وجہ سے ہے یعنی جن لوگوں کے قلوب میں تقویٰ ہے وہی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں حرمات میں شعائر بھی داخل ہے ان کی مزید اہمیت فرمانے کے لئے مستقل طور پر علیحدہ حکم دیا ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کی خاص نشانیوں میں سے ہیں) اور سورہ مائدہ میں فرمایا يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (اے ایمان والو اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو)

جو چیزیں عبادات کا ذریعہ بنی ہیں انہیں شعائر کہا جاتا ہے اس کے عموم میں بہت سی دینی چیزیں آ جاتی ہیں، اور بعض حضرات نے ان میں خاص اہمیت والی چیزوں کو شمار کرایا ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ شعائر چھ ہیں (۱) صفا مروہ (۲) قربانی کے جانور (۳) حج کے موقعہ پر کنکریاں مارنے کی جگہ (۴) مسجد حرام (۵) عرفات (۶) رکن یعنی حجر اسود۔ اور ان کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ ان مواقع میں جن افعال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں انجام دیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے منقول ہے کہ حج کے تمام مواقع شعائر ہیں ان کے قول کے مطابق منی اور مزدلفہ بھی خاص شعائر میں شامل ہو جاتے ہیں لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ان جانوروں میں تمہارے لئے ایک وقت مقرر تک منافع ہیں) یعنی جن جانوروں کو حج یا عمرہ میں ذبح کرنے کے لئے متعین فرما دیا تو اب ان سے نفع حاصل نہ کیا جائے اس سے پہلے ان کا دودھ پینے اور اس پر سواری کرنا اور ان کا اون کاٹ کر کام میں لانا جائز تھا جب اس کے لئے جہت تقرب معین کر دی کہ وہ حج یا عمرہ میں ذبح کئے جائیں گے تو اب اس سے نفع حاصل نہ کیا جائے۔ زمانہ قدیم میں ھدی کے جانور ساتھ لے جایا کرتے تھے اور انہیں مکہ مکرمہ میں یا منی میں ذبح کیا کرتے تھے حج تمتع والا شخص جو جانور ساتھ لے جاتا تھا کتب فقہ میں اسے متمتع سائق الھدی کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور اس کا حکم بعض امور میں متمتع غیر سائق الھدی سے مختلف ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر بڑی تعداد میں ہدی کے جانور پہلے سے ایک صحابی (ناجیہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی نگرانی میں بھیج دیئے تھے اور بہت سے جانور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے تھے یہ سو اونٹ ہو گئے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں نحر فرمایا، تمتع اور قران والے پر اگرچہ ایک ہی دم واجب ہے لیکن جتنے بھی زیادہ جانور اللہ کی راہ میں ذبح کر دیئے جائیں افضل ہے حج افراد والے پر حج کی قربانی واجب نہیں لیکن اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ قربانی کرے، صرف عمرہ کیا جائے تو اس میں قربانی واجب نہیں لیکن جتنے

بھی زیادہ جانور اللہ کی راہ میں ذبح کر دیئے جائیں افضل ہے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر ہدی کے جانور لے گئے تھے جنہیں احصار ہو جانے پر وہیں ذبح فرما دیا۔

جب کسی جانور کو ہدی کے لئے متعین کر دیا تو اب نہ اس کا دودھ نکالے نہ اون کاٹے اور نہ اس پر سواری کرے ہاں اگر مجبوری ہو جائے کہ سواری کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تو دوسری سواری ملنے تک اس پر سوار ہو سکتا ہے ہدی کے جانور کے تھنوں میں اگر دودھ آ جائے تو تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے تاکہ اوپر سے دودھ اترنا بند ہو جائے اور جس جانور کو ہدی کے لئے متعین کر دیا ذبح کے بعد اسکی جھول اور باگ سب کو صدقہ کر دے اور گوشت کاٹنے والے کی اجرت بھی اس میں سے نہ دے بلکہ اپنے پاس سے ادا کرے یہی حکم عام قربانی کے جانور کا ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (پھر ان جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ البیت العتیق کے نزدیک ہے) البیت العتیق سے پورا حرم مراد ہے حرم میں جس جگہ بھی حج یا عمرہ سے متعلق جانور ذبح کر دے اس کی ادائیگی ہو جائے گی خارج حرم ان جانوروں کا ذبح کرنا درست نہیں ہے دم احصار کے بارے میں وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فرمایا ہے اور احرام میں شکار کرنے پر جو جانور شکار کے عوض ذبح کیا جائے اس کے بارے میں هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ فرمایا ہے اور یہاں بھی عام ھدایا کے بارے میں ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر ہدی نفلی ہو اور وہ راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو اسے وہیں ذبح کر دے اور اسے نشان لگا کر فقراء کیلئے چھوڑ دے نہ خود کھائے نہ کوئی دوسرا صاحب نصاب کھائے اور نشانی کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی چپل لے اور اسے خون میں بھر کر جانور کی گردن پر مار دے تاکہ خون پھیل جائے اور جم جائے اور لوگ یہ سمجھ لیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے اور اگر ہدی کا وہ جانور راستہ میں ہلاک ہونے لگے جو واجب تھا یا اس میں عیب پیدا ہو جائے جو ادائیگی واجب سے مانع ہو تو دوسرا جانور اسکے قائم مقام کر دے اور اس پہلے والے جانور کا جو چاہے کرے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کرنا مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں اللہ کا نام ذکر کریں

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرمانبردار بنو اور جو لوگ عاجزی کرنے والے ہیں ان کو خوشخبری سنا دو جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے

قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

دل ڈر جاتے ہیں اور وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنادو جن کے قلوب اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جاتے ہیں اور جو صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں

تفسیر: لفظ منسک مفعل کے وزن پر ہے جس کی ماضی نسک ہے یہ مادہ مطلق عبادت کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور جانور ذبح کرنے کیلئے بھی اور حج کے احکام ادا کرنے کیلئے بھی' جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا فرمایا ہے' یہاں پر تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں اور قربانی کے معنی میں ہو سکتا ہے اور قربانی کی جگہ کے معنی میں بھی اور افعال حج کے معنی میں بھی' لیکن آیت کے سیاق اور ماقبل سے ارتباط پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جانوروں کی قربانی کرنا مراد ہے کیونکہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے ساتھ ہی لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فرمایا ہے فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا (سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اس کی فرمانبرداری کرو) اس میں یہ بات بتائی ہے کہ جانوروں کے ذبح کرنے میں صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی رضا مقصود ہو)

اس کے بعد مخبتین یعنی عاجزی کرنے والوں اور فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ گردن جھکا دینے والوں کو اللہ کی رضامندی کی خوشخبری سنانے کا حکم دیا اور ان کے چار اوصاف بیان فرمائے۔

پہلا وصف یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (جس میں اس کی ذات وصفات کا ذکر اور اس کے احکام اور وعدہ اور وعید کا تذکرہ سب داخل ہے) تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں' اور دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ ان پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ نمازوں کو قائم کرنے والے ہیں' اور چوتھا وصف یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں' لفظوں کے عموم فرض زکوٰۃ اور صدقات واجبہ اور نفلی صدقات سب کو شامل ہے۔ قربانی کے جانوروں میں سے خرچ کرنا فقراء اور احباب واصحاب کو دینا یہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

اور قربانی کے اونٹ اور گائیں جن کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے تمہارے لئے ان میں خیر ہے سو تم ان پر اللہ کا نام لو جب قطار میں کھڑے

صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا

ہوں' سو وہ جب اپنی کروٹوں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور جو صبر کئے ہوئے ہو اسے اور جو سوالی بن کر آ جائے اس کو کھلاؤ' اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے

لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

تاکہ تم شکر کرو۔ اللہ کو ہرگز نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور ان کے خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان کو

مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔ اور اچھے کام کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے

قربانی کے جانور اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں ان میں سے قناعت کرنے والے کو اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ

تفسیر: البدن جمع ہے بدنہ کی بڑے جانوروں کو بدنہ کہا جاتا ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک لفظ بدنہ اونٹ اور گائے دونوں کو شامل ہے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو اللہ کے شعائر یعنی دینی یادگاروں اور بڑی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے، ان میں تمہارے لئے خیر ہے دنیاوی فوائد بھی ہیں اور اخروی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے ذبح اور نحر پر ثواب عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک بدنہ کا مصداق صرف اونٹ ہے ضحایا (عام قربانیاں جو پورے عالم میں ہوتی ہیں) اور ھدایا (وہ جانور اور جو حرم میں حج کے موقعہ پر ذبح کئے جاتے ہیں) ان سب میں اونٹ گائے اور بکری اور بھیڑ اور دنبہ ذبح کرنا اصول شریعت کے مطابق درست ہے ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی حج میں یا ایام اضحیہ درست نہیں ہے اونٹ اور گائے میں سات حصے ہو سکتے ہیں اور باقی جانوروں میں صرف ایک حصہ ہو سکتا ہے اہل عرب اونٹوں کی پرورش کرتے تھے اور ان کے یہاں ان کی نسلیں چلتی تھیں اور کثیر تعداد میں قبائل عرب کے پاس اونٹ ہوتے تھے حج کے موقعہ پر بطور ہدی اونٹوں کو ساتھ لے جاتے تھے پھر منیٰ میں انہیں نحر کرتے تھے نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کا بایاں پچھلا پاؤں باندھ دیا جائے اور بسم اللہ پڑھ کر کھڑے ہی کھڑے ذبح کی جگہ میں تیز برچھا مار دیا جائے اس کو نحر کہتے ہیں۔ اونٹ میں نحر کرنا اور بکری وغیرہ میں ذبح کرنا سنت ہے (ذبح کا مطلب تو سبھی کو معلوم ہے) علماء نے بتایا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نہر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے اسکی جان آسانی سے نکل جاتی ہے (قدیم زمانوں میں عربوں کے لئے نحر بہت آسان کام تھا) نحر کرنے سے اونٹ گر پڑتا تھا اگر بہت سے اونٹ قطار میں کھڑے ہوتے تو جس جس کو برچا لگ جاتا وہ گرتا چلا جاتا تھا جب نحر شدہ اونٹ زمین پر گر جاتا تو اس کی کھال نکال لیتے تھے اور گوشت کی بوٹیاں بنا کر کھا لیتے تھے۔ اسی کو فرمایا فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا (پھر جب وہ اپنی کروٹوں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھالو) وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (اور قانع کو بھی کھلاؤ اور معتر کو بھی) قانع وہ حاجت مند جو سوال نہیں کرتا اپنی حاجت کو دبائے بیٹھا رہتا

ہے اور معتر وہ ہے جو زبان سے سوال کر لیتا ہے یا ایسے ڈھنگ سے سامنے آ جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے لوگ حاجت مند سمجھ کر کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں قانع کی ضرورتوں کا خیال کرنا زیادہ بہتر ہے اور سائل کو بھی اصول شرعیہ کے مطابق دینا جائز ہے سائلین کے لئے بھی کچھ ہدایات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا یعنی قابو میں دیدیا تا کہ تم شکر ادا کرو) یہ جانور تمہاری ملکیت ہیں ان پر تمہارا قبضہ ہے اور تم انہیں باندھتے ہو کھولتے ہو جہاں چاہتے ہو لے جاتے ہو ان کا دودھ بھی پیتے ہو گوشت بھی کھاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر ہے اس نے تمہارے قابو میں دیدی اس پر تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے اگر کوئی جانور مچل جائے بگڑ جائے ہٹ کرنے لگے تو تمہارے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت تم اس سے کام نہیں لے سکتے' تھوڑی دیر کے لئے اللہ نے تسخیر ہٹا دی تو تم عاجز محض بن کر کھڑے رہتے ہو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (اللہ کو ہرگز ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے) یعنی جو جانور ضحایا اور ہدایا میں ذبح کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ حاجت نہیں اس کے پاس نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون ان کو تو تم ہی کھا پی کر برابر کر دیتے ہو (کچھ گوشت خود کھایا کچھ اپنے گھر والوں کو کھلایا کچھ اصحاب واجبات کو دیا کچھ فقراء اور مساکین کو دیا یہ سب تمہارے اور تمہارے ابناء جنس ہی کے کام آ گیا) اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے اخلاص کے ساتھ بہ نیت تقرب الی اللہ جانور ذبح کئے یا ریا کاری کے طور پر' خوش دلی سے قربانی کی ہے یا بددلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے مطابق جزا دے گا جو چیز اللہ کے لئے قربان کی جا رہی ہے' وہ اچھی سے اچھی ہو خوش دلی سے بھی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوم النحر (ذی الحجہ کی دسویں تاریخ) کے دن (قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا' اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام قبولیت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو (رواہ الترمذی)

حضرت بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے' عرض کیا اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے! عرض کیا اگر اون والا ہو (جس میں بال بہت زیادہ ہوتے ہیں) تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا اون کے ہر بال کے بدلہ میں بھی ایک نیکی ہے۔

کَذٰلِکَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر فرما دیا تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی) اللہ تعالیٰ نے ایمان بھی نصیب فرمایا اعمال صالحہ کی بھی توفیق دی اگر وہ ہدایت نہ دے دیتا تو تم ایمان سے بھی محروم رہتے اور اس کی عبادت سے بھی' اور یہ بھی سمجھو کہ اللہ تعالیٰ

ہی نے تمہیں ہدایت دی ہے جانوروں کو اللہ ہی کے لئے ذبح کرتے ہو اگر اس کی طرف سے ہدایت نہ ملتی تو مشرک ہو جاتے اور غیر اللہ کے لئے ذبح کرتے۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (اور محسنین کو بشارت دیدیجئے) لفظ محسنین موحدین، مخلصین، عابدین، قانتین، شاکرین سب کو شامل ہے ان سب کو خوشخبری ہے کہ ان کے لئے موت کے بعد خیر و خوبی ہے اور قیامت کے دن جنت کا داخلہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

بلاشبہ اللہ ایمان والوں سے رفع فرما دے گا بلاشبہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا

اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دیگا، اسے خائن اور کفور پسند نہیں ہیں

تفسیر: چند صفحات پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک دیا تھا ان لوگوں نے بڑی ضد کی اور گو صلح بھی کر لی لیکن اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ آپ اسی سال عمرہ کریں آپ نے احصار ہو جانے کی وجہ سے وہیں جانور ذبح کر دیئے اور احرام سے نکل کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر آئندہ سال ۷ھ میں آپ نے اس عمرہ کی قضا کی، آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ مشرکین جو مومنین کو تکلیف دیتے ہیں اور انہیں حرم شریف کے داخلہ سے روکتے ہیں یہ کچھ دن کی بات ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو ہٹا دے گا اور مومنین امن و امان کے ساتھ چلے پھریں گے اور حج و عمرہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا) ہر کافر اور مشرک خیانت کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہے کہ اپنے خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو مانے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا لہٰذا وہ بہت بڑا خائن ہے۔ اسی لئے لفظ خوان مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور ہر کافر کفور یعنی ناشکرا بھی ہے پیدا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور عبادت کرتا ہے غیر اللہ کی، اور ان دینوں کو اختیار کرتا ہے جنہیں لوگوں نے خود تراشا ہے، یہ خالق جل مجدہ کی بہت بڑی ناشکری ہے کہ نعمتیں اس کی کھائیں اور اسی کے دین سے منحرف رہیں، اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں فرماتا، مشرک اور کافر سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، آخر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور اللہ کے مومن بندے ہی کامیاب ہوں گے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور بلاشبہ اللہ انکی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے، یہ لوگ

أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ

اپنے گھروں سے ناحق صرف یہ کہنے کی وجہ سے نکالے گئے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ

بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع فرماتا ہے تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں

كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ

کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے گرادیئے جاتے اور یہ بات ضروری ہے کہ اللہ اسکی مدد کریگا جو اللہ کی مدد کرے بلاشبہ اللہ قوی ہے غلبہ والا ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم

فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ

انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام

وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

اللہ ہی کے اختیار میں ہے

جہاد کی اجازت اور اس کے فوائد اصحاب اقتدار کی ذمہ داریاں

تفسیر: مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام شروع کیا آپ کی دعوت پر شروع میں ان لوگوں نے لبیک کہی جو دنیاوی اعتبار سے ضعیف تھے۔ ان حضرات کے پاس مال بھی نہ تھا' اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مشرکین کے غلام تھے اور بعض پردیسی تھے' مشرکین مکہ ان حضرات کو بہت بہت تکلیف دیتے' اور بری طرح مارتے پیٹتے تھے حتیٰ کہ ان میں بہت سے حضرات حبشہ کو ہجرت کر گئے اور رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے' جب تک یہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے ان کو صبر کرنے کا حکم تھا جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی جب مدینہ منورہ میں مسلمان جمع ہو گئے اور امن کی جگہ مل گئی اور ایک مرکزی جگہ حاصل ہو گئی جس میں اپنا اقتدار بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دیدی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی ﷺ کو شہر بدر کر دیا ہے یہ لوگ ضرور ہلاک ہوں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (الآیہ) نازل فرمائی حضرت ابوبکر صدیق نے آیت سن کر یوں فرمایا کہ ہمیں آیت کے نازل ہونے سے سمجھ گیا کہ اب (مشرکین سے ہماری) جنگ ہو گی چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی سال غزوہ بدر کا معرکہ پیش آیا اور باذن اللہ تھوڑے سے مسلمان کافروں کی تین گنا تعداد پر غالب آ گئے اس کے بعد اگلے سال غزوہ احد کا معرکہ پیش آیا اور پھر

غزوات کے مواقع پیش آتے رہے اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے قدرت ہے کہ جس کی چاہے مدد فرمائے مکہ مکرمہ میں وہ مسلمانوں کو کافروں کی ایذاؤں سے محفوظ رکھنے پر قادر تھا اور اس کے بعد بھی اسے قدرت تھی کہ جنگ کئے بغیر مسلمان مدینہ منورہ میں آرام سے رہیں اور دشمن چڑھ کر نہ آئے اور ان سے مقابلہ نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ مسلمان کے جان و مال اللہ کی راہ میں خرچ ہوں اور ان کو بہت زیادہ ثواب دیا جائے۔ مشرکین مکہ نے جو اہل ایمان سے دشمنی کی اور ان کو تکلیفیں دیں اور مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ حضرات اللہ کا نام لیتے تھے اللہ کو اپنا رب مانتے تھے دین توحید قبول کر لیا تھا کسی کا بگاڑا کچھ نہیں تھا کسی قسم کا کوئی جرم نہیں کیا تھا' کافروں کے نزدیک ان کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے اسی کو فرمایا اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ الآیہ اس میں جہاد اور قتال کی حکمت بیان فرمائی اور یہ بتایا کہ قتال اور جہاد صرف اسی امت کے لئے مشروع اور مامور نہیں ہے اس امت سے پہلے جو مسلمان تھے ان کے لئے بھی قتال مشروع تھا بات یہ ہے کہ کفر اور اسلام کی ہمیشہ دشمنی رہی ہے اسی وجہ سے کافروں اور مومنوں میں لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اپنے اپنے زمانہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں نے کافروں سے جنگ کی ہے اور اس کے ذریعہ کافروں کا زور توڑا ہے' یہ اللہ جل شانہٗ کی یہ عادت رہی ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ دوسری جماعت کو دفع فرمایا ہے اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو کفار اہل ایمان کی عبادت گاہوں کو گرا کر ختم کر دیتے۔ یہود نے (جو اپنے زمانہ میں مسلمان تھے) دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اپنی عبادت گاہوں کو بچایا پھر نصاریٰ کا دور آیا (جو اپنے زمانے کے مسلمان تھے) انہوں نے بھی کافروں سے جنگ کی اور اپنے عبادات خانوں کی حفاظت کی' وہ دونوں قومیں اب بھی ہیں لیکن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا دین قبول نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہیں' اب امت محمدیہ ہی مسلمان ہے اور تمام کافروں سے (جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں) مسلمانوں کی جنگ ہے اگر مسلمان جنگ نہ کریں تو ان کی مسجدیں گرا دی جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے' کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مسجدیں بنائیں اور ان میں جماعت سے نمازیں پڑھیں' مسلمانوں کے جہاد سے ڈرتے رہتے ہیں اسلئے دنیا جہاں میں مسجدیں قائم ہیں اور پورے عالم میں برابر ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان بندوں کے اوصاف بیان فرمائے جو مکہ مکرمہ سے نکالے گئے پھر جب انہیں اقتدار سونپا گیا تو انہوں نے دین کی خدمت کی' خود بھی نمازیں قائم کیں اور زکوٰتیں ادا کیں' اور دوسروں سے بھی دین پر عمل کرایا' عمل کرانے کے لئے امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ضرورت ہوتی ہے ان حضرات نے دونوں چیزوں کا خوب زیادہ اہتمام فرمایا۔

جن حضرات کے مذکورہ بالا اوصاف بتائے ہیں ان کا سب سے پہلا مصداق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم ہیں یہ حضرات مکہ مکرمہ سے نکالے گئے اور انہوں نے اپنے زمانہ میں وہ سب کام کئے جن کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا ہے تفسیر

ابن کثیر ج ۳/۲۲۶ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں اور میرے اصحاب کے بارے میں ہے، ہم ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے جب کہ ہمارا اس کے علاوہ کچھ قصور نہ تھا کہ ہم رَبُّنَا اللّٰہُ کہتے تھے پھر ہمیں اللہ نے زمین میں اقتدار عطا کیا تو ہم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔

قرآن مجید کی تصریح کو دیکھو اور روافض کی بیہودہ بات کو دیکھو جو کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور دیگر تمام صحابہ کافر تھے (العیاذ باللہ) یہ لوگ مشکل سے دو تین صحابہؓ کو مسلمان کہتے ہیں۔ آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی مسلمان کو اقتدار نصیب فرمائے وہ نماز بھی پڑھے اور زکوٰۃ بھی دے اور لوگوں کو نیکیوں کا حکم کرے اور گناہوں سے روکے، آج کل لوگ اقتدار تو سنبھال لیتے ہیں لیکن خود ہی نماز نہیں پڑھتے نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور نہ لوگوں سے فرائض کا اہتمام کراتے ہیں اور نہ گناہوں سے روکتے ہیں، اور اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ ذرائع ابلاغ کو گناہوں کے پھیلانے اور معصیت عام کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں اور عوام سے ڈرتے ہیں کہ اگر انہیں گناہوں سے روکا تو ناراض ہو جائیں گے اور ملا ازم کا طعنہ دیں گے اور ان سے اقتدار چھن جائے گا۔

آخر میں فرمایا کہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے) مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ دکھ تکلیف کا تھا مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا پھر اسی مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے زمین میں اقتدار نصیب فرمایا زمین کے بہت بڑے حصہ پر ان کی حکومت قائم رہی اور اب بھی دنیا کے بہت حصہ پر ان کا اقتدار ہے گو اقتدار کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے۔

سب کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اس نے مسلمانوں کو خوب بڑھایا اقتدار سے نوازا، کافروں کے مقابلہ میں ان کا انجام اچھا ہوا اور آخرت میں ہر مومن کا انجام تو اچھا ہے ہی۔ فللّٰہ الحمد والمنة

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد، اور ثمود، اور ابراہیم کی قوم،

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ

اور لوط کی قوم، اور مدین والے جھٹلا چکے ہیں، اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ

سو کیسا تھا میرا عذاب، سو کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جو ظلم کرنے والی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ

گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں ہیں جو بیکار ہیں اور کتنے ہی محل ہیں جو مضبوط بنے ہوئے تھے، کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان کے

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ

ایسے دل ہوتے جن کے ذریعہ سمجھتے اور ایسے کان ہوتے جن کے ذریعہ سنتے سو بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ

لیکن دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں، اور وہ آپ سے جلد عذاب لانے کی جلدی کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے

يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ

وعدہ کے خلاف نہ فرمائے گا اور بلاشبہ آپ کے رب کے نزدیک ایک ایسا دن ہے جو تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوگا اور کتنی ہی بستیاں تھیں

مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

جن کو میں نے مہلت دی اس حال میں کہ ظلم کرنے والے تھے پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

ہلاک شدہ بستیوں کی حالت اور مقام عبرت

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کے مخاطبین آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امتوں نے جھٹلایا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد (جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی) اور قوم ثمود (جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور مدین والے لوگ (جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے) ان سب نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی ان حضرات نے صبر کیا اور دعوت کا کام جاری رکھا آپ بھی صبر کیجئے اور اپنا کام جاری رکھئے، یہ تو آپ کی ذات کے متعلق ہے، اب رہا مکذبین کا معاملہ تو انہیں سابقہ امتوں سے سبق لینا چاہئے ان امتوں میں جو کافر تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی پھر انہیں پکڑ لیا۔ یہ گرفت سخت عذاب کی صورت میں تھی ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ اللہ کا عذاب کیسا ہے؟ ان لوگوں کو ان کے حالات معلوم ہیں ان لوگوں سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ وہ کیسے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظالم تھیں اور نافرمانی پر تلی ہوئی تھیں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، دنیا میں ان کے نشان موجود ہیں ان کے گھروں کی دیواریں ان کی چھتوں پر گری ہوئی ہیں (کیونکہ پہلے چھتیں گریں پھر اوپر سے دیواریں گریں) اور کتنے ہی کنویں پڑے ہیں جو بے کار ہیں، کسی کے کچھ کام نہیں آتے اور کتنے ہی ویران محل پڑے ہوئے ہیں جنہیں بنانے والوں نے مضبوط بنایا تھا، آج وہ کسی کے کام میں نہیں آتے ان کے بنانے والے اور رہنے والے ہلاک ہوئے برباد

ہوئے آج کوئی ان میں جھانکنے والا نہیں ہے۔

مزید فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں نہیں گھومے پھرے؟ (سفر تو انہوں نے کئے ہیں اور برباد شدہ بستیوں سے گزرے ہیں اور ایسے محلات اور کنویں انہوں نے دیکھے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا لیکن عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے) اگر عبرت لینے کا مزاج ہوتا تو ان کے قلوب سمجھ جاتے اور ان کے کانوں میں جو موعظت و عبرت کی باتیں پڑتی ہیں اگر انہیں سننے کی طرح سنتے تو عبرت حاصل کر لیتے اور سنی ہوئی باتوں کو ان سنی نہ کرتے عبرت کی چیزیں سامنے ہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن یہ آنکھوں سے دیکھنا ضائع ہو رہا ہے، اصل بات یہ ہے کہ دل اندھے بنے ہوئے ہیں اسی لئے یہ عبرت لیتے ہیں نہ حق قبول کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ آپ سے جلدی عذاب آجانے کا تقاضا کرتے ہیں (اور اس جلدی بلانے کے تقاضے میں عذاب کا انکار کرنا مقصود ہے مطلب ان کا یہ ہے کہ عذاب آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتا ہم تقاضا کر رہے ہیں پھر بھی عذاب کا ظہور نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسے ہی باتیں ہیں اب تک نہ عذاب آیا ہے نہ آئے گا) اس کے جواب میں فرمادیا کہ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ (کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا) عذاب ضرور آئے گا مگر اسکے آنے کیلئے جو اجل مقرر فرمادی ہے اس کے مطابق آئے گا عذاب آنے میں دیر ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنا ہی نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اور (بلاشبہ آپ کے رب کے نزدیک ایک ایسا دن ہے جو تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوگا) اس میں یہ بتایا کہ کفر کی سزا اگر کسی قوم کو دنیا میں نہ دی گئی تو قیامت تو سامنے ہے ہی وہ دن بہت سخت ہوگا اور دراز ہوگا دوزخ کا عذاب تو بعد میں ہوگا اس سے پہلے قیامت کے دن کے عذاب اور مصیبت میں جو مبتلا ہونگے اسی کو سوچ لیں اور غور کرلیں، قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور اتنے لمبے دن میں جو تکلیف ہوگی اس کا اندازہ اسی سے کرلیں، حسب فرمان نبی اکرم ﷺ سورج ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا اور اسکی گرمی سے اس قدر پسینہ ہوگا کہ بعض کا پسینہ ٹخنوں تک اور بعض کا کمر تک اور بعض کا منہ تک ہوگا یعنی پسینہ میں ایسے کھڑے ہونگے جیسے کوئی شخص نہر میں کھڑا ہو یہ پسینہ لگام کی طرح منہ میں گھس رہا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونگے، اور یہ پانچ سو سال قیامت کے دن کا آدھا دن ہوگا رواہ الترمذی (آیت شریفہ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور سورہ معارج میں فرمایا ہے کہ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا دونوں باتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت

میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حاضرین کی حالت جدا جدا ہوگی کسی کو ایسا معلوم ہوگا کہ حساب کتاب میں پچاس ہزار سال لگے اور کسی کو یہ محسوس ہوگا کہ ایک ہزار سال میں حساب سے فارغ ہوگیا' حساب کی شدت اور خفت کے اعتبار سے ایک ہزار اور پچاس ہزار سال فرمایا امام بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ دن تو بہت ہی لمبا ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی (مقصد یہ تھا کہ وہ دن کیسے کٹے گا) آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے یہ دن مومن پر ایسا ہلکا کردیا جائے گا ایک فرض نماز میں جو وقت خرچ ہوتا ہے اس سے بھی ہلکا معلوم ہوگا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے میں جو بات نہیں جانتا اسے بیان کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔

آخر میں بطور خلاصہ مضمون بالا کو پھر دہرایا اور فرمایا وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ (الآیۃ) اور کتنی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے یعنی دنیا میں جو مبتلائے عذاب ہوئے وہ اپنی جگہ قیامت کے دن میری طرف لوٹ کر آئیں گے اور قیامت کے دن اس کے بعد جو کفر کی سزا ملے گی وہ اس کے علاوہ ہوگی۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تمہارے لئے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں' سو جن لوگوں نے نیک عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ

ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے' اور جن لوگوں نے عاجز کرنے کے لئے ہماری آیات کے بارے میں کوشش کی

اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۵۱﴾

یہ لوگ دوزخ والے ہیں

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے اور معاندین کے لئے عذاب جہنم ہے

تفسیر: ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ میں ایک ڈرانے والا ہی ہوں، ڈرانا اور واضح طور پر سب کچھ بیان کردینا یہ میرا کام ہے منوانا اور ہاتھ پکڑ کر عمل کروانا میرا کام نہیں' اور عذاب لانا بھی میرا کام نہیں مجھ سے عذاب لانے کی جلدی کرنا تمہاری حماقت اور جہالت ہے' میری دعوت و تبلیغ پر جو بھی ایمان لے آئے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے اس کے لئے مغفرت اور عزت کے رزق کی خوش خبری دیتا ہوں' میں نذیر بھی ہوں اور بشیر بھی ہوں'

تم اگر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام سوچ لو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ عاجز کرنے کے لئے ہماری آیات میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہماری آیات کو کبھی جادو کبھی شعر بتاتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں یہ پرانوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں اور اس طرح کی باتیں کر کے اہل ایمان کو عاجز کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگ دوزخ والے ہیں (کیونکہ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی حق کو قبول نہیں کرتے اور خواہ مخواہ کی حجت بازی کرتے ہیں)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ

اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو جب اس نے پڑھا تو شیطان نے

فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اسکے پڑھنے میں شبہ ڈال دیا پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ختم کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے اور اللہ علیم ہے

حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ

حکیم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں مرض ہے اور جن کے

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ

دل سخت ہیں اور بلاشبہ ظلم کرنے والے دور کی مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں اور تاکہ وہ لوگ زیادہ یقین کر لیں جنہیں علم دیا گیا ہے کہ بے شک

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے پھر ایمان پر زیادہ قائم ہو جائیں پھر ان کے دل اس کی طرف اور بھی جھک جائیں اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کو

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ برابر اس کی طرف سے شک میں رہیں گے یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک

بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ

قیامت آ جائے یا ان کے پاس کسی ایسے دن کا عذاب آ جائے جس میں کوئی خیر نہ ہو اس روز بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہوگی وہ ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا سو جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ نعمت کے باغوں میں ہونگے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا

فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع

سو ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت میں شیطان کی حرکتیں

اہل علم کے یقین میں پختگی آنا اور کافروں کا شک میں پڑے رہنا

تفسیر: ان آیات میں اللہ شانہ نے رسول ﷺ کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کے مخالفین جو کچھ حرکتیں کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی حضرات رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے' ان حضرات نے جب اپنے مخاطبین کے سامنے اللہ کی کتاب پڑھی تو شیطان نے ان کی قرات اور تلاوت کے بارے میں مخاطبین کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے ایک دوسرے کی طرف ایسی باتیں ڈالتے ہیں جو بظاہر خوشنما ہوتی ہیں) نیز سورۂ انعام میں فرمایا وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ (اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف ایسی چیزیں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں)

شیاطین اور ان کے دوست اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے' اسلام قبول نہیں کرتے اور اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاتے ہیں' اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جن کو ہدایت ملنا ہے اور ہدایت پر مستقیم رہنا ہے وہ لوگ شیطان کے ڈالے ہوئے شکوک وشبہات کے باوجود دین میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اور زیادہ مضبوط اور محکم بنا دیتا ہے اور شیطانی شکوک وشبہات سے وہ لوگ متاثر ہوتے ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی نفاق ہے اور جن کے دل سخت ہیں یعنی وہ کافر جنہوں نے جھوٹے منہ سے بھی اسلام قبول نہیں کیا' شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے یہ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بن جاتا ہے اور یہ ظالم لوگ یعنی شک میں پڑنے والے دور کی مخالفت میں جا پڑے ہیں' کیونکہ حق واضح ہو جانے کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے جن کی طبیعت میں عناد ہے ان کے عناد کو وساوس شیطانیہ سے تقویت پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ شیطان ہی کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور جن حضرات کو علم دیا گیا ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ نبی نے پڑھا وہ اللہ کی طرف سے ہے حق ہے سچ ہے رب کی طرف سے ہے' اپنے اس یقین کی وجہ سے ایمان پر اور زیادہ ثابت ہو جاتے ہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتے ہیں' اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہے کہ وہ انہیں صراط مستقیم پر رکھتا ہے اسی کو فرمایا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور کافروں کے بارے میں فرمایا ہے وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اور کافر لوگ اس بات کی طرف سے جو نبی نے تلاوت کی ہے شک میں رہیں گے اور ان کا یہ شک یہاں تک رہے گا کہ یا تو ان پر دفعۃً یا قیامت آ جائے یا قیامت سے پہلے ان پر ایسے دن کا عذاب آ جائے جو ان کے حق میں بالکل خیر سے خالی ہو لیکن اس وقت ایمان لانا نافع نہ ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ قیامت کے دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہوگی' اہل دنیا کی مجازی حکومتیں' سلطنتیں ختم ہو چکی ہوں گی' اللہ تعالیٰ ہی دونوں جماعتوں (مومنین اور کافرین) کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ نعمت کے باغوں میں ہونگے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیات الٰہیہ کو جھٹلایا ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا' دنیا میں وہ ایمان قبول کر کے باعزت نہیں رہنا چاہتے اور کفر میں عزت سمجھتے ہیں لہٰذا انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس میں بہت زیادہ سخت عذاب ہے اور بہت بڑی ذلت بھی ہے۔

وهذا الذی ذکرنا فی تفسیر الاٰیة اختاره صاحب روح المعانی حیث قال والمراد بذالک هنا (بالتمنی) عند کثیر القراءة والآیة مسوقة لتسلیة النبی ﷺ بان السعی فی ابطال الآیات امر معهود وانه لسعی مردود' والمعنی وما ارسلنا من قبلک رسولا ولا نبیا الا وحاله انه اذا قرا شیئا من الآیات القی الشیطان الشبه والتخیلات فیما یقرؤه علی اولیائه لیجادلوه بالباطل ویردوا واما جاء به کما قال تعالی (وان الشیطان لیوحون الی اولیائهم لیجادلوکم) وقال سبحانه (وکذالک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الیٰ بعض زخرف القول غرورا) وهذا کقولهم عند سماع قراة الرسول ﷺ (حرم علیکم المیتة) انه یحل ذبیح نفسه ویحرم ذبیح الله تعالیٰ' وقولهم علی ما فی بعض الروایات عند سماع قرائتة علیه الصلوٰة والسلام (انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم) ان عیسیٰ عبد من دون الله تعالیٰ والملائکة علیهم السلام عبدوا من دون الله تعالیٰ (فینسخ الله ما یلقی الشیطان) ای فیبطل ما یلقیه من تلک الشبه ویذهب به بتوفیق النبی ﷺ لرده اوبانزال مایرده (ثم یحکم الله آیاته) ای یاتی بها محکمة مثبة لا تقبل الرد بوجه من الوجوه (روح المعانی ج ۱۷/۱۷۳) وههنا قصة ذکرها المفسرون وهی قصة الغرانیق قال الرازی فی تفسیره هی باطلة موضوعة واحتجوا علیه بالقرآن والسنة والمعقول' قال الله تعالیٰ شانه (وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحیٰ) وقال (سنقرئک فلا تنسی) وقال (لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه) وقال (انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون) وقال البیهقی هذه قصة غیر ثابتة من جهة النقل ثم اخذیتکلم فی ان رواة هذه القصة مطعونون. (یہ اس آیت کی تفسیر میں ہم نے جو ذکر کیا ہے اسے صاحب روح المعانی نے اختیار کیا ہے کہ آپ نے کہا ہے اور یہاں اسے پڑھنے سے مراد اکثر قراء کے ہاں یہی ہے اور آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے لائی گئی ہے کہ آیات کی ابطال کی کوشش پہلے سے ہوتی چلی آرہی ہے اور یہ مردود کوشش ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا مگر اس کا حال یہ تھا کہ جب وہ آیات تلاوت کرتا تو شیطان ان آیات کے بارے میں اپنے پیروکاروں کو شبہات وخیالات میں مبتلا کرتا تا کہ وہ اس سے فضول جھگڑا کریں اور پیغمبر جو لایا ہے اس کی تردید کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وان الشیطان لیوحون الیٰ اولیاء هم لیجادلوکم اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وکذلک جعلنا لکل نبی عدو اشیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الیٰ بعض زخرف القول غروراً اور یہ اس کے اس قول کی طرح ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم علیکم المیتة سنا تو کہا کہ یہ اپنے ذبیحہ کو حلال کہتا ہے اور اللہ کے مارے ہوئے کو حرام کہتا ہے اور بعض روایات کے مطابق انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انکم و ماتعبدون من دون الله حصب جهنم سنی تو کہنے لگے کہ اللہ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی گئی اور فرشتوں کی بھی عبادت کی گئی (تو کیا یہ حضرات بھی جہنم میں جائیں گے؟) فینسخ الله ما یلقی الشیطٰن (پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ختم کر دیتا ہے) یعنی پھر اللہ تعالیٰ شیطان جو شبہات ڈالتا ہے انہیں باطل کر دیتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تردید کی توفیق دیکر یا خود ان کی تردید نازل کر کے شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات ختم کر دیتا ہے۔ ثم یحکم الله آیاته (پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے) یعنی اپنی آیات کو محکم وثابت کرتا ہے کہ کسی بھی لحاظ سے وہ مردود نہیں ہوتیں۔ اور یہاں غرانیق والا قصہ ہے۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ قصہ گھڑا ہوا ہے اور انہیں اس پر انہوں نے قرآن' سنت اور عقل سے دلائل قائم کئے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ و ما ینطق عن الهویٰ ان هوا لاوحی یوحیٰ (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے۔) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سنقرئک فلاتنسی (ہم آپ کو پڑھاتے ہیں تو آپ بھولتے نہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه (کسی جانب سے اس پر باطل نہیں آسکتا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون (بے شک ہم نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قصہ نقل کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے پھر آپ نے اس قصہ کے راویوں پر طعن کا ذکر کیا ہے۔)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کیے گئے یا طبعی موت سے وفات پا گئے اللہ انہیں ضرور ضرور اچھا رزق عطا فرمائے گا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ خیر الرازقین ہے وہ انہیں ضرور ضرور ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہونگے اور بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا ہے

حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

بہت حلم والا ہے یہ بات یوں ہی ہوگی اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اسکی مدد فرمائے گا۔

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے اور بخشنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کرنیوالوں کے لئے رزق حسن ہے

تفسیر: اسلام کے عہد اول میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو طرح طرح سے تکلیفیں دی جاتی تھیں جن کی وجہ سے بہت سے صحابہؓ نے حبشہ کو ہجرت کی اور بہت سے حضرات نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا وطن مالوف مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے، جب مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا تو مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کے لوگ بھی مدینہ منورہ آ گئے محض اللہ کے لئے وطن کو چھوڑنا وطن میں جو کچھ اموال واملاک گھر جائیداد ساز وسامان ہو اس سب کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر بس جانا اس میں بڑا امتحان ہے، بعد میں جو لوگ مختلف علاقوں میں مسلمان ہوئے ان میں سے بھی بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، ہجرت کا ثواب بہت زیادہ ہے اور اگر ہجرت کرنے والا مقتول ہو جائے تو اس کا مزید ثواب ہوگا، اگر مقتول نہ ہو اپنی طبعی موت مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی بھی بہت قیمت ہے اسی کو فرمایا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا (اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مقتول ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا) اور اس سے جنت کے ماکولات اور مشروبات اور دیگر نعمتیں مراد ہیں وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے) لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہونگے) یعنی انہیں جنت نصیب فرمائے گا، جو انہیں پسند ہوگی وہاں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کہیں جانا گوارا نہیں کریں گے وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حلم والا ہے) سب کے اعمال کو جانتا ہے اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا اور وہ حلیم بھی ہے سزا دینے میں

جلدی نہیں فرماتا حکمت کے مطابق اور اجل مقرر کے موافق سزا دے گا شاید کسی کو اشکال ہو کہ مقتول اور طبعی موت مرنے والے کے درمیان بظاہر فرق ہونا چاہئے لیکن آیت شریفہ کے ظاہری الفاظ سے مساوات مفہوم ہو رہی ہے یہ اشکال وقیع نہیں ہے کیونکہ آیت شریفہ میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق حسن عطا فرمائے گا برابری کا کوئی ذکر نہیں ہے جس کو جتنا بھی ملے گا وہ رزق حسن ہی ہو گا اگرچہ فرق مراتب ہو قال صاحب الروح ناقلا عن البحران التسویة فی الوعد بالرزق الحسن لا تدل علی تفضیل فی المعطی ولا تسویة فان یکن تفضیل فمن دلیل آخر و ظاهر الشریعة ان المقتول افضل انتهی۔ (صاحب روح المعانی بحر سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ رزق حسن کے وعدہ میں برابری دیئے جانے والے کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی برابری پر اگر فضیلت ہو تو وہ دوسری دلیل سے ہے۔ اور ظاہر شریعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتول افضل ہے)

اس کے بعد فرمایا ذٰلک صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی یہ بات جو اوپر بیان ہوئی یہ طے شدہ ہے اللہ تعالیٰ نے جیسا فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ (الآیہ) اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد فرمائے گا' اس آیت سے زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینے کی اجازت معلوم ہوئی بشرطیکہ بدلہ لینے میں برابر کا دھیان رہے یعنی جتنی تکلیف پہنچائی گئی ہو اس قدر تکلیف پہنچا سکتا ہے اگر کسی نے اتنا ہی بدلہ لیا جتنا بدلہ لینے کا اختیار تھا پھر اس پر اس شخص کی طرف سے زیادتی کی گئی جس نے پہلے زیادتی کی ابتداء کی تھی تو اللہ جل شانہٗ ضرور ضرور اس شخص کی مدد فرمائے گا جس پر دوبارہ زیادتی کی گئی اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے) اللہ تعالیٰ تو معاف فرما دیتا ہے لیکن بندے بدلہ لے لیتے ہیں اگر بندے بھی معاف کر دیا کریں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب پائیں گے جیسا کہ سورۃ شوریٰ میں فرمایا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (سو جس نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے'

بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ

یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ حق ہے اور اس کے علاوہ جو دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں'

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ

اور اللہ برتر ہے بڑا ہے' اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر

الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ

زمین ہری بھری ہو گئی' بلاشبہ اللہ بہت مہربان ہے خبر رکھنے والا ہے' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ

سب اسی کا ہے اور بلاشبہ اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر فرما دیا جو زمین میں ہے اور کشتی کو

تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ

مسخر فرما دیا وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے مگر یہ کہ اسی کا حکم ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ

بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ

لوگوں پر بہت مہربان ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تسخیر اور تصرفات کے مظاہرے

تفسیر: یہ مظلوم کو غالب کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی وجہ سے ہے جو کچھ عالم سفلی اور عالم علوی میں ہے وہ سب اسی کا ہے سارے انقلابات زمان میں ہو یا مکان میں سب اسی کی قدرت و مشیت اور ارادہ سے ہوتے ہیں وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے وہ ہر بات کو سنتا ہے سب کچھ دیکھتا ہے وہ حق ہے اس کے علاوہ جو لوگوں نے معبود بنائے ہیں وہ سب باطل ہیں وہ برتر ہے بڑا ہے وہی آسمان سے پانی اتارتا ہے جس سے زمین ہری بھری ہو جاتی ہے وہ لطیف ہے یعنی مہربان ہے اور خبیر ہے جو اپنے ساری مخلوق کی خبر رکھتا ہے وہ بے نیاز ہے ہر تعریف کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر فرما دیا یعنی تمہارے کام میں لگا دیا جو کچھ زمین میں ہے کشتیاں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اور یہ آسمان جو تمہارے نظر کے سامنے ہے جو اللہ کی بڑی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ نے اسے محض اپنی قدرت سے روک رکھا ہے لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا اگر وہ چاہے تو آسمان کو گرا سکتا ہے لیکن وہ اسے اپنی قدرت سے تھامے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اگر وہ آسمان کو نہ روکے اور آسمان زمین پر گر پڑے تو کوئی زندہ نہیں بچ سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ کافروں اور فاسقوں کو بھی زندہ رکھتا ہے اور سب کے لئے زندگی کے اسباب فراہم کرتا ہے اسی نے پہلی بار زندگی بخشی اس زندگی کے بعد وہی موت دیتا ہے پھر زندہ فرمائے گا انسان دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے لیکن ناشکری اختیار کرتا ہے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کفر و شرک سے باز نہیں آتا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ

ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں جن کے مطابق وہ عبادت کرتے تھے سو اس امر میں وہ آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

بلاشبہ آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے، اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے، اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں جو

يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِىْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾

کچھ آسمان اور زمین میں بلا شبہ یہ اللہ اس سب کو جانتا ہے سب کچھ کتاب میں لکھا ہے، بلا شبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔

ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کئے گئے ہیں

تفسیر: مشرکین اور دیگر کافرین جو رسول اللہ ﷺ کا اور آپ کے بیان فرمودہ اعتقادات اور احکام شرعیہ پر اعتراض کرتے تھے ان میں یہود و نصاریٰ بھی تھے، یہ لوگ یوں کہتے تھے کہ یہ احکام اور اعمال ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنے۔ آپ کی بتائی ہوئی ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا پرانی امتوں کے اعمال و احکام میں کوئی ذکر نہیں ملتا، یہ تھا کہ جھگڑے کرتے رہیں اور انکار پر تلے رہے، اللہ جل شانہ، نے ان لوگوں کو جواب دیدیا لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کر دیئے جن کے مطابق وہ عمل کرتے تھے) اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے مالک الملک ہے آمر مطلق ہے اسے اختیار ہے کہ جس امت کو جو چاہے حکم فرمائے انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں کو جو احکام عطا فرمائے ان کے ذمہ ان پر عمل کرنا تھا اور آخری نبی ﷺ کی امت کو جو احکام دیئے ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ان پر ڈال دی گئی ہے، کسی مخلوق کو کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرے اور یوں کہے کہ آخری نبی جو آئے ہیں ان کی شریعت میں بہت سی وہ چیزیں ہیں جو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں نہیں ہیں۔

معاندین کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ (سو وہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں) خاتم الانبیاء ﷺ مستقل شریعت لیکر تشریف لائے آپ کے تشریف لانے پر تمام احکام شرعیہ فرعیہ سابقہ منسوخ ہو گئے جو شخص آپ کے ارشاد فرمودہ احکام پر اعتراض کرتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے اس کا اعتراض کرنا اللہ پر اعتراض ہے جو کفر در کفر ہے یہ لوگ جھگڑے بازی سے دور رہیں وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے بلاشبہ آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے) مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے کام میں لگے رہیں حق کی دعوت دیتے رہیں کوئی کچھ بھی اعتراض کرے کسی کے اعتراض سے متاثر نہ ہوں اللہ کی طرف سے آپ کو ہدایت والا سیدھا راستہ بتایا گیا ہے اور اس کے حق ہونے کے اللہ کی طرف سے ضمانت دی گئی ہے وہ آپ کے لئے کافی ہے۔

وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہارے کاموں کو بہتر جانتا ہے) وہ تمہارے اعمال کی سزا دے دیگا مزید فرمایا اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ فرمادے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے) جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تو سب کچھ ظاہر ہوجائے گا مگر اس وقت منکرین کو حق واضح ہوجانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو حکم بھیجا ہے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے طور پر یہیں اسی دنیا میں تسلیم کرلیں تو یہ ایمان لانا آخرت کے دن مفید ہوگا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اس سب کو جانتا ہے) اِنَّ ذٰلِكَ فِىْ كِتٰبٍ (بلاشبہ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے) یعنی لوح محفوظ میں مرقوم ہے اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے) لوح محفوظ میں سب کچھ محفوظ فرمانا اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے کوئی منکر اور معاند یہ نہ سمجھے کہ اتنی زیادہ مخلوق کے حالات ایک ہی کتاب میں کیسے سمائیں گے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور نہ ان کے پاس ان

عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِىْ

کی کوئی دلیل ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو خوب واضح ہیں

وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ

تو اے مخاطب تو کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لے گا قریب ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہمارے آیات پڑھتے ہیں

قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ

آپ فرمادیجئے کیا میں اس سے زیادہ ناگوار چیز نہ بتادوں؟ وہ دوزخ ہے! جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے اور وہ

الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾

برا ٹھکانہ ہے

کافر قرآن سنتے ہیں تو ان کے چہروں سے ناگواری محسوس ہوتی ہے

تفسیر: ان آیات میں مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور ان کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی عذاب کا تذکرہ

بھی فرمایا جو آخرت میں ہوگا۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور ان کے پاس کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہے جس سے شرک کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہو یہ لوگ شرک کر کے ظالم بنے ہوئے ہیں اور اس ظلم کی سزا انہیں مل جائے گی جب انہیں عذاب ہونے لگے گا تو ان کیلئے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب ان مشرکوں کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں جن کے مضامین خوب واضح ہیں تو کافروں کے چہرے بدل جاتے ہیں اور چہروں پر ناگواری محسوس ہونے لگتی ہے ناگواری کا یہ عالم ہے کہ جو اہل ایمان انہیں ہماری آیات سناتے ہیں ان پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابھی حملہ کر دیں گے' ان کی یہ حالت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیں کہ دنیا میں تمہیں ناگواری محسوس ہوتی ہے یہ تو ہلکی ناگواری ہے اس سے بڑھ کر وہ ناگواری ہوگی جو دوزخ میں داخل ہو کر پیش آئے گی دوزخ کی آگ کا عذاب بہت بڑا عذاب ہے وہ کافروں کو ناگوار ہوگا لیکن اس سے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا دنیا میں قرآن سن کر جو ناگواری ہوتی ہے اس کا تو کچھ غصہ والا منہ بنا کر تدارک کر بھی لیتے ہو آخرت میں جو عذاب ہوگا نہ ہلکا ہوگا' نہ ختم ہوگا' نہ قابل برداشت ہوگا' دوزخ کی اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے یعنی دنیا میں پہلے سے بتا دیا ہے کہ کفر کی سزا دوزخ ہے اس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (اور دوزخ برا ٹھکانہ ہے)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اے لوگو! ایک مثل بیان کی گئی ہے سو تم اسے دھیان سے سن لو' بلاشبہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں

اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ

وہ ہرگز مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کے لئے وہ سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اسے چھڑا

مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ

نہیں سکتے' طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور لوگوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا ہے

عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

زبردست ہے

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال

تفسیر: غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کے معبودوں کے بارے میں عجیب بات بیان فرمائی ہے اور اس کو

مثل سے تعبیر فرمایا مثل کہاوت کو کہتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جسے مشرکوں کے سامنے بار بار ذکر کرنا چاہئے۔ مشرکوں کو سنائیں اوران سے کہیں کہ خوب دھیان سے سنو تا کہ تمہیں اپنی حماقت اور گمراہی کا خوب پتہ چل جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہواور جنہیں مدد کے لئے پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے سب ملکر بھی ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اتنی بڑی کائنات کا خالق ہے اس کی عبادت چھوڑ کر عاجز مخلوق کی عبادت کرنا اور عاجز مخلوق سے مرادیں مانگنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں یہ مکھی پیدا تو کیا کرتے اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مشرکین بتوں کے جسموں پر زعفران لگا دیتے تھے اوران کے سروں پر شہد مل دیتے ہیں پھر دروازہ بند کر کے یہ چلے جاتے ہیں اور ادھر روشن دانوں سے آ جاتی جو شہد کو کھا جاتی تھی (ہندوستان کے مشرکوں کا اب بھی یہ طریقہ ہے کہ بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ان کے سامنے مٹھائیاں رکھتے ہیں مکھیوں کے مزے آ جاتے ہیں اور یہ باطل معبود بے جان عاجز مکھی تک کے سامنے کچھ بھی نہیں) اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی حالت خود آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ان کی پوجا پاٹ اوران کے سامنے ڈنڈوٹ کرنے سے باز نہیں آتے۔ جو شخص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت توحید سے منہ موڑے گا وہ اسی طرح عاجز مخلوق کے سامنے ذلیل ہوگا' جو لوگ خالق و مالک کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اوراس کی ذات پاک کو سجدہ نہیں کرتے وہ یوں ہی مارے مارے پھرتے ہیں اوراپنے سے بھی زیادہ عاجز مخلوق کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ طالب سے مشرک یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والا اور مطلوب سے معبود باطل مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جیسا عابد ویسا ہی معبود دونوں ہی ضعیف ہیں' معبود تو ضعیف اس لئے ہیں کہ وہ مکھی تک سے مٹھائی بھی نہیں چھڑا سکتے اور اسکی عبادت کرنے والا اس لئے کمزور ہے کہ اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھیرتا ہے۔ معبود تو بے جان کمزور ہے ہی اسی کی عبادت کرنے والا اس سے بڑھ کر کمزور ہے اس کی کمزوری عقل کے اعتبار سے ہے وہ ایسی چیز سے نفع کا امیدوار ہے جو اپنے چڑھاوے کی چیز کو مکھی تک نہیں چھڑا سکتا۔

مَا قَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہ کی جو تعظیم اس کی شان کے لائق ہو) اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے خالق و مالک ہے تنہا عبادت کا مستحق ہے وہ نفع بھی دیتا ہے اور ضرر بھی وہ ہر چیز پر قادر ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر اونچی اور ہلکی سے ہلکی آواز کو سنتا ہے سب بندوں پر لازم ہے کہ اسے وحدہٗ لاشریک مانیں اوراس کی تمام صفات جلیلہ پر ایمان لائیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ایسی ذات وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق کو معبود بنا لینا اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے بہت بعید ہے اور گمراہی ہے جب مشرکین سے مسلمان کہتے ہیں کہ تم خالق کائنات جل

سجدہ کو نہیں مانتے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مانتے ہیں، جھوٹی زبان سے اللہ تعالیٰ کے ماننے کا دعویٰ کر دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ ماننا اس کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کی مخلوق میں سے خدا تراش لئے جائیں اور ان کے لئے جانور ذبح کئے جائیں۔ اور ان کو سجدے کئے جائیں یہ اللہ تعالیٰ کا ماننا کہاں ہوا اور اس کے شایان شان اس کی تعظیم کہاں ہوئی؟

اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا ہے غلبے والا ہے) ایسے قوی وعزیز کو چھوڑ کر ضعیف چیز کی عبادت کرنا جو اس کی مخلوق ہے، بہت بڑی گمراہی ہے۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ

وہ جانتا ہے کہ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔ اے

اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾

ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر: ساری مخلوق اللہ ہی کی مخلوق ہے اس نے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا ہے جو مرتبہ دیدیا اور جسے چاہا کسی بڑے اور برتر کام کے لئے چن لیا، رسالت اور نبوت بہت بڑا مرتبہ ہے رسول کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے سفارت اور رسالت کی یہ عزت بخشی کہ ان کے ذریعہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی طرف پیغام بھیجے اور صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں جنہیں انسانوں میں سے منتخب فرما کر نبوت اور رسالت سے نوازا پھر ان نبیوں اور رسولوں نے انسانوں تک وہ احکام پہنچائے جو فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس پہنچے، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جن میں سے جنہیں چاہا پیغمبر بنایا اور اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہا یہ مرتبہ عطا کیا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ یوں سوال کرے کہ فلاں کو کیوں نہیں بنایا، اللہ سمیع ہے بصیر ہے وہ سب کی باتیں سنتا ہے سب کے احوال دیکھتا ہے، جو اس کے فیصلوں کو قبول کرے گا اسے اس کا بھی علم ہے اور جو اس کے فیصلوں پر اعتراض کرے

گا وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ اور جس جس میں اللہ تعالیٰ نے جو استعداد رکھی ہے اسے اس کا بھی پتہ ہے۔

یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے) یعنی اسے انسانوں کے اگلے پچھلے احوال واعمال سب معلوم ہیں۔ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کا اختیار ہے دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور آخرت میں بھی صرف اسی کے ارادہ اور مشیت کے مطابق سب کچھ ہوگا اور اسی کا حکم چلے گا اور سارے فیصلے اسی کے ہونگے اور حق ہونگے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو) یعنی نماز پڑھو نماز میں کیونکہ رکوع سجدہ دو بڑے رکن ہیں اس لئے ان کا خصوصی حکم دیا۔ جس میں پوری نماز پڑھنے کا حکم آ گیا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (اور اپنے رب کی عبادت کرو) نماز کے علاوہ جو دیگر عبادات ہیں یہ حکم ان سب عبادات کو شامل ہو گیا وَافْعَلُوا الْخَیْرَ (اور خیر کے کام کرو) اس کا عموم تمام نیک اعمال کو شامل ہے اور جانی عبادات اور فرائض واجبات، مکارم اخلاق، محاسن افعال، محاسن آداب، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے احکام سب کو حکم شامل ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) یعنی تمام مامورات پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدہ کی آیت ہے اور امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس آیت پر سجدہ تلاوت نہیں ہے فریقین کے دلائل شروح حدیث وشروح فقہ میں مذکور ہیں۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ

اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمہیں چن لیا اور اس نے دین

مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ

میں تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو، اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا اس سے پہلے

وَفِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚۖ

اور اس قرآن میں، تاکہ رسول تمہارے بارے میں گواہ بن جائے اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بن جاؤ،

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی

سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو وہ تمہارا مولیٰ ہے سو وہ خوب مولیٰ ہے

وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾

اور خوب مددگار ہے

تفسیر: لفظ جہاد جہد سے مشتق ہے عربی زبان میں محنت ومشقت اور کوشش کو جہد کہا جاتا ہے یہ لفظ اپنے عام معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو' جہاد جو قتال یعنی جنگ کرنے کے معنی میں مشہور ہے وہ بھی اس محنت اور کوشش کا ایک شعبہ ہے مسلمان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے یعنی نفس کی ناگواریوں کے باوجود نیک کاموں میں لگتا ہے گناہوں کو چھوڑتا ہے نفس روڑے اٹکاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو بھی عمل ہو دنیاداری کے لئے ہو ذاتی شہرت اور حصول جاہ اور لوگوں سے تعریف کرانے کے لئے ہو اس موقعہ پر نفس سے جہاد کرنا ہوتا ہے' پوری طرح اس کے تقاضوں کو دبا کر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جو کام کیا یہ سب جہاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ** اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے مشرکین سے جہاد کرو اس سے معلوم ہوا کہ دشمنان دین کو زک دینے کے لئے ان کا زور توڑنے کے لئے مالوں کو خرچ کرنا اپنی جانوں کو اس کام میں لگا دینا اور اپنی زبانوں سے مقابلہ کرنا بحث اور مناظرہ میں ہرا دینا دشمن کے اشعار کا اشعار سے جواب دینا یہ سب جہاد ہے' دشمنان دین کے مقابلہ میں کتابیں لکھنا ان کو شائع کرنا ان کو تنبیہ کرنا اسلام کی دعوت پہنچانا اس سب کو **جاھدو فی اللہ** کا عمومی حکم شامل ہے' اخلاص کے ساتھ جو شخص جتنا اپنی طاقت کے بقدر کرے گا اس کا جہاد **حق جہادہ** کا مصداق ہو جائے گا' بعض مرتبہ بات کہہ دینا ہی بڑے مرتبہ کا عمل ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر** (سب جہادوں سے افضل اس شخص کا جہاد ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دے خلاصہ یہ کہ جو بھی کوئی مومن اللہ کی رضا کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جس طرح کی بھی محنت کرے گا وہ جہاد ہو گا پھر مختلف احوال کے اعتبار سے درجات بھی مختلف ہیں ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر اخلاص کے ساتھ اعمال واشغال میں لگے۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا) سابقہ تمام امتوں پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی امت محمدیہ **علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ** کو فضیلت دی انہیں سید الانبیاء ﷺ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہوا ان پر اللہ تعالیٰ قرآن نازل فرمایا جسے با آسانی حفظ کر لیتے ہیں دنیا میں آخر میں آئے اور جنت میں پہلے داخل ہونگے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم سترویں امت کو پورا کر رہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے زیادہ مکرم ہو (**قال الترمذی ھذا حدیث حسن**) جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی فضیلت دی اب اس انعام واکرام اور اجتباء اور اصطفاء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خوب بڑھ کر خدمت کریں۔

دین میں تنگی نہیں ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ نے تم پر تمہارے دین میں تنگی نہیں فرمائی) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت

بڑا انعام ہے کہ اس نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو جو احکام عطا فرمائے ہیں ان میں تنگی نہیں رکھی جسے جو بھی حکم دیا ہے وہ اس کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز احکام کی بجا آوری میں سہولت ہے اور احوال کی رعایت رکھی گئی ہے بنی اسرائیل پر جو سختیاں تھیں جن کا ذکر سورۃ بقرہ کی آخری آیت رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا میں گزر چکا ہے وہ اس امت پر نہیں ہیں' بنی اسرائیل پر بہت سی پاکیزہ چیزیں حرام تھیں مال غنیمت میں سے کچھ بھی ان کے لئے حلال نہیں تھا زکوۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا' اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ کے لئے مال غنیمت بھی حلال ہے زکوۃ بھی تھوڑی سی مقدار میں فرض ہے' یعنی چاند کے اعتبار سے نصاب پر ایک سال گزر جائے تو کھانے پینے اور خرچ کرنے سے جو بچا اس کا ۴۰/۱ فرض ہے اور بھی ہر مال پر فرض نہیں ہے صرف سونا چاندی نقد کیش اور مال تجارت پر فرض ہے' زمین کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ فقراء کو دینا فرض ہے رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں لیکن شرعی مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں قضا رکھ لیں اور شیخ فانی کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیدے۔ اور ایسے شخص کو بعد میں قضاء رکھنے کا بھی حکم نہیں ہے' حج اس شخص پر فرض ہے جو سواری پر مکہ مکرمہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتا ہو وہ بھی زندگی میں ایک بار اگرچہ بہت بڑا مالدار ہو۔

رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں ان میں یہ آسانی رکھی گئی کہ فجر ظہر تک کوئی فرض نہیں اور ظہر سے عصر تک کوئی فرض نماز نہیں ہے یہ پورا وقت حلال کمائی کے لئے اور تعلیم و تعلم کے لئے فارغ ہے پھر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں ہے یہ وقت آرام و راحت اور سونے کے لئے ہے اور جو فرض نمازیں ہیں ان کی تمام رکعتیں بشمول فرض اور واجب اور سنن مؤکدہ صرف بتیس رکعتیں ہیں سفر میں فرض نماز چار رکعتوں کے بدلے دو رکعتیں کر دی گئی ہیں اور مریض کو حسب طاقت نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لے وضو اور غسل کوئی مشکل کام نہیں ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اس کا ثواب مزید ہے اگر پانی نہ ہو تو یا پانی تو ہو لیکن مرض کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ ہو تو غسل و وضو دونوں کی جگہ تیمم کر لینا ہی کافی ہے حلال جانوروں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی اجازت دی گئی ہے خبیث اور نجس چیزوں اور ان جانوروں کے کھانے کی اجازت نہیں دی جن کے کھانے سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے جن افعال اور اعمال سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمایا ہے بنی آدم کا بھلا ہے۔

جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے اور اگر دشمن چڑھ آئیں فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت اپنی جان اور

دوسرے مسلمان مردوں عوتوں بچوں کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہو جاتا ہے پھر اگر جہاد میں شہید ہو جائے تو اس کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ ہزاروں سال دنیا کی زندگی کی بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ دین کے آسان ہونے اور دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی عمل کے کرنے میں کچھ بھی تکلیف نہ ہو اور ساری چیزیں حلال ہوں اور جو جی چاہے کرلیا کریں' اگر ایسا ہوتا تو نہ فجر کی نماز فرض ہوتی جس میں اٹھنا دشوار ہے نہ عصر کی نماز فرض ہوتی جو کاروبار کا خاص وقت ہوتا ہے اور نہ حرام وحلال کی تفصیلات ہوتیں بلکہ احکام ہی نازل نہ کئے جاتے آسان ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے' آج کل ایسے بے پڑھے مجتہدین نکل آئے ہیں جو سود قمار حرام گوشت کھانے اور صریح گناہوں کے ارتکاب کو جائز کہہ رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دین میں آسانی ہے' یہ لوگ اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں' جو لوگ قرآن کے حامل ہیں اور اسلام کے عالم ہیں ان کے پاس یہ جہالت کے مارے نہ خود جاتے ہیں نہ عامۃ المسلمین کو جانے دیتے ہیں' عوام کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ان کے ہمدرد نہیں ہے ان کی آخرت تباہ کرنے کے کام میں لگے ہوئے ہیں

قال البغوی فی معالم التنزیل ج۳/ ۳۰۰ معناه ان المومن لا یبتلی بشئی من الذنوب الاجعل الله له منه مخرجا بعضها بالتوبة وبعضها برد المظالم والقصاص وبعضها بانواع الکفارات فلیس فی دین الاسلام مالا یجد العبد سبیلا الی الخلاص من العقاب فیه وقیل من ضیق فی اوقات فروضکم مثل هلال شهر رمضان والفطر ووقت الحج اذا التبس ذلک علیکم وسع الله علیکم حتی تتیقنوا وقال مقاتل یعنی الرخص عندالضرورات کقصر الصلوة فی السفر والتیمم عند فقد الماء واکل المیتة عند الضرورة والافطار فی السفر والمرض والصلوة قاعدا عند العجز عن القیام وهو قول الکلبی وروی عن ابن عباس انه قال الحرج ما کان علی بنی اسرائیل من الاعمال التی کانت علیهم وضعها الله عن هذه الامة ملة ابیکم ابراهیم (علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ مومن کسی بھی گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اس سے نکلنے کا راستہ بنایا ہے بعض توبہ کے ذریعہ بعض ظلم دور کرنے کے ذریعہ اور بعض قصاص کے ذریعہ اور بعض مختلف کفاروں کے ذریعہ۔ بہر حال دین اسلام میں کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں عذاب سے بچنے کا راستہ نہ ہو اور بعض نے کہا تمہارے فرضوں کے وقتوں کی تنگی سے نکلنے کا راستہ ہے۔ مثلاً رمضان اور عید الفطر کا چاند اور حج کا وقت جب یہ تم پر ملتبس ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے تم پر وسعت کی ہے حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے اور مقاتل نے کہا ہے کہ اس سے مراد ضرورت کے وقت کی رخصتیں ہیں۔ جیسے سفر میں نمازوں کی قصر' پانی نہ ہونے کے وقت تیمم' اور مجبوری کے وقت مردار کا گوشت کھانا اور بیماری وسفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور کھڑے نہ ہو سکنے کے وقت بیٹھ کر نماز پڑھنے کی رخصت۔ یہ ہے کلبی کا قول اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا حرج سے مراد وہ اعمال واحکام ہیں جو بنی اسرائیل پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر سے اٹھادیئے)

(تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اور رسول آئے وہ ان سب کے باپ ہیں یعنی ان کی نسل اور ذریت سے ہیں عرب کے لوگ انہیں کی ذریت سے ہیں انہیں میں سے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ تھے چونکہ قرآن کے اولین مخاطبین اہل عرب ہی تھے اس لئے یوں فرمایا کہ اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو دوسری آیت میں ہے جو ملت ابراہیم کے اتباع کا آیا ہے ان میں لفظ ابیکم نہیں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا سب سے بڑا رکن توحید ہی ہے جس کی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دعوت دی ہے اس کے لئے انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہے۔

هُوَ سَمّٰـكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ (اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے) یعنی قرآن مجید نازل

ہونے سے پہلے جو کتابیں نازل فرمائیں ان میں اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے وفی ھذا (اور اس قرآن میں بھی اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا) کما قال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اس نام اور لقب پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے اور اس لقب کی لاج بھی رکھیں یعنی سچے پکے فرماں بردار بن کر رہیں، اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل وجان سے مانیں اور خوشی وبشاشت کے ساتھ احکام کی پیروی کرتے رہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ میں ضمیر مرفوع مستتر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارے وجود میں آنے سے پہلے ہی تمہارا نام "مسلمین" رکھ دیا تھا جیسا کہ سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں کی دعا نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اور چونکہ ان کی یہ دعا قرآن مجید میں منقول ہے لہٰذا اس اعتبار سے انہوں نے اس قرآن میں بھی، تمہیں مسلمین کا لقب دیا لیکن اس میں تکلف ہے تھوڑی سی تاویل کرنی پڑتی ہے لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (تاکہ رسول تمہارے لئے گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو) اس کا تعلق وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ سے بھی ہو سکتا ہے اور هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ سے بھی پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے تمہارا یہ عمل تمہیں اس مرتبہ پر پہنچا دے گا کہ اللہ کے رسول سید الاولین والآخرین ﷺ تمہارے لئے گواہ بنیں گے۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمین یعنی فرمانبردار رکھا پرانی کتابوں میں بھی اور قرآن کریم میں بھی، جب اس نام کی قدر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن کر رہو گے تو اس قابل ہو گے رسول اللہ ﷺ تمہارے حق میں گواہی دیں گے، سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن جب یہ فرمائیں گے کہ ہم نے اپنی اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی تو ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے اس پر وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کو بطور گواہ پیش کریں گے اس کے بعد اس امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی امت کو تبلیغ کی۔

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمہارا اتنا بڑا مرتبہ کر دیا کہ میدان قیامت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے گواہ بنو گے اور تمہاری گواہی سے سابقہ

امتوں پر حجت قائم کی جائے گی تو اس شرف کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے بنو اس کے دین پر پوری طرح عمل کرو خاص کر اس دین کے جو ارکان ہیں ان میں سے دو بڑے رکن ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ (اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کو پکڑے رہو) یعنی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھو۔ اس سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو دنیا و آخرت کی خیر اسی سے طلب کرو هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (وہ تمہارا مولیٰ ہے سو خوب مولیٰ ہے اور خوب مدد کرنے والا ہے) مولیٰ کا معنی ہے کام بنانے والا' اہل ایمان کا کام بنانے والا کام بناتا ہے' اہل ایمان کے لئے اسی کی مدد کافی ہے' وہ مومنین کا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں کما قال تعالیٰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۔

الحمدللہ تعالیٰ سورۃ الحج کی تفسیر اختتام کو پہنچی فللّٰہ الحمد والمنة

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   وَّثَمَانَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ مومنون مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ایک سو اٹھارہ آیات ہیں اور چھ رکوع ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ

تحقیق ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو

اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو ادائیگی زکوٰۃ کا کام کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرم کی جگہوں کی

حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾

حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جنکے وہ مالک ہوں۔ سو بلاشبہ وہ ان میں اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال کرنے پر ملامت کئے ہوئے نہیں ہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾

سو جس نے اس کے علاوہ کچھ تلاش کیا تو وہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو میراث پانے والے ہیں۔ جو فردوس کے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

وارث ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کی صفات اور ان کی کامیابی کا اعلان

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کی کامیابی کا اعلان فرمایا ہے اور اہل ایمان کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جن کا اہل ایمان کو کامیاب بنانے میں زیادہ دخل ہے۔ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (تحقیق اہل ایمان کامیاب ہو گئے) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو دنیاوی چیزوں کو دیکھ کر کامیابی کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کامیاب ہے کوئی سمجھتا ہے کہ مالدار کامیاب ہیں اور کوئی گمان کرتا ہے کہ بہت بڑی جائداد والا کامیاب ہے کسی کے نزدیک وزیر کامیاب ہے کسی کے نزدیک سفیر کوئی جمال کو کامیابی کا سبب سمجھتا ہے اور کسی کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص دنیاوی ہنر اور کمال میں ماہر ہو وہ کامیاب ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرما دیا کہ اہل ایمان کامیاب ہیں کیونکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہاں اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے وہاں کی کامیابی کے بارے میں فرمایا۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ

فَقَدْ فَازَ (جو شخص دوزخ سے بچادیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا)۔اس کے بعد اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں) خشوع کا اصل معنی ہے قلب کا جھکاؤ' جب مومن بندے نماز پڑھیں' ان کا پورا دھیان ظاہراً و باطناً نماز کی طرف رہنا چاہئے۔ نماز پڑھتے ہوئے نماز سے غافل نہ ہوں اور یہ ذہن میں رہے کہ میری نماز قبولیت کے لائق ہو جائے۔غفلت کی نماز خشوع کی نماز نہیں ہے جس میں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کیا پڑھا رکوع سجدہ تو چل میں آیا کے طریقے پر جلدی جلدی کر لیا' سجدہ میں مرغ کی طرح ٹھونگیں مار لیں' لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھ لی' بار بار کپڑوں کو سنبھالا۔ مٹی سے بچایا داڑھی کو کھجایا۔ یہ سب چیزیں خشوع کے خلاف ہیں۔ایک مرتبہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور داڑھی سے کھیل رہا تھا اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لو خشع قلبه لخشعت جوارحه (اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا یعنی اس کے اعضاء شریعت کے قواعد کے مطابق نماز میں اپنی اپنی جگہ ہوتے) نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے اس لئے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے' سترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دل جمعی رہے۔ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے' نماز پڑھتے ہوئے تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے' کھانے کا اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں۔ان کی وجہ سے خشوع خضوع باقی نہیں رہتا جو دربار عالی کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو برابر اسکی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۱

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریاں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

اہل ایمان کا دوسرا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (اور جو لوگ لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں) لغو ہر اس بات اور ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہیں' مومن بندے نہ لغویات کرتے ہیں نہ لغو کام کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان سے لغو باتیں کرنے لگے تو یا کچھ لوگ لغو کاموں میں لگے ہوں تو یہ حضرات اعراض کر کے کنارہ ہو کر گذر جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ قصص میں فرمایا ہے وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ (اور جب لغویات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ ہو جاتے ہیں)

اور سورہ فرقان میں فرمایا وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغویات پر گذرتے ہیں تو کریموں کے طریقہ پر گذر جاتے ہیں)

غور کرلیا جائے کہ جب لغوبات اور لغو کام (جس میں نہ گناہ ہے نہ ثواب ہے) سے بچنے کی اتنی اہمیت ہے تو گناہوں سے بچنے کی کتنی اہمیت ہوگی؟ لغو بات لغو کام میں اگرچہ گناہ نہ ہو لیکن اس سے دل کی نورانیت جاتی رہتی ہے اعمال صالحہ کا ذوق نہیں رہتا زبان کو لغو باتوں کی عادت ہوتی ہے پھر یہ لغو باتیں گناہوں میں مشغولیت کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں اور لغو بات اور لغو کام کا کیا یہ نقصان کم ہے کہ جتنے وقت لغو بات یا کوئی لغو کام کیا اتنی دیر میں قرآن مجید کی تلاوت یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو بہت بڑی دولت سے مالا مال ہو جاتے' لغو باتوں سے بہت بڑی دولت کو گنوادیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کی وفات ہوگئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس کے لئے جنت کی خوشخبری ہے اسکی بات سنکر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے جنت کی خوشخبری دے رہے ہو ہوسکتا ہے کہ اس نے کوئی لایعنی بات کی ہو یا کسی ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کیا جو خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳

(جیسے علم سکھانا تھوڑا سا نمک دیدینا کھانا پکانے کے لئے کسی کو آگ یا ماچس کی تیلی دیدینا وغیرہ وغیرہ) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه** (انسان کے اسلام کی خوبی میں سے ایک یہ بات ہے کہ جو چیز اس کے کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے) حضرت لقمان سے کسی نے کہا کہ آپ کو جو یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے کیسے حاصل ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچی بات کہنے سے اور امانت ادا کرنے سے اور لایعنی کے چھوڑنے سے مجھے یہ مرتبہ ملا (موطا مالک)

اہل ایمان کا تیسرا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ** (اور جو لوگ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں) لفظ زکوٰۃ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے پاک صاف ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے (اور اسی لئے مال کا ایک حصہ بطور فرض فقراء اور مساکین کو دینے کا نام زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ اس سے نفس بھی بخل سے پاک ہوتا ہے اور مال میں بھی پاکیزگی آجاتی ہے) لغوی معنی کے اعتبار سے بعض مفسرین کرام نے آیت کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک رکھنے والے ہیں' انسان کے اندر سے بخل' حسد' حب جاہ' حب مال' ریا کے جذبات امنڈ کر آتے ہیں ان رذائل سے پاک ہونا اور نفس کو دبانا' نفس کی اصلاح کرنا یہ بھی **لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ** کا مصداق ہے اسی کو سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى** (وہ شخص کامیاب ہو گیا جو پاک صاف ہوا)

اہل ایمان کا چوتھا وصف یوں بیان فرمایا **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ** (الآیات الثلاث) اور جو لوگ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرتے ہیں یہ لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے تو شرعی اصول کے مطابق شہوت پوری کرلیتے ہیں ان کے علاوہ کسی اور جگہ اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال نہیں کرتے' بیویوں اور لونڈیوں سے شہوت پوری کرنا چونکہ حلال ہے اسلئے اسپر انہیں کوئی ملامت نہیں انکے علاوہ اور کسی جگہ اپنی شرم کی جگہ کو استعمال کیا تو یہ حد شرعی سے آگے بڑھ جانے والی بات ہوگی جسکی سزا دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

آیت کی تصریح سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا بھی حرام ہے (جس کا روافض میں رواج ہے) کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ بیوی نہیں ہوتی اسی طرح جانوروں سے شہوت پوری کرنا یا کسی بھی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج کرنا یہ سب ممنوع ہے کیونکہ ان سب صورتوں میں شرم کی جگہ کا استعمال نہ بیوی سے ہے نہ باندی سے' باندیوں سے قضائے شہوت کرنے کے کچھ احکام ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں' یاد رہے کہ گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں اگر ان سے کوئی شخص شہوت پوری کرے گا تو صریح زنا ہوگا کسی بھی آزاد عورت کو اگر کوئی شخص بیچ دے تو اس کا بیچنا اور خریدنا دونوں حرام ہیں اور اسکی قیمت بھی حرام ہے اگر کوئی شخص خرید لے گا اور اس خریدی ہوئی عورت سے شہوت والا کام کرے گا تو زنا ہوگا۔

مسئلہ: جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اگر ان سے نکاح کر بھی لے تب بھی ان سے شہوت پورا کرنا حرام ہی رہیگا۔

مسئلہ: حیض و نفاس کی حالت میں اپنی بیوی اور شرعی لونڈی سے بھی شہوت والا کام کرنا حرام ہے اور یہ بھی **فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ** میں شامل ہے۔

اہل ایمان کا پانچواں اور چھٹا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ** (اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں) اس میں امانتوں کی حفاظت کا اور جو کوئی عہد کر لیا جائے اسکی حفاظت کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان دونوں کی رعایت اور حفاظت کو مومنین کی صفات خاصہ میں شمار فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا ہو اور یوں نہ فرمایا ہو کہ **الا لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له** (خبردار اسکا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اسکا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ شانہٗ کے جو اوامر و نواہی ہیں انکے متعلق جو شرعی ذمہ داریاں ہیں ان کا پورا کرنا فرائض و واجبات کا احترام کرنا اور محرمات و مکروہات سے بچنا یہ سب امانتوں کی حفاظت میں داخل ہے۔

اسی طرح بندوں کی جو امانتیں ہیں خواہ مالی امانت ہو یا کسی بات کی امانت ہو کسی بھی راز کی امانت ہو ان سب کی رعایت کرنا لازم ہے مالوں کی ادائیگی کو کچھ لوگ امانت داری سمجھتے ہیں لیکن عام طور سے دوسری چیزوں میں امانت داری نہیں سمجھتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں۔ (یعنی مجلسوں کی بات آگے نہ بڑھائی جائے) ہاں اگر کسی مجلس میں حرام طریقے پر کسی کا خون کرنے یا زنا کرنے یا ناحق کسی کا مال لے لینے کا مشورہ کیا تو ان چیزوں کو آگے بڑھا دیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص بات کہہ دے پھر ادھر ادھر متوجہ ہو (کہ کسی نے سنا تو نہیں) تو یہ بات امانت ہے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے جس میں وہ تجھے سچا سمجھ رہا ہو اور تو اسے جھوٹ بول رہا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک حدیث میں ارشاد ہے **ان المستشار موتمن** (بلاشبہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے) یعنی

مشورہ لینے والے کو وہی مشورہ دے جو اسکے حق میں بہتر ہو (رواہ الترمذی)

امانت داری بہت بڑی صفت ہے خیانت منافقوں کا کام ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے تو خلاف کرے۔ (۳) اور اگر اسکے پاس امانت رکھ دی جائے تو خیانت کرے۔ (رواہ مسلم) امانتوں کی حفاظت کے ساتھ عہد کی حفاظت کو بھی مومنین کی صفات خاص میں شمار فرمایا ہے مومن بندوں کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ اسکے فرمان کے مطابق چلیں گے تمام اعمال واحوال میں اس کا خیال رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو کر رہیں اور نافرمانی نہ کریں اور بندوں سے جو کوئی معاہدہ ہو جائے کسی بات کا وعدہ کرلیں تو اسکو پورا کریں بشرطیکہ گناہ کا معاہدہ نہ ہو۔ بہت سے لوگ قرض لے لیتے ہیں اور ادائیگی کی تاریخ مقرر کر دیتے ہیں پھر تاریخ آ جانے پر ادائیگی کا انتظام نہیں کرتے بلکہ انتظام ہوتے ہوئے بھی ٹالتے ہیں یہ سب بدعہدی میں آتا ہے اور اسکے علاوہ بہت سی صورتیں ہیں جو روزمرہ پیش آتی رہتی ہیں، جن لوگوں کا دینی مزاج نہیں ہوتا وہ عہد اور وعدہ کی خلاف ورزی کو کوئی وزن نہیں دیتے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہونگی خالص منافق ہوگا، اور جس کے اندر ان میں سے ایک خصلت ہوگی اسکے اندر منافقت کی ایک خصلت شمار ہوگی وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔ (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔ (۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۱) جب بات کرو تو سچ بولو۔ (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو۔ (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسکو ادا کرو۔ (۴) اپنی شرم کی جگہوں کو محفوظ رکھو۔ (۵) اپنی آنکھوں کو نیچے رکھو۔ (یعنی کسی جگہ ناجائز نظر نہ ڈالے) (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (بیجا استعمال کرنے سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵)

اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (اور اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں) اس میں تمام نمازیں پابندی سے پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ جو لوگ ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی وہ لوگ اس فضیلت کے مستحق نہیں جس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا اور انہیں بروقت ادا کیا اور ان کا رکوع اور سجود پورا کیا اسکے لئے اللہ کا عہد ہے کہ اسکی مغفرت فرمادے گا، اور جس

نے ایسا نہ کیا تو اس کے لئے اللہ کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے اسکی مغفرت فرما دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔ (رواہ ابو داؤد) اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز کی پابندی کی قیامت کے دن اسکے لئے نماز نور ہوگی اور (ایمان کی) دلیل ہوگی اور دوزخ سے نجات کا سبب ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی اسکے لئے نماز نہ نور ہوگی نہ دلیل ہوگی نہ نجات کا سامان ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون فرعون ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الدارمی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ)

مومنین کے خاص سات اوصاف بیان فرمانے کے بعد (جن میں اول نمبر خشوع کے ساتھ پڑھنا اور آخر میں نماز کی پابندی کرنا ہے) ان مومنین کو بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (یہ وہ لوگ ہیں جو فردوس کے وارث ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے اچھا اور سب سے بلند مقام ہے اور اسکے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں۔ (رواہ البخاری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اسے ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ کی صورت میں رکھا

مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا

پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا

فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا پھر ہم نے اسکو دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا سو بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سب صناعوں سے بہتر ہے

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر بلاشبہ تم اسکے بعد ضرور ہی مر جانے والے ہو پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت، تخلیق انسانی کا تدریجی ارتقاء، حیات دنیاوی کے بعد موت، پھر وقوع قیامت

تفسیر: ان آیات میں تخلیق انسانی کے مختلف ادوار بتائے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے کہ دنیا کا وجود دائمی نہیں ہے آخر مر جاؤ گے اور یہاں سے چلے جاؤ گے اور مرنے پر ہی بس نہیں ہے اس کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ (پھر

زندگی کے اعمال کا حساب ہوگا)

اولا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بیان فرمائی جو اول الانسان اور اصل الانسان ہیں اور فرمایا کہ ہم نے انسان کو طین یعنی کیچڑ کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے پوری زمین سے ایک مٹھی مٹی لے لی (اس مٹھی سے انسان کا پتلا بنایا پہلے خشک مٹی تھی پھر پانی ڈالا گیا تو کیچڑ بن گئی پھر اس کیچڑ سے پتلا بنایا گیا۔ پھر اس میں روح پھونک دی) سو آدم کی اولاد زمین کے اسی حصہ کے مطابق وجود میں آئی جس کو زمین کا حصہ پہنچ گیا۔ ان میں سرخ بھی ہیں سفید بھی' کالے بھی اور ان کے درمیان بھی (یہ رنگ کے اعتبار سے ہوا) نرم بھی ہیں اور سخت بھی' اور خبیث بھی اور طیب بھی (یہ فرق مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے ہوا) رواہ الترمذی وابوداؤد (ا۔مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲)

یہ جو زمین سے مٹی لی گئی تھی جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اسے **سلالة من طين** (کیچڑ کا خلاصہ فرمایا) یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ الانسان سے حضرت آدم علیہ السلام کی شخصیت مراد لی جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ **سلالة من طين** سے غذائیں مراد ہیں جنہیں انسان کھاتا ہے پھر ان سے خون بنتا ہے پھر خون سے منی کا نطفہ بنتا ہے پھر اس نطفہ سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے انسان کو (یعنی کچھ مدت کے بعد پیدا ہونے والے بچہ کو) نطفہ بنایا نطفہ کی حالت میں ٹھہرنے کی جگہ یعنی ماں کے رحم میں رکھ دیا۔ یہ نطفہ رحم مادر میں مقررہ وقت تک رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس نطفہ کو علقہ یعنی جما ہوا خون بنا دیتا ہے' پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ جما ہوا خون اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مضغہ یعنی بوٹی بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس بوٹی کے بعض حصوں کی ہڈیاں بنا دیتا ہے' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتا ہے' پھر اس میں اللہ کے حکم سے روح پھونک دی جاتی ہے۔ شروع میں تو نطفہ بے جان تھا پھر اتنے ادوار سے گذرا پھر ماں کے پیٹ سے باہر آیا تو کان آنکھ ناک والی بنی بنائی جاندار مورتی سامنے آ گئی' اسی کو فرمایا۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ. (پھر ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دی) فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (سو بابرکت ہے اللہ جو تمام صناعین یعنی کاریگروں سے بہتر ہے) دوسرے جو کاریگر ہیں وہ تو خود ہی اللہ کی مخلوق ہیں ان کو اللہ نے جیسا چاہا پیدا فرمایا اور ان میں جو کوئی کاریگر کسی طرح کی کوئی کاریگری دکھاتا ہے اسے اسکی کوئی طاقت نہیں ہے کہ کسی چیز کو وجود میں لے آئے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ جو چیزیں ہیں انہی میں جوڑ توڑ لگا کر اور کچھ تراش خراش کر کے کوئی چیز بنا لیتے ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل فہم اور سمع و بصر سے ہوتا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (پھر بلاشبہ تم اس کے بعد ضرور ہی مرجانے والے ہو) ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر سات طرائق پیدا کئے ہیں اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں۔ اور ہم نے

السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا

آسمان سے خاص مقدار کے مطابق پانی اتارا پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر قادر ہیں پھر ہم نے

لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اس کے ذریعہ تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کئے ان میں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو اور ہم نے

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

ایک درخت پیدا کیا جو طور سیناء سے تیل لئے ہوئے اگتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اگتا ہے۔

آسمانوں کی تخلیق، خاص مقدار کے موافق بارش ہونا اور اسکے ذریعہ باغیچوں میں پیداوار ہونا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے آسمانوں کو پیدا فرمانے اور آسمان سے پانی برسانے اور اسکے ذریعہ درخت اگانے کا تذکرہ فرمایا یہ سب انسانوں کے لئے بڑی بڑی نعمتیں ہیں۔

اول یوں فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر سَبْعَ طَرَآئِقَ یعنی سات راستے بنائے ہیں مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے سات آسمان مراد ہیں ان کو سبع طرائق یا تو اس لئے فرمایا ہے کہ سات آسمان اوپر نیچے بنائے ہیں اور یا اس اعتبار سے سبع طرائق فرمایا کہ ان میں فرشتوں کے آنے جانے کے راستے ہیں مزید فرمایا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ (اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں) یعنی بے خبر نہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے نہ پہلے غافل تھا اور نہ اب غافل ہے کوئی بڑی مخلوق ہو یا چھوٹی اس نے اپنی حکمت کے موافق جس کو جیسا چاہا اور جب چاہا پیدا فرمادیا۔

ثانیاً یوں فرمایا کہ ہم نے آسمان سے ایک مقدار کے مطابق پانی نازل فرمایا پانی اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو سیلاب آجاتا ہے اس سے انسان اور جانوروں اور کھیتوں کو نقصان پہنچ جاتا ہے اور اگر پانی کم برسے تو اس سے ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ عموماً اللہ تعالیٰ مناسب مقدار میں پانی پیدا فرماتا ہے یہ پانی کھیتوں میں اور باغوں میں پہنچتا ہے جسکی وجہ سے سبزی اور شادابی آجاتی ہے۔ اور پانی کا ایک بہت بڑا حصہ تالابوں میں گڑھوں میں اور ندیوں میں ٹھہر جاتا ہے اس پانی سے انسان پیتے بھی ہیں اور نہاتے بھی ہیں اور دوسری ضرورتوں میں بھی استعمال کرتے ہیں نیز جانور بھی پانی پیتے ہیں اگر پانی ایک دم برس کر بہہ کر چلا جائے اور اللہ تعالیٰ اسے زمین میں نہ ٹھہرائے تو مذکورہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے زمین میں ٹھہرانے سے پہلے یا بعد میں اس پانی کو معدوم کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اسی کو فرمایا ہے وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ

لَقٰدِرُوْنَ (اور بلاشبہ ہم اسکو معدوم کرنے پر ضرور قادر ہیں)

ثالثاً یوں فرمایا کہ پانی کے ذریعہ کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے ان کھجوروں اور باغوں میں تمہارے لئے منافع ہیں' ایک نفع تو یہ ہے کہ تروتازہ مال ہے درخت سے توڑو اور کھاؤ' میٹھا بھی ہے اور مزے دار بھی' قوت صحت کے لئے بھی مفید ہے نہ پکانے کی ضرورت نہ مسالہ نمک ملانے کی حاجت' اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کو سکھا کر رکھ لیتے ہیں جو میوے بن جاتے ہیں اور ان میووں کو اگلی فصل تک کھاتے رہتے ہیں انگور سے منقیٰ اور کشمش تیار کر لیتے ہیں اور کھجوروں سے چھوارے بنا لیتے ہیں اسکو فرمایا لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور انگور کے باغ پیدا کئے اس میں تمہارے لئے میوے ہیں اور اس میں سے تم کھاتے ہو)

پھر فرمایا وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ (اور ہم نے تمہارے لئے ایک درخت کو پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے) وہ تیل لیکر اور کھانے والوں کے لئے سالن لیکر اگتا ہے اس سے زیتون کا درخت مراد ہے۔ اس کو سورۃ النور میں شجرہ مبارکہ (برکت والا درخت) فرمایا ہے اور سورہ والتین میں اللہ تعالیٰ نے اسکی قسم کھائی ہے' یہ درخت بڑے منافع اور فوائد کا درخت ہے اس کے دو فائدے تو یہاں اسی آیت میں بیان فرما دیئے ہیں۔ اول یہ کہ اس کا تیل بہت نافع ہے بہت سے کاموں میں آتا ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں روٹی ڈبو کر کھاتے ہیں اور سالن کی جگہ استعمال کرتے ہیں' اور خود زیتون کے دانے بھی روٹی سے اور بغیر روٹی کے کھائے جاتے ہیں زیتون کا درخت زیادہ تر ملک شام میں ہوتا ہے شام ہی میں طور سیناء ہے جسے سورۃ والتین میں وطور سینین فرمایا ہے یہ تو عام طور سے پڑھے لکھے لوگ جانتے ہی ہیں کہ طور ایک پہاڑ ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے مصر کو آتے ہوئے آگ دیکھی تھی پھر جب وہاں آگ لینے کے لئے گئے تو پہلی بار خالق کائنات جل مجدہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا اب رہی یہ بات کہ سیناء اور سینین کا کیا مطلب ہے؟ سو حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا کہ یہ دونوں برکت کے معنی میں ہیں اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے۔

الجبل الحسن اور حضرت مجاہد تابعی کا ایک یہ قول ہے کہ سیناء مخصوص پتھروں کا نام ہے جو طور پہاڑ کے پاس ہوتے ہیں اس لئے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے اور حضرت عکرمہ نے فرمایا سیناء اس جگہ کا نام ہے جس میں طور پہاڑ واقع ہے۔ (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۳۰۶)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے ہم انہیں میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں بہت منافع ہیں

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان میں سے تم کھاتے ہو اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر اٹھائے جاتے ہیں

جانوروں کے منافع، کشتیوں پر بار برداری کا نظام

تفسیر: درختوں کے فوائد بتانے کے بعد چوپاؤں کے منافع بیان فرمائے' انسانوں کو ان سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں ان کا دودھ بھی پیتے ہیں گوشت بھی کھاتے ہیں ان کے بالوں کو کاٹ کر کپڑے اور اوڑھنے بچھونے کی چیزیں بنالیتے ہیں اور ان پر سوار ہوتے ہیں۔ جیسے بنی آدم کی نسلیں چل رہی ہیں اسی طرح چوپایوں میں بھی تناسل کا سلسلہ چل رہا ہے اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کے لئے مسخر فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔

اخر میں کشتیوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہیں سامان لادتے ہیں اور دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ کشتیاں بنانے کا الہام فرمانا اور ان کے بنانے کے طریقے سکھانا پھر پانی میں ان کا جاری فرمانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ سورۃ البقرہ میں وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ کی تفسیر کا مطالعہ کرلیا جائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ

ڈرتے نہیں ہو' سو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ یہ شخص تمہارے ہی جیسا آدمی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ

اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

تم پر فضیلت والا بن کر رہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل فرما دیتا ہم نے تو یہ بات اپنے باپ دادوں میں نہیں سنی جو ہم سے پہلے تھے

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کو جنون ہو گیا ہے سو تم کچھ وقت تک اس کا انتظار کرلو۔ نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا

انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمائیے سو ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنالو پھر جب ہمارا حکم پہنچے

وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ

اور تنور سے پانی پھوٹ نکلے تو ہر جوڑے سے دو عدد یعنی ایک ایک نر ایک ایک مادہ کشتی میں داخل کر دینا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے اسکے جس پر ان میں سے پہلے

الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ

بات طے ہو چکی ہے۔ اور ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا' بلا شبہ وہ غرق کئے جانے والے ہیں' سو جب تم اور

اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾

وہ لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں ٹھیک طرح کشتی میں بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی'

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ

اور تم یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے برکت کا اتارنا اتاریو اور آپ اتارنے والوں میں سب سے بہتر ہیں' بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اور

كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾

بلاشبہ ہم ضرور آزمانے والے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا' اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق آب ہونا

تفسیر: اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید اور ان کی قوم کی تکذیب کی وجہ سے طوفان میں غرق کئے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی ان کے بتوں کے نام سورہ نوح کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرو تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اللہ کی طرف سے تمہاری گرفت ہو جائے اور تم پر عذاب آ جائے۔ ہر قوم کے سردار اور چودھری حق قبول کرنے سے بچتے ہیں نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے عوام کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ عوام میں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں وہ آگے بڑھنے اور حق قبول کرنے کی ہمت کر لیتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے چودھری اور سرداروں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص جو اپنے بارے میں کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اس میں ہمیں تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی جیسے تم آدمی ہو ایسا ہی یہ آدمی ہے' مقصد اس کا یہ ہے کہ تمہارا بڑا بن کر رہے اور تم اس کے ماتحت رہو اگر اللہ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو اسکے لئے فرشتوں کو نازل فرما دیتا جو ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا یہ جو کہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور صرف ایک معبود کی عبادت کرو اور اسی ایک معبود کو تنہا وحدہٗ لا شریک بتاتا ہے یہ بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی جو ہم سے پہلے گذر گئے' ان چودھریوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں تو یہ بات آتی ہے کہ اس شخص پر دیوانگی سوار ہے دیکھو اسکا معاملہ کس کل بیٹھتا ہے تم انتظار کر لو۔ ممکن ہے کہ اسکی دیوانگی ختم ہو جائے اور بہر حال اس کو موت تو آ ہی جائے گی موت پڑ تو اسکے سارے دعوے رکھے ہی رہ جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے میری مدد فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور عظیم طوفان آیا جس میں سب کافر غرق ہو گئے اللہ تعالیٰ نے پہلے تو انہیں کشتی بنانے کا حکم فرمایا پھر جب کشتی بنالی تو حکم فرمایا کہ اس میں اپنے اہل وعیال کو اور تمام مومنین کو (جو تھوڑے سے تھے) ساتھ لیکر سوار ہو جاؤ۔ ہاں تمہارے اہل وعیال میں سے جو شخص ایمان نہیں لایا اسے اپنے ساتھ سوار نہ کرنا اور ان کے بارے میں مجھ سے خطاب بھی نہ کرنا یعنی ان کی نجات کے بارے میں درخواست نہ کرنا کیونکہ یہ لوگ ڈبوئے جانے والے ہیں' (حضرت نوح علیہ السلام کے بیوی اور ایک بیٹا ایمان نہیں لایا تھا) جو جانور چرندے پرندے اور دوسری چیزیں زمین پر بسنے والی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک ایک جوڑا لیکر کشتی میں سوار کرلو' کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ طوفان کے بعد ان کے بھی نسلیں چلیں' چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو بھی کشتی میں سوار فرمالیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم فرمایا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی اچھی طرح کشتی میں سوار ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہنا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوت سے نجات دی) اور مزید یہ دعا بھی تلقین فرمائی رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (اے میرے رب مجھے ایسی جگہ میں اتاریئے جو مبارک ہو اور آپ سب سے بہتر اتارنے والوں میں سے ہیں)

جب کشتی میں سوار ہوئے تو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا پڑھا (اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا) اور سوار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھی جو ابھی اوپر مذکور ہوئی' طوفان کی ابتداء کس طرح ہو گی یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ پہلے تنور سے پانی ابلنا شروع ہو گا تنور سے پانی کی ابتداء ہوئی اور زمین کے دوسرے حصوں سے بھی خوب پانی نکلا اور آسمان سے بھی خوب پانی برسا۔ کافر سارے ڈوب گئے کشتی والوں کو نجات ہوئی اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی' پھر اہل ایمان زمین پر آئے دوبارہ آبادی شروع ہوئی جس کی تفصیل سورہ ہود کے چوتھے رکوع کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں) وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ (اور بلاشبہ ہم ضرور آزمانے والے ہیں) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو آزمایا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے انہیں نصیحت فرمائی اور توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں ان کا امتحان تھا انہوں نے ظاہری دنیا ہی کو دیکھا اپنے سرداروں کی بات مانی حق کو قبول نہ کیا ہلاک کر دیئے گئے۔ یہ سلسلہ آزمائش اب بھی جاری ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا

پھر ہم نے ان کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا پھر ہم نے ان میں سے رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ

اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کہ تم نہیں ڈرتے ہو۔ اس رسول کی قوم کے چودھری جنہوں نے کفر اختیار کیا اور

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ

آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا میں عیش کی زندگی دی تھی انہوں نے کہا یہ تو تمہارا جیسا ہی آدمی ہے اسی میں سے یہ کھاتا ہے

مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا

جس سے تم کھاتے ہو اور اسی میں پیتا ہے جس سے تم پیتے ہو، اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی بات مان لی تو بلاشبہ تم ضرور ہی

لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ

نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے، کیا یہ شخص تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے دور ہے

هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾

دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یہ تو بس دنیا والی ہی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

یہ کچھ نہیں بس یہ صرف ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس پیغمبر نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ

انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمائیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ پشیمان ہوں گے سو ان لوگوں کو سچے وعدہ کے موافق سخت

غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

چیخ نے پکڑ لیا، پھر ہم نے انہیں خس و خاشاک کر دیا۔ سو دوری ہے ظالم قوم کے لئے

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ایک دوسرے نبی کی بعثت اور ان کی قوم کی تکذیب اور ہلاکت

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین میں بسنے والی قوموں کی ہدایت کے لئے کثیر تعداد میں اللہ تعالیٰ کے رسول آئے، مذکورہ بالا آیات میں ایک رسول اور انکی امت کی تکذیب کا پھر چیخ سے ہلاک ہونے کا تذکرہ ہے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے حضرت ھود یا حضرت صالح علیہ السلام مراد ہیں۔ پہلے قول کو اس اعتبار سے ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ سورہ اعراف اور سورہ ھود اور سورہ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بعد ہی حضرت ھود علیہ السلام اور

ان کی قوم عاد کا تذکرہ فرمایا ہے اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم سخت چیز کے ذریعہ ہلاک ہوئی (کمافی سورہ ھود) اور یہاں جس رسول کی امت کی ہلاکت کا ذکر ہے انکی ہلاکت بھی سخت چیخ کے ذریعہ بتائی ہے تو اس سے قول ثانی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ والعلم عند اللہ الکریم۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ایک اور جماعت کو پیدا کیا ان میں بھی رسول بھیجا' یہ رسول انہیں میں سے تھا اس نے بھی ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تم وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو تمہیں ڈرنا چاہئے کہ اس کی وجہ سے تم پر کوئی عذاب نہ آ جائے' ان کی قوم کے چودھری اور سردار جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا تھا اور آخرت کے منکر تھے اور دنیا کے عیش وعشرت میں مگن تھے کہنے لگے جی یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے یہ تو تمہارا ہی جیسا آدمی ہے جس سے تم کھاتے ہو یہ بھی اسی سے کھاتا ہے جس سے تم پیتے ہو یہ اسی سے پیتا ہے' اگر یہ رسول ہوتا تو اس میں کوئی امتیازی بات ہوتی' اگر تم نے ایسے شخص کی بات مانی جو تمہارا ہی جیسا شخص ہے تو تم نقصان اور گھاٹے والے ہو جاؤ گے' اس شخص کی بات پر وہی ایمان لا سکتا ہے جسکی عقل کا دیوالیہ ہو چکا ہو' کیا اسکی باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں؟ یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور بالکل مٹی اور ہڈیاں رہ جاؤ گے' تو قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے یہ جو بات تمہیں بتا رہا ہے عقل وفہم سے دور ہے۔ (یعنی ایسا ہونے والا نہیں ہے)

ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہی دنیا والی زندگی ہے اس میں موت وحیات کا سلسلہ جاری ہم مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ بات کہ مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جائیں گے پھر حساب کتاب کے لئے پیشی ہو گی یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے جو مر گیا سو مر گیا اب کہاں کا زندہ ہونا اور قبروں سے اٹھنا؟

یہ شخص جو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس کے بارے میں ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ جب ان کی قوم نے انکی بات ماننے سے انکار کیا تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں وہی دعا کی جو حضرت نوح علیہ السلام نے کی تھی کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سے مدد کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے کہ یہ لوگ نادم اور پشیمان ہونگے جب عذاب آئے گا تو پچھتائیں گے اللہ تعالیٰ نے جو اپنے رسول سے وعدہ فرمایا تھا حق تھا اس نے اپنے رسول کی مدد فرمائی اور جھٹلانے والوں کے لئے ایک زبردست چیخ بھیج دی جسکی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے ان کا وجود خس وخاشاک اور کوڑا کرکٹ کی طرح ہو کر رہ گیا' سو ظالم قوم کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے ان پر اللہ کی مار ہے اور پھٹکار ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

پھر ہم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کیا کوئی امت اپنی اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

پھر ہم نے یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو ہم بعض کو بعض کے پیچھے وجود میں لاتے رہے

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ

اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا' سو اس قوم کے لئے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتے' پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

اپنی آیات اور کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ اونچے تھے

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ

سو ان لوگوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے' سو ان دونوں کو انہوں نے جھٹلایا لہٰذا وہ ہلاک کئے جانے والے لوگوں میں

الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ

شامل کر دیئے گئے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ لوگ ہدایت پائیں' اور ہم نے ابن مریم اور انکی والدہ کو ایک نشانی بنا دیا

وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسے ٹیلہ پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کی اور پانی جاری ہونے کی جگہ تھی۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ' فرعون اور اس کے درباریوں کا تکبر اور تکذیب اور ہلاکت

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمانے کے بعد ایک اور رسول کی تشریف آوری کا اور انکی امت کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا پھر فرمایا کہ ہم نے انکے بعد اور بہت سی جماعتیں پیدا کیں' ان سے حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قومیں اور انکے علاوہ جو قومیں تھیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کے باعث ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے قضاو قدر میں جس امت کے ہلاک ہونے کا جو وقت مقرر تھا ہر امت ٹھیک اسی وقت میں ہلاک کی گئی۔ نہ وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہوئی اور نہ اس وقت سے موخر ہوئی۔

قولہ تعالیٰ تترا من المتواترة وهو التتابع مع فصل و مهلة والتاء الا ولى بدل من الواو كما فى تراث وجمهور القراء والعرب على عدم تنوينه فالفه للتانيث كالف دعوى و ذكرى و معناه ثم ارسلنا رسلنا متواترين وقرأ ابن كثير و ابو عمر وتترى بالتنوين وهو لغة كنانة (اللہ تعالیٰ کا ارشاد "تترا" یہ متواترۃ سے ہے اور اس کا مطلب ہے فاصلہ اور مہلت کے ساتھ تسلسل کا جاری رہنا۔ پہلی تاء واؤ کے بدلہ میں ہے جیسا کہ تراث میں ہے۔ جمہور قراء اور عرب اس پر تنوین نہ ہونے کے قائل ہیں لہٰذا اس کی الف تانیث کے لئے ہے جیسے دعویٰ' ذکریٰ کی الف اور اس کا معنی ہے پھر ہم نے مسلسل اپنے رسول بھیجے اور ابن کثیر وابو عمرو نے تتریٰ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ کنانۃ کی لغت ہے) (راجع روح المعانی ج ۱۸ صفحہ ۳۴)

فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا (سو ہم بعض کو بعض کے بعد وجود میں لاتے رہے) یعنی ایک قوم گئی اور اسکے بعد دوسری قوم آ گئی برابر ایسا ہی ہوتا رہا جیسے وجود میں آنا آگے پیچھے تھا اسی طرح ہلاک ہونے میں بھی آگے پیچھے تھے ایک قوم آئی رسول کو جھٹلایا وہ ہلاک ہوئی دوسری قوم آئی اس نے بھی اپنے رسول کو جھٹلایا وہ بھی ہلاک ہو گئی اسی طرح سلسلہ جاری رہا' وَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ (اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا) یعنی وہ لوگ رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ایسے برباد ہوئے اور ایسے گئے کہ بعد کے آنے والے صرف کہانیوں کے طور پر ان کا ذکر کرتے ہیں کہ اس نام کی بھی کوئی قوم تھی اور فلاں علاقے میں بھی کبھی لوگ آباد تھے' کیا تو انکے بڑے بڑے دعوے تھے اور کیا ان کا یہ انجام ہوا کہ بس کہانیوں کی طرح لوگ ان کا تذکرہ کرتے ہیں فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (سو دوری ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں کیونکہ غیر مومن کو اللہ کی رحمت شامل نہ ہوگی وہ ہمیشہ لعنت میں رہیں گے۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ (الآیات الاربع) یعنی مذکورہ اقوام کے بعد ہم نے موسیٰ اور انکے بھائی ہارون کو اپنی آیات اور سلطان مبین دے کر بھیجا مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو سورہ انفال کی آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ اور اسکی بعد والی آیت میں مذکور ہیں اور سلطان مبین (حجۃ واضحۃ) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مراد ہے۔ حضرت موسیٰ اور انکے بھائی ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا ان لوگوں نے تکبر اختیار کیا انہیں دنیا میں جو برتری حاصل تھی اسکی وجہ سے اپنے کو بڑا سمجھتے تھے یہ تکبر انہیں لے ڈوبا کہنے لگے یہ دونوں آدمی جو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کیا ہم ان پر ایمان لے آئیں حالانکہ یہ دونوں جس قوم کے فرد ہیں یعنی بنی اسرائیل وہ تو ہمارے فرماں بردار ہیں' یہ انکی پوری قوم جن میں یہ بھی شامل ہیں ہم سے بہت زیادہ کمتر ہیں ہم مخدوم ہیں یہ خادم ہیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس قوم کے دو آدمیوں کو پیغمبر مان لیں جو ہمارے ماتحت ہیں جو لوگ ہم سے دب کے رہتے ہیں ان کو اپنے سے برتر کیسے سمجھ لیں؟ وہ لوگ ایسی ہی باتیں کرتے رہے' اللہ تعالیٰ کے دونوں پیغمبروں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے یعنی سمندر میں ڈبو دیئے گئے۔

اسکے بعد فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ ہدایت پا جائیں) جب فرعون اور اسکی قوم غرق ہو کر ہلاک ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے قوم بنی اسرائیل کو لیکر دریا پار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ شریف عطا فرمائی۔ جب تک بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں تھے احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے عاجز تھے اس لئے انہیں تفصیلی احکام اس وقت دیئے جب فرعون کی گرفت سے نکل گئے یہ احکام توراۃ شریف کے ذریعہ دیئے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی توراۃ شریف کے بارے میں سورۂ انعام میں فرمایا ہے وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بنی اسرائیل نے کیا کیا حرکتیں کیں ان کا ذکر سورہ بقرہ میں اور سورہ انعام میں گذر چکا ہے۔

حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

آخر میں فرمایا وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً (اور ہم نے ابن مریم اور انکی والدہ کو نشانی بنادیا) ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہونا جبکہ کسی بشر نے انکی والدہ کو چھوا تک نہ تھا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے (جو سورۂ آل عمران اور سورہ مائدہ میں بیان ہو چکے ہیں) ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے قدرت کی نشانیاں ہیں یاد رہے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کا ابن فلاں کہہ کر تذکرہ نہیں فرمایا اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جگہ جگہ ابن مریم فرمایا ہے اور سورہ مریم میں واضح طور پر فرمادیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن اب بعض ملحدوں اور زندیق یوں کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف تھا اس طرح سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام پر بھی بدکرداری کی تہمت دھرتے ہیں۔ لعنهم الله تعالیٰ

مزید فرمایا۔ وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ (اور ہم نے ان دونوں کو اونچی جگہ پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کی جگہ تھی اور جس میں پانی جاری تھا) مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں رہنے کے لئے بلند جگہ عطا کی (جہاں اچھی طرح رہ سکتے تھے وہاں کھیتیاں تھیں پھل پھول تھے) نیز پانی بھی جاری تھا پانی جو کھیتوں کو اور باغات کو سیراب کرتا تھا اور اس کے دیکھنے سے دل خوش ہوتا۔ اس بلند جگہ سے کون سی جگہ مراد ہے اسکے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن سلام صحابیؓ (جو پہلے یہود میں سے تھے) انہوں نے فرمایا کہ اس سے دمشق مراد ہے، حضرت سعید بن المسیب تابعی کا بھی یہ قول ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے رملہ مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے بیت المقدس مراد ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ صفحہ ۳۱)

یہ تو اکابر کے اقوال ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں اب دور حاضر کے بعض زندیقوں کی بات سنو وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی قبر کشمیر میں ہے یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل نہیں اور سورۂ نساء میں جو وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ فرمایا ہے اس کے منکر ہیں۔ فلعنة الله على الكاذبين۔

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس تھا جو نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کی سرداری ہوگی صغر سن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا الہام ربانی سے حضرت مریم علیہا السلام ان کو لے کر مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں چلی آئیں (كذافى الروح وفتح المنان عن انجيل متى وروى فى الدر المنثور تفسير الربوة عن ابن عباس ووهب وابن زيد بمصر و عن زيد بن اسلم بالاسكندريه ايضا بمصر) (روح المعانی اور فتح المنان میں انجیل متی سے اس طرح منقول ہے اور تفسیر در منثور میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت وہب سے ربوہ کی تفسیر شہر سے مروی ہے اور زید بن اسلم سے ربوہ کی تفسیر اسکندریہ سے مروی ہے اور وہ بھی شہر ہے) اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ماء معین رود نیل ہے۔ والله اعلم انتهى

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ﴿۵۱﴾

اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو بلاشبہ میں ان کاموں کو جانتا ہوں جنہیں تم کرتے ہو

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

اور بلاشبہ یہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو سوان لوگوں نے الگ الگ طریقہ اختیار کر کے آپس میں

زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ

ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہر جماعت کے لوگ اس سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے سو آپ انہیں ایک وقت تک ان کی جہالت میں چھوڑ دیں کیا

اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور بیٹے دیئے جاتے ہیں ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ وہ شعور نہیں رکھتے

طیبات کھانے کا حکم، متفرق ادیان بنا کر مختلف جماعتیں بنانے والوں کا تذکرہ، مال اور اولاد کا خیر ہونا ضروری نہیں ہے

تفسیر: یہ چھ آیات ہیں پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو حکم دیا کہ تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ پاک ہے اور وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جو حکم دیا ہے وہی مومنین کو حکم فرمایا ہے رسولوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے یٰۤاَیُّھَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اے رسولو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو) اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (اے ایمان والو تمہیں جو پاکیزہ چیزیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ) الحدیث رواہ مسلم ج ۱ صفحہ ۳۲۶۔

یہ حکم تین چیزوں پر مشتمل ہے ایک یہ ہے کہ حرام اور خبیث چیزیں نہ کھائیں دوسرے یہ کہ جو پاکیزہ چیز نصیب ہو اسے کھالیں تیسرے یہ کہ کھائیں بھی اور نیک عمل بھی کریں، پاکیزہ چیزیں کھانے سے جو صحت اور قوت حاصل ہوا سے اللہ کی فرماں برداری میں خرچ کریں۔ اسکے احکام پر عمل کریں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے منتفع ہونا اور انہیں گناہوں میں لگانا یہ ناشکری ہے، سورہ سبا میں فرمایا كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ (کھاؤ اپنے رب کے رزق سے اور اس کا شکر ادا کرو) کوئی شخص بھی عمل کرے یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے سب اعمال کا علم ہے اعمال صالحہ باعث اجر و ثواب اور برے اعمال آخرت میں مواخذہ کا سبب ہیں۔ دوسری اور تیسری آیت میں فرمایا کہ یہ جو دین ہم نے تمہیں دیا ہے یہی تمہارا طریقہ ہے

اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی دین تھا اس دین کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد احد اور صمد مانو اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرو یعنی اسے رب مانو اور اس سے ڈرو اور موت سے ڈرو۔ اور موت کے بعد جی اٹھنے پر بھی ایمان لاؤ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں صحیح عقائد رکھنے کا حکم بھی آ گیا اور قیامت پر ایمان لانے پر بھی اور فرائض وواجبات کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے کا بھی، دین توحید جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے ذریعہ بھیجا بہت سی اقوام نے اسے اختیار نہیں کیا اور اپنی طرف سے عقائد تجویز کر لئے اور اعمال بنا لئے ان جماعتوں میں ہر ہر جماعت اپنے خود تراشیدہ دین پر ہے اور سب اپنے اپنے دین پر خوش ہیں اور مگن ہیں، جو لوگ دین سماوی کے مدعی ہیں ان کا بھی یہی حال ہے اور انکے علاوہ جو دوسرے ادیان کے ماننے والے ہیں وہ بھی اسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، انہیں خود بھی اقرار ہے کہ ہم جس دین پر ہیں اسکے بارے میں ایسی کوئی سند حجت اور دلیل نہیں ہے جس سے یہ ثابت کر سکیں کہ اپنے اس دین پر چلنے سے آخرت میں نجات ہوگی اور یہ کہ جس دین پر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، مدعیان اسلام میں بھی بہت سی ایسی جماعتیں ہین جو اس دین پر نہیں ہیں، جو سید الانبیاء ﷺ لے کر آئے تھے ان میں وہ لوگ بھی ہین جو قرآن مجید کی تحریف کے قائل ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے امام کو تحلیل اور تحریم کا اختیار دیتے ہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہمارے امام میں اللہ تعالیٰ نے حلول فرمایا ہے اور وہ لوگ بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں اور سب اپنے اپنے خیال میں مست ہیں اپنے عقیدہ کے خلاف سوچنے کو تیار نہیں ہیں، جو قرآن کو اور قرآن کی تصریحات کو نہ مانیں بھلا وہ کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں؟ لیکن ان لوگوں کو زبردستی اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے قاتلھم اللہ انی یوفکون۔

چوتھی آیت میں یہ فرمایا کہ اے رسول (ﷺ) آپ نے انہیں تبلیغ کر دی ہے حق واضح کر دیا بات سمجھا دی اب یہ آپکی دعوت پر لبیک نہیں کہتے تو انہیں ایک خاص وقت تک انکی جہالت پر چھوڑ دیجئے جب یہ لوگ مریں گے تو انہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں یہ بتایا کہ یہ جو منکرین اور مکذبین آپ پر ایمان نہیں لاتے اور دنیاوی اعتبار سے ہم انہیں بڑھا رہے ہیں اور ترقی دے رہے ہیں اموال بھی بڑھ رہے ہیں اور بیٹوں کی بھی چہل پہل ہے کیا ان لوگوں کو یہ خیال ہے کہ ہم انہیں فائدے پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ ان کا یہ سمجھنا غلط ہے یہ تو ہماری طرف سے استدراج یعنی ڈھیل ہے یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں انہیں معلوم نہیں کہ ہم کفر کے ساتھ جو اموال و اولاد میں ترقی دیتے ہیں یہ اسلئے ہوتی ہے کہ لوگ ان چیزوں سے مغرور ہو کر اور زیادہ سرکشی اختیار کریں اور پھر بہت زیادہ عذاب میں مبتلا ہوں۔

فائدہ: كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کو عمل صالح میں بڑا دخل ہے، جب غذا حلال ہوتی ہے تو خود بخود اعمال صالحہ کی رغبت ہوتی ہے اور غذا حرام ہو تو اعمال صالحہ کی طرف طبیعت نہیں چلتی، حرام

حرام کی طرف کھینچتا ہے اور گناہ کرواتا ہے۔ عموماً اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ
بلاشبہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب
يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ
کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور جو لوگ کچھ دیتے ہیں تو اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل
وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا
اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس لوٹنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ان کی طرف
سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا
دوڑ رہے ہیں۔ ہم کسی جان کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق کے ساتھ ہے بیان کردے گی
يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾
اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

نیک بندوں کی صفات

تفسیر: ان آیات میں نیک بندوں کی مزید صفات بیان فرمائی ہیں۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں دوسرے یہ فرمایا کہ وہ اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ فرمایا کہ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے چوتھے یہ فرمایا کہ وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس خرچ کرنے پر انہیں کوئی سخاوت کا گھمنڈ اور غرور نہیں ہوتا بلکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے وہاں یہ مال خرچ کرنا قبول ہوتا ہے یا نہیں وہاں پہنچ کر کیا صورت حال ہو یہاں کچھ نہیں کہہ سکتے' مال پوری طرح حلال تھا یا نہیں' نیت خالص اللہ کی رضا کے لئے تھی یا اس میں کچھ ریا کاری ملی ہوئی تھی وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات کی مذکورہ بالا صفات بیان فرما کر ان کی تعریف فرمائی کہ یہ لوگ خیرات یعنی نیک کاموں کی طرف جلدی جلدی بڑھتے ہیں اور نیک کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں۔ اہل دنیا میں اموال کمانے میں مسابقت کرنے یعنی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے جذبات ہوتے ہیں اور ان لوگوں میں ایسے کاموں میں آگے بڑھنے کے جذبات ہیں جن کی وجہ سے آخرت میں زیادہ سے زیادہ نعمتیں ملیں۔

یہ جو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کے پاس جانا ہے اسکے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ جن لوگوں کے دل ڈر رہے ہیں

کیا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس سے یہ لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ یہ (عبادات) ان سے قبول نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو خیرات یعنی اعمال صالحہ میں جلدی کرتے ہیں (رواہ الترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارے اعمال اپنے طور پر اخلاص نیت کے ساتھ ٹھیک طریقہ پر ادا کرنے کے باوجود بھی ڈرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے اعمال قبول ہوتے ہیں یا نہیں، اول تو ضروری نہیں ہے کہ ہر کام پوری طرح درست ہی ہو گیا ہو۔ کمی کوتاہی کا اور نیت کی خرابی کا کچھ نہ کچھ احتمال ہر عمل کے ساتھ لگا ہوا ہے کوئی شخص کیسے یقین کر سکتا ہے کہ میرا سب کچھ درست ہے اور لائق قبول ہے، اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا اور اعمال صالحہ کی بھی توفیق دی، اور اس کا مزید کرم یہ ہے کہ اعمال کو قبول فرما کر اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے، اگر وہ چاہتا تو اعمال کا حکم بھی دیتا اور عمل کرنے کے بعد کچھ بھی نہ دیتا، وہ مالک ہے حاکم ہے حقیقت میں اس کے ذمہ کسی کا کوئی حق نہیں، اجر و ثواب عطا اور بخشش اور فضل ہی فضل ہے۔

جو حضرات اس حقیقت کو جانتے ہیں وہ اچھے سے اچھا عمل بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ دیکھو قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے نماز میں پڑھنے کے لئے کوئی دعا بتائیے آپ نے فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو۔ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیر او لا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم (اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور آپ کے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا سو آپ اپنے پاس سے میری بڑی مغفرت فرمائیے بلاشبہ آپ بخشنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں) غور کرنے کی بات ہے پڑھی ہے نماز وہ بھی ابوبکر صدیق نے اور جو دعا بتائی جا رہی ہے اس کی ابتدا یہاں سے ہے کہ اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا، اسی لئے عارفین نے فرمایا کہ ہر اچھے عمل کے آخر میں بھی استغفار کر لینا چاہئے، استغفار جہاں گناہوں کے معاف ہونے کا ذریعہ ہے وہاں اعمال کی کمی اور کوتاہی کی تلافی کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کیا آپ کا عمل بھی آپ کو نجات نہیں دلائے گا آپ نے فرمایا ہاں میرا بھی یہ حال ہے الا یہ کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ دے۔

آخر میں فرمایا وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (ہم کسی جان کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے) جس شخص کو جو حکم دیا ہے وہ اس کی طاقت سے باہر نہیں ہے اور ہر شخص کا عمل محفوظ ہے کتاب میں لکھا ہوا ہے قیامت کے دن وہ کتاب حق کے ساتھ بولے گی سب کو ظاہر کر دیگی۔ جب جزا سزا ملے گی تو کسی پر ذرا سا ظلم بھی نہ ہو گا اسی کو فرمایا: وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ہماری کتاب ہے جو حق کے ساتھ بیان دیگی اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

بلکہ ان کے دل اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں علاوہ اور بھی ان کے اعمال ہیں جنہیں وہ کرتے ہیں

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا

یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیں گے تو وہ چلائیں گے آج مت چلاؤ بلاشبہ آج ہماری طرف سے

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

تمہاری مدد نہیں کی جائے گی تم پر میری آیات تلاوت کی جاتی تھیں سو تم تکبر کرتے ہوئے قرآن کو مشغلہ بناتے ہوئے بے ہودہ باتیں کرتے ہوئے الٹے پاؤں

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ

بھاگ جاتے تھے، کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان سے پہلے ان کے بڑوں کے پاس

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ

نہیں آئی یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا سو وہ ان کے منکر ہو رہے ہیں یا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس کو دیوانگی ہے

بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق لیکر آیا ہے اور ان میں اکثر وہ ہیں جو حق کو مکروہ جانتے ہیں۔

کافروں کا حق سے منہ موڑنا، تکبر کرنا، اور تدبر سے دور رہنا

تفسیر: اوپر اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا اب ان آیات میں منکرین کے احوال اور اعمال بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے دل میں جہالت نے جگہ پکڑ رکھی ہے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ان کے دل جہالت سے بھرے ہوئے ہیں تکذیب و انکار کے علاوہ دیگر اعمال خبیثہ کا بھی ارتکاب کرتے ہیں یہ لوگ اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو پکڑ لیں گے اور ان پر عذاب بھیج دیں گے تو فوراً چلا اٹھیں گے، جب پہلے حق کی دعوت دی گئی تبلیغ کی گئی تو حق کو ٹھکرایا اور بات نہ مانی اب جب عذاب آ گیا تو چلانے لگے ان سے کہا جائے گا اب چیخ پکار نہ کرو اب ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تم پر میری آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو تم تکبر کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے اور تم نے قرآن کو مشغلہ بنا رکھا تھا کہ اس کی شان میں بے ہودہ بکواس کرتے تھے قرآن کے بارے میں باتیں بناتے تھے کوئی شخص اسے کہتا تھا کہ پرانے لوگوں کی باتیں سن لی ہیں انہیں سناتے رہتے ہیں کوئی شعر بتاتا تھا۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ بہ کی ضمیر حرم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں کعبہ کا متولی ہونے پر ناز تھا مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ رہنے اور بے خوف زندگی گزارنے کی وجہ سے اپنے کو بڑا سمجھتے تھے اور حرم میں بیٹھ کر راتوں رات مجلسیں کرتے اور اول فول بکتے تھے اور اللہ کی ہدایت کی طرف کان نہیں دھرتے تھے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کے منکر ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور انکار کا کیا سبب ہے' کیا انہوں نے اس میں غور نہیں کیا اگر غور کرتے تو اس کی فصاحت اور بلاغت کو دیکھ لیتے اور اس کی مضامین عالیہ سے متاثر ہوتے' غور وفکر کے بغیر ہی جھٹلا رہے ہیں کیا جھٹلانے کا سبب یہی عدم تدبر ہے یا یہ بات ہے کہ ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی؟ مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں پہلے سے رسولوں کی باتیں نہیں پہنچی ہوتیں اور سلسلہ نبوت و رسالت سے ناواقف ہوتے تب بھی ایک بہانہ ہوتا کہ یہ ایک نئی چیز ہے ہم اسے نہیں مانتے لیکن ان کے پاس یہ بہانہ بھی نہیں ہے کیونکہ انہیں اس کا علم ہے کہ اللہ کی طرف سے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری رہا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جانتے مانتے تھے حج اسی لئے کرتے تھے کہ انہوں نے سکھایا اور بتایا تھا۔

مزید فرمایا کیا یہ لوگ قرآن کی اس لئے تکذیب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا؟ مطلب یہ ہے کہ یہ بات بھی نہیں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پہچانا ہو' بچپن سے لیکر جوانی تک پھر جوانی سے لیکر نبوت سے سرفراز ہونے تک پھر نبوت سے سرفراز ہونے سے لیکر آج تک انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آزمایا ہے آپ کے صفات کریمہ اور اخلاق عالیہ سے واقف ہیں آپ کو صادق اور امین جانتے ہوئے کیوں جھٹلا رہے ہیں؟ اگر آپ کو نہ جانتے ہوتے تو یہ بھی ایک بہانہ بن سکتا تھا لیکن اس بہانہ کا بھی کوئی بہانہ نہیں ہے۔

پھر فرمایا کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ رسول دیوانگی سے متاثر ہے حالانکہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آپ عقل وفہم کے اعتبار سے بلند مقام پر ہیں تو پھر آپ کی نبوت کے منکر کیوں ہیں؟ بات یہ ہے کہ آپ کی ذات اور آپکی دعوت کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے نہ آپکی بات نئی ہے نہ آپکی سچائی اور امانت میں کلام ہے اور آپکی طرف جو دیوانگی کی نسبت کرتے ہیں وہ بھی غلط ہے لہٰذا ان کا جھٹلانا کسی دلیل اور حجت کے باعث نہیں ہیں بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ بلکہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حق بات لیکر آئے اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت کرتے ہیں اصل وجہ تکذیب کی یہ ہے کہ انہیں حق سے بغض اور عناد ہے اور اکثرھم اس لئے فرمایا کہ ان میں سے بعض کا اسلام قبول کرنا مقدر تھا۔

لفظ غمرۃ ڈھانپنے کے معنی میں آتا ہے اور ایسے گہرے پانی کو بھی کہتے ہیں جس میں آدمی ڈوب جائے یہاں اس کا حاصل معنی یعنی جہالت کا کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ایسا پردہ پڑا ہے کہ کسی طرف سے بھی علم وفہم کا گزر نہیں ہے اور مترفیھم جمع ہے جو میم جمع کی طرف مضاف ہے' عربی میں خوش حال آدمی کو مترف کہا جاتا ہے جب عذاب آتا ہے تو پکڑے تو سبھی جاتے ہیں لیکن خوش حال افراد کا ذکر خاص کر اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ نہ خود حق قبول کرتے ہیں نہ

عوام کو قبول کرنے دیتے ہیں دوسرے اس لئے کہ ان کے پاس مصائب سے بچنے کا انتظام ہوتا ہے اور چونکہ انہیں صبر تحمل کی عادت نہیں ہوتی اس سے پہلے یہی لوگ بلبلاتے ہیں' علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آیت بالا میں جس گرفت کا ذکر ہے اس سے مشرکین مکہ کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

قوله تعالٰی به سامرا تهجرون قال البغوی فی معالم التنزیل اختلفوا فی هذه الکنایة فاظهر الاقاویل انها تعود الی البیت الحرام کنایة عن غیر مذکور' ای مستکبرین متعظمین بالبیت الحرام وتعظمهم به انهم کانوا یقولون نحن اهل حرم الله وجیران بیته فلا یظهر علینا احد ولا نخاف احدا فیا منون فیه وسائر الناس فی الخوف' هذا قول ابن عباس ومجاهد وجماعة وقیل مستکبرین به ای بالقرآن فلم یؤمنوا به والاول اظهر المراد منه الحرم (سامرا) نصب علی الحال ای انهم یسمرون باللیل فی مجالسهم حول البیت ووحد سامرا وهو بمعنی السمار لانه وضع موضع الوقت' اراد تهجرون لیلا وقیل وحد سامرا ومعناه الجمع کقوله (ثم نخرجکم طفلا) (تهجرون) قرأ نافع (تهجرون) بضم التاء وکسر الجیم من الاهجار وهو الافحاش فی القول' ای تفحشون وتقولون الخنا وذکر انهم کانوا یسبون النبی ﷺ واصحابه وقرأ الآخرون (تهجرون) بفتح التاء وضم الجیم ای تعرضون عن النبی ﷺ وعن الایمان والقرآن و ترفضونها وقیل هو من الهجر وهو القول القبیح یقال هجر یهجر هجرا اذا قال غیر الحق وقیل تهزؤن وتقولون مالا تعلمون من قولهم هجر الرجل فی منامه اذا هذی. (اللہ تعالیٰ کا ارشاد به سامراً تهجرون علامہ بغویؒ تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں اس کنایہ میں اختلاف ہے سب سے زیادہ راجح قول یہ ہے کہ یہ بیت اللہ کی طرف لوٹتا ہے غیر مذکور سے کنایہ ہے یا تکبر کرتے ہوئے بیت الحرام کی وجہ سے عظمت کا اظہار کرتے ہوئے اور اس سے اپنی عظمت کا دعویٰ کرتے ہوئے وہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے ہیں اور اس کے گھر کے پڑوسی ہیں لہٰذا ہم پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہم کسی سے ڈرتے ہیں پس وہ اس میں امن سے رہ رہے ہیں اور باقی سب لوگ خوف میں ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس حضرت مجاہد اور ایک جماعت کا قول ہے بعض نے کہا مستکبرین به سے مراد قرآن پاک سے تکبر کرتے ہوئے کہ اس پر ایمان نہیں لائے۔ پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ کہ اس سے مراد حرم ہے۔ سامراً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وہ رات کو کعبۃ اللہ کے اردگرد بیٹھ کر اپنی مجلسوں میں باتیں کرتے ہیں۔ سامراً واحد ہے اور سمار کے معنی میں ہے کیونکہ یہ وقت کی جگہ ہے مراد یہ ہے کہ تم رات کو باتیں کرتے ہو بعض نے کہا سامراً واحد ہے مگر اس کا معنی جمع والا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول ثم نخرجکم طفلاً میں ہے تهجرون: تاء کے ضمہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اهجار مصدر سے ہے اور اس کا مطلب ہے بات میں فحش اختیار کرنا یعنی تم فحش گوئی کرتے ہو اور بدگوئی کرتے ہو اور مذکور ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو برا بھلا کہتے تھے۔ دیگر حضرت نے تهجرون تاء کے فتحہ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے اعراض کرتے ہو اور اسے چھوڑتے ہو اور بعض نے کہا یہ ہجر سے ہے اور وہ کہتے ہیں بری بات کو کہا جاتا ہے۔ ھجر یھجر ھجرا جب کوئی ناحق بات کہے اور بعض نے کہا تم استہزاء کرتے ہو اور وہ کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے ھجر الرجل فی منامه سے ہے جب وہ ہلایا جائے)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ

اور اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان اور زمین اور جو ان کے اندر ہیں سب تباہ ہو جائے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت بھیجی ہے

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ

سو وہ اپنی نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں' کیا آپ ان سے کچھ آمدنی کا سوال کرتے ہیں سو آپ کے رب کی آمدنی بہتر ہے اور وہ سب

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

دینے والوں سے بہتر ہے' اور بلاشبہ آپ انہیں صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے'

بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

وہ راستے سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی کریں اور وہ جس تکلیف میں ہیں اسے دور کر دیں تو وہ اپنی سرکشی میں بھٹکے ہوئے

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا

اصرار کرتے رہیں گے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انہیں عذاب میں گرفتار کیا سو وہ اپنے رب کے سامنے نہ جھکے اور نہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

عاجزی اختیار کی یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دیں گے تو اچانک وہ اس میں حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے۔

منکرین کی خواہشوں کا اتباع کیا جائے تو آسمان وزمین میں فساد آجائے کافر راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں

تفسیر: یہ سات آیات ہیں ان میں پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ حق لوگوں کے خلاف اور ان کی خواہشوں کے تابع نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہو جائے تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے کیونکہ جب حق لوگوں کے خواہشوں کے تابع ہوگا تو حق ہی نہیں رہے گا اگر لوگوں کو کھلی چھٹی دیدی جائے کہ اپنی اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں کریں تو وہ اپنی طبیعتوں کے مطابق کفر و شرک کو اختیار کریں گے اور برے اعمال ہی کی طرف چلیں گے جب ایسا ہوگا تو سب قہر الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے اور غضب الٰہی کا نزول ہوگا تو خود بھی ہلاک ہوں گے اور آسمان و زمین بھی اور ان میں جو کچھ ہے وہ بھی۔

کیونکہ سارے عالم کا بقا اہل ایمان کے بقا سے ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا (رواہ مسلم)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت بھیجی ہے سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں) نصیحت ربانی سے منہ موڑ کر اپنی جہالتوں اور ضلالتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دوسری اور تیسری آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے ارشاد فرمایا کیا آپ ان سے کچھ آمدنی کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ایمان قبول نہیں کرتے' یہ استفہام انکاری ہے' مطلب یہ ہے کہ آپ ان سے کوئی پیسہ کوڑی طلب نہیں کرتے تا کہ یہ یوں کہیں کہ یہ نبوت و رسالت والی بات اس لئے چلائی ہے کہ لوگ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کو کچھ دیا کریں جب آپ کی طرف سے دعوت ایمان کی ساری محنت بالکل للہ فی اللہ ہے ذرا سا بھی شائبہ کسی طرح کی دنیا طلبی کا نہیں ہے تو پھر انہیں کفر پر جمے رہنے کے لئے اس بات کو بہانہ بنانے کا بھی موقع نہیں ہے کہ دنیا کے لالچ کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں' اور آپ کو کسی مخلوق سے کچھ چاہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے اور جو کچھ عطا فرمائے گا وہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر عطا فرمانے والا ہے' پھر ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں آپ اپنے کام میں لگے رہیں۔ چوتھی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ

سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں حق واضح ہو جانے پر بھی صراط مستقیم پر نہیں آتے، پانچویں آیت میں فرمایا کہ اگر ہم ان پر مہربانی کر دیں اور وہ جن تکلیفوں میں مبتلا ہیں انہیں دور کر دیں تو اس کی وجہ سے شکر گزار نہ ہوں گے اور ایمان کی راہ اختیار نہ کریں گے بلکہ برابر سرکشی کرتے رہیں گے، یہ انسان کا مزاج ہے کہ خوش حالی میں اور آرام و راحت میں صراط مستقیم سے ہٹ کر چلتا ہے اور مزید بغاوت پر کمر باندھ لیتا ہے جیسا کہ سورۂ زمر میں فرمایا وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (اور آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو جس کے لئے پہلے سے پکار رہا تھا اس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے)

چھٹی اور ساتویں آیت میں یہ فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو بعض اوقات عذاب میں گرفتار کیا لیکن اس وقت بھی ان لوگوں نے اپنے رب کے حضور میں فروتنی اور عاجزی اختیار نہ کی۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کی سرکشی پر ان کے لئے بددعا فرما دی کہ یا اللہ ان پر قحط کے ایسے سال بھیج دے جیسے یوسف علیہ السلام کے عہد میں بھیجے تھے جب قحط پڑا اور بہت ہی بدحالی کا سامنا ہوا تو ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، آپ یہ نہیں فرماتے کہ میں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں یہ بات ضرور کہتا ہوں، اس پر ابوسفیان نے کہا ہمارے بڑوں کو تو آپ نے (بدر میں) تہ تیغ کر دیا اور اب ہمارے بیٹوں کو بھوک سے مار رہے ہیں، اللہ سے دعا کر دیجئے کہ ہمارے قحط کی مصیبت کو دور فرما دے، آپ نے دعا فرما دی جس سے ان کی مصیبت دور ہو گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ (آخر تک) نازل فرمائی اس میں یہ بتایا کہ ان لوگوں پر مصیبت آ چکی ہے پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ جھکے یعنی حسب سابق کفر پر قائم رہے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ عین عذاب کے وقت بھی اپنے رب کی طرف متوجہ نہ ہوں وہ آرام و راحت اور عافیت کے زمانے میں تو اور بھی زیادہ بغاوت اور سرکشی اختیار کریں گے۔

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں تو وہ اچانک حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے (اور وہ اس وقت بھی نہ کر سکیں گے) اس میں تنبیہ ہے اور وعید بھی ہے کہ اچانک سخت عذاب میں گرفتار کئے جا سکتے ہیں لہٰذا اس سے بچنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے نبی پر اور نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لائیں۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سخت عذاب سے مشرکین کا غزوہ بدر میں قتل ہونا مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے موت اور بعض حضرات نے قیامت قائم ہونا مراد لیا ہے اور مُبْلِسُوْنَ کا ترجمہ آئسون من کل خیر کیا ہے یعنی جب سخت عذاب کا دروازہ کھلے گا تو ہر خیر سے ناامید ہو جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ وَهُوَ

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم کم شکر ادا کرتے ہو، اور وہی ہے

الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۹ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ

جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اور اسی کے اختیار میں ہے

الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱ قَالُوْٓا ءَاِذَا

رات دن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا، سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ بلکہ انہوں نے وہ بات کہی جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی۔ انہوں نے کہا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۸۲ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ

کیا ہم جب مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، اس بات کا ہم سے اور ہم سے

قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۸۳ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ

پہلے ہمارے باپ دادوں سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے یہ بات پرانے لوگوں سے نقل ہوتی آئی ہے آپ فرمادیجئے کس کے لئے ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے

تَعْلَمُوْنَ ۝۸۴ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۸۵ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ

اگر تم جانتے ہو اس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ اللہ ہی کے لئے، آپ فرمایئے پھر کیوں غور نہیں کرتے، آپ فرمادیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا

وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝۸۶ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۸۷ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ

اور عرش عظیم کا رب کون ہے، وہ جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کے لئے ہے آپ فرمادیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ فرمایئے کہ وہ کون ہے

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۸ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

جس کے قبضے میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ یہ صفات اللہ ہی کی ہیں۔

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝۸۹ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۹۰

آپ فرمادیجئے کہ پھر تم کہاں ہو جادو کیے ہوئے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق بھیجا ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

اللہ کی تخلیق کے مظاہرے، منکرین بعث کی تردید

تفسیر: گزشتہ آیات میں منکرین کے کفر اور عناد کا ذکر تھا ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور ان امکان بعث پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صفات جلیلہ کا اقرار کرایا ہے اور انہیں بار بار متوجہ فرمایا ہے کہ سب کچھ جانتے اور مانتے ہوئے اللہ کی توحید کے منکر ہو رہے ہیں۔

اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سننے کی قوت دی ہے آنکھیں عطا فرمائی ہیں تمہارے اندر دل پیدا فرمائے ہیں دیکھو یہ کتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کی وجہ سے تم پر شکر واجب ہوتا ہے لیکن کم شکر ادا کرتے ہو یوں ہی چلتی ہوئی بات کی طرح کہہ دیتے ہو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن اللہ کے نبی اور اس کی کتاب پر ایمان نہیں لاتے' اس کی عبادت میں نہیں لگتے اس کے ساتھ شرک کرتے ہو' پھر فرمایا کہ ان سے فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے یعنی زمین میں رہتے سہتے ہو اس میں تمہاری نسلیں چل رہی ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہو جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا وہی موت دیگا' موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے' مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا ہے وہی موت دیتا ہے اور رات دن کا مختلف ہونا یعنی ایک دوسرے کے بعد آنا جانا یہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے تم اس بات کو سمجھو' اگر سمجھتے ہو تو اس کی توحید اور عبادت سے کیوں دور بھاگتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مردہ ہو کر دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں منکرین بعث وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی ان کا کہنا ہے کہ مر جانے کے بعد جب مٹی ہو جائیں گے اور گوشت پوست ختم ہو کر ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا ہم پھر زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے یہ بات کہہ کر ان کا مقصد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا ہے انہوں نے اپنی اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ یوں بھی کہا کہ اس طرح کی باتیں پہلے بھی کہی گئی ہیں ہمارے باپ دادوں سے بھی اس طرح کا وعدہ کیا گیا ہے سینکڑوں سال گزر گئے آج تک تو قیامت آئی نہیں' آنی ہوتی تو اب تک آ جاتی' یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آ رہی ہے' ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق جو قیامت کا وقت مقرر ہے اس وقت قیامت آ جائے گی اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے پورا ہو کر رہے گا لوگوں کے کہنے سے وقت سے پہلے قیامت نہیں آئے گی دیر میں آنا دلیل اس بات کی نہیں کہ آنی ہی نہیں ہے منکرین کا یہ کہنا کہ چونکہ اب تک نہیں آئی اس لئے آنی ہی نہیں محض جہالت کی بات ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے اس کے جواب میں وہ یوں ہی کہیں گے کہ اللہ ہی کے لئے ہے' ان کی طرف سے یہ جواب مل جانے پر سوال فرمایا پھر کہ تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے پھر فرمایا آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ اس کا جواب بھی یہی دیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ان کے اس جواب پر ان سے سوال فرمایئے کہ تم اس سب کا اقرار کرتے ہو پھر اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے' جاننے اور ماننے کے باوجود اس کی قدرت کا اور وقوع قیامت کا کیوں انکار کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ آپ ان سے دریافت فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہی پناہ دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ اس کے جواب میں بھی وہ یہی کہیں گے کہ

یہ سب صفات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں' ان کے اس جواب پر سوال فرمایئے کہ پھر تم کیوں ہو رہے ہو یعنی تمہارا ایسا ڈھنگ ہے جیسے تم پر جادو کر دیا گیا ہو حق اور حقیقت واضح ہو جانے کے باوجود کیوں مخبوط الحواس بنے ہوئے ہو۔

حق اور حقیقت واضح ہوتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا اقرار کرتے ہوئے پھر بھی حق کے منکر ہیں اس لئے آخر میں فرمایا بَلْ اٰتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچادیا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ

اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے' اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَیْبِ

اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر لیتا' اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں پوشیدہ

وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور آشکارا ہر چیز کا جاننے والا ہے سو وہ ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ کوئی اسکا شریک ہے' وہ مشرکوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے

تفسیر: مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بھی مانتے تھے آج بھی دنیا میں لاکھوں ایسے افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں اور خاص کر نصاریٰ تو اس میں بہت آگے ہیں' یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سب لوگوں کی تردید فرمادی جو قرآن کریم میں کئی جگہ مذکور ہے' یہاں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور یہ بھی فرمایا کہ صرف وہی معبود حقیقی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' جو لوگ اس کے علاوہ معبود مانتے ہیں ان کو سمجھانے کے لئے فرمایا کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور اس لائق ہوتا کہ اس کی عبادت کی جائے تو خالق بھی ہوتا خود کسی کی مخلوق نہ ہوتا کیونکہ جس میں خالق ہونے کی اہلیت نہیں وہ معبود ہونے کا اہل نہیں سو بالفرض اگر کوئی دوسرا معبود ہوتا تو اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو اپنے قبضہ میں رکھتا۔ اور اپنی مخلوق کو دوسرے خالق کی مخلوق سے علیحدہ رکھتا اور اپنی مخلوق پر کسی کا اختیار نہ چلنے دیتا اور مزید براں یہ ہوتا کہ ہر معبود دوسرے معبود پر چڑھائی کرتا اور دوسرے کی مخلوق پر بھی قبضہ کرنے کا نظام بناتا' لیکن سب جانتے ہیں جو کچھ وجود میں ہے ساری اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے جس کا سب کو اقرار بھی ہے اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ پورے عالم کا نظام یکسانیت کے ساتھ چل رہا ہے اس میں نہ کوئی کھینچ کھانچ ہے نہ کوئی معارضہ ہے نہ مقابلہ' اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت و ارادہ کے موافق ساری مخلوق کا نظام

چل رہا ہے جس کو اس نے جس طرح مسخر فرمایا ہر ایک اپنے اپنے کام میں اسی طرح لگا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے موافق ہے اس کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں پھر بھی شرک کرتے ہیں یہ سراپا گمراہی ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں) یعنی نہ اس کے اولاد ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہے عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کو جانتا ہے) اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سو اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں) یعنی لوگوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى

آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر وہ آپ مجھے دکھا دیں تو اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ فرمایئے اور بلا شبہ ہم اس

اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ

ہم جو وعدہ کر رہے ہیں ہمیں اس پر قدرت ہے کہ اسے آپ کو دکھا دیں آپ اس طریقے اور اس کی بد معاملگی کو دفع کیجئے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہے ہم خوب جانتے ہیں

بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ

جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

وہ میرے پاس حاضر ہوں۔

برائی کو اچھے طریقہ پر دفع کرنا اور شیاطین کے آنے اور وساوس ڈالنے سے اللہ کی پناہ لینا

تفسیر: قرآن مجید میں بہت سی جگہ کافروں پر عذاب آنے کی وعید مذکور ہے موت کے بعد تو ہر کافر کو عذاب میں داخل ہونا ہی ہے دنیا میں بھی کبھی کبھی کہیں کہیں عذاب آجاتا ہے عذاب آنے کی جو وعیدیں ہیں ان میں چونکہ کوئی تاریخ مقرر کر کے نہیں بتائی گئی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ عذاب آئے گا تو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آئے گا یا آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نازل ہوگا اس لئے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں اے میرے رب اگر آپ مجھے وہ عذاب دکھا دیں جس کا ان لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو مجھے ظالموں کے ساتھ نہ کیجئے یعنی مجھے عذاب میں مبتلا نہ فرمایئے دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو ان کے آس پاس جو لوگ ہوتے ہیں وہ بھی

مبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں یہ دنیاوی معاملہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو وہاں جو لوگ بھی موجود ہوں سب پر عذاب نازل ہوتا ہے پھر قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے (رواہ البخاری)

آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اگر میری موجودگی میں ان لوگوں پر عذاب آ جائے اور میرے دیکھتے ہوئے عذاب آنا ہی ہے تو مجھے ظالموں کے ساتھ نہ رکھئے' آپ اللہ کے معصوم نبی تھے جب تکذیب کرنے والی امتوں پر عذاب آتا تھا تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان حضرات کے متبعین عذاب سے محفوظ رہتے تھے' پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مذکورہ بالا دعا کی۔ تلقین فرمائی اس میں ایک تو آپ کو اس طرف متوجہ فرمایا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور خوف وخشیت کی شان ہونی چاہئے اور ساتھ ہی دیگر مومنین کو بھی تلقین ہوگئی کہ یہ دعا کیا کریں' اس میں حضرات صحابہؓ کو بھی خطاب ہوگیا اور بعد میں آنے والے اہل ایمان کو بھی۔

پھر فرمایا وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِیَکَ مَا نَعِدُھُمْ لَقٰدِرُوْنَ (اور ہم اس بات پر ضرور قادر ہیں کہ ان سے جو وعدہ کر رہے ہیں وہ آپ کو دکھا دیں) اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ہم آپ کی موجودگی میں انہیں عذاب میں مبتلا نہ کریں گے یعنی ایسا عذاب نہ بھیجیں گے جس سے یہ سب تباہ وبرباد ہو جائیں اور بعض لوگوں پر خاص حالات میں دنیا میں عذاب کا آ جانا اس کے منافی نہیں ہے آپ کے وجود گرامی کی وجہ سے عمومی عذاب نہ آئے یہ موعود تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یہ قدرت حاصل ہے کہ جب چاہے جن لوگوں پر چاہے عذاب بھیج دے۔

پھر فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (آپ اس طریقے پر ان کی بدمعاملگی کو دفع کیجئے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہے) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تلقین فرمائی ہے کہ آپ برائی کو یعنی کافروں کی ایذا رسانی کو دفع کرتے رہیں اور ان کے شر کا دفعیہ اچھے سے اچھے طریقہ پر کرتے رہیں' برائی کے مقابلہ میں خوش اخلاقی اختیار کرنا اور درگزر سے کام لینا اور اپنی طرف سے اچھا برتاؤ کرنا اس سے دشمنوں کی ایذا ختم یا کم ہو جاتی ہے پھر اخلاق عالیہ کا بھی یہی تقاضا ہے سورۃ حم سجدہ میں فرمایا وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (اور اچھائی اور برائی برابر نہیں ہیں' ایسے طریقے پر دفعیہ کیجئے جو اچھے سے اچھا طریقہ ہو جب ایسا کرو گے تو وہ شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے خالص دوست ہو جائے گا) بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہوگیا حالانکہ منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں کیونکہ مکارم اخلاق کا استعمال تو ہمیشہ ہی ضروری ہے۔

پھر فرمایا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ (ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ آپ کی نسبت کہتے ہیں) ہم اپنے علم کے مطابق انہیں سزا دے دیں گے۔

اس کے بعد ایک اور دعا تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ

رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں) یہ دعا بہت اہم اور ضروری ہے ہر مسلمان کو یاد کرنی چاہئے بار بار پڑھنی چاہئے شیاطین پیچھے لگے رہتے ہیں وسوسے ڈالتے ہیں ان سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دعا بہت اہم ہے جب رسول اللہ ﷺ کو شیاطین سے محفوظ رہنے کے لئے تلقین فرمائی تو اور کون شخص ہے جسے شیاطین کے وسوسوں سے محفوظ ہونے کی دعاء سے بے نیازی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند میں گھبرا جائے تو یہ الفاظ پڑھے اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشیاطین وان یحضرون ان کلمات کو پڑھ لے تو اسے (شیاطین) ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) میں اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ اس کے غصہ سے اور اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس حاضر ہوں پناہ لیتا ہوں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا

یہاں تک کہ جب اس کے پاس موت آ پہنچے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس کیجئے تاکہ میں جس کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں نیک عمل کروں،

تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا

ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ بات ہے جس کا وہ کہنے والا ہے اور ان کے آگے اٹھائے جانے کے دن تک برزخ ہے سو جب

نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ

صور پھونکا جائے گا تو اس روز ان میں باہمی رشتے نہ رہیں گے وہ نہ آپس میں ایک دوسرے کو پوچھیں گے، سو جن کے وزن بھاری ہوں گے تو

فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کرلیا،

فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ

ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے، کیا تمہارے پاس میری

اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾

آیتیں نہیں آئیں جو تمہارے اوپر تلاوت کی جاتی تھیں پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے

رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ

اور اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو بلاشبہ ہم ظالم ہوں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو بلاشبہ

كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۰۹﴾

بات یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی جو یوں دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو آپ ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۱۱۰﴾ إِنِّي

سو تم نے ان کو مذاق بنا لیا یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنستے تھے بلاشبہ

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۱۱﴾

آج میں نے انہیں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

برزخ اور محشر کے احوال واھوال' کافروں کی دعا قبول نہ ہونا' کافروں کا دنیا میں مذاق بنانا

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ کفر پر جمے ہوئے ہیں ان کی کافرانہ زندگی اسی طرح گزرتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سر پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اور آخرت کے حالات کا معائنہ ہونے لگتا ہے اور روح قبض کرنے والے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں (جو بری طرح کافر کی روح قبض کرتے ہیں اور اسے مارتے جاتے ہیں) تو اس وقت وہ اپنی زندگی پر نادم ہوتا ہے اور پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یوں عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے اسی دنیا میں لوٹا دیجئے اور موت کو ہٹا دیجئے امید ہے کہ اب میں واپس ہو کر نیک کام کروں گا یعنی آپ کے رسول کی تصدیق بھی کروں گا اور اعمال کے اعتبار سے بھی درست رہوں گا اچھے اعمال میں لگا رہوں گا' اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کلا (ہرگز نہیں) (یعنی اب تو مرنا ہی ہے واپسی نہیں ہو سکتی) واپسی کی کوئی صورت نہیں جب موت کا وقت آ گیا تو اب اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا (یہ ایک بات ہے جسے وہ کہتا ہے) لیکن اس کی بات کے موافق فیصلہ ہونے والا نہیں ہے وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (اور ان کے آگے اس دن تک برزخ ہے جس دن اٹھائے جائیں گے) برزخ حاجز یعنی آڑ کو کہتے ہیں جو دو حالتوں یا دو چیزوں کے درمیان حائل ہو موت کے بعد سے قیامت قائم ہونے تک کا جو وقفہ ہے اسے برزخ کہا جاتا ہے جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو برزخ میں چلا جاتا ہے مومن صالح اچھی حالت میں ہیں اور کافر برابر عذاب میں رہتا ہے۔ جس کسی کے سر پر موت آ کھڑی ہو تو وہ ٹلنے والی نہیں روح نکلی اور عالم برزخ میں پہنچ گئی اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ماں کے پیٹ سے دنیا میں آ گیا اب واپس وہاں نہ جائے گا اور جب موت آ گئی تو دنیا میں واپس نہ آئے گا اور جب قیامت آئے گی تو قبروں میں واپس نہیں لوٹائے جائیں گے اور قیامت کے دن کے حساب کتاب سے فارغ ہو کر جو حضرات جنت میں بھیج دیئے جائیں

گے وہاں سے واپس نہ ہونگے اور کافر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور وہ وہاں سے واپس نہ ہونگے' حاصل یہ ہے کہ ہر بعد والی منزل میں پہنچ کر پہلی منزل کی طرف واپس نہ ہونگے' ہاں بعض مسلمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جو دوزخ میں چلے جائیں گے وہ عذاب بھگت کر وہاں سے نکال لئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اب وہاں سے انہیں پھر کہیں جانا نہ ہوگا ان کو دوزخ سے اس لئے نکال دیا جائے گا کہ اس میں ان کو مستقل طریقہ پر داخل نہیں کیا جائے گا (مستقل طور پر کافر ہی دوزخ میں داخل ہوں گے)

برزخ: اس وقفہ کا نام جو موت اور قیامت کے درمیان ہے جو لوگ دفن کئے جاتے ہیں اور جو لوگ جلا دیئے جاتے ہیں اور جنہیں جانور کھا جاتے ہیں ان سب پر برزخ کے احوال گزرتے ہیں اور ہر ایک کے اپنے اپنے دین اور اعمال کے اعتبار سے وہاں اچھی زندگی والے بھی ہیں اور بری زندگی والے بھی' جیسا کہ احادیث شریفہ میں تفصیل آئی ہے ہم نے ایک رسالہ میں ایک احوال کو جمع کر دیا ہے۔

پھر فرمایا فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (سو جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن نسب باقی نہ رہیں گے اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے) اس میں یہ بتایا کہ برزخ کا زمانہ گزرنے کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو لوگوں کے آپس کے جو انساب یعنی رشتہ داریوں کے تعلقات تھے وہ اس وقت ختم ہو جائیں گے یعنی کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے دور ہونے اور بھاگنے کی راہ اختیار کریں گے سورۃ عبس میں فرمایا ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہونے دیگا)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب دوسری بار صور پھونک دیا جائے گا تو مرد اور عورت جو بھی ہو اولین و آخرین سب کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اور ایک پکارنے والا پکاریگا کہ یہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے جس کسی کا اس پر حق ہو اپنا حق لینے کے لئے آ جائے یہ اعلان سن کر انسان کا یہ حال ہوگا کہ وہ اس بات سے خوش ہوگا کہ اچھا ہے کہ میرے باپ پر یا میری اولاد پر یا میری بیوی پر یا میرے بھائی پر میرا کچھ حق نکل آئے تو وصول کرلوں (وہاں نیکی برائیوں کے ذریعہ لین دین ہوگا) اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت کریمہ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ کی تلاوت فرمائی۔

اور حضرت ابن مسعود سے فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ کی ایک تفسیر یوں نقل کی گئی ہے کہ اس دن آپس میں نسب پر فخر نہ کریں گے جیسا کہ دنیا میں کرتے ہیں اور نہ آپس میں یوں سوال کریں گے کہ تم ہمارے رشتہ دار تھے بحق رشتہ داری یہاں کچھ مدد کرو۔

یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہاں وَلَا یَتَسَآءَلُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت میں وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ فرمایا ہے اس میں بظاہر تعارض سا ہے اگر وَلَا یَتَسَآءَلُوْنَ کی یہ تفسیر کی جائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے مدد اور

صلہ رحمی کا سوال نہیں کریں گے جو نسب کی بنیاد پر ہو اور مدد کے لئے کوئی کسی کو نہ پوچھے گا تو کوئی تعارض نہیں رہتا کیونکہ دوسری آیت میں جس سوال کا ذکر ہے وہ سوال رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ قیامت کے احوال مختلف ہونگے کسی وقت بہت زیادہ خوف کی شدت ہوگی تو آپس میں کوئی سوال نہ کریں گے اور بعض مواقع میں جب ہوش وحواس ٹھیک ہونگے تو آپس میں کچھ پوچھ پاچھ کرلیں گے (معالم التنزیل بزیادۃ ج ۳ ص ۳۱۸-۳۱۷)

اس کے بعد قیامت کے دن کی تول کا تذکرہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سو جن کی تولیں بھاری ہونگی یعنی نیکیاں وزن دار ہونگی سو یہ لوگ کامیاب ہونگے) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ (اور جس کی تولیں ہلکی ہونگی سو یہ وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کرلیا وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) وزن اعمال کے بارے میں ضروری تفصیل اور تحقیق سورۂ اعراف کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (انوار البیان ج ۳)

اس کے بعد اہل جہنم کے عذاب اور ان کی بدصورتی کا تذکرہ فرمایا ارشاد ہے تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی اور ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دوزخی کو آگ بھون ڈالے گی جس سے اس کا اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر اس کی ناف پر پہنچ جائے گا (رواہ الترمذی)

اس کے بعد ایک سوال کے جواب کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (کیا تمہارے پاس میری آیات نہیں آئی تھیں جو تم پر پڑھی جاتی تھیں سو تم انہیں جھٹلاتے تھے) قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ (وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے)

یہ لوگ اپنی بدبختی اور گمراہی کا اقرار کرتے ہوئے یوں بھی عرض کریں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکال دیجئے سو اگر ہم پھر اسی طور طریقہ کو اختیار کریں تو بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے ہونگے)

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اسی میں پھٹکارے ہوئے دور ہو جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو) سنن ترمذی میں ہے کہ اس کے بعد دوزخی ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور گدھوں کی طرح چیخنے چلانے اور حسرت اور واویلا کرنے میں لگ جائیں گے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ان کے چہرے بدل جائیں گے، صورتیں مسخ ہو جائیں گی، حتیٰ کہ بعض مومن شفاعت لیکر آئیں گے لیکن دوزخیوں میں سے کسی کو پہچانیں گے نہیں۔ دوزخی ان کو دیکھ کر کہیں گے کہ میں فلاں ہوں مگر وہ کہیں گے کہ غلط کہتے ہو ہم تم کو نہیں پہچانتے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۸ ج ۳)

اِخْسَؤُا فِیْهَا کے جواب کے بعد دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے وہ اسی میں جلتے رہیں گے (ایضاً)

اللہ تعالیٰ کا مزید فرمان ہوگا اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ (بلاشبہ میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو یوں دعا کرتے تھے) کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں اس جماعت کو تم نے مذاق اور ٹھٹھہ اور مسخرہ پن کا نشانہ بنالیا تھا اور تم اس درجہ ان کے پیچھے پڑے کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلا دی یعنی تم ان کو مذاق بنانے میں ایسے لگے کہ میری یاد کی تمہیں فرصت ہی نہیں رہی۔ تم ان کا مذاق بھی بناتے تھے اور ان سے ہنستے بھی تھے تم نے اپنے کئے کا نتیجہ بھگت لیا اور ہمیشہ کے لئے دوزخ میں چلے گئے اور انہوں نے اپنے ایمان اور عمل صالحہ کا پھل پالیا آج میں نے انہیں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہیں (وہ ہمیشہ کے لئے جنت میں چلے گئے) سورۂ آل عمران میں فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (سو جو شخص دوزخ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ ہی کامیاب ہوا)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم برسوں کی گنتی کے اعتبار سے زمین میں کتنے دن رہے وہ کہیں گے کہ ایک یا ایک دن سے بھی کم رہے سو آپ گننے والوں سے

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا

سوال فرما لیجئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے اگر تم جانتے ہو، کہ کیا تم نے یہ خیال کیا کہ ہم نے تمہیں بطور عبث پیدا کیا

وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ

اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔ سو برتر ہے اللہ جو بادشاہ ہے حق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش

الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ

کریم کا رب ہے اور جو کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

بلاشبہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوں گے اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب بخش دیجئے اور رحم فرمایئے بلاشبہ آپ رحم کرنے والوں میں سے سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ برتر ہے ملک ہے حق ہے

وحدہ لاشریک ہے کافر کامیاب نہیں ہوں گے

تفسیر: کافروں سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ بھی سوال ہوگا کہ تم زمین میں برسوں کی گنتی کے اعتبار سے کتنے دن رہے؟ وہ وہاں ہیبت اور ہول دلی کی وجہ سے ہوش و حواس گم کر چکے ہونگے اس لئے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں تو کچھ ایسا خیال

آتا ہے کہ ایک دن یا اس سے بھی کم دنیا میں رہے ہونگے اور صحیح بات یہ ہے کہ ہمیں یاد ہی نہیں ہے شمار کرنے والوں سے یعنی فرشتوں سے سوال فرما لیجئے ہماری عمروں کا صحیح حساب ان کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم دنیا میں تھوڑی ہی مدت رہے وہاں جتنے دن بھی زندگی گزاری وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی ہی ہے وہ دار الفنا تھا اب دار القرار میں آئے ہو۔ یہاں موت نہیں ہے اگر تم دنیا میں ہی حقیقت کو سمجھ لیتے۔ اور موت کے بعد زندہ ہو کر حساب کتاب کی پیشی کا یقین کر لیتے تو تمہارے حق میں اچھا ہوتا۔

مزید ارشاد ہوگا کہ تم نے دنیا میں جو زندگی گزاری اس میں تم یہ جانتے تھے کہ ہمارے خالق نے ہمیں پیدا کیا ہے کیا یہ بات جاننے کے باوجود تم نے یہ نہ سمجھا کہ ہمارے خالق کا ہم پر حق ہے وہ حکیم مطلق ہے اس نے ہمیں حکمت کے موافق پیدا کیا ہے تم نے اس حقیقت کو نہ سمجھا اور الٹے یوں سمجھے کہ ہماری پیدائش بطور عبث ہے اس میں خالق جل مجدہ کی نہ کوئی حکمت ہے اور نہ ہمیں مر کر اپنے خالق کی طرف واپس لوٹنا ہے تمہاری اس ناسمجھی اور غلط گمانی نے تمہیں برباد کر دیا اور آج تمہیں دوزخ میں جانا پڑا سورۃ حم سجدہ میں ہے وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (اور تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اس نے تمہیں ہلاک کر دیا سو تم خسارہ والوں میں ہو گئے) فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (سو برتر ہے اللہ جو بادشاہ ہے حق ہے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے) سب سے بڑا بادشاہ ہے ملک الملوک ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی معبود ماننا یہ بہت بڑی بغاوت ہے یہ باغی یوں نہ سمجھیں کہ ہمارا کوئی مواخذہ اور محاسبہ نہ ہوگا۔ محاسبہ ضرور ہوگا اور کافر لوگ وہاں میدان آخرت میں ناکام ہونگے۔ یعنی دوزخ میں جائیں گے مشرکین جو شرک کرتے ہیں ان کے پاس اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اسی کو فرمایا کہ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا بلاشبہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہ ہونگے)

آخر میں دعا کی تلقین فرمائی وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب بخش دیجئے اور رحم فرمائیے اور آپ رحم فرمانے والوں میں سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں) اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے امت آپ کے تابع ہے ساری امت اس فرمان پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت طلب کیا کریں۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

ولقد حصل الفراغ من تفسير سورة المومنون فی اللیلة الحادیة عشر

من ربیع الاخر سنة ١٤١٥ الحمد لله اولا وآخرا وظاهرا وباطنا

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ نور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں چونسٹھ آیات اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ

یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور ہم نے اس کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا ہے اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کی ہیں تا کہ تم سمجھو۔ زنا کرنے والی عورت

وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ

اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور اللہ کے

دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

دین میں ان دونوں کے بارے میں تمہیں رحمت نہ پکڑے اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ان کی سزا کے وقت

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

مومنین کی ایک جماعت حاضر رہے

احکام شرعیہ پر عمل کرنا لازمی ہے زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے ہیں

تفسیر: اس سورت کا پانچواں رکوع اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع ہے اس لئے یہ سورت سورۃ النور کے نام سے موسوم اور معروف ہے اس کے شروع میں عفت اور عصمت کی حفاظت کا بیان ہے اور زنا کرنیوالوں اور تہمت لگانے والوں کی سزا مذکور ہے اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے یہ سورۃ نازل کی اور اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ (فَرَضْنٰهَا) کا یہ ترجمہ اس لئے کیا گیا کہ اس سورت میں جو احکام مذکور ہیں وہ سب فرض نہیں ہیں البتہ مومن بندوں کو سب پر عمل کرنا چاہیے ان میں فرائض بھی ہیں اور غیر فرائض بھی ہیں) پھر فرمایا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کی ہیں) ان آیات میں جو احکام ہیں ان پر عمل کریں لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تا کہ نصیحت حاصل کرو)

شرعی حدود میں سختی کیوں ہے

اس کے بعد زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی سزا بیان فرمائی اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ سزا جاری کرنے میں تمہیں ان پر رحم نہ آئے۔

اللہ کے قانون کے سامنے کسی کی رورعایت اور کسی پر کوئی رحم کرنا ترس کھانا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے جب اس نے سزا کا حکم دیدیا گو وہ سزا تمہاری نظروں میں سخت ہے تو اسے نافذ کرنا ہی کرنا ہے اس نے انسان کو پیدا کیا وہ انسان کے مزاج عادت و خصلت کو پوری طرح جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ انسان اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے کونسی سزا سے زنا کاری کے جرم سے رک سکتا ہے چونکہ اس میں زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا کے ساتھ دوسروں کو عبرت دلانا بھی مقصود ہے اس لئے یہ بھی حکم دیا کہ جب ان کو زنا کی سزا دی جائے تو اس وقت مومنین کی ایک جماعت حاضر رہے بہت سے لوگ حاضر ہوں گے تو انہیں بھی عبرت حاصل ہو گی اور سزا کا واقعہ اپنی مجلسوں اور قبیلوں میں اور باہر سے آنے جانے والے مسافروں کی ملاقاتوں میں ذکر کریں گے تو سب سے عبرت ناک سزا کا چرچا ہو گا جس سے عمومی طور پر پورے ملک میں عفت و عصمت کی فضا بنے گی اور لوگ زنا کاری سے باز رہیں گے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ دور اور نزدیک اللہ کی حدود قائم کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اللہ کے حکم کے بارے میں تمہیں نہ پکڑے (رواہ ابن ماجہ) تمہیں کسی کی ملامت نہ پکڑے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کیا کرو دشمن اعتراض کریں گے اس کو نہ دیکھو۔

آجکل کی حکومتیں مخلوق کے طعن و تشنیع سے ڈرتی ہیں اور دشمنوں کے اعتراضات کا خیال کر کے شرعی حدود قائم نہیں کرتیں۔ شرعی حدود قائم کرنے میں بہت بڑی خیر ہے حدود قائم ہوں گی تو گناہ ختم ہوں گے یا کم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو گی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین میں ایک حد قائم کی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چالیس دن بارش برستی رہے (رواہ ابن ماجہ) یعنی چالیس دن بارش ہونے کا جو نفع ہے اس سے کہیں زیادہ خیرات و برکات کا نزول ہو گا جبکہ اللہ کی ایک حد قائم کر دی جائے گی۔

موجودہ حکومتوں نے رضامندی سے زنا کو کرنے کو تو قانونی طور پر جائز ہی کر رکھا ہے اور فاحشہ عورتوں کو یہ پیشہ اختیار کرنے پر لائسنس دیتی ہیں اور تھوڑی بہت جو قانونی گرفت ہے وہ زنا بالجبر پر ہے۔ لیکن بالجبر زنا کرنے والا بھی پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑا گیا تو مختصر سی جیل میں رہنے کی سزا دے دی جاتی ہے اس سزا سے بھلا زنا کار اپنی عادت بد کہاں چھوڑ سکتے ہیں جو حکومتیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجرمین پر شرعی سزائیں نافذ کرو۔ (ڈاکوؤں کو قتل کرو، چوروں کا ہاتھ کاٹو، زنا کار مرد اور عورت کو زنا کاری کی سزا دو، غیر محصن ہیں تو سو کوڑے لگاؤ اگر محصن ہیں تو سنگسار کر دو) تو اس پر ان لوگوں کو چوروں اور ڈاکوؤں اور زنا کاروں پر رحم آ جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا ہے وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (اور تمہیں اللہ کے دین کے بارے میں ان دونوں کے ساتھ رحم کے برتاؤ کا جذبہ نہ پکڑے) اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ جو سراپا کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جاری فرمودہ حدود کو ظالمانہ اور وحشیانہ سزائیں کہہ دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ پھر بھی مسلمانی کے دعویدار ہیں، مجرمین کو شرعی

سزائیں نہیں دی جاتی ہیں اس کی وجہ سے ڈاکہ اور زنا کی کثرت ہے چوریاں بھی بہت ہو رہی ہیں زنا کاری کے اڈے بھی کھلے ہوئے ہیں اور ان اڈوں کے علاوہ جگہ جگہ زنا کاری ہوتی رہتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومتوں کے نزدیک زنا کاری تو کوئی جرم ہے ہی نہیں اور چوری اور ڈکیتی پر قابو پانا بھی ان کی مصلحتوں کے خلاف ہے۔ قرآن کو نہیں دیکھتے اس کے احکام پر چلنا نہیں چاہتے اور اپنے عوام کو اور دشمنان اسلام کو راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ اور صرف حکومت باقی رکھنے کے جذبات لئے پھرتے ہیں جب یہ صورت حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے فتدبروا یا اولی الالباب۔

چند مسائل متعلقہ حد زنا

مسئلہ: جو مرد عورت آزاد ہو یعنی کسی کا مملوک نہیں عاقل ہو بالغ ہو مسلمان ہو اس کا نکاح شرعی ہوا ہو پھر آپس میں میاں بیوی والا کام بھی کیا ہو تو ایسے مرد عورت کو محصن کہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی زنا کرے تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا (یعنی پتھر مار مار کر) ہلاک کر دینا ہے اور جو مرد عورت محصن نہ ہو اگر وہ زنا کرے تو ان کی سزا سو کوڑے ہیں۔

مسئلہ: کوڑے لگاتے وقت یہ خیال کر لیا جائے کہ اگر مرد کو کوڑے لگائے جا رہے ہیں تو ستر عورت کے لئے جتنے کپڑے کی ضرورت ہے وہ اس پر باقی رہے باقی کپڑے اتار دیئے جائیں' اور اگر عورت کو کوڑے لگائے جائیں تو اس کے عام کپڑے نہ اتارے جائیں ہاں اگر اس نے لحاف اوڑھ رکھا ہے تو کوئی اور ایسی چیز پہن رکھی ہے جو مارنے کی تکلیف سے بچا سکتی ہے تو اسے بدن سے نکال لی جائے گی۔

مسئلہ: مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں۔

مسئلہ: ایسے کوڑے سے مارا جائے گا جس کے آخر میں گرہ لگی ہوئی نہ ہو اور یہ مارنا درمیانی درجہ کا ہو اور ایک ہی جگہ کوڑے نہ مارے جائیں بلکہ متفرق طور پر اعضائے جسم پر مارے جائیں البتہ سر چہرہ اور شرم گاہ پر کوئی کوڑا نہ مارا جائے۔

مسئلہ: جس زنا کار مرد یا عورت کو رجم یعنی سنگسار کرنا ہے اسے باہر میدان میں لے جائیں جن لوگوں نے زنا کی گواہی دی تھی پہلے وہ پتھر ماریں پھر امیر المومنین پتھر مارے اور اس کے بعد دوسرے لوگ ماریں اگر گواہ ابتداء کرنے سے انکاری ہو جائیں تو جرم ساقط ہو جائے گا اگر زانی کے اقرار کی وجہ سے سنگسار کیا جانے لگے تو پہلے امیر المومنین پتھر مارے اس کے بعد دوسرے لوگ' اور عورت کو رجم کرنے لگیں تو اس کے لئے گڑھا کھود کر اس میں کھڑی کر کے رجم کریں تو یہ بہتر ہوگا۔

مسئلہ: جب کسی مرد یا عورت کے بارے میں چار شخص گواہی دیدیں کہ اس نے زنا کیا ہے اور یوں کہیں کہ ہم نے ان کو یہ عمل کرتے ہوئے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو تو امیر المومنین یا قاضی ان چاروں گواہوں کے بارے میں تحقیق اور تفتیش کرے گا اگر ان کا سرًّا و علانیۃً عادل اور صالح سچا ہونا ثابت ہو جائے تو امیر المومنین یا قاضی زنا کرنے والے پر حد شرعی حسب قانون (کوڑے یا سنگسار) نافذ کر دے اگر چار گواہ نہ ہوں یا چار تو ہوں لیکن ان کا فاسق ہونا ثابت

ہو جائے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی جس کے بارے میں ان لوگوں نے زنا کی گواہی دی۔ بلکہ ان لوگوں کو حد قذف لگائی جائے گی جنہوں نے گواہی دی۔ (حد قذف سے مراد تہمت لگانے کی سزا ہے جو اسی (۸۰) کوڑے ہیں) چند اوراق کے بعد اسی رکوع میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ذکر آئے گا۔

مسئلہ: زانی کے اپنے اقرار سے بھی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے (مرد ہو یا عورت) جب اقرار کرنے والا عاقل بالغ ہو اور چار مجلسوں مین چار مرتبہ اقرار کرے تو قاضی اس سے دریافت کرے کہ زنا کیا ہوتا ہے اور تو نے کس سے زنا کیا اور کہاں زنا کیا اقرار کرنے والا جب یہ باتیں بتادے تو قاضی اس پر بھی حسب قواعد شرعیہ حد نافذ کردے گا۔

دور حاضر کے مدعیان علم کی جاہلانہ باتیں

آجکل بہت سے مدعیان علم ایسے نکلے ہیں جو اپنی جہالت کے زور پر شریعت اسلامیہ میں تحریف کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ دشمنان اسلام اور بہت سے اصحاب اقتدار ان کی سرپستی کرتے ہیں اور ان کو رشوت دے کر ان سے ایسی باتیں لکھواتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوتی ہیں۔ چودہ سو سال سے تمام عوام اور خواص یہی جانتے اور سمجھتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں زانی غیر محصن کی سزا سو کوڑے اور زانی محصن کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ اپنے علم کو جاہلانہ دعاوی میں استعمال کرنے والے اب یوں کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے ان لوگوں سے سوال ہے کہ قرآن مجید میں یہ کہاں فرمایا ہے کہ جو کچھ قرآن میں نہ ہو وہ دین اسلام نہیں ہے قرآن نے تو یہ فرمایا ہے کہ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ رسول اللہ ﷺ دیں اسے پکڑ لو اور جس سے روکیں رک جاؤ)

جب رسول اللہ ﷺ نے بعض زانیوں کو ثبوت زنا اور محصن ثابت ہونے پر سنگسار فرما دیا تو اب کس کا مقام ہے جو اس کی تردید کرے اور اسے اللہ کے دین سے نکال دے حضرت عمرؓ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی تھی کہ بعد میں آنے والے رجم کی سزا کے منکر ہوں گے اس لئے انہوں نے ایک دن منبر پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی کتاب اللہ میں جو کچھ نازل ہوا اس میں رجم یعنی سنگسار کرنے کی آیت بھی تھی ہم نے اس آیت کو پڑھا اور سمجھا اور یاد کیا رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زمانہ دراز گزرنے پر کوئی کہنے والا یوں نہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ہم رجم کی آیت کو اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے (یہ کہہ کر وہ دین اسلام میں رجم کی مشروعیت کا منکر ہوگا) جس کی وجہ سے لوگ ایک ایسے فریضہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ نے شروع فرمایا، رجمُ اللہ کی کتاب میں ہے (یعنی اس کی مشروعیت منسوخ نہیں ہوئی) حق ہے اس مرد و عورت پر جاری کی جائے گی جو محصن ہو جبکہ گواہ قائم ہو جائیں یا اقرار ہو یا کسی عورت کو حمل ہو جائے (جس حمل کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہو) (رواہ البخاری ۱۰۹) حضرت عمرؓ نے یہ جو فرمایا رجمُ اللہ کی کتاب میں ہے اس کا مطلب یہ

ہے کہ جس آیت میں یہ مضمون تھا اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی ہے اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا جن حضرات نے علم اصول فقہ پڑھا ہے وہ اس کا مطلب سمجھتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے سورۃ نساء کی آیت اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا کی طرف اشارہ ہے اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی کتاب میں واضح طور پر موجود نہیں ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دین اسلام میں رجم نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اسکو شروع فرمایا تو اللہ کی کتاب میں ہو گیا کیونکہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اللہ کے رسول کی اطاعت کتاب اللہ کے مضمون میں شامل ہے۔

یہ جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ رجم قرآن کریم میں نہیں ہے اول تو ان سے یہ سوال ہے کہ ظہر عصر اور عشاء کی چار رکعتیں مغرب کی تین اور فجر کی دو ہیں اسی کو کسی آیت میں دکھا دیں۔ زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے اس کو کسی آیت سے ثابت کریں۔ کیا وجہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے جو اسلام کے ارکان میں سے ہیں قرآن مجید کی آیت تلاش نہیں کی جاتی ان پر عمل کرنے کے لئے تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہی کافی ہے اور رجم کو دین میں مشروع سمجھنے کے لئے آیات قرآنیہ کی تلاش ہے۔ ملحد اور زندیق کا کوئی دین نہیں ہوتا اسی لئے یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ رجم اگر قرآن مجید میں نہیں ہے تو سو سو کوڑے لگانا تو ہے ارے زندیقو! تم جن حکومتوں کے نمائندے ہو ان سے سو سو کوڑے تو لگواؤ' اپنے ذرا سے علم کو منکرین اسلام کی تائید کے لئے خرچ کرنا اسی کو تو قرآن مجید نے اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ فرمایا ہے حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے من العلم جهلا وارد ہوا ہے۔

زناکاری کی مضرتیں اور عفت وعصمت کے فوائد نکاح کی فضیلت

کافروں اور ملحدوں' زندیقوں کو اسی پر تعجب ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کو کیوں حرام قرار دیا گیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مرد عورت کا اپنا ذاتی معاملہ ہے جس کا جس سے چاہے لذت حاصل کر لے ان لوگوں کی یہ بات جہالت ضلالت اور غوایت پر مبنی ہے یہ کہنا کہ بندوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں یہ بہت بڑی گمراہی ہے جب خالق کائنات جل مجدہ نے پیدا فرمایا اور سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہیں تو کسی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ خالق اور مالک کے بتائے ہوئے قانون کے خلاف زندگی گذارے' کوئی انسان خود اپنا نہیں ہے نہ اس کے اعضاء اپنے ہیں وہ تو خالق جل مجدہ کی ملکیت ہے ان اعضاء کو قانون الٰہی کے خلاف استعمال کرنا بغاوت ہے۔

اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی طبعی موانست کے لئے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا پھر ان سے انسانوں کی نسل کو جاری فرمایا' مرد عورت میں جو ایک دوسرے کی طرف فطری اور طبعی میلان ہے اس کے لئے نکاح کو مشروع فرمایا اور نکاح کے اصول قوانین مقرر فرمائے جب مرد عورت کا نکاح ہو جائے تو آپس میں ایک دوسرے سے قانون شریعت کے مطابق استمتاع اور استلذاذ جائز ہے۔ اس میں جہاں نفسیاتی ابھار کا انتظام ہے وہاں بنی آدم کی نسل چلنے

اور نسل ونسب کے پاک رکھنے اور آپس میں رحمت اور شفقت باقی رکھنے کا اور عورت کے گھر میں عزت آبرو کے ساتھ رہنے اور گھر بیٹھے ہوئے ضروریات زندگی پوری ہونے اور عفت وعصمت سے رہنے کا انتظام ہے' مرد کما کر لائے عورت گھر میں بیٹھے اور کھائے لباس بھی شوہر کے ذمہ اور رہنے کا گھر بھی' اولاد پیدا ہو تو ماں باپ کی شفقت میں پلے بڑھے۔ کوئی چچا ہو کوئی ماموں ہو کوئی دادا ہو کوئی دادی ہو کوئی خالہ ہو کوئی پھوپھی ہو ہر ایک بچے کو پیار کرے گود میں لے اور ہر ایک اس کو اپنا سمجھے صلہ رحمی کے اصول پر سب رشتہ دار دور کے ہوں یا قریب کے آپس میں ایک دوسرے سے محبت بھی کریں مالی امداد بھی کریں نکاحوں کی مجلسوں میں جمع ہوں ولیمہ کی دعوتیں کھائیں عقیقے ہوں جب کوئی مر جائے کفن دفن میں شریک ہوں یہ سب امور نکاح سے متعلق ہیں اگر نکاح نہ ہو اور عورت مردیوں ہی آپس میں اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے رہیں تو جو اولاد ہوگی وہ کسی باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگی اور جب عورت زنا کار ہے تو یہ پتہ بھی نہ چلے گا کہ کس مرد کے نطفہ سے حمل قرار پایا جب کہ باپ ہی نہیں ہے تو کون بچہ کی پرورش کرے' بچہ کو کچھ معلوم نہیں میں کس سے پیدا ہوا میرے ماں باپ کون ہیں' چونکہ باپ ہی نہیں اس لئے انگلینڈ وغیرہ میں بچوں کی ولدیت ماں کے نام سے لکھ دی جاتی ہے رشتہ داروں کی جو شفقتیں تھیں باپ کی جانب سے ہوں یا ماں کی جانب سے بچہ ان سب سے محروم رہتا ہے زنا کار عورتوں کے بھائی بہن بھی اپنی بہن کی اولاد کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جو شفقت بھری نکاح والی ماں کی اولاد پر نانا نانی اور خالہ ماموں کی ہوتی ہے' ہر سمجھ دار آدمی غور کر سکتا ہے کہ نکاح کی صورت میں جو اولاد ہو اس کی مشفقانہ تربیت اور ماں باپ کی آغوش میں پرورش ہونا انسانیت کے اکرام کا سبب ہے یا زنا کاروں کی اولاد کی حکومتوں والی پرورش اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے؟

پھر جب نکاح کا سلسلہ ہوتا ہے تو ماں باپ لڑکا اور لڑکی کے لئے جوڑا ڈھونڈتے ہیں اور آزاد لڑکے اور لڑکیاں نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لئے دوست (فرینڈ) تلاش کرتے پھرتے ہیں یہ عورت کی کتنی بڑی ذلت اور حقارت ہے کہ وہ گلی کوچوں میں کپڑے اتارے کھڑی رہے اور مردوں کو اپنی طرف لبھائے اور جو شخص اس کی طرف جھکے اس کو کچھ دن کے لئے دوست بنالے پھر جب چاہے یہ چھوڑ دے اور جب چاہے وہ چھوڑ دے' اب پھر دونوں تلاش یار میں نکلے ہیں کیا اس میں انسانیت کی مٹی پلید نہیں ہوتی پھر چونکہ عورت کا کوئی شوہر نہیں ہوتا اور جن کو دوست بنایا جاتا ہے وہ قانوناً اس کے خرچ کے ذمہ دار نہیں ہوتے اس لئے عورتیں خود کمانے پر مجبور ہو جاتی ہیں شوروموں پر کھڑی ہوئی مال سپلائی کرتی ہیں روڈ پر بیٹھ کر آنے جانے والے لوگوں کے جوتوں پر پالش کرتی ہیں' عجیب بات ہے کہ عورتوں کو یہ ذلت اور رسوائی منظور ہے اور نکاح کر کے گھر میں ملکہ بن کر بچوں کی ماں ہو کر عفت وعصمت کے ساتھ زندگی گذارنے کو ناپسند کرتی ہیں۔

اسلام نے عورت کو بڑا مقام دیا ہے وہ نکاح کر کے عفت وعصمت کی حفاظت کے ساتھ گھر کی چاردیواری میں رہے اور اس کا نکاح بھی اس کی مرضی سے ہو جس میں مہر بھی اس کی مرضی سے مقرر ہو پھر اسے ماں باپ اور اولاد اور بہن بھائی سے میراث بھی ملے۔ یہ زندگی اچھی ہے یا در بدر یار ڈھونڈتی پھریں اور زنا کرتی پھریں یہ بہتر ہے؟ کچھ تو سوچنا چاہئے' فاعتبروا یاولی الابصار

اس تمہید کے بعد اب ایک سمجھدار آدمی کے ذہن میں زنا کی شناعت اور قباحت پوری طرح آ جاتی ہے اسلام کو یہ گوارا نہیں ہے کہ نسب کا اختلاط ہو پیدا ہونے والے بچوں کے باپ کا پتہ نہ چلے یا کوئی شخص دعویدار ہو جائیں کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے۔

جو مرد عورت زنا کاری کی زندگی گذارتے ہیں ان سے حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں انسانیت کی اس سے زیادہ کیا مٹی پلید ہوگی کہ بچہ ہو اور اس کا باپ کوئی نہ ہو اہل نظر اسے حرامی کہتے ہوں یا کم از کم یوں سمجھتے ہوں کہ دیکھو وہ حرامی آ رہا ہے' یہ بات شریفوں کے لئے موت سے بہتر ہے لیکن اگر طبعی شرافت باقی نہ رہے دلوں میں انسانیت کا احترام نہ ہو تو معاشرہ میں حرامی حلالی ہونے کی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی جن ملکوں میں زنا کاری عام ہے ان کے یہاں حرامی ہونا کوئی عیب اور حلالی ہونا کوئی ہنر نہیں۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی ہماری ہاں میں ہاں ملا دیں اور قرآن کے باغی ہو کر ہماری طرح زنا کار ہو جائیں اور زنا کاری کی سزا منسوخ کر دیں بھلا مسلمان یہ کیسے کر سکتا ہے اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

اسلام جو عفت و عصمت کا دین ہے اس کے ماننے والے شہوت پرستوں کا ساتھ کہاں دے سکتے ہیں زنا کاری میں چونکہ مزا ہے شہوت پرستی ہے اس لئے شہوت پرست اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں' معاشرہ اسلامیہ نے زنا کی سزا سخت رکھی ہے پھر اس میں فرق رکھا گیا ہے غیر شادی شدہ مرد عورت زنا کر لے تو سو کوڑے لگانے پر اکتفا کیا گیا اور شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کی سزا رجم مقرر کی گئی ہے مرد ہو یا عورت' جو لوگ شہوت پرست ہیں ان کے تقاضوں پر کافر ملکوں کی پارلیمنٹوں نے نہ صرف یہ کہ مرد عورت کے لئے باہمی رضامندی سے زنا کو قانوناً جائز قرار دیدیا ہے بلکہ مرد کو بھی اجازت دیدی ہے کہ وہ کسی مرد کی بیوی بن کر رہے' ان لوگوں کو نہ انسانیت کی ضرورت ہے نہ شرافت کی نہ نسب محفوظ رکھنے کی نہ عفت عصمت کے ساتھ جینے کی نہ عورتوں کو اچھا مقام دینے کی' شہوت پرست ہیں شہوت کے بندے ہیں اس شہوت پرستی کے نتیجے میں جو ایڈز وغیرہ کی نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں جن سے سارا معاشرہ متاثر ہوتا جا رہا ہے اور جس کی روک تھام سے حکومتیں عاجز ہیں ان پر نظر نہیں' بس شہوت پوری ہونی چاہئے یہ ان لوگوں کا مزاج بن گیا ہے۔

یہ زنا کی کثرت' کثرت اموات کا بھی سبب ہے' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اور جس کسی قوم میں زنا پھیل جائے اس میں موت کی کثرت ہوگی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا یعنی رزق کم ملے گا اور اس کی برکت ختم کر دی جائے گی اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو قوم بدعہدی کریگی ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا) اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی آبادی میں زنا اور سود خوری کا رواج ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ کا عذاب نازل کر لیا (الترغیب والترہیب (۲۷۸ ج ۳)

حضرت میمونہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں کی کثرت نہ ہو جائے سو جب ان میں اولاد الزنا کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر عنقریب عام عذاب بھیج دے گا۔ (رواہ احمد واسنادہ حسن، کمافی الترغیب ص ۲۷۷ ج ۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ علیہ نے اپنا ایک خواب بیان فرمایا اس میں بہت سی چیزیں دیکھیں ان میں ایک یہ بھی دیکھا کہ تنور کی طرح ایک سوراخ ہے اس کا اوپر کا حصہ تنگ ہے اور نیچے کا حصہ وسیع ہے اس کے نیچے آگ جل رہی ہے جو لوگ اس تنور میں ہیں وہ آگ کی تیزی کے ساتھ اوپر کو آ جاتے ہیں جب آگ دھیمی پڑتی ہے تو نیچے کو واپس چلے جاتے ہیں یہ لوگ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ہیں ان کی چیخ پکار کی آوازیں بھی آ رہی ہیں آپ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں میں نے اپنے ساتھیوں (حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام) سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں انہوں نے بتایا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔

زنا امراض عامہ کا سبب ہے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ ایک روز ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور خدا نہ کرے کہ تم مبتلا ہو (تو پانچ چیزیں بطور نتیجہ ضرور ظاہر ہوں گی پھر ان کی تفصیل فرمائی) (۱) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں تو ان میں ضرور طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل پڑھیں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہیں ہوئیں، (۲) اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی قحط اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی، (۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لیں گے ان سے بارش روک لی جائے گی (حتیٰ کہ) اگر چوپائے (گائے بیل گدھا گھوڑا وغیرہ) نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو۔ (۴) اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دے گی اللہ ان پر غیروں میں سے دشمن مسلط فرما دے گا جو ان کی بعض مملوک چیزوں پر قبضہ کر لے گا (۵) اور جس قوم کے با اقتدار لوگ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلے دیں گے (اور احکام خداوندی میں اپنا اختیار و انتخاب جاری کریں گے) تو وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے (ابن ماجہ)

اس حدیث پاک میں جن گناہوں اور معصیتوں پر ان کے مخصوص نتائج کا تذکرہ فرمایا ہے اپنے نتائج کے ساتھ اس زمین پر بسنے والے انسانوں میں موجود ہیں۔ سب سے پہلی بات جو آنحضرت علیہ نے ارشاد فرمائی یہ ہے کہ جس قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں گے ان میں ضرور طاعون پھیلے گا اور ایسی ایسی بیماریاں بکثرت ظاہر ہوں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔

آج بے حیائی کس قدر عام ہے سڑکوں پارکوں کلبوں اور نام نہادی قومی اور ثقافتی پروگراموں میں، عرسوں اور میلوں

میں ہوٹلوں اور دعوتی پارٹیوں میں کس قدر بے حیائی کے کام ہوتے ہیں اس کے ظاہر کرنے اور بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جاننے والے اور اخبارات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں' پھر اس بے حیائی اور فحش کاری کے نتیجے میں وبائی امراض طاعون ہیضہ انفلوئنزا ایڈز پھیلتے رہتے ہیں اور ایسے ایسے امراض سامنے آ رہے ہیں جن کے طبعی اسباب اور معالجہ کے سمجھنے سے ڈاکٹر عاجز ہیں جس قدر ڈاکٹری ترقی پذیر ہے اسی قدر نئے امراض ظاہر ہوتے جاتے ہیں ان امراض کے موجود ہونے کا سبب جو خالق عالم جل مجدہ کے سچے پیغمبر (ﷺ) نے بتایا ہے یعنی بے حیائیوں کا پھیلنا جب تک وہ ختم نہ ہوگا نئے نئے امراض کا آنا بھی ختم نہیں ہو سکتا دور حاضر کے لوگوں کا اب یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک شہوت پرستی ہی سب کچھ ہے زندگی کا خلاصہ شہوت پرستوں کے نزدیک صرف یہی رہ گیا ہے کہ مرد اور عورت بغیر کسی شرط اور بغیر کسی پابندی کے آپس میں ایک دوسرے سے شہوت پوری کیا کریں پہلے تو بعض یورپین ممالک نے اس قسم کے قوانین بنا دیئے تھے لیکن اب وہ بین الاقوامی کانفرنسیں بلا بلا کر سارے عالم کے انسانوں کو اس بیہودگی میں لپیٹنا چاہتے ہیں' اصل میں بات یہ ہے کہ اس قسم کی کانفرنس منعقد کرنے والے انسانیت کے دائرہ ہی سے باہر ہو چکے ہیں اور انہیں اس پر ذرا بھی رنج نہیں ہے کہ ہم انسانیت کھو بیٹھے ہیں۔

نفس پرستوں کو لذت چاہیے انسانیت باقی رہے یا نہ رہے

یہ لوگ اس مقام پر اتر آئے ہیں کہ ہم انسان نہ رہے تو کیا حرج ہے مزہ تو ملے گا۔ انسان بننے اور انسانی تقاضے پورے کرنے میں نفس کی آزادی میں فرق آتا ہے لہٰذا انسانیت کی ضرورت کیا ہے؟ جانور بھی تو دنیا میں رہتے ہیں اور جیتے ہیں ہم بھی جانور ہو گئے تو کیا ہوا؟ یہ بات یہ لوگ زبان سے کہیں یا نہ کہیں ان کا طریقہ کار اور رنگ ڈھنگ ایسا ہی ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایسے متمتع ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے)

انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم سے نوازا اور اسے جو شرف بخشا اس شرف کی وجہ سے اور اسے اونچا رکھنے کے لئے احکام عطا فرمائے۔ اس کے لئے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا اور کچھ چیزوں کو حلال قرار دیا۔ مرد اور عورت کا آپس میں استمتاع بھی حلال ہے لیکن نکاح کرنے کے بعد' پھر اس نکاح اور انعقاد نکاح کے بھی قوانین ہیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام نکاح کرتے تھے۔ سوائے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے کہ ان دونوں حضرات نے نہ نکاح کیا نہ عورتوں سے استمتاع کیا۔ افسوس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کا جو قومیں دعویٰ کرنے والی ہیں وہ ان کی طرف بغیر نکاح کے عورتوں سے استمتاع کرنے کا دعوی کرتے ہیں۔

ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو دجال کو قتل کریں گے اور نکاح

بھی فرمائیں گے آپ کی اولاد بھی ہوگی (کماذکرہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء) جب وہ تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور اس طرح اپنے عمل سے دین نصرانیت کو باطل قرار دیں گے (رواہ مسلم)

فائدہ: قرآن مجید میں عموماً عورتوں کو مردوں ہی کے صیغے میں شریک کر کے احکام شرعیہ بتائے گئے ہیں مثلاً جہاں جہاں **یٰآیھا الذین امنوا** ہے اس میں گو اسم موصول مذکور ہے لیکن عورتوں کو بھی ان کا مضمون شامل ہے اور جہاں کہیں صیغہ تانیث لایا گیا وہاں مردوں کا ذکر مقدم ہے جیسا کہ **اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ** (الآیۃ) اور جیسے **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا** لیکن زنا کی حد بیان کرتے ہوئے دو باتیں زیادہ قابل توجہ ہیں اول تو یہ کہ صرف مذکر کا صیغہ لانے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ لفظ الزانیہ مستقل ذکر کیا گیا دوسرا الزانیۃ کو الزانی پر مقدم فرمایا ہے۔

اب کسی بھی مرد یا عورت کو یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہی کہ شاید زنا کی حد جاری کرنا مردوں ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ نیز قرآن مجید کے انداز بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عورتوں میں زنا کی رغبت بنسبت مردوں کے زیادہ ہے ان کی حفاظت کا زیادہ اہتمام کیا جائے چوری میں مرد پیش پیش ہوتے ہیں اس لئے سورۂ مائدہ کی آیت میں لفظ السارق کو مقدم فرمایا اور زنا کی طرف مائل ہونے میں عورتوں کا رجحان زیادہ ہوتا ہے اس لئے حد زنا بیان فرماتے ہوئے پہلے لفظ الزانیۃ کو مقدم فرمایا۔

فائدہ: شریعت اسلامیہ نے جو زنا کی حد مقرر فرمائی ہے بظاہر یہ سخت ہے اور سختی اس لئے ہے کہ لوگوں کی عفت عصمت محفوظ رہے اور اس جرم کی طرف لوگوں کا میلان نہ ہو اگر کسی غیر محصن کو لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے کوڑے لگا دیئے جائیں اور کسی محصن کو سنگسار کر دیا جائے اور اس کی شہرت ہو جائے تو برس ہا برس کے لئے دور دراز علاقوں کے رہنے والوں کے لئے ایک ہی سزا عبرت کا سامان بن جائے گی۔

اسلام نے اول تو ایسے احکام وضع کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے زنا کا صدور ہی آسان نہیں نظروں پر پابندی ہے عورتوں کی بے حجابی پر پابندی ہے نامحرموں سے پردہ ہے محرم بدنفس سے بھی پردہ کا حکم ہے ان سب امور کے باوجود زنا صادر ہو جائے تو اس کی سزا کے لئے ویسی شرطیں لگائی ہیں جن کا وجود میں آنا ہی مشکل ہے اگر چار گواہ گواہی دیں کہ ہم نے فلاں مرد و عورت کو اس طرح زنا کرتے ہوئے دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو تب زنا کا ثبوت ہوگا ظاہر ہے ایسے چار گواہ ملنا عادتاً ناممکن ہے ہاں اگر کوئی مرد عورت زنا کا اقرار کر لے تو اس پر سزا جاری ہوگی لیکن اس میں بھی امیر المومنین اور قاضی کو حکم دیا گیا کہ معمولی سے شبہات پر حد کو ساقط کر دیں مقصود لوگوں کی پٹائی کرنا اور سنگسار کرنا نہیں بلکہ زنا سے بچانا مقصود ہے اس سب کے باوجود پھر بھی کوئی شخص زنا کے جرم میں پکڑا جائے اور اصول شریعت کے مطابق اس کا زنا ثابت ہو جائے تو امیر المومنین اور قاضی لامحالہ اس پر حد جاری کر دے گا کیونکہ یہ شخص مسلمانوں کے معاشرہ کا ایک ایسا عضو ہے جو بالکل ہی سڑ چکا ہے جسے کاٹے بغیر جسم کی اصلاح ممکن نہیں رہتی۔ لوگ زنا کی سزا کی سختی کو تو دیکھتے ہیں اس سزا کی حکمتوں کو نہیں دیکھتے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکیہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے

تفسیر: اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں اوپر ترجمہ سے جو مطلب ظاہر ہو رہا ہے صاحب بیان القرآن نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ونقله صاحب الروح عن النيسابوری فقال قال النسیابوری انه احسن الوجوه فی الآیة ان قوله سبحانه (الزَّانِي لَا يَنكِحُ) حکم مؤسس علی الغالب المعتاد جئی به لزجر المؤمنين عن نكاح الزواني بعد زجرهم عن الزنا وذلک ان الفاسق الخبيث الذی من شأنه الزنا والتقبح لا يرغب غالبًا فی نكاح الصوانح من النساء اللاتی علی خلاف صفته وانما يرغب فی فاسقة خبيثة من شكله اوفی مشركة والفاسقة الخبيثة المسافحة كذلک لا يرغب فی نكاحها الصلحاء من الرجال وينفرون عنها وانما يرغب فيها من هو من شكلها من الفسقة والمشركين، ونظير هذا الكلام لا يفعل الخير الا تقی فانه جار مجرمی الغالب، ومعنی التحريم علی المؤمنين علی هذا قيل التنزيه وعبر به عنه للتغليظ. (اور اسے صاحب روح المعانی نے نیشاپوری سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اس آیت کی سب سے احسن توجیہ یہ ہے کہ الزانی لا ینکح اکثر عادت کے مطابق نیا حکم ہے جو زناء سے روکنے کے بعد مومنین کو زنا کاروں سے نکاح سے روکنے کے لئے لایا گیا ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ فاسق خبیث جو کہ زناء کار و بدکار ہے وہ عموماً ان عورتوں سے نکاح کی رغبت نہیں رکھتا جو اس کی صفت کے خلاف باعصمت ہیں وہ تو اپنے جیسی بدکار گندی عورت یا مشرک عورت میں رغبت رکھتا ہے اور اسی طرح بدکار گندی عورت صالح مردوں سے نکاح کی رغبت نہیں رکھتی اور صالح لوگ بھی اس سے بھاگتے ہیں اس سے شادی کی رغبت وہی رکھتے ہیں جو اسی کی طرح کے بدکار و مشرک ہیں۔ اور اس کلام کی مثال یہ جملہ ہے کہ لا یفعل الخیر الا تقی (بھلائی نہیں کرتا مگر متقی) بہرحال یہ حکم اکثریت کی بنیاد پر اور مومنین پر اس حرام ہونے سے مراد تنزیہی حرمت ہے۔ جسے اس عنوان سے فقط شدت کے اظہار کے لئے تعبیر کیا ہے)

اور بعض حضرات نے خبر کو بمعنی النھی لیا ہے اور یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی زانی کو زانیہ یا مشرکہ کے علاوہ کسی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں اسی طرح زنا کار عورت کو کسی غیر زانی اور غیر مشرک سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں اور مومنین کے لئے حرام ہے کہ کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کریں۔ جن حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ حکم ہجرت کے ابتدائی دور میں تھا بعد میں زانی اور زانیہ کے بارے میں تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مشرک اور مشرکہ کے بارے میں باقی رہا یعنی زانی مرد غیر زانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے جبکہ مومن ہوں اور کسی مومن کا مشرک عورت سے اور کسی مومنہ کا کسی مشرک سے جائز نہیں۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ وَاَنكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، بعض حضرات نے آیت کا نزول بتاتے ہوئے بعض قصے بھی نقل کئے ہیں اور یہ قصے نقل فرما کر جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی قول اول یعنی منسوخ تسلیم کرنے کی طرف راجع ہوتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے اور حضرت مجاہد اور عطا ابن ابی رباح اور قتادہ اور زہری اور شعبی (تابعین کرام) نے فرمایا ہے کہ جب مہاجرین مدینہ منورہ آئے اور ان کے پاس اموال نہیں تھے۔ تنگ دست بھی تھے اور کنبہ قبیلہ بھی نہ تھا تو اس وقت انہیں مال اور ٹھکانے کی ضرورت تھی مدینہ منورہ میں فاحشہ عورتیں تھیں جو مال لے کر زنا کرتی تھیں ان کے پاس پیسہ بھی بہت تھا یہ

فقراء مہاجرین جو مکہ معظمہ سے آئے تھے انہوں نے ان سے نکاح کرنے کے بارے میں رسول ﷺ سے اجازت مانگی جس میں مصلحت یہ تھی کہ یہ عورتیں ان پر خرچ کریں گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔ اسی طرح کے اور بھی بعض قصے ہیں جو حضرت عکرمہ سے منقول ہیں۔ (معالم التنزیل ص ۳۲۲ ج ۳)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو

جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

اور اصلاح کر لیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے

پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے والوں کی سزا

تفسیر: اسلام میں مومن مرد وعورت کی آبرو کی بڑی حیثیت ہے اگر کوئی مرد یا کوئی عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت کو صاف لفظوں میں زنا کی تہمت لگا دے مثلاً یوں کہہ دے کہ اے زانی' اے رنڈی' اے فاحشہ' اور جسے تہمت لگائی ہے وہ قاضی کے ہاں مطالبہ کرے کہ فلاں شخص نے مجھے ایسے ایسے کہا ہے تو قاضی اسے اسی کوڑوں کی سزا دے گا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حد قذف کہتے ہیں۔ یہ کوڑے متفرق طور پر اعضاء جسم پر مارے جائیں گے اور اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں گے جو عام طور سے پہنے ہوئے ہیں البتہ روئی کے کپڑے یا پوستین یا ایسی چیز جو چوٹ لگنے سے مانع ہو اس کو اتار لیا جائے گا۔

تہمت لگانے والے کی یہ تو جسمانی سزا ہوئی اس کے علاوہ ایک سزا اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جس شخص کو حد قذف لگائی گئی اس شخص کی گواہی کبھی بھی کسی بارے میں بھی مقبول نہیں ہوگی اگر اس نے توبہ کر لی تو توبہ سے گناہ تو معاف ہو جائے گا لیکن گواہی کے قابل پھر بھی نہ مانا جائے گا۔ اس کا یہ عزت کا مقام ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا کہ وہ کبھی کسی معاملہ میں گواہ بنے' حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک آیت بالا کا یہی مفہوم ہے اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا جو استثناء ہے ان کے نزدیک وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا سے استثناء نہیں ہے بلکہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے سے فسق کا حکم ختم ہو جائے گا لیکن فیما بین العباد وہ گواہ بننے کے بلند مقام سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی اپنی جانوں کے علاوہ گواہ نہ ہوں

اَرۡبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۶ وَالۡخَامِسَةُ اَنَّ لَعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ

تو یہ تہمت لگانے والا اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ یوں کہے کہ بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو

كَانَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۝۷ وَيَدۡرَؤُا عَنۡهَا الۡعَذَابَ اَنۡ تَشۡهَدَ اَرۡبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ

اگر میں جھوٹا ہوں، اور عورت کی سزا اس طرح ٹل جائے گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یوں کہے کہ

اِنَّهٗ لَمِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۝۸ وَالۡخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيۡهَاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ

بلاشبہ یہ جھوٹوں میں سے ہے، اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ

الصّٰدِقِيۡنَ ۝۹ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيۡمٌ ۝۱۰

سچوں میں سے ہو اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے حکمت والا ہے تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے

جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں ان کے لئے لعان کا حکم

تفسیر: کوئی مرد عورت اگر کسی مرد عورت کو زنا کی تہمت لگا دے اور اپنی بات کے سچا ثابت کرنے کے لئے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری ہوگی یعنی اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے (جس کی تفصیل اوپر گذری) لیکن اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہے کہ اس نے زنا کیا ہے اور عورت اس کو جھٹلائے اور شوہر کے پاس چار گواہ نہیں ہیں تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی بلکہ امیر المومنین یا قاضی لعان کا حکم دے گا یہ لفظ لعنت سے لیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرد عورت دونوں آپس میں قسمیں کھائیں اور ہر ایک ایسے الفاظ کہے جس سے خود اس کی اپنی ذات پر لعنت پڑتی ہو جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے زنا کیا ہے یا یوں کہا کہ یہ جو بچہ پیدا ہوا ہے مجھ سے نہیں ہے تو اب اس پر لازم ہے کہ چار گواہ پیش کرے اگر گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ زنا گواہوں کے سامنے نہیں کیا جاتا) اور عورت یوں کہے کہ اس نے مجھے تہمت لگائی ہے تو امیر المومنین یا قاضی شوہر سے کہے گا کہ تو لعان کر یا یہ اقرار کر کہ تو نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر وہ دونوں میں سے کسی بات پر راضی نہ ہو تو قاضی اسے بند کر دے گا یہاں تک کہ لعان کرنے پر راضی ہو جائے یا یوں کہے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر اس دوسری بات کا اقرار کرے تو پھر اسے حد قذف لگائی جائے گی، اگر وہ اپنے نفس کو نہیں جھٹلاتا اور اسے برابر اس بات پر اصرار ہے کہ میری بیوی نے زنا کیا ہے تو قاضی دونوں کے درمیان لعان کرنے کا حکم دے گا۔

لعان کا طریقہ: لعان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرد کھڑا ہوگا اور چار مرتبہ یوں کہے گا **اشھد باللہ انی لمن الصادقین فما رمیت ھذہ من الزنا** (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتا ہوں کہ میں اس عورت کے بارے میں جو کہہ رہا ہوں کہ اس نے

زنا کیا ہے میں اس بات میں سچا ہوں پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے لعنت الله علیه ان کان من الکذبین فیما رمٰی هذه من الزنا (اس عورت کے بارے میں جو میں نے کہا ہے کہ اس نے زنا کیا اس بارے میں اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو) پانچویں مرتبہ جب لفظ هــذه (اس عورت) کے الفاظ ادا کرے تو ہر مرتبہ عورت کی طرف اشارہ کرے جب مرد پانچویں مرتبہ مذکورہ الفاظ کہہ چکے تو اس کے بعد عورت چار مرتبہ کہے اشهد بالله انه لمن الکاذبین فیما رمانی به من الزنا (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے اس بارے میں یہ جھوٹا ہے) پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے ان غضب الله علیها ان کان من الصادقین فیما رمانی به من الزنا (مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ اپنی اس بات میں سچا ہو جو اس نے میری طرف زنا کی نسبت کی ہے)

جب دونوں لعان کرلیں تو اب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا۔ اور یہ تفریق کرنا طلاق بائن کے حکم میں ہوگا۔ اور اگر لعان اس لئے تھا کہ نومولودہ بچہ کے بارے میں شوہر نے یوں کہا تھا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو لعان کے بعد تفریق کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی اس بچہ کا نسب اس مرد سے ختم کردے گا اور یہ حکم نافذ کردے گا کہ یہ بچہ اپنی ماں کا ہے۔ اس عورت کے شوہر کا نہیں ہے۔ لعان کرنے کے بعد اگر شوہر اپنی تکذیب کردے یعنی یوں کہہ دے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی تو پھر قاضی اسے حد قذف یعنی اسی کوڑے لگادے گا۔

حدیث کی کتابوں میں عویمر عجلانی اور ھلال ابن امیہ رضی اللہ عنہما کے اپنی اپنی بیوی سے لعان کرنے کا تذکرہ ملتا ہے صحیح بخاری ص ۷۹۹ و ص ۸۰۰ اور صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۹۵ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ھلال بن امیہ نے جو اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے فلاں شخص سے زنا کیا ہے تو آیات لعان وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ (الایات) نازل ہوئیں۔

لعان کی کچھ شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی نابالغہ نہ ہو دیوانی نہ ہو اور شوہر نابالغ اور دیوانہ نہ ہو اور اگر گونگا شوہر اشاروں سے اپنی بیوی کو تہمت لگادے تو اس کی وجہ سے قاضی لعان کا حکم نہیں دے گا وفیہ شرائط آخری۔

إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

بلاشبہ جو لوگ تہمت لے کر آئے یہ تم میں سے ایک جماعت ہے، تم اسے اپنے لئے شر نہ سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے،

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ

ان میں سے ہر شخص کے لئے گناہ کا وہ حصہ ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں سے جس شخص نے بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے،

عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ

جب تم نے اس کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ اچھا گمان کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا

اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ

کہ یہ صریح تہمت ہے، وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو جب وہ گواہ نہ لائے تو وہ اللہ کے

عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

نزدیک جھوٹے ہیں، اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات میں تم لگے رہے

لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ

اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب واقع ہو جاتا، جب تم اس بات کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ

مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور تم اسے ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے اور جب تم نے

اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

اس کو سنا تو یوں کیوں نہ کہا کہ یہ بات اس لائق نہیں ہے کہ ہم اسے اپنے منہ سے نکالیں سبحان اللہ یہ بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ

بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر کبھی بھی تم ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو، اور اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي

تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ بلا شبہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ جانتا ہے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اور تم نہیں جانتے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات کہ اللہ بڑا مہربان ہے بڑی رحمت والا ہے تو تم بھی نہ بچتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائے جانے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی براءت کا اعلان

تفسیر: ان آیات میں ایک واقعہ کا اجمالی تذکرہ ہے اور اس موقعہ پر جو منافقین نے برا کردار انجام دیا اس کا ذکر

ہے اور بعض مسلمان جو اپنی سادگی میں ان کے ساتھ ہو لئے اور بعض دیگر مسلمان جنہوں نے احتیاط سے کام نہ لیا ان کو تنبیہ اور نصیحت فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سفر میں تشریف لے جاتے اور ازواج مطہرات میں سے کسی کو ساتھ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈال لیتے تھے ۶ھ میں آپ غزوہ بنی مصطلق کے لئے تشریف لے گئے اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں یہ ایک ہودج میں سوار رہتی تھیں ہودج ایک قسم کا ڈبہ سا ہوتا تھا جس میں ایک دو آدمی بیٹھ سکتے تھے اس کو اونٹ کی کمر پر رکھ دیا جاتا تھا۔ واپسی میں جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور تھوڑی سی مسافت رہ گئی تو آخری شب میں روانگی کا اعلان کر دیا گیا یہ اعلان روانگی سے پہلے کر دیا جاتا تھا تاکہ اہل ضرورت اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب اعلان سنا تو قضائے حاجت کے لئے ذرا دور چلی گئیں (جنگل میں تو ٹھہرے ہوئے تھے ہی اور دیگر اصحاب حاجات بھی تھے جن میں مرد بھی تھے اس لئے دور جانا مناسب معلوم ہوا) واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے میں جو ہار تھا وہ کہیں گر گیا ہے اس کے تلاش کرنے کے لئے گئیں تو واپسی میں تاخیر ہو گئی اب جو اپنی جگہ واپس پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ اونٹ پر ہودج رکھنے والوں کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ یہ خالی ہے جیسے ہمیشہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے اسی طرح انہوں نے اس وقت بھی ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا انہیں یہ خیال نہ آیا کہ اس میں ام المومنین نہیں ہیں؛ جس کی وجہ خود حضرت عائشہ نے یہ بتائی کہ زیادہ خوراک کھانے کو نہیں ملتی تھی بدن ہلکا تھا زیادہ بوجھل نہیں تھا تو ہودج اٹھانے والوں کو خالی ہونے کا احساس نہ ہوا۔ ان کے اونٹ کو قافلہ کے دوسرے اونٹوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ موجود نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھ دی وہ چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں اور یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب دیکھیں گے کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہیں واپس آئیں گے۔ ادھر ادھر کہیں جانے میں خطرہ ہے کہ آپ کو تلاش میں دشواری ہو۔ اسی اثنا میں ان کی آنکھ لگ گئی اور وہیں سو گئیں۔

صفوان بن معطل سلمی ایک صحابی تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کام پر مقرر فرمایا تھا کہ لشکر کی روانگی کے بعد پیچھے سے آیا کریں (اس میں یہ مصلحت تھی کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اٹھا کر لیتے آئیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب وہ وہاں پہنچے جہاں میں سو رہی تھی تو انہیں ایک انسان نظر آیا انہوں نے دیکھ کر مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے نزول حجاب سے پہلے مجھے دیکھا تھا انہوں نے مجھے دیکھا تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا ان کی اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے چہرہ ڈھانک لیا (اس سے ان جاہلوں کی بات کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے) وہ قریب آئے اور اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا میں اونٹنی کے اگلے پاؤں پر اپنا قدم رکھ کر سوار ہو گئی اس کے بعد وہ اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے پیدل چلتے رہے دوپہر کے وقت میں لشکر کے پاس پہنچ گئے اس وقت لشکر پڑاؤ ڈال چکا

تھا۔ لشکر کے ساتھیوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا یہ منافقوں کا سردار تھا اس نے تہمت لگا دی (کہ یہ دونوں قصداً پیچھے رہ گئے تھے اور ان دونوں نے تنہائی میں کچھ کیا ہے) زیادہ بات کو اچھالنے اور لئے لئے پھرنے اور چرچا کرنے میں اس عبداللہ کا بڑا ہاتھ تھا اس کے ساتھ دوسرے منافق بھی تھے اور سچے مسلمانوں میں سے دو مرد اور ایک عورت بھی اس بات میں شریک ہو گئے تھے مرد تو حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ تھے اور عورت حمنہ بنت جحش تھیں یہ ام المومنین حضرت زینبؓ کی بہن تھیں۔

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ تو پہنچ گئے لیکن مجھے بات کا پتہ نہیں چلا میں بیمار ہو گئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وہ مہربانی محسوس نہیں کرتی تھی جو پہلے تھی آپ تشریف لاتے تھے تو گھر کے دوسرے افراد سے پوچھ لیتے تھے کہ اس کا کیا حال ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ باہر کیا باتیں چل رہی ہیں اسی اثنا میں یہ ہوا کہ میں مسطح کی والدہ کے ساتھ رات کو قضائے حاجت کے لئے نکلی اس وقت گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے۔ قضائے حاجت کے لئے آبادی سے باہر رات کے وقت میں جایا کرتے تھے، میں مسطح کی والدہ کے ساتھ جا رہی تھی کہ ان کی چادر میں ان کا پاؤں پھسل گیا ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ مسطح ہلاک ہو میں نے کہا یہ تو آپ نے ایسے شخص کے لئے برے الفاظ کہہ دیئے جو غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا، وہ یہ سن کر کہنے لگیں کیا تو نے سنا ہے جو لوگ کہہ رہے ہیں (ان کہنے والوں میں مسطح بھی تھے) اس کے بعد انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی باتیں بتائیں جس سے میرے مرض میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا جب میں اپنے گھر واپس آئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور حسب عادت اسی طرح دوسرے افراد سے دریافت فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جاؤں آپ نے اجازت دیدی تو میں اپنے میکے چلی آئی، والدہ سے میں نے پوچھا کہ لوگوں میں کیا باتیں چل رہی ہیں انہوں نے کہا کہ بیٹا تم تسلی رکھو جس عورت کی سوتنیں ہوتی ہیں اس کے ساتھ (حسد میں) ایسا ہوا ہی کرتا ہے میں نے کہا سبحان اللہ واقعی ایسا ہی ہو رہا ہے؟ یہ باتیں اڑائی جا رہی ہیں؟ اس کے بعد میں رات بھر روتی رہی ذرا دیر کو آنسو نہ تھمے اور مجھے ذرا سی نیند بھی نہ آئی اور اس کے بعد بھی روتے روتے یہ حال ہو گیا کہ میں نے سمجھ لیا کہ میرا جگر پھٹ جائے گا، اسی پریشان حال میں رات دن گذرتے رہے اور ایک مہینہ تک رسول اللہ ﷺ پر میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، میں سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور بری فرما دے گا اور خیال یوں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھ لیں گے جس میں اللہ تعالیٰ مجھے بری فرما دیں گے میں اپنے نفس کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں قرآن مجید میں کوئی آیت نازل ہو گی۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف رکھتے تھے کہ آپ پر وحی نازل ہو گئی اور آپ کو پسینہ آ گیا جو وحی کے وقت آیا کرتا تھا یہ پسینہ ایسا ہوتا تھا کہ سردی کے دنوں میں بھی پسینے کے قطرے ٹپک جاتے تھے جو موتیوں کی طرح ہوتے تھے جب آپ کی یہ حالت دور ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے آپ نے سب سے پہلے یہ کلمہ فرمایا کہ اے عائشہ اللہ کی تعریف

کہ اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل فرمادی اس وقت جو آیتیں نازل ہوئیں ان کی ابتداء اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے تھی۔

مسطح جو تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے تھے یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے (مسطح کی والدہ سلمی حضرت ابوبکرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں اس اعتبار سے مسطح ان کے بھانجے ہوئے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کا خیال رکھتے تھے اور ان پر مال خرچ کیا کرتے تھے جب حضرت عائشہؓ کی براءت کی آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھا لی کہ اللہ کی قسم میں اب مسطح پر کبھی بھی خرچ نہ کروں گا اس پر آیت شریفہ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ (آخر تک) نازل ہوئی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی اس کا خرچہ نہیں روکوں گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۴ و ج ۲ ص ۵۹۴ و ج ۲ ص ۶۹۶ بحذف بعض الاجزاء)

جو آیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں نازل ہوئیں ان کی ابتداء اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ سے ہے جن میں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ تہمت لیکر آئے ہیں یہ تم ہی میں کا ایک گروہ ہے روایات حدیث میں اس بارے میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا اور مخلص مسلمانوں میں حضرت حسان بن ثابت حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش کے نام مذکور ہیں۔ ان کو عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت نے تہمت لگائی ہے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین گو دل سے مسلمان نہیں تھا لیکن چونکہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں سے تھا اس لئے لفظ منکم میں اسے بھی شامل کرلیا گیا۔ (منافقین پر ظاہری طور پر اسلام کے احکام جاری ہوتے تھے اور وہ بھی اپنے کو اہل ایمان میں شمار کرتے تھے) بات کے اٹھانے اور پھیلانے میں تو عبداللہ بن ابی آگے آگے تھا اور سادہ لوحی کی وجہ سے مذکورہ بالا تین مخلص مسلمان بھی تہمت لگانے والی بات میں شریک ہو گئے تھے۔ بعد میں تینوں مخلصین تو تائب ہو گئے تھے لیکن عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین اپنی بات پر جمے رہے انہوں نے توبہ نہیں کی۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (تم اس تہمت والی بات کو اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ تمہارے لئے بہتر ہے) یہ خطاب آنحضرت سید عالم ﷺ کو اور حضرت عائشہ کو اور ان کے والدین کو حضرت صفوان کو اور تمام مؤمنین کو شامل ہے مطلب یہ ہے کہ یہ جو واقعہ پیش آیا ہے اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ اپنے حق میں اسے اچھا سمجھو بظاہر واقعہ سے صدمہ تو پہنچا لیکن اس صدمہ پر صبر کرنے سے جو اجر ثواب ملا اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات ملیں ان سب میں تمہارے لئے خیر ہے اور اس میں حضرت صدیقہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہما کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی براءت نازل فرمائی یہ آیات قیامت آنے تک مدرسوں میں پڑھائی جاتی رہیں گی اور برابر نمازوں میں ان کی تلاوت ہوتی رہے گی۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (ہر شخص کے لئے گناہ کا وہی حصہ ہے جو اس نے کمایا) یعنی ان

بارے میں جتنا جس نے حصہ لیا وہ اسی قدر گناہ کا مرتکب ہوا اور اسی تناسب سے عذاب کا مستحق بنا' سب سے بڑا گناہ گار وہ ہے جس نے اس بہتان کو تراشا اور اس کو آگے بڑھانے میں پیش پیش رہا۔ بعض سادہ لوح اس کے ساتھ بن گئے اور بعض سن کر خاموش رہ گئے انہیں خاموش رہ جانے کی بجائے فوراً تردید کرنا لازم تھا۔

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (اور ان میں جس نے اس بہتان میں بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے) جس نے بہتان میں بڑا حصہ لیا تھا وہ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین تھا عذاب عظیم سے دوزخ کا عذاب مراد ہے اور دنیا میں بھی اسے دوہری سزا دی گئی۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ معجم طبرانی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت براءت نازل ہوئی تو سرور عالم ﷺ مسجد میں تشریف لے آئے اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا انہوں نے لوگوں کو جمع کیا پھر آپ نے حاضرین کو آیت براءت سنائی اور آپ نے عبداللہ ابن ابی کو بلوایا اور اس پر دو حدیں جاری فرمائیں یعنی دوبارہ ۸۰'۸۰ کوڑے لگوائے اور آپ نے حسان اور مسطح اور حمنہ کو بھی بلایا ان پر بھی حد جاری فرمائی ان پر ایک حد جاری کی یعنی ہر ایک کو اسی کوڑے لگائے گئے۔

فقیل ان عبداللہ لم یحدولم یقرو هذا قول غیر صحیح لان عدم اتیانه باربعة شهداء کاف لا جراء حد القذف ولا ینظر فی ذلک الی الاقرار وقال بعضهم انه لم یحدا حد من اهل الافک وهذا ایضالا یصح لما ذکرنا ولان امیر المومنین اذاثبت عنده الحد لا یجوزله الغائه وکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مبینا للاحکام بالقول والعمل ویبعد منه صلی اللہ لانه مامور من اللہ تعالٰی ولما ان الالغاء الغاء لحق المقذوف ولا یظن به صلی اللہ علیه وسلم ان یمسک الحد عن من وجب علیه الحد ویبطل حق المقذوف.

(بعض نے کہا کہ عبداللہ پر حد نہیں لگائی گئی تھی اور نہ ہی اس نے اقرار کیا تھا جبکہ یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا چار گواہ نہ لانا حد قذف جاری کرنے کے لئے کافی ہے پھر اس میں اقرار کو نہیں دیکھا جاتا اور بعض نے کہا اہل افک میں سے کسی کو حد نہیں لگائی گئی اور یہ بات بھی مذکورہ علت کی وجہ سے صحیح نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ جب امیر المومنین کے نزدیک حد ثابت ہو جائے تو پھر اس کا التواء جائز نہیں ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول وعمل دونوں کے ذریعہ احکام کو واضح کرنے والے تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حد ثابت ہو جانے کے بعد اسے لغو کرنا بعید ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس پر اللہ تعالٰی کی طرف سے مامور ہیں اور اس لئے بھی کہ حد کو ملتوی کرنا تہمت زدہ کے حق کو باطل کرنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حد کے مستحق سے حد کو ساقط کر دیں اور تہمت زدہ کے حق کو ضائع کر دیں)

پھر فرمایا لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ (جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنی جانوں کے بارے میں یہ گمان کیوں نہ کیا کہ یہ بات صریح جھوٹ ہے) اس میں ان مسلمان مردوں اور عورتوں کو بھی نصیحت ہے جو عبداللہ ابن ابی کی باتوں میں آ کر تہمت والی بات میں ساتھ لگ لئے تھے اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو بات سن کر چپ رہ گئے یا شک میں پڑ گئے یعنی سب پر لازم تھا کہ نیک گمان کرتے اور بات سنتے ہی یوں کہہ دیتے کہ یہ صاف اور صریح جھوٹ ہے اس میں یہ بتا دیا کہ جب کسی مومن مرد عورت پر تہمت لگائی جائے تو فوراً یوں کہہ دیں کہ یہ جھوٹ ہے اور حسن ظن سے کام لیں' بدگوئی میں بھی ساتھ نہ ہوں اور بدگمانی بھی نہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان مرد عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے اور جو شخص بلا دلیل شرعی کسی پر تہمت دھرے اس کی بات کو جھٹلانا اور رد کرنا بھی واجب ہے کیونکہ اس میں بلاوجہ مسلمان کی بے آبروئی ہے اور رسوائی ہے۔

حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے کسی مومن کی

حمایت کی کسی منافق کی بدگوئی سے اسے بچایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا۔ جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان کو عیب لگا دیا اللہ اسے دوزخ کے پل پر کھڑا کرے گا۔ یا تو اس سے نکل جائے یا وہیں کھڑا رہے گا (رواہ ابوداؤد) یعنی جس کو عیب لگایا تھا یا تو اسے راضی کرے یا اپنے کیے کی سزا پائے' یہاں عورتیں خاص کر دھیان دیں جو بات بات میں ایک دوسری کو چھنال' حرامزادی رنڈی فلاں سے پھنسی ہوئی کہہ دیتی ہیں' ساس بہو نند بھاوج کی لڑائیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے' اور بعض عورتیں تو اپنی لڑکیوں کو بھی نہیں بخشتی ہیں چھنال وغیرہ تو ان کا تکیہ کلام ہی ہو جاتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ جہالت سے بچائے)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے غائبانہ اپنے بھائی کی طرف سے دفاع کیا ہے (غیبت کے ذریعہ جس کا گوشت کھایا جا رہا تھا اس کی صفائی دی) اللہ تعالیٰ نے اس دفاع کرنے والے کے لئے اپنے اوپر یہ واجب کر لیا ہے کہ اسے دوزخ سے آزاد فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے گا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ سے دور رکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

آیت شریفہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ اہل ایمان کے بارے میں بدگمانی سے بچیں ایک حدیث میں ارشاد ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (کہ تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب باتوں میں جھوٹی چیز ہے) (رواہ البخاری) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے حسن الظن من حسن العبادۃ کہ نیک گمانی اچھی عبادت سے ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے یوں فرمایا لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (جب تم نے یہ بہتان والی بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنی جانوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا)

اس میں جو بانفسھم فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں اگر کسی مسلمان پر تہمت لگائی جائے تو سننے والے مسلمان یوں سمجھیں کہ یہ تہمت ہمیں ہی لگائی گئی ہے اور اس میں ہماری اپنی رسوائی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے سورہ حجرات میں ہے لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے چونکہ سب مسلمان ایک ہی ہیں اس لئے ایک کو تہمت لگانا یا لگانا سب کو تہمت لگانے کے ہم معنی ہے' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب اہل ایمان آپس میں مل کر ایسے ہیں جیسے ایک ہی شخص ہو اگر آنکھ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ (رواہ مسلم) لہٰذا جب ایک مسلمان کو جسمانی اور روحانی تکلیف پہنچے یا کوئی تہمت لگائی جائے تو سب کو تڑپ اٹھنا چاہئے تکلیف دور کرنے کے لئے سب فکر مند ہوں اور جو

تہمت لگی ہے ہر شخص یوں سمجھے کہ یہ تہمت مجھے لگائی گئی ہے پھر تہمت لگانے والے کے بارے میں یوں بھی کہے کہ یہ جھوٹا ہے مسلمان کی حمایت بھی کرے اور اس کی طرف سے دفاع بھی کرے۔

لَوْلَا جَآءُوْا عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (یہ لوگ اپنی بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ (سو جب وہ گواہ نہ لائیں تو وہ اللہ کے نزدیک یعنی اس کے نازل فرمودہ قانون شرعی کے اعتبار سے جھوٹے ہیں) اس میں تہمت لگانے والوں کو تنبیہ ہے کہ بن دیکھے ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت پر تہمت لگا رہے ہیں، جو لشکر سے پیچھے رہ گئے کیا لشکر سے پیچھے رہ جانا ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس کی طرف بری بات منسوب کی جائے نہ خود دیکھا اور نہ کسی اور شخص نے گواہی دی بس برائی کی تہمت لگا کر اچھالنا شروع کر دیا ان کا جھوٹا ہونا اسی سے ظاہر ہے۔ اگر کسی کو کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کے لئے چار عینی گواہ پیش کرے، گواہ نہ ہوں تو وہ قانون شرعی میں جھوٹا مانا جائے گا۔ اور اس پر حد قذف لگے گی جس کا پہلے رکوع میں ذکر ہو چکا ہے اس میں احکام اور قضاۃ کو بتا دیا کہ جو شخص کسی پر تہمت دھرے اس سے چار گواہ طلب کریں اگر وہ چار گواہ نہ لایا تو اس کو جوٹا سمجھیں اور اس پر حد قائم کر دیں چونکہ یہ آبرو کا معاملہ ہے اس لئے اس کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی شرط رکھی گئی ہے اور دیگر حقوق کے ثابت کرنے کے لئے دو گواہوں پر کفایت کی گئی ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے جب یہ قانون شرعی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے تہمت لگانے والوں سے کیوں گواہ طلب نہ فرمائے۔ گواہ طلب فرماتے اور چونکہ وہ گواہ طلب کرنے سے عاجز تھے اس لئے دن کے دن تہمت لگانے والوں پر حد جاری فرما دیتے ایک مہینہ تک پریشانی میں مبتلا رہنے کی کیا ضرورت تھی، اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ایمان لانے کے باوجود کوئی شخص آپ کی طرف سے بدگمان ہو کر اور کوئی ایسا ویسا کلمہ زبان سے نکال کر کافر ہو جائے بات کا اٹھانے اور پھیلانے والا تو منافقوں کا سردار تھا لیکن تین مسلمان بھی اس کے ہمنوا ہو گئے تھے اور بعض مسلمان خاموش تھے بعض متردد تھے اگر بات سنتے ہی اس وقت چٹ پٹ حد لگا دی جاتی تو اندیشہ تھا کچھ لوگ یوں خیال کر لیتے یا زبان سے کہہ دیتے کہ دیکھا چونکہ اپنا معاملہ تھا اس لئے بات کہنے والوں کی پٹائی کر کے دبا دیا اگر کوئی ایسا کہتا تو کافر ہو جاتا لوگوں میں سب طرح کے آدمی ہوتے ہیں ضعیف الایمان بھی پائے جاتے ہیں اور اس وقت مولفۃ القلوب بھی تھے اس لئے آپ نے ضعیف الایمان لوگوں کو ایمان باقی رکھنے کے لئے اپنی جان پر تکلیف برداشت فرمائی اور معاملہ کی تحقیق فرمائی پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل ہو گئی تو سب کو ماننا پڑا اور آپ نے بھی حد جاری فرما دی۔

یہ بات ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جب کسی کی بیوی کو تہمت لگائی جائے اور وہ غلط بھی ثابت ہو جائے تو وہ اسے اپنی کتاب میں ذکر نہیں کر سکتا رسول اللہ ﷺ کی چہیتی بیوی کو تہمت لگائی گئی تو اس کا ذکر قرآن مجید میں نازل ہو گیا اگر قرآن مجید اللہ کی کتاب نہ ہوتی یا آپ کی لکھی ہوئی ہوتی یا آپ کو کسی آیت یا مضمون کو چھپانے کا اختیار ہوتا تو آپ تہمت والے

مضمون کو باقی نہ رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید نہ آپ کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور نہ آپ کو کسی آیت یا مضمون کے چھپانے کا اختیار تھا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا حکم الٰہی کے مطابق اللہ کے بندوں تک پہنچایا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ یہ آیت ان مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بے احتیاطی کی وجہ سے اس تہمت میں کسی قسم کی شرکت کر بیٹھے تھے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان پر رحم فرمایا کہ توبہ کی توفیق دے دی اور آخرت کی معافی کا بھی وعدہ فرمایا اگر اللہ کی طرف سے توبہ کی توفیق نہ ہوتی تو جس شغل میں لگے تھے اس کی وجہ سے بڑا عذاب آ جاتا۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (جبکہ تم اس بات کو ایک دوسرے کے منہ سے سنتے تھے اور اپنے منہ سے نکالتے تھے اور ایسی بات کر رہے تھے کہ جس کا تمہیں علم نہیں اور تم خیال کر رہے تھے کہ یہ ہلکی بات ہے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے) یعنی جو کوئی کسی پر تہمت رکھی جائے اسے سنانا لے اڑنا دوسروں تک پہنچانا بڑا گناہ ہے اور اس بات کو ہلکا سمجھنا سخت غلطی کی بات ہے اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب کسی کے بارے میں کوئی تہمت کی بات کہی جائے تو اسے نقل کر کے اپنی ذات کو یوں کہہ کر بے قصور قرار دینا کہ ہم نے تو تہمت نہیں گڑھی تم نے تو سنی ہوئی بات نقل کی ہے یہ بھی ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے تہمت والی بات کو نقل کرنا ہی گناہ ہے اور بڑا گناہ ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا جب اس بات کو سنا تو تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ ہم اس بات کو اپنی زبان پر نہیں لا سکتے۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (یعنی تمہیں اس بات کو سنتے ہی تعجب سے یوں کہنا چاہئے کہ سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے) اس میں مسلمانوں کو یہ بتایا کہ تہمت والی خبر سنتے ہی صاف کہہ دیں کہ ہم اسے زبان پر نہیں لا سکتے یہ تو بہتان عظیم ہے۔ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو پھر ایسی حرکت مت کرنا)

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ تمہارے لئے واضح طور پر آیات بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے) اس میں حد قذف قبول توبہ نصیحت موعظت سب داخل ہیں جن کو ندامت تھی ان کی توبہ قبول فرمائی اور حد جاری کرنے میں حکمت تھی اس لئے حد بھی جاری کرا دی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (بلاشبہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے) اس آیت میں بطور قاعدہ کلیہ ایک بات بتا دی اور یہ فرمایا کہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں

دردناک عذاب ہے جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے میں حصہ لیا اس میں ان کو بھی تنبیہ ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی تنبیہ ہے تہمت لگانا تو گناہ ہے ہی اگر کوئی شخص کسی کو تہمت لگا دے یا کسی شخص سے بے حیائی کا گناہ صادر ہو ہی جائے اور اس کا کسی کو پتہ چل جائے تب بھی اس بات کو نہ اچھالے گناہ گار کی پردہ پوشی کرے ہاں سمجھانے کا اہل ہو تو اصلاح کی نیت سے احسن طریقہ پر سمجھا دے اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص نے بے حیائی کا کام کیا ہے تو امیر المومنین یا قاضی حسب قانون شرعی حد جاری کر دے اس حد جاری کرنے میں بھی بے حیائی کی روک تھام ہے بے حیائی کا عملی طور پر پھیلانا یا کسی بے حیائی والے کام کا چرچا کرنا اور شہرت دینا یہ سب یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ میں داخل ہے جو لوگ ایسی حرکت کریں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں عذاب الیم کی وعید بیان فرمائی۔

آج کل فواحش اور منکرات کا زور ہے یہود و نصاریٰ مسلمانوں میں بے حیائی کا رواج دینے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمان خود بھی ایسی ایسی فلمیں دیکھتے اور بناتے ہیں اور ایسے ایسے اخبار و رسالے شائع کرتے ہیں اور ایسے ایسے ناول اور افسانے لکھتے ہیں جن سے مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہوتا ہے ان سب کو لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کی وعید شامل ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور رحمت ہے اور یہ بات کہ اللہ رؤف ہے رحیم ہے تو تم بھی نہ بچتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ

اے ایمان والو شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو اور جو شخص شیطان کے قدموں کے پیچھے

الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

چلتا ہے سو وہ بے حیائی کے کاموں کا اور برائیوں کا حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا

تو تم میں سے کبھی بھی کوئی شخص پاک نہ ہوتا، لیکن اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اور جو

يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

لوگ تم میں سے بڑے درجے والے اور وسعت والے ہیں وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

مال نہ دینے کی قسم نہ کھالیں اور معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا

رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

مہربان ہے، بلاشبہ جو لوگ بے خبر مومن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا

اوران کے لئے بڑا عذاب ہے، جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو یہ لوگ

كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

کیا کرتے تھے اس دن اللہ ان کو پوری سزا دے گا جو ان کی واقعی سزا ہوگی اور وہ لوگ جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ حق ہے اور ظاہر

الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ

فرمانے والا ہے۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ

لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾

عورتوں کے لائق ہیں یہ لوگ اس سے بری ہیں جو تہمت لگانے والے کہتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے۔

شیطان کے اتباع سے بچو' خیر کے کام سے بچنے کی قسم نہ کھاؤ' بہتان لگانے والوں کے لئے عذاب عظیم ہے پاکیزہ لوگوں کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے

تفسیر: یہ چھ آیات ہیں ان کا تعلق بھی انہی مضامین سے ہے جو سورۃ کے شروع سے لیکر اب تک بیان کئے گئے۔

پہلی آیت میں اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو۔ یعنی اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلو جو شخص شیطان کا اتباع کرے گا یعنی اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا شیطان اسے برباد کر دے گا کیونکہ وہ بے حیائی کے کاموں کا اور طرح طرح کی برائیوں کا حکم دیتا ہے جس نے اس کی بات مانی وہ گمراہی کے گڑھے میں گرا' پھر اگر توبہ نہ کی تو ہلاک ہوا۔ پھر فرمایا کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی توفیق ہی نہ ہوتی جیسا کہ منافقین نفاق پر بھی اڑے رہے حضرت صدیقہ کو تہمت لگائی اس پر بھی جمے رہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ (اور لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بنا دیتا ہے) گناہ گاروں کو توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور جس پاک دامن کو تہمت لگا دی جائے اس کی برأت کا راستہ نکال دیتا ہے وَاللّٰهُ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) ہر شخص کی اچھی بری بات کو سنتا ہے اور ہر ایک کے ہر عمل کو جانتا ہے۔

دوسری آیت وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ میں یہ فرمایا کہ تم میں سے بڑے درجے والے اور وسعت والے ایسی قسمیں نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کریں گے پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ دار مسطح بن اثاثہ پر مال خرچ کیا کرتے تھے جب مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمادی تو حضرت ابوبکر صدیق نے قسم کھالی کہ اب تجھ پر خرچ نہ کروں گا۔ اس پر آیت کریمہ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ (آخر تک) نازل ہوئی تفسیر درمنثور میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو اور درگذر کا حکم ہوا اور اللہ نے یوں بھی فرمایا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں مغفرت فرمائے) تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو بلایا اور انہیں یہ آیت سنائی اور فرمایا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے) حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں تو ضرور یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لہٰذا تم معاف کرو درگذر کرو اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم اب تو یہ ضروری بات ہوگئی کہ آج سے پہلے میں جو کچھ مسطح پر خرچ کیا کرتا تھا اسے نہیں روکوں گا وہ بدستور جاری رہے گا۔ درمنثور میں ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مسطح پر اس سے دوگنا خرچ فرمایا کرتے تھے جو پہلے خرچ کرتے تھے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضرت ابو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کوئی قسم کھالوں پھر قسم کی خلاف ورزی کرنے میں خیر دیکھوں تو قسم کا کفارہ دے دوں گا اور جو بہتر کام ہے اسی کو کروں گا۔

درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ تھے جن لوگوں نے اپنے ان رشتہ داروں کا خرچہ بند کرنے کی قسم کھالی تھی جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں کچھ حصہ لیا تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب کو تنبیہ کی اور آیت بالا نازل فرمائی۔ (ج ۵ ص ۳۴، ۳۵)

تیسری اور چوتھی اور پانچویں آیت میں پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانے والوں کی سزا اور دنیا اور آخرت کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا اوّل تو یہ فرمایا کہ جو لوگ ان عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں جو پاک دامن ہیں اور برے کاموں سے غافل ہیں اور مومن ہیں ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، پھر فرمایا کہ ان کی بدحرکتوں کا ثبوت قیامت کے دن خود ان کے اپنے اعضاء کی گواہی سے ہوگا۔ قیامت کے دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو کام وہ لوگ دنیا میں کیا کرتے تھے زبان کہے گی اس نے مجھے فلاں فلاں بری باتوں میں استعمال کیا اور ہاتھ پاؤں کہیں گے کہ اس نے ہمیں گناہ گاری کے فلاں فلاں کام میں استعمال کیا۔

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ سورہ یٰسٓ میں اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ فرمایا (کہ ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے) اور سورۂ نور میں فرمایا ہے یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ فرمایا (کہ ان کی زبانیں گواہی دیں گے) اس میں بظاہر تعارض ہے اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف اوقات میں ہوگا بعض اوقات میں زبانیں گونگی ہو جائیں ان پر مہر لگا دی جائیں گی کچھ بول نہ سکیں گے پھر بعد میں زبان کو بولنے کی طاقت دیدی جائے گی اور جس کی زبان تھی خود زبان اس کے خلاف گواہی دیگی۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ (الایۃ) اس روز اللہ تعالیٰ ان کا پورا پورا بدلہ دے دیگا جو ان کا واقعی بدلہ ہوگا۔ یہ بدلہ عذاب کی صورت میں سامنے آئے گا اور اس دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی اللہ تعالیٰ صحیح اور ٹھیک فیصلہ دینے والا ہے اور وہ حقیقت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ یہاں دنیا میں اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میرے اعمال کا محاسبہ نہیں ہوگا یہ اس کی جہالت اور ضلالت کی بات ہے قیامت کے دن جب محاسبہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے فیصلے سامنے آ جائیں گے جو بالکل حق اور صحیح ہونگے مجرمین یہ جان لیں گے کہ ہمارا یہ سمجھنا کہ ہماری حرکتوں کا کسی کو پتہ نہ چلے گا غلط نکلا اللہ تعالیٰ نے سب کو ظاہر فرما دیا۔

یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں ہیں جنہوں نے آیات برأت نازل ہونے کے بعد بھی توبہ نہ کی اور تہمت والی بات سے باز نہ آئے۔

چھٹی آیت میں یہ فرمایا کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں اس میں اول تو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعتوں میں جوڑ رکھا ہے گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے اور بدکار مرد گندی اور بدکار عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اس طرح پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کی طرف اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسی طبعی اور رغبت کی مناسبت کی وجہ سے اچھوں کو اچھا جوڑا مل جاتا ہے اور بروں کو برا جوڑا حاصل ہوتا ہے اس سے معلوم ہو گیا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو اللہ تعالیٰ نے بیویاں عطا فرمائیں وہ پاکیزہ بیویاں تھیں رسول اللہ ﷺ جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں ان کی ازواج بھی طاہرات اور مطہرات اور پاکیزہ ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں سردار انبیاء ﷺ کی زوجیت کا شرف عطا فرما دیا تو اب ان کے بارے میں بری بات کا خیال کرنا اور زبان پر لانا رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس پر حملہ کرنے کے مترادف ہوا۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں (جنہوں نے بری بات کو اٹھایا اور آگے بڑھایا اور پھیلایا اور پھر آیت قرآنیہ نازل ہونے پر بھی توبہ نہ کی) لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فرمادیا اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ (یہ پاکیزہ مرد اور پاکیزہ عورتیں ان چیزوں سے بری ہیں جو لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں یعنی تہمت لگاتے ہیں) لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ (ان کے لئے گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے) یعنی ان کے لئے جنت ہے جس میں عزت کے ساتھ کھائیں گے۔

مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کی تصریح کے ساتھ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی برأت کی بھی تصریح آ گئی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۳۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے چند چیزوں پر فخر ہے پھر اس کو اس طرح بیان فرماتی تھیں (۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے علاوہ کسی بکر یعنی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا (۲) رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ میری گود میں تھے۔ (۳) اور آپ میرے گھر میں دفن ہوئے۔ (۴) اور آپ کے اوپر (بعض مرتبہ) ایسی حالت میں وحی آتی تھی کہ آپ میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہوتے تھے۔ (۵) اور آسمان سے میری برأت نازل ہوئی۔ (۶) میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور دوست (یارغار) کی بیٹی ہوں۔ (۷) اور میں پاکیزہ پیدا کی گئی۔ (۸) اور مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا۔

اور الاصابہ میں بحوالہ طبقات ابن سعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یوں نقل کیا ہے کہ مجھے چند ایسی نعمتیں عطا کی گئی ہیں جو میرے علاوہ کسی اور عورت کو نصیب نہیں ہوئیں۔ (۱) میں سات سال کی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا ہے۔ (۲) فرشتہ میری صورت آپ کے پاس ایک ریشمین کپڑے میں لیکر آیا تا کہ آپ ﷺ مجھے دیکھ لیں۔ (۳) میں نو سال کی تھی جب زفاف ہوا۔ (۴) میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ (۵) میں بیویوں میں آپ کی سب سے زیادہ محبوب تھی۔ (۶) میں نے آپ کی آخری حیات میں آپ کی تیمارداری کی میرے ہی پاس آپ کی وفات ہوئی آپ کی وفات کے وقت میرے اور فرشتوں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ (انتھی) وراجع الدر المنثور ج ۵ ص ۳۲

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچہ کو قوت گویائی دی اور اس نے ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جبکہ وہ گود ہی میں تھے) ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی اور ان کی برأت ظاہر فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قران مجید میں متعدد آیات نازل فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جو تہمت لگائی گئی تھی قرآن مجید میں ان کی برأت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو جھوٹا قرار دیا اور جنہوں نے آیت نازل ہونے کے بعد بھی اعتقاد تہمت سے توبہ نہ کی ان کے لئے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے لئے عذاب عظیم ہے اور یہ بھی فرمایا ان کی حرکت کا اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اس سب کے باوجود مدعیان اسلام میں جو شیعہ فرقہ ہے وہ یہی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر جو تہمت لگائی تھی وہ صحیح تھی اور ساتھ ہی یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ جب امام مہدی تشریف لائیں گے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر سے نکال کر حد لگائیں گے (العیاذ باللہ) یہ لوگ آیت قرآنیہ کے منکر اور مکذب ہونے کی وجہ سے کافر ہیں اور لُعِنُوْا فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کا مصداق ہیں قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۟ وَتُسَلِّمُوا۟ عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ۚ

اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ انسیت حاصل نہ کرلو اور ان گھروں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو

ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا۟ فِيهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ

یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرلو۔ سو اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اس وقت تک ان میں داخل نہ ہو جب تک

يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ٱرْجِعُوا۟ فَٱرْجِعُوا۟ ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨﴾

تمہیں اجازت نہ دی جائے سو اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہوجاؤ تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لئے خوب زیادہ پاکیزگی کی چیز ہے، جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ جاننے والا ہے۔

لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَٰعٌ لَّكُمْ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ

اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہیں ان میں تمہارے استعمال کرنے کی کوئی چیز ہو۔ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾

جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

دوسروں کے گھر جانے میں اندر آ جانے کی اجازت لینے کی ضرورت اور اہمیت استیذان کے احکام و آداب

تفسیر: یہاں سے سورہ نور کا تیسرا رکوع شروع ہو رہا ہے شروع سورت سے فواحش اور بے حیائی کی روک تھام اور بے حیائی والے کام کی سزا اور تہمت لگانے والے کی سزا کا اور تہمت لگانے کی مذمت کا بیان تھا۔ جو فواحش اور منکرات ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ یوں ہی آن واحد میں موجود نہیں ہو جاتے' ان سے پہلے کچھ ایسے اسباب اور دواعی ہوتے ہیں جو قریب کرتے کرتے ایک دن بے حیائی کے کام پر ڈال دیتے ہیں ان میں ایک بہت بڑا سبب ایسی جگہ نظر کا پڑ جانا بھی ہے جہاں نظر کا ڈالنا ممنوع ہے نظر کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے گھروں میں داخل ہونے کے واسطے اجازت لینے کا حکم دیا ہے اور ان آیات میں اجازت لینے کا قانون بتایا ہے' ارشاد فرمایا ہے کہ جو گھر تمہارے نہیں ہیں (یعنی جن میں تم نہیں رہتے) ان میں انسیت حاصل کئے بغیر داخل مت ہو۔ انسیت حاصل کرنے سے اجازت لینا مراد ہے مفسرین نے اس کی تفسیر حَتّٰی تَسْتَاْذِنُوْا سے کی ہے' جو شخص اندر آنا چاہتا ہے اجازت لیتا ہے نام بتاتا ہے وہ صاحب خانہ سے مانوس ہوتا ہے اور انہیں اپنی ذات سے مانوس کرتا ہے اس لئے حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا فرمایا اور ساتھ ہی وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا بھی فرمایا یعنی اجازت لینے کے ساتھ سلام کرنے کا حکم دیا ایک صحابی سلام کئے بغیر اور اجازت

لیے بغیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہو گئے آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور یوں کہو السلام علیکم ادخل (تم پر سلام ہو کیا میں داخل ہو جاؤں) رواہ ابوداؤد

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا تاذنوا لمن لم یبدا بالسلام (اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو جو سلام سے ابتدا نہ کرے) مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۱

ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ (سو اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے) خالی گھر دیکھ کر اندر نہ چلے جاؤ کیونکہ اولاً تو یہ احتمال ہے کہ اس میں اندر کوئی آدمی موجود ہو لیکن تمہیں پتہ نہ چلا ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر مکان خالی ہی ہو تب بھی بلا اجازت اندر چلا جانا درست نہیں ہے کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں ایک طرح کا بلا اجازت تصرف کرنا ہوگا، جس گھر میں یہ احتمال ہے کہ کوئی شخص اندر نہیں ہے جب اس میں بلا اجازت اندر جانا ممنوع ہے تو جس مکان میں کسی مرد یا عورت کے موجود ہونے کا علم ہو اس میں بلا اجازت اندر جانا کیسے جائز ہوگا؟ اس کے بعد فرمایا وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ (اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لئے پاکیزہ ترین بات ہے)

اس آیت میں یہ بتا دیا کہ جب کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت مانگو اور اندر سے یوں کہہ دیا جائے کہ واپس تشریف لے جایئے (اس وقت موقع نہیں ہے یا ہماری اور آپ کی ایسی بے تکلفی نہیں جس کی وجہ سے اندر بلائیں زبان قال سے کہیں یا زبان حال سے محسوس ہو یا اور کوئی سبب ہو) تو واپس ہو جائیں اس میں خفت اور ذلت محسوس نہ کریں یہ جو فرمایا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ اس میں بتا دیا کہ جب اجازت مانگنے پر واپس ہونے کو کہہ دیا جائے تو واپس ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہیں دھرنا دیکر بیٹھ جائے اور وہاں سے نہ ٹلے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی۔ اگر پہلی ہی بار اندر سے جواب مل جائے تو آگے اجازت لینے کی فکر ہی میں نہ پڑے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی اور اگر پہلی بار اجازت لینے پر واپس ہونے کو کہہ دیا گیا تو اب اندر آنے کی ممانعت کے بعد بھی اجازت پر اصرار کرے تو اسے ذلیل ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

جب کسی گھر میں اندر جانے کی اجازت مانگی اور کوئی اندر سے نہ بولا پھر دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا اور تیسری بار بھی تو واپس ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اذا استاذن احدکم ثلاثا فلم یؤذن له فلیرجع (تم میں سے کوئی جب تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے) (رواہ البخاری ص ۹۲۳)

ایک مرتبہ رسول ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے آپ نے تین بار اجازت طلب فرمائی اندر سے جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے اندر سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ جلدی سے نکلے اور آپ کو اندر لے گئے اور آپ کی خدمت میں کھانے کے لئے کشمش پیش کئے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۹)

اس سے معلوم ہوا جب تین بار اجازت طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملے تو اس کے بعد اجازت لینے کے لئے چپکتے رہنا مسلسل گھنٹیاں بجانا کواڑ پیٹنا یہ سب خلاف شریعت ہے اس میں اپنی جان کو بھی بے آبرو ہونے کے لئے پیش کرنا ہے اور صاحب خانہ کو بھی دکھ دینا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ (اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہ ہو ان میں تمہارے استعمال کرنے کی کوئی چیز ہو) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ (اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو) اس آیت میں ان گھروں میں اجازت طلب کئے بغیر اندر جانے کی اجازت دیدی جن میں عموماً سب کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے اور جو کسی خاص فرد یا خاندان کی رہائش کے لئے مخصوص نہیں ہوتے جیسے رباطیں اور مسافر خانے اور مدرسے خانقاہیں ہسپتال ان میں اصول شریعت کے مطابق آنے جانے والوں کو نفع حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے ان میں داخل ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہاں مسجد میں امام کا کمرہ مدرسوں میں طلبہ کے حجرے خانقاہوں میں ذاکرین کے خاص غرفے اداروں کے دفاتر جن میں سب کو آنے کی اجازت نہیں ان میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا ضروری ہے تفسیر جلالین میں بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے ای منفعته لکم باستکنان وغیرہ لبیوت الربط والخانات المسبلة (یعنی تمہارے لئے اس میں چھپانے وغیرہ کا فائدہ ہو) (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۳۷)

حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے۔ ھی الخانات والبیوت والمنازل المبنیه للسابلة لیاووا الیها ویؤووا امتعتهم الیها فیجوز دخولها بغیر استئذان والمنفعة فیها بالنزول وایواء المتاع والاتقاء من الحر والبرد (اس سے مراد دکانیں، گھر اور راستوں پر بنی ہوئی سرایوں میں تاکہ ان میں داخل ہوں اور اپنے سامان اس میں رکھیں پس ان میں بغیر اجازت داخل ہونا جائز ہے اور ان میں نفع ٹھہرنے، سامان رکھنے اور سردی گرمی سے بچنے کا ہوتا ہے)

اور حضرت عطاء نے بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے مراد ان گھروں سے ٹوٹے پھوٹے گرے پڑے ویران ہیں اور متاع سے قضائے حاجت مراد ہے مطلب یہ کہ ٹوٹے پھوٹے ویران کھنڈر گھروں میں پیشاب پاخانہ کی حاجت پورا کرنے کے لئے جاؤ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے (ذکرہ فی معالم التنزیل ایضا)

تفسیر درمنثور میں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قریش کے تاجر مکہ مدینہ اور شام اور بیت المقدس کے درمیان سفر کرتے ہیں اور راستوں میں گھر بنے ہوئے ہیں انہیں میں ٹھہر جاتے ہیں ان میں کوئی رہتا ہی نہیں ہے تو کس سے اجازت لیں کس کو سلام کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ نازل فرمائی اور مذکورہ گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت دیدی (درمنثور ج ۵ ص ۴۰)

احادیث شریفہ میں استیذان کے احکام و آداب

ذیل میں چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے جن میں کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت لینے کے احکام و آداب مذکور ہیں حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی خاندان کے دروازہ پر تشریف لاتے

(اور اجازت لینے کے لئے کھڑے ہوتے) تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کے دائیں جانب یا بائیں جانب کھڑے ہو کر السلام علیکم السلام علیکم فرماتے تھے اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہیں تھے۔ (رواہ ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ جب اندر آنے کی اجازت لینے لگے تو اپنی نظر کی حفاظت کرے تا کہ کھلے دروازہ کے اندر سے یا کواڑوں کی شگاف سے اندر نظر نہ جائے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جو کسی کے لئے حلال نہیں ہیں (۱) کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ کچھ لوگوں کا امام بنے پھر دعا کرنے لگے تو انہیں چھوڑ کر اپنے ہی نفس کو دعاء کے لئے مخصوص کر لے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کی خیانت کی۔ (۲) اور اجازت سے پہلے کسی گھر کے اندر نظر نہ ڈالے اگر ایسا کیا تو اس گھر کے رہنے والوں کی خیانت کی (۳) اور کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے جب کہ پیشاب پاخانہ کو روکے ہوئے ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دروازہ کے سوراخ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں نظر ڈالی اس وقت آپ کے ہاتھ میں کنگھی کی قسم کی ایک چیز تھی جس سے سر مبارک کو کھجا رہے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے دیکھ رہا تو اس کنگھی کرنے کی چیز سے تیری آنکھوں کو زخمی کر دیتا' اجازت تو نظر ہی کی وجہ سے رکھی گئی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۲۲)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ دَخَلَ یعنی جس نے اندر نظر ڈال دی تو وہ تو داخل ہی ہو گیا (رواہ ابوداؤد) مطلب یہ ہے کہ دیکھ رہا ہے تو اجازت کیوں لے رہا ہے اجازت اسی لئے رکھی گئی ہے کہ صاحب خانہ اپنے خانگی احوال کو دکھانا نہیں چاہتا۔ جب اجازت سے پہلے دیکھ لیا تو گویا اندر ہی چلا گیا۔

جب اجازت لینے کے لئے کسی کا دروازہ یا گھنٹی بجائے اور اندر سے کوئی سوال کرے کہ کون ہے تو واضح طور پر اپنا نام بتا دے اور اہل خانہ نام سے بھی نہ پہنچانتے ہوں تو اپنا صحیح پورا تعارف کرا دے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں اپنے والد کی قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے اندر سے فرمایا کون ہے؟ میں نے جواب میں عرض کر دیا انا (یعنی میں ہوں) آپ نے کراہت کے انداز میں فرمایا انا انا (رواہ البخاری ص ۹۲۳) مطلب یہ ہے کہ میں میں کرنے سے اہل خانہ کیا سمجھیں کہ کون ہے میں تو ہر شخص ہے۔

جس گھر میں کوئی شخص خود اکیلا ہی رہتا ہو اس میں تو اسے کسی استئذان یعنی اجازت لینے کی ضرورت نہیں دروازہ کھولے اندر چلا جائے۔ لیکن جس گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہیں اگر چہ اپنے محارم ہی ہوں (والدین بہن بھائی وغیرہ) تب بھی اندر جانے کی اجازت لے حضرت عطاء بن یسار (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کیا میں اپنی والدہ کے پاس بھی اجازت لیکر جاؤں آپ نے فرمایا ہاں اندر جانے کے لئے والدہ سے بھی اجازت لو اس شخص نے کہا میں تو والدہ کے ساتھ گھر میں رہتا ہی ہوں آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس سے اجازت لیکر اندر جاؤ' اس شخص نے کہا

کہ میں اپنی والدہ کا خدمت گذار ہوں (جس کی وجہ سے اکثر اندر آنا جانا پڑتا ہے) آپ نے فرمایا بہرصورت اجازت لیکر داخل ہو کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھ لے اس نے کہا یہ تو پسند نہیں ہے آپ نے فرمایا بس تو اس کے پاس اجازت لیکر جاؤ۔ (رواہ مالک وھو حدیث مرسل)

اگر کسی گھر میں صرف میاں بیوی رہتے ہوں تب بھی مستحب یہ ہے کہ بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے داخل ہونے سے پہلے کھانس سے کھنکار سے یا پاؤں کی آہٹ سے باخبر کر دے کہ میں آ رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے بیان کیا کہ عبداللہ جب کبھی بھی باہر سے گھر میں آتے تو دروازے سے باہر کھنکار کے پہلے سے اپنے آنے کی اطلاع دے دیتے تھے تاکہ وہ ہمیں ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو ناپسند ہو۔ (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ)

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بیوی یہ سمجھ کر میاں کو جلدی آنا نہیں ہے بناؤ سنگار کے بغیر گھر میں رہتی ہے ایسی حالت میں اچانک شوہر کی نظر پڑ جائے تو ایک طرح کی وحشت معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کے امور کی وجہ سے اسے بھی مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے کہ جس گھر میں صرف بیوی ہو اس میں بھی کسی طرح اپنی آمد کی اطلاع دیکر داخل ہو گو میاں بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں ہے۔

عورتیں بھی عورتوں کے پاس اجازت لیکر جائیں کیونکہ معلوم نہیں کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کس حال میں ہے؟ عورت کو بھی دوسری عورت کے جسم کے ہر حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے اگر وہ غسل کر رہی ہو یا کپڑے بدل رہی ہو تو بلا اجازت اس کے گھر میں داخل ہونے کی صورت میں بدن کے اس حصہ پر نظر پڑ جانے کا احتمال رہے گا جسے دوسرے عورت کو شرعاً دیکھنا جائز نہیں ہے (اس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی) پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کسی ایسی شغل میں ہو جس کی وجہ سے بات کرنے کی فرصت نہ ہو یا اپنی مشغولیت سے کسی عورت کو باخبر کرنا مناسب نہ جانتی ہو تفسیر ابن کثیر میں حضرت ام ایاس سے نقل کیا ہے کہ ہم چار عورتیں تھیں جو اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا کرتی تھیں گھر میں جانے سے پہلے ہم ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کیا کرتے تھے جب اجازت دیتی تھیں تو ہم اندر چلے جاتے تھے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اجازت لینے والے کی آواز باہر سے پہنچ سکتی ہے ایسی صورت میں اجازت لینے والے کو السلام علیکم کہہ کر اور اپنا نام بتا کر اجازت لینا چاہئے تاکہ اندر سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے کہ تم کون ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لئے گئے تو باہر سے یوں کہا **السلام علیکم ھذا عبداللہ بن قیس السلام ھذا ابو موسیٰ السلام علیکم ھذا الاشعری** (رواہ مسلم ج ۲ ص ۲۱۱)

اگر کسی شخص کو بلا کر بھیجا ہو اور جسے بلایا ہو وہ اسی وقت قاصد کے ساتھ آ گیا اور قاصد بغیر اجازت اسے اپنے ساتھ اندر لیجانے لگے تو اس صورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ **فقد روی ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دعی احدکم فجاء مع الرسول فان ذلک لہ اذن** (رواہ ابو داؤد)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو اس کے لئے یہی اجازت ہے) (وجہ اس کی یہ ہے کہ جو بلانے گیا

ہے وہی ساتھ لیکر اندر داخل ہورہا ہے اسے معلوم ہے کہ اندر بلا اجازت چلے جانے کا موقع ہے)

فائدہ: (۱) بعض متعلقین سے بہت زیادہ بے تکلفی ہوتی ہے اور ایسے دوست کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جاؤں گا تو صاحب خانہ کو تکلیف نہ ہوگی اور یہ موقع عورتوں کے پاس ہونے کا اور کسی راز کی بات کا نہیں ہے۔ ایسا شخص اپنے دوست کی عام اجازت پر (جو خاص طور سے اسے دی گئی ہو) نئی اجازت لئے بغیر بھی داخل ہوسکتا ہے۔ اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے لئے میرے پاس آنے کی بس یہی اجازت ہے کہ تمہیں میری آہستہ کی آواز سنکر یہ پتہ چل جائے کہ میں اندر موجود ہوں تم پردہ اٹھاؤ اور اندر آجاؤ۔ ہاں اگر میں منع کردوں تو اور بات ہے (رواہ مسلم)

فائدہ: (۲) اجازت دینے کے لئے زبان ہی سے اجازت دینا ضروری نہیں اگر اجازت دینے کے لئے آپس میں کوئی اصطلاح مقرر کر رکھی ہو اور اس کے مطابق عمل کرلیا جائے تو وہ بھی اجازت میں شمار ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا ایک بار دن کو ایک بار رات کو جانا ہوتا تھا جب میں رات کو جاتا تھا تو آپ مٹھار دیتے تھے۔ (رواہ النسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۰۱)

فائدہ: (۳) اگر کوئی شخص کسی شیخ یا استاد کے پاس جائے اور دروازہ بجائے بغیر وہیں دروازہ سے ہٹ کر ایک طرف اس انتظار میں بیٹھ جائے کہ اندر سے نکلیں گے تو بات کرلوں گا یا کوئی مسئلہ پوچھ لوں گا یا آپکے ساتھ مدرسہ یا بازار جانے کے لئے ہمراہ ہوجاؤں گا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس سے اہل خانہ کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں ہوگی۔

فائدہ: (۴) اگر کسی کے کواڑوں پر دستک دیں تو اتنی زور سے ہاتھ نہ ماریں کہ اہل خانہ پریشان ہوجائیں۔ سوتے ہوئے جاگ اٹھیں یا نماز پڑھنے والے تشویش میں پڑجائیں، اتنے آہستہ سے بجائے کہ اندر آواز پہنچ جائے کہ کوئی شخص دروازہ پر ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آپ مومنین سے فرمادیجئے کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہونے کی بات ہے بلاشبہ اللہ

خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو اور مومن عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ

اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپوں پر یا اپنے شوہروں کے باپوں پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ

شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کی بیٹیوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی مملوکہ

اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا

باندیوں پر یا ایسے مردوں پر جو طفیلی بن کر رہتے ہیں جنہیں کوئی حاجت نہیں یا ایسے لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا

کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور مومن عورتیں زور سے اپنے پاؤں نہ ماریں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے اور اے مومنو!

اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

نظر کی حفاظت اور عفت و عصمت کا حکم، محارم کا بیان

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں پردہ کے احکام بیان فرمائے ہیں، اول تو مردوں اور عورتوں کو نظریں پست یعنی نیچی رکھنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں یعنی زنا نہ کریں۔ دونوں باتوں کے ساتھ جوڑ کر یہ بتا دیا کہ نظر کی حفاظت نہ ہوگی تو شرم گاہوں کی حفاظت بھی نہ رہے گی۔ گھروں میں جانے کے لئے جو اجازت لینے کا حکم ہے اس میں جہاں دیگر امور کی رعایت ملحوظ ہے وہاں حفاظت نظر بھی مطلوب ہے، جب نظر کی حفاظت ہوگی تو مرد عورت کا میل جول آگے نہیں بڑھے گا اور زنا تک نہ پہنچیں گے۔ چونکہ نظر کو بھی مزہ آتا ہے اور نظر بازی سے دواعی زنا کی ابتداء ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نظر پر پابندی لگائی ہے اور نظر کو بھی زنا قرار دیا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کو سچا کر دیتی ہے یا جھوٹا کر دیتی ہے۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۳۶)

مطلب یہ ہے کہ زنا سے پہلے جو زانی مرد اور زانی عورت کی طرف سے نظر بازی اور گفتگو اور چھونا اور پکڑنا اور چل کر جانا ہوتا ہے یہ سب زنا میں شمار ہے اور یہ چیزیں اصل زنا تک پہنچا دیتی ہیں بعض مرتبہ اصل زنا کا صدور ہو ہی جاتا ہے۔ (جس کے بارے میں فرمایا کہ شرم گاہ تصدیق کر دیتی ہے) اور بعض مرتبہ اصلی زنا رہ جاتا ہے مرد عورت اسے نہیں کر پاتے (جس کو یوں بیان فرمایا کہ شرم گاہ جھٹلا دیتی ہے۔ یعنی اعضاء سے زنا کا صدور تو ہو گیا لیکن اس کے بعد اصلی زنا کا موقع نہیں لگتا) حفاظت نظر کا حکم مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی ہے۔ نظر کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں، عورت عورت کے کس حصے پر نظر ڈال سکتی ہے اور مرد مرد کے کس حصہ کو دیکھ سکتا ہے اس کے بھی قوانین ہیں اور شہوت کی نظر

تو بجز میاں بیوی کے کسی کے لئے حلال نہیں۔ جس نظر سے نفس کو مزہ آئے وہ شہوت کی نظر ہے اگر عورت پردہ نہ کرے مردوں کو تب بھی نظر ڈالنا ممنوع ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ راستوں میں مت بیٹھا کرو، صحابہ نے عرض کیا ہمارے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے ہم راستوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں' آپ نے فرمایا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دیا کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے؟ فرمایا نظریں پست رکھنا' کسی کو تکلیف نہ دینا' سلام کا جواب دینا' بھلائی کا حکم کرنا' گناہ سے روکنا۔ (رواہ البخاری) اپنے محرموں سے پردہ نہیں ہے لیکن اگر وہاں بھی شہوت کی نظر پڑنے لگے تو پردہ لازم ہے اگر کوئی عورت یہ سمجھتی ہو کہ میرا فلاں محرم مجھ پر بری نظر ڈالتا ہے تو پردہ کرے' اگر بے دھیانی سے کہیں ایسی نظر پڑ جائے جو حلال نہیں ہے تو فوراً نظر کو ہٹالیں حضرت جریر بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نظر کو پھیر لو (رواہ مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے علی نظر پڑ جانے کے بعد نظر کو باقی نہ رکھو یعنی جو نظر بے اختیار پڑ جائے اس کو فوراً ہٹالو کیونکہ بے اختیار جو نظر پڑی اس پر مواخذہ نہیں اگر نظر کو باقی رکھا تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ **فان لک الاولی ولیست لک الآخرۃ** (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۹) حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہو جاتا ہوں۔ (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) جب وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کردو (۴) اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھو (۵) اور اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم وزیادتی سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

حفاظت نظر اور حفاظت شرم گاہ کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا۔ **وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے اوپر کی چادر مراد ہے۔ جب عورت اچھی طرح کپڑوں میں لپٹ کر چوڑی چکلی چادر اوڑھ کر منہ چھپا کر کسی ضرورت سے باہر نکلے گی تو اوپر کی چادر پر مردوں کی نظر پڑے گی' چونکہ عورت مجبوری سے نکلی ہے اور اوپر کی چادر پر شہوت کی نظر بھی نہیں پڑتی اس لئے اس طرح کا نکلنا ممنوع نہیں ہے۔ اس پر نظر پڑ جائے تو یہ اس اظہار زینت میں شامل نہیں ہے جو ممنوع ہے۔ اظہار زینت کی ممانعت کے بعد فرمایا **وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ** (اور چاہیے کہ مومن عورتیں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہا کریں) اس میں سینہ ڈھانکے رہنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ گریبان عموماً سینے پر ہی ہوتا ہے' زمانہ جاہلیت میں عورتیں سروں پر دوپٹے ڈال کر دونوں کنارے پشت کی طرف چھوڑ دیا کرتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مومن عورتوں کو حکم دیا کہ ان چیزوں کو چھپا کر رکھیں۔

صحیح بخاری (ص ۷۰۰ ج ۲) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں **وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ** کا حکم نازل فرمایا تو صحابی عورتوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنالئے' یہ

حدیث سنن ابی داؤد (کتاب اللباس ج ۲ ص ۲۱۱) میں بھی ہے اس میں یہ لفظ ہے کہ شققن اکثف مروطھن فاختمرن بھا کہ انہوں نے اپنی موٹی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لئے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ سروں کے دوپٹے ایسے ہوں جن میں بال نظر نہ آئیں اور انہیں اس طرح اوڑھا جائے کہ سر گردن اور کان اور سینہ سب ڈھکا رہے) یاد رہے کہ یہ عام حالات میں گھروں میں رہتے ہوئے عمل کرنے کا حکم ہے باہر نکلنے کا اس میں ذکر نہیں ہے باہر نکلنے میں چہرہ ڈھانکنا بھی لازم ہے جبکہ نامحرموں کی نظریں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ دور حاضر کی فیشن ایبل عورتیں جنہیں قرآن وحدیث کے احکام کا دھیان نہیں ہے اول تو انہوں نے باریک دوپٹے بنا لئے ہیں جن میں بال نظر آتے ہیں انہیں اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی دوسرے ذرا سا حصہ پر ڈال کر چل دیتی ہیں زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح آدھے آدھے سینے تک سب کچھ کھلا رہتا ہے۔ ان کو گرمی کھائے جاتی ہے اسلام کے تقاضوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتی ہیں۔

اس کے بعد ان مردوں کا ذکر فرمایا جن کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے۔ یہ وہ مرد ہیں جو شرعاً محرم مانے جاتے ہیں ان سے فتنے کا خطرہ نہیں کیونکہ محرم خود ان عورتوں کی عصمت وعفت کے محافظ ہوتے ہیں پھر ان کا رشتہ ایسا ہے کہ رہن سہن میں ان سے پردہ کا اہتمام کرنا دشوار بھی ہے۔ اب اس کی تفسیر سنئے اولاً یوں فرمایا وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر) میاں بیوی کا آپس میں کسی جگہ کا کوئی پردہ نہیں لیکن اعضائے مخصوصہ کو نہ دیکھنا پھر بھی افضل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ما نظرت فرج رسول اللہ ﷺ قط میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کی شرم کی جگہ کو نہیں دیکھا۔ بلکہ بیوی کا بے تکلفی والا جو خاص کام ہے اس وقت بھی پوری طرح ننگے ہونے سے منع فرمایا ہے۔

أَوْ آبَائِهِنَّ: (یا اپنے باپوں پر)

أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ: (یا اپنے شوہروں کے باپوں پر)

أَوْ أَبْنَائِهِنَّ: (یا اپنے بیٹوں پر)

أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ: (یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر) اپنے بیٹے ہوں یا دوسری بیوی سے ہوں۔

أَوْ إِخْوَانِهِنَّ: (یا اپنے بھائیوں پر)

أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ: (یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر)

أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ: (یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر)

آیت کریمہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کا اپنا باپ (جن میں دادا بھی شامل ہے) اور شوہر کا باپ اور اپنے لڑکے اور شوہر کے لڑکے (جو کسی دوسری بیوی سے ہوں) اور اپنے بھائی (خواہ حقیقی بھائی ہوں خواہ باپ شریک بھائی ہوں خواہ ماں شریک) اور اپنے بھائیوں کے لڑکے اور اپنی بہنوں کے لڑکے (اس میں تینوں قسم کے بہن بھائی داخل

ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا) ان لوگوں کے سامنے عورت زیب و زینت کے ساتھ آسکتی ہے اور یہ لوگ عورت کے محارم کہلاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو بھی اپنی محرم عورتوں کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے یہ لوگ اپنی محرم عورت کا چہرہ اور سر اور بازو و پنڈلیاں دیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ عورت کو اور دیکھنے والے مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہو یعنی جانبین میں سے کسی کو شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اپنی محرم عورت کی پشت اور پیٹ اور ران کا دیکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح کرنا حلال نہ ہو، جن لوگوں کا ذکر ہوا ان کے علاوہ چچا ماموں بھی محارم ہیں۔ دودھ شریک بھائی بہن اور رضاعی بیٹا (جسے دودھ پلایا ہو) بھی محرم ہیں۔ ان لوگوں کے بھی وہی احکام ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔ خالہ اور پھوپھی اور چچا تایا کے لڑکے اور بہنوئی محرم نہیں ہیں۔ ان کا وہی حکم ہے جو غیر محرم کا حکم ہے۔

اس کے بعد فرمایا اَوْ نِسَآئِهِنَّ (یا اپنی عورتوں کے سامنے) یعنی مسلمان عورتیں مسلمان عورتوں کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہیں، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے البتہ ناف سے لیکر گھٹنے تک مرد بھی مرد کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح عورت بھی دوسری عورت کے سارے بدن کو دیکھ سکتی ہے البتہ ناف سے لیکر گھٹنے تک کے حصہ کو نہیں دیکھ سکتی اور ان دونوں مسئلوں میں بھی وہی قید ہے کہ شہوت کی نظر نہ ہو۔ بہت سی عورتیں ولادت کے وقت بہت زیادہ بے احتیاطی کرتی ہیں۔ دائی اور نرس کو بچہ پیدا کرانے کے لئے بقدر ضرورت صرف پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے۔ آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہن ہی ہوں وہ بھی ناف سے لیکر گھٹنے تک کے حصہ کو نہ دیکھیں کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ نرس اور دائی کو مجبوراً نظر ڈالنی پڑتی ہے دوسری عورتوں کو کوئی مجبوری نہیں ہے لہٰذا انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں، یہ جو دستور ہے کہ ولادت کے وقت عورت کو ننگا کر کے ڈال دیتی ہیں اور عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے۔

آیت شریفہ میں جو اَوْ نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے (اپنی عورتیں) اس میں لفظ اپنی سے حضرات مفسرین عظام اور فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ جو کافر عورتیں ہیں ان کے سامنے مسلمان عورتیں بے پردہ ہو کر نہ آئیں کیونکہ وہ اپنی عورتیں نہیں ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ **لا تضع المسلمة خمارها عند مشركة لان الله تعالٰی يقول او نسائهن فليست من نسائهن** (یعنی مسلمان عورت اپنا دوپٹہ کسی مشرک عورت کے سامنے اتار کر نہ رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے **او نسائهن** فرمایا ہے اور مشرک عورتیں مسلمان عورتوں میں سے نہیں ہیں) ہر کافرہ عورت مشرکہ یا غیر مشرکہ سب کا یہی حکم ہے۔ معالم التنزیل میں ہے۔ **والكافرة ليست من نسائنا لا نها اجنبية في الدين، كتب عمر بن الخطاب الى ابى عبيدة ابن الجراح رضى الله عنهما ان يمنع نساء اهل الكتاب ان يدخلن الحمام مع المسلمات** (کافر عورت ہماری عورتوں میں سے نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ بن جراحؓ کو لکھا تھا کہ اہل کتاب عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمامات میں داخل ہونے سے منع کریں)

درمختار کتاب الحظر والاباحہ میں ہے الذمیة کالرجل الاجنبی فلا تنظر الی بدن المسلمة (ذمی عورت یعنی کافر عورت جو مسلمانوں کی عملداری میں رہتی ہو وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے) اس کے ذیل میں صاحب ردالمختار نے لکھا ہے لا یحل للمسلمة ان تنکشف بین یدی یهودیة او نصرانیة او مشرکة الا ان تکون امة لها کما فی السراج و نصاب الاحتساب ولا ینبغی للمرئة الصالحة ان تنظر الیها المراة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها کما فی السراج (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت مکحول اور حضرت عبادہ بن نسی سے روایت کیا ہے کہ ان کے ہاں یہ بات مکروہ ہے کہ جس مسلمان عورت کے پاس ولادت کے وقت دائی نہ ہو اور اس کا یہ کام کوئی عیسائی، یہودی یا مجوسی عورت کرے) (مسلمان عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ یہودیہ یا نصرانیہ یا مشرکیہ عورت کے سامنے بے پردہ ہو ہاں اگر اس کی اپنی مملوکہ باندی ہو تو اس کے سامنے آنا مستثنیٰ ہے اور کسی نیک عورت کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ فاجر عورت کے سامنے بے پردہ ہو جائے کیونکہ وہ مردوں کے سامنے اس کا حال بیان کرے گی اس کے سامنے اپنی چادر اور دوپٹے کو نہ اتارے (ردالمختار)

مسلمان عورت کافر عورت کے سامنے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے تمام غیر مسلم عورتیں بھنگن دھوبن نرس لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب کے متعلق وہی حکم ہے جو اوروں پر بیان ہوا۔ بچے پیدا کرانے کے لئے مسلمان دائیاں اور نرسیں بلائیں اور یہ بھی بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ نظر ڈال سکتی ہیں اور اگر کسی غیر مسلم عورت کو بچہ جنوانے کے لئے بلوائیں تو اس کے سامنے کوئی عورت سر نہ کھولے اور جہاں تک ممکن ہو کافر عورت کو بلانے سے پرہیز کریں۔ ذکر ابن کثیر فی تفسیرہ عن مکحول وعبادة بن نسی انهما کرها ان تقبل لا تکون قابلته ای حاضرة عند الولادة لتعمل عمل الاستبلاد حینا اتلد المرة المسلمة النصرانیة والیهودیة والمجوسیة المسلمة۔

او ماملکت ایمانهن (یا ان کے سامنے جو ان کی مملوک ہیں) ابھی پردہ کا بیان جاری ہے جب مسلمان شرعی جہاد کرتے ہیں تو غلاموں باندیوں کے مالک ہوتے تھے جب سے شرعی جہاد کو چھوڑا ہے اور کافروں کے ساتھ معاہدوں میں بندھے ہیں پست ہو رہے ہیں۔ جب باندی اور غلام ہوتے تھے تو عورتیں بھی ان کی مالک ہوتی تھیں اس وقت یہ سوال بھی درپیش ہوتا تھا کہ عورت کا اپنے غلام سے اور اپنی باندی سے کتنا پردہ ہے اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ میں اسی کو بیان فرمایا ہے حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں، مرد مملوک یعنی غلام مراد نہیں ہیں۔ حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب پہلے یوں کہتے تھے کہ غلام اور باندی کا ایک ہی حکم ہے (یعنی کسی مسلمان عورت کا اس کے اپنے مملوک غلام یا باندی سے وہ پردہ نہیں جو اجانب سے ہے) بعد میں انہوں نے رجوع فرمایا اور فرمایا لا یغرنکم آیة النور فانها فی الاناث دون الذکور (یعنی تم سورہ نور کی آیت کی وجہ سے دھوکہ میں مت پڑنا کیونکہ وہ مملوکہ عورتوں کے بارے میں ہے مملوک مردوں کے بارے میں نہیں ہے) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کا غلام اگرچہ اس کا مملوک ہے لیکن وہ مرد ہے، نہ محرم ہے نہ شوہر ہے اور شہوت متحقق ہے لہٰذا مملوک غلام کا وہی حکم ہے جو اجنبی مردوں کا حکم ہے۔ علامہ قرطبی نے احکام القرآن جلد ۱۲، ص ۲۳۳، ۲۳۴ میں حضرت ابن عباس،

حضرت عامر شعبی اور حضرت مجاہد اور حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ غلام مملوک اپنی آقا عورت کے بالوں پر نظر نہ ڈالے۔

گھروں میں کام کرنے والے جو نوکر چاکر ہیں ان کا حکم بھی بالکل وہی ہے جو اجنبی مردوں کا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اسی طرح جو عورتیں گھروں میں کام کرتی ہیں وہ مملوک اور باندیاں نہیں ہیں ان پر بھی لازم ہے کہ مردوں سے پردہ کریں جن کے گھروں میں کام کرتی ہیں اور مردوں پر بھی لازم ہے کہ ان پر نظریں نہ ڈالیں۔

اَوِ التَّابِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (یا ان مردوں کے سامنے جو طفیلیوں کے طور پر ہوں جنہیں حاجت نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ جو بدحواس اور مغفل قسم کے لوگ ہوں جن کو شہوت سے کوئی واسطہ نہیں عورتوں کے احوال اور اوصاف سے کوئی دلچسپی نہیں انہیں بس کھانے پینے کو چاہئے طفیلی بن کر پڑے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے سامنے عورتیں اگر زینت ظاہر کردے تو یہ بھی جائز ہے یعنی یہ لوگ بھی محارم کے درجہ میں ہیں آیت کا یہ مطلب حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا **هذا الرجال بتبع القوم وهو مغفل فی عقله لا یکترث للنساء ولا یشهی عن نساء** (در منثور ص ۴۳ ج ۵)

حضرت طاؤس تابعی سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں انہوں نے فرمایا **هو الا حمق الذی لا حاجة له فی النساء** (حوالہ بالا)

یاد رہے کہ اگر مذکورہ مردوں کے سامنے عورت گہرے پردہ کا اہتمام نہ کرے (محرموں کی طرح سمجھے) تو اس کی اجازت تو ہے لیکن عورتوں کو ان پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ اور حضرت ابن عباس کی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ ان مردوں کے سامنے عورتیں آسکتی ہیں جو غافل ہوں مغفل ہوں بے عقل ہوں نہ ان میں شہوت ہو نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو ان میں بوڑھے مرد ہوش گوش عقل سمجھ اور شہوت والے اور ہیجڑے داخل نہیں ہیں۔ عورتیں ایسے لوگوں کو بوڑھا سمجھ کر یا بابا دادا کہہ کر سامنے آجاتی ہیں۔ یہ گناہ کی بات ہے نیز اگر کوئی شخص نامرد ہو یا اس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو وہ بھی غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ میں شامل نہیں ہے۔ اور اس کے سامنے آنا بھی ممنوع ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ مطہرہ ام سلمہؓ کے پاس تھے وہاں گھر میں اس وقت ایک مخنث (ہیجڑہ) بھی تھا اس ہیجڑے نے حضرت ام سلمہؓ کے بھائی سے کہا کہ اے عبداللہ اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح فرما دیا میں تجھے غیلان کی بیٹی بتا دوں گا وہ جب سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ میں چار شکنیں ہوتی ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو اس کی کمر سے آٹھ شکنیں نظر آتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں نہ آئیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۷۰ از بخاری و مسلم)

قال صاحب الهداية الخصی فی النظر الی الاجنبية كالفحل لقول عائشة رضی الله عنها الخصاء مثلة فلا يبيح ما كان حراما قبله ولانه فحل يجامع وكذا المجبوب لانه يسحق وينزل وكذا المخنث فی الردئی من الافعال لانه فحل فاسق والحاصل انه يوخذ فيه بحكم كتاب الله المنزل. (صاحب ہدایہ نے کہا ہے خصی آدمی اجنبی عورت کو دیکھنے کے بارے میں غیر خصی کی طرح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قول کی وجہ سے کہ خصی بھی اسی کی مثل ہے لہذا جو پہلے اس پر حرام تھا وہ مباح نہیں ہوتا کیونکہ وہ مرد ہے جماع کرسکتا ہے اور جس کا ذکر کٹا ہوا ہو وہ بھی اسی طرح ہے وہ بھی مساس کر کے انزال کرسکتا ہے۔ اسی طرح ہیجڑا بھی ان افعال میں ہے کیونکہ وہ فاسق مرد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس میں کتاب اللہ کے حکم پر ہی عمل کیا جائے)

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی چیزوں پر مطلع نہیں ہوئے) یعنی وہ نابالغ لڑکے جو عورتوں کے مخصوص حالات اور صفات سے بالکل بے خبر ہیں ان کے سامنے عورت آ سکتی ہے اور جو لڑکا عورتوں سے متعلقہ احوال اور اوصاف کو جانتا اور سمجھتا ہو اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ (اور عورتیں اپنے پاؤں نہ ماریں یعنی زور سے نہ رکھیں تا کہ ان کا پوشیدہ زیور معلوم نہ ہو جائے) عورتوں کو زیور پہننا تو جائز ہے بشرطیکہ دکھاوے کے لئے نہ ہو اور جو زیور پہنے اس میں یہ شرط ہے کہ بجنے والا زیور نہ ہو تو زیور کے اندر کوئی بجنے والی چیز ڈالے اور نہ زور سے پاؤں مار کر چلے کیونکہ ایسا کرنے سے غیر محرم زیور کی آواز سن لیں گے جو آپس میں ٹکرا کر بج سکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک لڑکی لائی گئی وہ بجنے والا زیور پہنے ہوئے تھی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب تک اس کا یہ زیور نہ کاٹ دو ہرگز میرے پاس نہ لاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں بجنے والی چیز ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

جب زیور کی آواز سنانا نامحرموں کو ممنوع ہے تو عورت کے لئے اپنی آواز سنانے میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بدرجہ مجبوری نامحرموں سے ضرورت کی کوئی بات کی جائے تو اس کی گنجائش ہے اس کو سمجھ لیا جائے۔ عورت اگر باہر نکلے تو خوب اہتمام کے ساتھ پردہ میں نکلے اور پردہ کے لئے جو بڑی چادر یا برقعہ استعمال کرے وہ بھی مزین اور کامدار اور بیل بوٹے والا مردوں کی نظر کو لبھانے والا نہ ہو۔ اور جب زیور کی آواز سنانا جائز نہیں تو نامحرموں کو خوشبو سنگھانا بطریق اولیٰ ممنوع ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار ہے اور کوئی عورت عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گزرے تو ایسی ہے ویسی ہے یعنی زنا کار ہے (رواہ ابوداؤد)

وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اے مومنو! تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ) اس میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو حکم دیا کہ سب اللہ کے حضور میں توبہ کریں۔ توبہ کرنے میں کامیابی ہے۔ ہر طرح کے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور نفس ونظر سے جو گناہ صادر ہو گئے ہوں ان سے خاص طور سے توبہ کریں نفس ونظر کا ایسا گناہ ہے جس پر دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی اور نظروں کو اور نفسوں کے ارادوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جو مبتلائے معصیت ہو۔ کسی مرد نے کسی مرد یا عورت کو بری نظر سے دیکھ لیا یا کسی عورت نے کسی مرد پر نفسانیت والی نظر ڈال دی تو اس کا اس شخص کو پتہ نہیں چلتا جس پر نظر ڈالی ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو پتہ چلتا ہے اپنے نفس ونظر کی خود ہی نگرانی کرتے رہیں اور ہر گناہ سے توبہ کریں۔

بے پردگی کے حامیوں کی جاہلانہ باتیں اور ان کی تردید

جب سے لوگوں میں صرف اسلام کا دعویٰ رہ گیا ہے اور اسلام پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے اور یہ چاہتے ہیں کہ دیندار بھی

رہیں اور آزاد بھی رہیں ایسے لوگ بے پردگی کے حامی ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتیں کافر عورتوں کی طرح گلی کوچوں میں پھریں اور بازاروں میں گشت لگائیں ان آزاد منش جاہلوں کی جہالت کا ساتھ دینے والے بعض مصری قلم کار بھی مل گئے پھر مصر کے ان نام نہاد آزاد خیال لوگوں کا اتباع ہند و پاک کے ناخدا ترس مضمون نگار بھی کرنے لگے۔ ان لوگوں کو اور تو کچھ نہ ملا **الا ماظهر منها** مل گیا اور **الا ما ظهر** کی تفسیر جو حضرت ابن مسعودؓ نے کی ہے کہ اس سے اوپر کی چادر مراد ہے چونکہ یہ ان لوگوں کے جذبات نفسانیہ کے خلاف تھی اس لئے اس سے تو اعراض کیا اور حضرت ابن عباس سے جو اس کی تفسیر میں وجہ اور کفین منقول ہے اسے لے اڑے' کیا وجہ ہے حضرت ابن مسعود کی تفسیر کو چھوڑا جبکہ وہ پرانے صحابی ہیں سابقین اولین میں سے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **تمسكوا بعهدا بن ام عبد** کہ ام عبد کے بیٹے (ابن مسعود) کی طرف سے جو دینی حکم ملے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۸)

حضرت ابن عباس مفسر قرآن تھے اور بڑے عالم تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو **اللهم علمه الكتاب** کی دعا بھی دی تھی اگر ان کی اس تفسیر کو لیا جائے جو انہوں نے الوجہ والکفان سے کی ہے تب بھی اس سے عورتوں کو بے پردہ ہو کر باہر نکلنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اول تو آیت شریفہ میں اِلَّا مَا ظَهَرَ فرمایا ہے اَلَا مَا اَظْهَرْنَ نہیں فرمایا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ عورتیں ظاہر کیا کریں بلکہ یوں فرمایا کہ جو ظاہر ہو جائے' اب سمجھ لیں جب عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی تو اظہار ہو گا یا ظہور ہو گا؟ کیا اس کو یوں کہیں گے کہ بلا اختیار ظاہر ہو گیا ہے؟ پھر یہ بھی واضح رہے کہ آیت میں نامحرم کے سامنے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں ہے' عورتوں کی پردہ دری کے حامی یہاں نامحرموں کو گھسیٹ کر خود سے لے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام میں نامحرموں کے سامنے عورت کے چہرہ اور کفین کے ظاہر ہونے اور ظاہر کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے' ان کی بات کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو عام حالات میں جبکہ وہ گھر میں کام کاج میں لگی ہوئی ہو سارے کپڑے پہنے رہنا چاہئے اگر چہرہ اور ہاتھ کھلا رہے اور گھر کی عورتیں اور باپ بیٹے اور دوسرے محرموں کی نظر پڑ جائے یہ جائز ہے۔

لوگوں میں یوں ہی بے دینی ہے اور عفت و عصمت سے دشمنی ہے اوپر سے انہیں یہ مفت کے مفتی بھی مل گئے جنہوں نے کہہ دیا کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے اگر ہے تو درجہ استحباب میں ہے' ان جاہل مفتیوں نے نہ آیات اور احادیث کو دیکھا کہ اور نہ یہ سوچا کہ عورت بے پردگی کو صرف چہرہ تک محدود نہ رکھے گی عورت کا مزاج تو بننے ٹھننے اور دکھانے کا ہے اب دیکھ لو بے پردہ باہر نکلنے والی عورتوں کا کیا حال ہے کیا صرف چہرہ ہی کھلا رہتا ہے؟ ان لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو دیکھ لیا اور اس کا مطلب غلط لے لیا پھر اپنی ذاتی رائے کو عورتوں میں پھیلایا اور **ان من العلم جهلا** کا مصداق بن گئے۔

سورۂ احزاب میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم

اول سورہ احزاب کی آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (اور جب تم ان سے کسی

برتنے کی چیز کا سوال کرو تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگو) پڑھئے اور غور کیجئے کہ اگر چہرہ پردہ میں نہیں ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یوں بھی عورتیں عام طور سے گھروں میں ننگی تو نہیں رہتی ہیں عموماً ہاتھ اور چہرہ کھلا رہتا ہے اگر چہرہ کا پردہ نہیں تو نامحرم مردوں کو کوئی چیز لینے کے لئے پردہ کے باہر سے طلب کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ تو معلوم ہوا کہ چہرہ ہی اصل پردہ کی چیز ہے پھر اس میں صیغہ امر بھی ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے ان جاہلوں کی بات کی تردید ہوگئی جو یوں کہتے ہیں کہ چہرہ کا ڈھانپنا اعلیٰ وافضل ہے واجب نہیں ہے اب سورۂ احزاب کی ایک اور آیت سنئے ارشاد ربانی ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے حصوں کو نیچا کرلیا کریں) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا امر نساء المومنین ان یغطین رء و سھن ووجوھن بالجلابیب الاعینا واحدۃ لیعلم انھن حرائر (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۴۴) یعنی مومنین کی عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چوڑی چکلی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ باندیاں نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی ابن عباس ہیں جن کی طرف اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر الوجہ والکفان منسوب ہے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے وجہ و کفین مراد ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھلا چہرہ لیکر نامحرموں کے سامنے آجایا کریں یا چہرہ کھول کر باہر نکلا کریں جب انہوں نے اس دوسری آیت کی تفسیر میں یہ فرما دیا کہ بڑی چادروں سے اپنے سر اور چہرہ کو ڈھانکے رہیں اور دیکھنے کی ضرورت سے صرف ایک آنکھ کھلی رہے تو معلوم ہوا کہ الا ما ظھر کی تفسیر میں جو انہوں نے وجہ اور کفین فرمایا ہے اس سے ان کے نزدیک گھروں میں رہتے ہوئے چہرہ اور ہاتھ کھلے رہنے کی اجازت مراد ہے۔ شیطان برے برے وسوسے ڈالتا ہے اور گمراہی کے راستے دکھاتا ہے اس نے پردہ کے مخالفین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ پردہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے اور انہیں کے لئے مخصوص ہے ان لوگوں کی اس جاہلانہ بات کی تردید سورہ احزاب کے لفظ سے واضح طور پر ہو رہی ہے کیونکہ اس میں لفظ و نساء المومنین موجود ہے پھر ایک موٹی سمجھ والا انسان (جسے خوف خدا ہو) یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے جب ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم ہے جن کے بارے میں وازواجہ امھاتھم (اور آپ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں) فرمایا ہے جن پر کسی مومن کی بری نظر پڑنے کا احتمال ہی نہ تھا تو ان عورتوں کے بارے میں پردہ کا حکم کیونکر نہ ہوگا جن کی طرف قصداً بری نظریں اٹھائی جاتی ہیں اور جو خود مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں، کیا کسی صحیح العقل انسان کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ خاندان نبوت کی چند خواتین کو پردہ کا حکم دیکر امت کی کروڑہا عورتوں کو قدیم زمانہ کی جاہلیت اولیٰ کی طرح بے پردہ ہو کر باہر پھرنے کی اجازت دیدی ہو۔

احادیث میں پردہ کا حکم

اب احادیث شریفہ کا مطالعہ کیجئے ان ہی اوراق میں گذر چکا ہے کہ جب غزوہ بنی المصطلق کے موقعہ پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نظر پڑی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی آواز سنی تو حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فوراً اپنا چہرہ ڈھانپ لیا وہ فرماتی ہیں کہ صفوان نے مجھے پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا' اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہوا تھا وہ چہرہ سے بھی متعلق تھا ورنہ انہیں چہرہ ڈھانپنے کی اور یہ بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ انہوں نے مجھے نزول حجاب کے حکم سے پہلے دیکھا تھا۔

نیز چند صفحات پہلے یہ واقعہ بحوالہ صحیح بخاری گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے وہیں ایک ہیجڑا بھی تھا اس نے حضرت ام سلمہ کے بھائی سے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح کر دیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی بتادوں گا جو ایسی ایسی ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں کہا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس (اندرونی خانہ) اچھے برے لوگ آتے جاتے ہیں۔ (وہاں امہات المومنین بھی ہوتی ہیں) اگر آپ امہات المومنین کو پردہ کرنے کا حکم دیدیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ والی آیت نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۷۰۶) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ کی آیت میں نامحرموں کے سامنے چہرے ڈھانپنے کا حکم نازل ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی کپڑے پہنے ہوئے ہی بیٹھی رہتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت اور سنئے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شب گذار کر صبح کو ولیمہ کیا تو خوب بڑی دعوت کی لوگ آتے رہے کھاتے رہے اور جاتے رہے' کھانے سے فارغ ہو کر سب لوگ چلے گئے لیکن تین اصحاب رہ گئے وہ باتیں کرتے رہے آپ کے مزاج میں حیاء بہت تھی آپ نے ان سے نہیں فرمایا کہ تم چلے جاؤ بلکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چلے گئے۔ جب میں نے آپ کو خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے تو آپ واپس تشریف لے آئے میں آپ کے ساتھ (حسب عادت) داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور آیت حجاب یعنی آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (آخر تک) اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دی (صحیح بخاری ص ۷۰۶'۷۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ پرانے خادم تھے دس برس تک انہوں نے آپ کی خدمت کی جب پردہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے پردہ ڈال دیا اور حضرت انس کو اندر آنے نہیں دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے جو حضرت انس گھروں میں اندر آتے

جاتے تھے کیا ازواج مطہرات کپڑے نہیں پہنتی تھیں، کیا چہرہ کے سوا کسی اور جگہ بھی ان کی نظر پڑتی تھی؟ اگر چہرہ پردہ میں نہیں تو ان کو اندر جانے سے کیوں روکا گیا۔ ازواج مطہرات سے فرمادیتے کہ اس کو آنے جانے دو صرف چہرہ کھلے رکھا کرو لیکن وہاں مستقل داخل ہونے پر پابندی لگادی گئی۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہوا اس میں اصل چہرہ ہی کا چھپانا ہے ورنہ جسم کے دوسرے حصے پہلے بھی نامحرموں کے سامنے ظاہر نہیں کئے جاتے تھے۔

سنن ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے کہ حضرت ام خلادؓ کا صاحبزادہ ایک جہاد کے موقعہ پر شہید ہوگیا تھا وہ چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابیؓ نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت ام خلادؓ نے جواب دیا اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہو گئی ہوں تو اپنی شرم و حیاء کھو کر ہرگز مصیبت زدہ نہ بنوں گی (یعنی حیاء کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کر دینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہو جانا) حضرت ام خلاد کے پوچھنے پر حضور ﷺ نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے (سنن ابوداؤد ج ا ص ۳۳۶)

اس واقعہ سے بھی ان مغربیت زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنا منع ہے، بہت سے مرد اور عورت ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا مصیبت کے وقت شریعت کا کوئی قانون لاگو نہیں ہے، جب گھر میں کوئی موت ہو جائے گی تو اس بات کو جانتے ہوئے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں جنازہ گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو عورتیں دروازہ کے ساتھ باہر تک اس کے پیچھے چلی آتی ہیں اور پردہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں، خوب یاد رکھو غصہ ہو یا رضامندی، خوشی ہو یا مصیبت، ہر حال میں احکام شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حج و عمرہ کے مسائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ **لا تنتقب المرأة المحرمة** (مشکوٰۃ المصابیح ۲۳۵) یعنی احرام والی عورت نقاب نہ ڈالے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ نبوت میں عورتیں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں، یاد رہے کہ حکم یہ ہے کہ عورت حالت احرام میں چہرہ پر کپڑا نہ ڈالے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے یہ جو عورتوں میں مشہور ہے کہ حالت احرام میں پردہ نہیں یہ غلط ہے اس غلط فہمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث سے دور کر لیں انہوں نے فرمایا کہ ہم حالت احرام میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھے، گذرنے والے اپنی سواریوں پر ہمارے پاس سے گذرتے تھے تو ہم اپنی چادر کو اپنے سر سے آگے بڑھا کر چہرہ کے سامنے لٹکا لیتے تھے۔ جب وہ لوگ آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۶)

مسئلہ یہ ہے کہ احرام والی عورت اپنے چہرہ کو کپڑا نہ لگائے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے اس فرق کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے واضح فرمادیا جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں مذکور ہے۔

بے پردگی کے حامی اپنی دلیل میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء بنت ابوبکر سے فرمایا کہ اے اسماء جب عورت کو حیض آ جائے یعنی بالغ ہو جائے تو اس کے لئے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ نظر آ جائے اول تو یہ حدیث ہی منقطع الاسناد ہے حضرت امام ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے خالد بن دریک لم یسمع من عائشة رضی الله عنها پھر اس میں بھی نامحرموں کو دیکھنے دکھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پردہ کے مخالفوں کو یہ منظور ہے کہ ان کی ماں بہنوں بہو بیٹیاں بے پردہ ہو کر باہر نکلیں' خود تو بے شرم ہیں ہی اپنی خواتین کو بھی شرم کے حدود سے پار کرنا چاہتے ہیں۔ پردہ شکنی کی دلیل کے لئے کچھ بھی نہ ملا تو حضرت ابن عباس کے قول کو حجت بنالیا اور اسے قرآن کریم کے ذمہ لگا دیا حالانکہ قرآن مجید میں وجہ اور کفین کا کہیں ذکر نہیں ہے ان لوگوں کی وہی مثال ہے کہ چوہے کو ہلدی کی ایک گرہ مل گئی تو جلدی سے پنساری بن بیٹھا۔

نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھانے والوں کی گمراہی

بعض لوگوں نے نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھایا ہے خود سے دھوکہ کھانے کا بہانہ بنایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر میں داخل نہیں ہے اس سے بھلا نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا کیسے ثابت ہوا؟ نماز میں جسم ڈھکنے کا مسئلہ اور ہے اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا یہ دوسری بات ہے' دیکھئے صاحب درمختار شروط الصلوٰۃ کے بیان میں حرہ یعنی آزاد عورت کی نماز میں پردہ پوشی کا حکم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں وللحرة جمیع بدنها حتی شعر ها النازل فی الا صح خلا الوجه والكفین والقدمین علی المعتمد (اور آزاد عورت کے لئے اس کا سارا بدن ڈھانپنے کی جگہ ہے حتیٰ کہ صحیح قول کے مطابق اس کے لٹکے ہوئے بال بھی سوائے چہرے' ہتھیلیوں اور قدموں کے علاوہ معتبر قول کے مطابق) اس میں یہ بتایا کہ نماز میں آزاد عورت کے لئے چہرہ اور ہتھیلیاں اور دونوں قدم کے علاوہ سارے بدن کا ڈھانکنا لازم ہے یہاں تک کہ جو بال سر سے لٹکے ہوئے ہوں ان کا ڈھانکنا بھی ضروری ہے اس کے بعد لکھتے ہیں۔ وتمنع المرءة الشابة من كشف الوجه بین رجال لالا نه عورة بل لخوف الفتنة كمسه وان امن الشهوة لانه اغلظ ولذاثبتٌ به حرمة المصاهرة ولا یجوز النظر الیه بشهوة كوجه الامرد فانه یحرم النظر الی وجهها ووجه الامرد اذا شک فی الشهوة اما بدونها فیباح ولو جمیلا كما اعتمده الكمال۔ (اور نوجوان عورت کے لئے مردوں کے سامنے چہرہ ننگا کرنا ممنوع ہے اس لئے نہیں کہ وہ ڈھانپنا فرض ہے بلکہ فتنہ کے خوف سے جیسا کہ اس کا چھونا ممنوع ہے اگرچہ شہوت کا خوف نہ بھی ہو اس لئے کہ یہ شہوت میں زیادہ شدید ہے اس لئے اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ امرد کا چہرہ لہٰذا عورت کے چہرہ کو دیکھنا حرام ہے اور امرد کے چہرہ کو دیکھنا اس وقت حرام ہے جب شہوت کا خطرہ ہے اگر شہوت کے بغیر مباح ہے اگرچہ خوبصورت ہو جیسا کہ کمال نے اسے معتمد جانا ہے) فقہاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو نماز کے مسئلے سے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے پر استدلال کر سکتے ہیں اس لئے انہوں نے کتاب الصلوٰۃ ہی میں نماز میں ستر عورت کا حکم بتا کر فوراً اسی جگہ یہ بھی بتا دیا کہ جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں فتنہ کا ڈر ہے اور جوان عورت کے چہرہ کی طرف اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف شہوت سے دیکھنا جائز نہیں ہے جبکہ اس میں شک ہو کہ شہوت یعنی نفس کی کشش ہوگی جب اس میں

شک ہو کہ دیکھنے میں شہوت ہوگی یا نہیں اس صورت میں نہ صرف یہ کہ عورت کے چہرہ پر نظر ڈالنا حرام ہے بلکہ بے ریش لڑکے کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ پھر جب شہوت کا یقین ہو یا غالب گمان ہو تو نظر ڈالنا کیونکر حرام نہیں ہوگا؟

اب سمجھ لیا جائے کہ اس زمانہ میں جو عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی اس پر نظریں ڈالنے والے مرد عموماً شہوت والے ہیں یا بلا شہوت والے ہیں۔

صاحب جلالین کی عبارت پڑھے وہ لکھتے ہیں وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وهو الوجه والکفان فیجوز نظره لاجنبی ان لم یخف فتنة فی احد الوجهین والثانی یحرم لانه مظنة الفتنة ورجح حسماللباب یعنی مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے (حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں لہٰذا اگر فتنہ کا خوف ہو تو اجنبی کو دیکھنا جائز ہے یہ (شافعیہ کے نزدیک) ایک رائے ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ چہرہ کو دیکھنے میں فتنہ کا احتمال ہے اس لئے اجنبی کو نامحرم عورت کا چہرہ دیکھنا حرام ہے اس رائے کو ترجیح دی گئی ہے تاکہ فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے (معلوم ہوا کہ محققین شافعیہ کا بھی یہی فرمانا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنا لازم ہے)

تکمیل: اسلام میں حیا اور شرم کی بہت اہمیت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

حیا کے تقاضوں میں جہاں نامحرموں سے پردہ کرنا ہے وہاں مردوں کے آپس کے اور عورتوں کے آپس کے پردہ کے بھی احکام ہیں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کوئی مرد کسی مرد کی شرم کی جگہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرم گاہ کو دیکھے اور نہ دو مرد (کپڑے اتار کے) ایک کپڑے میں لیٹیں۔ اور نہ دو عورتیں (کپڑے اتار کر) ایک کپڑے میں لیٹیں (رواہ مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح عورت کا عورت سے اور مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے لیکن پردوں میں تفصیل ہے۔ ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کسی بھی مرد کو کسی مرد کے طرف دیکھنا حلال نہیں ہے۔ بہت سے لوگ آپس میں زیادہ دوستی ہو جانے پر پردہ کی جگہ ایک دوسرے کو بلا تکلف دکھا دیتے ہیں یہ سراسر حرام ہے اسی طرح عورت کو عورت کے سامنے ناف سے لیکر گھٹنوں کے ختم تک کھولنا حرام ہے۔

مسئلہ: جتنی جگہ میں نظر کا پردہ ہے اتنی جگہ کو چھونا بھی درست نہیں ہے چاہے کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کسی بھی مرد کو یہ جائز نہیں کسی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کو ہاتھ لگائے۔ اسی طرح کوئی عورت کسی عورت کے ناف کے نیچے کے حصہ کو گھٹنوں کے ختم تک ہاتھ نہیں لگا سکتی اسی وجہ سے حدیث بالا میں دو مردوں کو ایک کپڑے میں لیٹنے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہی ممانعت عورتوں کے لئے بھی ہے یعنی دو عورتیں ایک کپڑے میں نہ لیٹیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ضرورت اور مجبوری کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، مجبوری صرف دو جگہ پیش آتی ہے۔ اول تو بچہ پیدا

کرانے کے وقت اس میں بھی دائی جنائی نرس لیڈی ڈاکٹر صرف بقدر ضرورت پردہ کی جگہ پر نظر ڈال سکتی ہے اور کسی کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

دوسری مجبوری علاج کے مواقع میں پیش آتی ہے اس میں بھی الضرورۃ تقدر بقدر الضرورۃ کا لحاظ کرنا لازم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہو۔ معالج بس اسی قدر دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً اگر ران میں زخم ہو تو حکیم یا ڈاکٹر صرف اتنی جگہ دیکھ سکتا ہے جس کا دیکھنا ضروری ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ پرانا کپڑا پہن کر زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے پھر اسے صرف معالج دیکھ لے جیسے مثلاً آپریشن کرنا ہے یا کولہے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگانا ہے تو صرف انجکشن لگانے کے لئے ذرا سی جگہ کھولی جائے جسکا طریقہ اوپر مذکور ہے اور جس جگہ کو علاج کی مجبوری سے ڈاکٹر یا حکیم کو دیکھنا جائز ہے دوسرے لوگوں کو دیکھنا جائز نہیں جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ اگر کسی حکیم کو ایسی عورت کے نبض دکھانی ہو جو حکیم کی محرم نہ ہو تو نبض کی جگہ پر انگلی رکھ سکتا ہے اس سے زیادہ مریضہ کے جسم کو ہاتھ نہ لگائے۔ ان باتوں کو خوب سمجھ لیا جائے۔

تذییل: اگر کوئی نامحرم عورت اپنے رشتہ دار یا غیر رشتہ دار سے پردہ نہ کرے تو نامحرم مردوں کو اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہو جاتا پردہ حکم شرعی ہے خود عورت کی اجازت سے یا اس کے شوہر کی اجازت سے یا کسی بھی شخص کے کہنے یا اجازت دینے سے محرموں کو اس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہو جاتا۔ اس طرح ملازمت کے کام انجام دینے کی وجہ سے بے پردہ ہو کر نامحرموں کے سامنے آ جانا گناہ ہے لوگ مسلم خواتین کو بے حیاء نصرانی لیڈیوں کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں ایک مسلمان عورت کسی کافر عورت کی نقل کیوں اتارے؟ ہمارا دین کامل ہے ہمیں اپنے دینی امور میں یا دنیاوی مسائل میں کافروں کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یاد رہے کہ جیسے نامحرم عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بے ریش لڑکوں پر یا باریش نوجوانوں پر یا ڈاڑھی منڈے خوبصورت مردوں پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ شہوت کی نظر وہ ہے جس میں نفس اور نظر کو مزا آئے اور آجکل لڑکوں اور مردوں کی کسی ہوئی پتلون نے۔ جو ننگا ہونے کے برابر ہے۔ بدنظری کے مواقع بہت زیادہ فراہم کر دیئے ہیں۔ ہر مومن بدنظری سے بچے بدنظری گناہ بھی ہے اور اس سے دل کا ناس ہو جاتا ہے نماز اور ذکر تلاوت میں دل نہیں لگتا۔ اور اس کے برخلاف ناجائز نظر پڑ جانے پر نظر پھیر لینے سے ایسی عبادت کے نصیب ہونے کا وعدہ ہے جس کی حلاوت یعنی مٹھاس محسوس ہوگی۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۱۷)

حضرت حسن سے (مرسلاً) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۰ از بیہقی فی شعب الایمان)

یہ حدیث بہت سی جزئیات پر حاوی ہے جس پر بطور قاعدہ کلیہ ہر نظر حرام کو سبب لعنت بتایا ہے بلکہ اس پر بھی لعنت بھیجی

ہے جو اپنی خوشی اور اختیار سے ایسی جگہ کھڑا ہو جائے جہاں دیکھنے والے ایسی نظر ڈال سکیں جو شریعت میں حلال نہ ہو' نگوں کے جو کلب ہیں ان کے ممبر بننا' ناچنے والی عورتوں کا اور ناچنے والے مردوں کا نظارہ کرنے والے سب لعنت کے مستحق ہیں۔

اگر کوئی عورت بغیر پردہ کے بازار میں یا میلہ میں یا پارک میں چلی گئی جس کی وجہ غیر مردوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ مرد اور عورت لعنت کے مستحق ہوئے' اسی طرح کوئی عورت دروازہ سے یا کھڑکی سے یا برآمدہ سے باہر تکتی جھانکتی ہے تو یہ عورت بدنظری کی وجہ سے مستحق لعنت ہے اور غیر مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے کی وجہ سے بھی لعنت کی مستحق ہوتی ہے اسی طرح شادی کے موقع پر سلامی کے لئے جب دولہا اندر گھر میں آیا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے کا موقع دیا تو یہ دولہا عورتوں کے درمیان بیٹھنے کی وجہ سے اور عورتیں اس کو دیکھنے کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہوئیں' کسی عورت نے کسی عورت کو اگر ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کا حصہ پورا یا کچھ دکھلا دیا تو دیکھنے والی اور دکھانے والی دونوں لعنت کی مستحق ہوئیں۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی مرد کے سامنے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک پورا حصہ یا کچھ حصہ کھول دیا تو دکھلانے والا اور دیکھنے والا دونوں لعنت کے مستحق ہوئے' کسی عورت نے اپنے محرم یعنی باپ بھائی وغیرہ کے سامنے اپنا پیٹ یا پیٹھ یا ران یا گھٹنا کھول دیا تو دیکھنے والا اور دکھانے والی دونوں نے لعنت کا کام کر لیا' بہت سے مغربیت زدہ گھرانوں میں یہ آفت ہے کہ انگریز عورتوں کی دیکھا دیکھی صرف ایک فراک پہنے ہوئے گھروں میں رہتی ہیں اور پائجامہ یا ساڑھی کی جگہ ذرا سی لنگوٹی یا جانگیا پہنے رہتی ہیں' جس کی وجہ سے رانیں اور گھٹنے گھر کے مردوں کے سامنے بلکہ نوکروں کے سامنے بھی (جن کو گھروں میں رکھنا حرام ہے) کھلے رہتے ہیں۔ اس طرز عمل سے گھر کے سب مرد و عورت لعنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ

اور تم میں سے جو بے نکاح ہو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو نیک ہوان کا نکاح کر دیا کرو' اگر وہ تنگدست ہوں تو

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

اللہ انہیں اپنے اپنے فضل سے غنی فرما دے گا' اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے۔

نکاح کی ضرورت اور عفت و عصمت محفوظ رکھنے کی اہمیت

تفسیر: ان آیات میں ان لوگوں کا نکاح کر دینے کا حکم فرمایا ہے جو بانکاح نہ ہوں' جس کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ اب تک نکاح ہوا ہی نہ ہو' دوسری یہ کہ نکاح ہو کر چھوٹ چھڑاؤ ہو گیا ہو یا میاں بیوی میں سے کسی کی وفات ہو گئی ہو' آیت شریفہ میں جو لفظ ایامی وارد ہوا ہے یہ ایم کی جمع ہے۔ عربی میں ایم اس مرد کو کہتے ہیں جس کا جوڑا نہ ہو' چونکہ نکاح ہو جانے سے مرد اور عورت کے نفسانی ابھار کا انتظام ہو جاتا ہے اور نکاح پاکدامن رہنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ میں اپنا نکاح کرنے اور دوسروں کا نکاح کرا دینے کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ نکاح ہو جانے سے نفس

ونظر پاک رہتے ہیں گناہ کی طرف دھیان چلا بھی جائے تو اپنے پاس نفس کی خواہش پورا کرنے کے لیے انتظام ہوتا ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کر لیا تو اس نے آدھے دین کو کامل کر لیا لہٰذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے (مشکوۃ المصابیح ص ۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے کا مقدور ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح نظروں کو نیچی رکھنے اور شرم گاہ کو پاک رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور جسے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو وہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزے رکھنے سے اس کی شہوت دب جائے گی (رواہ البخاری ص ۷۰۸ ج ۲)

مستقل طور پر قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ نسل بڑھانا مقصود ہے اور مسلمان کی جو اولاد ہوتی ہے وہ عموماً مسلمان ہی ہوتی ہے اور اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کی امت بڑھتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جس سے دل لگے اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)

اگر مردانہ قوت زائل نہ کی جائے پھر کبھی نکاح کا مقدور ہو جائے تو اس میں اولاد سے محرومی نہ ہوگی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا **لیس منا من خصی ولا اختصی ان خصاء امتی الصیام** (مشکوۃ المصابیح ص ۶۹ از شرح السنہ) یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی بنے، بے شک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔

عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے اختیار فرمایا تھا (۱) شرم کرنا (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا (رواہ الترمذی وھو اول حدیث من ابواب النکاح فی کتابہ) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو شہوت کا غلبہ ہو اور اسے غالب گمان ہو کہ حدود شریعت پر قائم نہ رہ سکے گا نفس ونظر کو محفوظ نہ رکھ سکے گا اور اس کے پاس نکاح کرنے کے وسائل بھی موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا واجب ہے۔ اگر شہوت کا غلبہ ہے اور نکاح کے وسائل نہیں یا کوئی عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہیں تو گناہ میں مبتلا ہونا پھر بھی حلال نہیں شہوت دبانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے روزے رکھنے کا نسخہ بتایا ہے اس پر عمل کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ توفیق دے دے تو نکاح کر لیں۔

چونکہ عام طور سے اپنے نکاح کی کوشش خود نہیں کی جاتی اور خاص کر عورتیں اور ان میں بھی کنواری لڑکیاں اپنے نکاح کی خود بات چلانے سے شرماتی ہیں اور یہ شرم ان کے لئے بہترین ہے جو ایمان کے تقاضوں کی وجہ سے ہے اس لئے اولیاء کو لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرنے کے لئے متفکر رہنا لازم ہے اسی طرح بڑے عمر کے بے شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کے

لئے فکر مند رہنا چاہئے۔ آیت شریفہ جو وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی فرمایا ہے اس میں یہی بتایا ہے آجکل لوگوں نے نکاح کو ایک مصیبت بنا رکھا ہے دیندار جوڑ نہیں ڈھونڈتے اور دنیاداری اور ریاکاری کے دھندے پیچھے لگا رکھے ہیں جن کی وجہ سے بڑی بڑی عمروں کے مرد اور عورت بے نکاح کے بیٹھے رہتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں بے شرم ہو کر خود سے اپنا جوڑ ڈھونڈ لیتی ہیں اور کورٹ میں جا کر قانونی نکاح کر لیتی ہیں اب ماں باپ چونکتے ہیں کہ ہائے ہائے یہ کیا ہوا۔ اور بعض مرتبہ یہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوتا اولاد کے نکاحوں کے سلسلے میں لوگوں کی بے دھیانی اور بے راہی کی وجہ سے برے برے نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو تم اس سے نکاح کر دو اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے (۱) اس کے مال کی وجہ سے (۲) اس کے مرتبہ کی وجہ سے (۳) اس کی خوبصورتی کی وجہ سے (۴) اس کے دین کی وجہ سے، سو تو دین والی عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جا اللہ تجھے سمجھ دے (رواہ البخاری)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا ہے کہ مرد یا عورت دونوں کے لئے دیندار اور حسن اخلاق سے متصف جوڑا تلاش کیا جائے۔ آجکل دینداری کی بجائے دوسری چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے خرچوں کے انتظام میں دیر لگنے کی وجہ سے لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں ریاکاری کے جذبات سادہ شادی نہیں کرنے دیتے۔ ہیں تو سید صاحب لیکن اپنی ماں فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطابق بیٹا بیٹی کے نکاح کرنے کو عار سمجھتے ہیں اگر کوئی توجہ دلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ آج کل کا دور ہی ایسا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس دور کو لانے والا کون ہے خود ہی ریاکاری کا رواج ڈالا اور اب کہہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے اخراجات نہ ہوں تو لڑکی کا نکاح کیسے کریں اور کس سے کریں؟ مسلمانو! ایسی باتیں چھوڑو سادگی میں آ جاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں خرچہ کم سے کم ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۸)

غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں کے نکاح کا حکم کر دینے کے بعد فرمایا وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ یعنی اپنے غلاموں میں سے ان غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دیا کرو جو صالح ہوں بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالحین سے وہ غلام اور باندیاں مراد ہیں جن میں نکاح کی صلاحیت ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے صالح کے معروف معنی یعنی نیک ہونا مراد ہے، جو معنی بھی مراد لیا جائے غلام اور باندی کے آقا کے لئے مستحب ہے کہ ان میں صلاح اور صلاحیت دیکھے تو نکاح کر دے۔ **قال فی روح المعانی والامر ھنا قیل للوجوب والیہ ذھب اھل الظاھر، وقیل للندب والیہ ذھب الجمھور** (روح المعانی میں ہے بعض نے کہا ہے یہاں امر وجوب کے لئے ہے اور اہل ظاہر اسی طرف گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ استحباب کے لئے اور جمہور کا رجحان اسی طرف ہے) غلاموں اور باندیوں کے نکاحوں اور ان سے پیدا شدہ اولاد کے

مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ آزاد مرد اور عورت اور مملوک مرد اور عورت کا نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے گا) وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکاح کرنے کی مالی مدد فرمائے گا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تنگدستی کی وجہ سے نکاح کرنے سے باز نہ رہیں اگر کوئی مناسب عورت مل جائے تو نکاح کر لیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے کر لیا ہے۔

(۱) وہ مکاتب جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے (عنقریب ہی مکاتب کا معنی معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ)

(۲) وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(۳) وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے (رواہ النسائی کتاب النکاح)

پھر فرمایا وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ کہ جو لوگ نکاح پر قدرت نہ رکھتے ہوں ان کے پاس مال و اسباب نہیں گھر در نہیں تو وہ اس کو عذر بنا کر اپنی عفت اور عصمت کو داغدار نہ کر لیں۔ نظر اور شرم گاہ کی حفاظت کا اہتمام کریں' یوں نہ سمجھ لیں کہ جب میں نکاح نہیں کر سکتا تو نفس کے ابھار و خواہشات کو زنا کے ذریعہ پورا کر لوں۔ زنا بہر حال حرام ہے' اس کے حلال ہونے کے کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کا انتظار کریں۔ جب مقدور ہو جائے نکاح کریں اور صبر سے کام لیں اور نفس کے جذبات کو دبانے کی تدبیر حدیث شریف میں گزر چکی ہے کہ روزے رکھا کریں۔

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ

اور تمہاری ملکیت میں جو لوگ ہیں ان میں سے جو مکاتب ہونے کی خواہش رکھتے ہوں انہیں

الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

مکاتب بنا دو اگر تم ان میں بہتری پاؤ۔ اور تم انہیں اللہ کے مال میں سے دے دو

الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ

جو اس نے تمہیں دیا ہے اور اپنی باندیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں تاکہ تم کو

الدُّنْیَا ؕ وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ

دنیاوی زندگی کا کوئی مال مل جائے۔ اور جو شخص ان پر زبردستی کرے تو اللہ انہیں مجبور کرنے کے بعد بخشنے والا ہے مہربان ہے اور ہم نے تمہاری طرف

اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ وَمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾

کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کی بعض حکایات اور متقیوں کے لئے نصیحت نازل کی ہیں۔

غلاموں اور باندیوں کو مکاتب بنانے کا حکم

تفسیر: غلام اور باندیوں کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں جو حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں انہیں احکام میں سے ایک مکاتبت بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنے غلام یا باندی سے کہے کہ اگر تو مجھے اتنی رقم دے دے تو آزاد ہے اگر غلام یا باندی اسے منظور کر لے تو پھر وہ آقا کی خدمت سے آزاد ہو جاتا ہے غلام تو رہتا ہے لیکن اپنے کسب میں آزاد ہو جاتا ہے۔ جب بھی مقررہ پوری رقم دے دے آزاد ہو جائے گا۔ جب غلام کا آقا سے مکاتبت کا معاملہ ہو جائے جسے کتابت بھی کہتے ہیں تو غلام مکاتب ہو گیا اگر غلام سے یہ طے ہوا ہے کہ ابھی نقد لا کر رقم دے دے تو آزاد ہے اور وہ کسی سے ادھار قرض کر کے اپنے آقا کو رقم دے دے تو اسی وقت آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر یہ طے ہوا کہ اتنے عرصہ میں اتنی قسطوں میں رقم ادا کرتے رہنا جب آخری قسط دے دو گے تو آزاد ہو جاؤ گے۔ تو اس صورت میں مکاتب اموال کسب کرتا رہے اور آقا کو دیتا رہے جب آخری قسط ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ اگر وہ کسب سے عاجز ہو جائے یا یوں کہہ دے کہ میں آگے قسط نہیں دے سکتا تو دوبارہ اسی طرح سے غلام ہو جائے گا جیسے غلام ہوا کرتے ہیں۔ یعنی دوبارہ پوری طرح آقا کے اختیارات اس پر محکم ومسلط ہو جائیں گے۔

تفسیر درمنثور ص ۴۵ ج ۵ میں کتاب معرفۃ الصحابہ لابن سے نقل کیا ہے کہ صبیح نامی ایک غلام نے اپنے آقا حویطب بن عبدالعزیٰ سے کہا مجھے مکاتب بنا دو انہوں نے انکار کر دیا تو آیت کریمہ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ نازل ہوئی' معالم التنزیل ص ۳۴۲ ج ۳ میں بھی یہ واقعہ لکھا ہے اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آیت نازل ہونے کے بعد صبیح کے آقا نے سو دینار پر مکاتب بنا دیا اور اس میں سے بیس دینار اپنے مکاتب کو بخش دیئے یہ مکاتب بھی مسلمان تھا جو غزوہ حنین میں شہید ہوا رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اس کے آقا حضرت حویطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی تھے۔

چونکہ آیت میں لفظ کَاتِبُوْھُمْ (امر کا صیغہ) وارد ہوا ہے اس لئے حضرت عطاء اور عمرو بن دینار نے فرمایا ہے کہ اگر غلام اپنی قیمت یا اس سے زیادہ پر کتابت کا معاملہ کرنا چاہے اور اپنے آقا سے درخواست کرے تو آقا پر واجب ہے کہ اسے مکاتب بنا دے اور اپنی قیمت سے کم پر مکاتب بنانے کا مطالبہ کرے تو آقا کے ذمہ مکاتب بنانا واجب نہیں ہے۔ لیکن اکثر اہل علم نے یوں فرمایا ہے کہ یہ حکم ایجابی نہیں ہے استحباب کے لئے ہے۔ یعنی غلام کے کہنے پر اگر آقا اسے مکاتب بنا دے تو بہتر ہے اگر نہ بنائے گا تو گنہگار نہ ہوگا (ذکرہ فی معالم التنزیل)

فَکَاتِبُوْھُمْ کے ساتھ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْھِمْ خَیْرًا بھی فرمایا ہے یعنی اگر تم ان کے اندر خیر پاؤ تو انہیں مکاتب بنا دو' خیر

سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں درمنثور میں ابوداؤد اور سنن بیہقی سے رسول اللہ کا ارشاد ہے نقل کیا کہ اگر تم ان میں حرفہ یعنی کمائی کا ڈھنگ دیکھو تو انہیں مکاتب بنادو اور انہیں اس حال میں نہ چھوڑ دو کہ لوگوں پر بوجھ بن جائیں (مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر اگر مال کمانے کی طاقت اور طریقہ کار محسوس کرو تو مکاتب بنادو ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں سے مانگ کر مال جمع کرتے پھریں اور اس سے تمہیں بدل کتابت ادا کریں)

درمنثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے کسی غلام کو مکاتب نہیں بناتے تھے۔ جب تک یہ نہ دیکھ لیتے تھے کہ یہ کما کر دے سکے گا' اور یوں فرماتے تھے کہ (اگر یہ کمانے کا اہل نہ ہوا تو) مجھے لوگوں کے میل کچیل کھلائے گا یعنی مانگ مانگ کر لائے گا

جب آقا کسی غلام کو مکاتب بنادے تو اب وہ حلال طریقوں پر مال کسب کر کے اپنے آقا کو قسطیں دیتا رہے دو تین صفحات پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ تین شخصوں کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ ان میں سے ایک وہ مکاتب بھی ہے جس کا ادائیگی کا ارادہ ہو۔

بعض حضرات نے خیر سے نماز قائم کرنا مراد لیا ہے یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ نماز قائم کریں گے تو تم انہیں مکاتب بنادو (ذکرہ فی معالم التنزیل عن عبیدۃ) لیکن اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کافر کو مکاتب بنانا جائز نہ ہو' حالانکہ وہ بھی جائز ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ خیر سے یہ مراد ہے کہ آزاد ہو جانے کے بعد وہ مسلمانوں کے لئے مصیبت اور ضرر کا باعث نہ بنے اگر کسی غلام کے بارے میں یہ محسوس ہوتا ہو کہ آزاد ہونے کے بعد مسلمانوں کو تکلیف دے گا تو ایسے غیر مسلم کو مکاتب نہ بنانا افضل ہے (ذکرہ فی الروح ص ۱۵۵ ج ۱۸)

اس کے بعد فرمایا وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (اور انہیں اس مال میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے) اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے حضرت عثمانؓ' حضرت علی حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آقا کو خطاب ہے کہ جسے مکاتب بنانا ہے اس کے بدل کتابت میں سے ایک حصہ معاف کر دے اور یہ ان حضرات کے نزدیک واجب ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے ۱/۴ معاف کر دے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ معاف ۱/۳ کر دے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے جتنا چاہے معاف کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو پینتیس ہزار درہم کے عوض مکاتب بنایا پھر آخر میں پانچ ہزار درہم چھوڑ دیئے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی غلام کو مکاتب بناتے تھے تو شروع کی قسطوں میں سے کچھ معاف نہیں کرتے تھے پھر آخری قسط میں سے جتنا چاہتے تھے چھوڑ دیتے تھے۔

آیت بالا کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا خطاب عام مسلمانوں کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ عامۃ المسلمین

مکاتب کی مدد کریں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مکاتب کو زکوٰۃ کی رقم دینا مراد ہے کیونکہ سورہ توبہ میں مصارف زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے وَفِی الرِّقَابِ بھی فرمایا ہے (وہذا کلہ من معالم التنزیل ص ۳۴۳ ج ۳)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک دیہات کا آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرا دے آپ نے فرمایا کہ جان کو آزاد کر دے اور گردن کو چھڑا دے، اس نے عرض کیا کہ کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! (پھر فرمایا کہ) جان کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تو کسی جان کو (غلام ہو یا باندی) پورا پورا اپنی ملکیت سے آزاد کر دے، اور فک رقبۃ (اور گردن کا چھڑانا) یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں مدد کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۳، از بیہقی فی شعب الایمان)

علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن ص ۳۲۲ میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف امام زفر امام محمد امام مالک امام ثوری نے فرمایا ہے کہ آقا کے ذمہ یہ واجب نہیں ہے کہ مال کتابت میں سے کچھ وضع کرے اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر وہ کچھ رقم خود سے کم کر دے تو یہ مستحسن ہے پھر چند وجوہ سے ان حضرات کے قول کی تردید کی ہے جنہوں نے یوں فرمایا ہے کہ آقا پر بدل کتابت کا کچھ حصہ معاف کر دینا واجب ہے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (اور اپنی باندیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں تاکہ تم کو دنیاوی زندگی کا کوئی مال مل جائے) زمانہ جاہلیت میں لوگ زنا کاری کے خوگر تھے عورتیں اس پیشہ کو اختیار کر کے مالدار بنی رہتی تھیں زنا کاری کے اڈوں پر جھنڈے لگے رہتے تھے جس سے لوگ پہچان لیتے تھے کہ یہاں کوئی زنا کار عورت رہتی ہے (معالم التنزیل) جب آزاد عورتیں ہی زنا کاری کے پیشہ سے مال حاصل کرتی تھیں تو اس کے لئے باندیاں اور زیادہ استعمال کی جاتی تھیں۔ لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اپنی اپنی باندیوں سے کہتے تھے کہ جاؤ زنا کرو پیسے کما کر لاؤ وہ زنا کار مردوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں اور زنا کاری کی اجرت میں جو پیسے ملتے تھے وہ اپنے آقاؤں کو لا کر دے دیتی تھیں، جب اسلام کے احکام نازل ہوئے تو زنا کاری کو حرام قرار دے دیا۔ اور زنا کی اجرت کو بھی حرام قرار دے دیا (کما رواہ مسلم عن رافع بن خدیج ان النبی ﷺ قال ثمن الکلب خبیث ومهر البغی خبیث وکسب الحجام خبیث (جیسا کہ مسلم نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کتے کے بدلے لئے ہوئے پیسے خبیث ہیں۔ فاحشہ عورت کا مہر خبیث ہے اور حجام کی کمائی خبیث ہے) لیکن جن لوگوں کو باندیوں کو زنا کاری کے لئے بھیج کر پیسہ کمانے کی عادت تھی انہیں اسلام کا فیصلہ اچھا نہ لگا تفسیر درمنثور ص ۴۶ ج ۵ میں کتب حدیث سے ایسی متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں یہ بیان کیا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی باندیاں تھیں وہ زمانہ جاہلیت میں ان سے زنا کرا کر پیسے کماتا تھا، جب اسلام کا زمانہ آیا تو انہیں زنا کرنے پر مجبور کیا جب انہوں نے انکار کیا تو بعض کو اس نے مارا بھی اللہ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہ دنیاوی مال حاصل کرنے کے لئے اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں)

اس میں جو آخری الفاظ ہیں کہ اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باندیاں پاکدامن نہ رہنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور کرنا جائز ہے بلکہ آقاؤں کو زجر و تنبیہ اور غیرت دلانا مقصود ہے کہ باندی تو پاکدامن رہنا چاہتی ہے اور تم بے غیرتی کے ساتھ انہیں زنا کے لئے مجبور کرکے زنا کی اجرت لینا چاہتے ہو اب جاہلیت والی بات نہیں رہی اب تو زنا بھی حرام ہے خوشی اور رضامندی سے ہو یا کسی کی زبردستی سے اور زنا کا حکم دینا اور اس پر مجبور کرنا بھی حرام ہے اور اس کی اجرت بھی حرام ہے چونکہ عبداللہ بن ابی مسلمان ہونے کا دعویدار تھا اس لئے آیت شریفہ میں لفظ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا بڑھا دیا کہ باندی زنا سے بچ رہی ہے اور تو اسے زنا کے لئے مجبور کر رہا ہے یہ کیسا دعوائے مسلمانی ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ ۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور جو شخص ان پر زبردستی کرے تو انہیں مجبور کرنے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے) مطلب یہ ہے کہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے اگر کسی نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ کے مغلوب ہو کر زنا کر بیٹھی تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہ معاف فرما دے گا اور اس کا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ فی معالم التنزیل وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ ۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی للمکرھات والوزر علی المکرہ و کان الحسن اذا قرا ھذہ الآیۃ قال لھن واللہ لھن واللہ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ مجبور کی جانے والیوں کو بخشنے والا ہے اور گناہ مجبور کرنے والے پر ہے اور جب یہ آیت تلاوت کی جاتی تو حضرت حسن فرماتے عورتوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے ہے)

پھر فرمایا وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں جنہیں واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان کے بھی بعض احوال اور واقعات بیان کر دیئے ہیں جن میں تمہارے لئے عبرت ہے اور ایسی چیزیں نازل کی ہیں جن میں متقیوں کے لئے نصیحت ہے (نصیحت تو سب ہی کے لئے ہے لیکن جن کا گناہوں سے بچنے کا ارادہ ہے وہی اس سے مستفیض ہوتے ہیں اس لئے اہل تقویٰ کے لئے مفید ہونے کا خصوصی تذکرہ فرمایا) قال صاحب الروح ص ۱۶۰ ج ۱۸ وقیدت الموعظۃ بقولہ سبحانہ (للمتقین) مع شمولھا للکل حسب شمول الانزال حثا للمخاطبین علی الاغتنام بالانتظام فی سلک المتقین ببیان انھم المغتنمون لآثارھا المقتبسون من انوارھا فحسب۔ (صاحب روح فرماتے ہیں جب بیان کر کے کہ متقین نصیحت کے آثار سے نفع مند ہوتے ہیں اور اس کے انوارت حاصل کرتے ہیں مخاطبین کو متقین میں شامل ہونے کی ترغیب دینے کے لئے موعظت کو للمتقین کے ساتھ مقید کیا گیا ہے باوجود اس کے کہ اپنے نزول کے لحاظ سے سب کو شامل ہے)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک شیشہ کے قندیل میں ہے

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو وہ چراغ بابرکت درخت سے روشن کیا جاتا ہو جو زیتون ہے یہ درخت نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے نور علیٰ نور ہے اللہ جسے چاہتا ہے

وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۳۵﴾

اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے اور لوگوں کے لئے اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا منور فرمانے والا ہے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے، حضرات مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے لفظ نور منور کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو روشن فرما دیا ہے یہ روشنی آسمانوں اور زمین کے لئے زینت ہے اور یہ زینت صرف ظاہری روشنی تک محدود نہیں۔

حضرات ملائکہ آسمانوں میں رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں اس سے بھی عالم بالا میں نورانیت ہے اور زمین میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے انہوں نے ہدایت کا نور پھیلایا اس سے اہل زمین کو نورانیت حاصل ہے اور چونکہ ایمان کی وجہ سے آسمان اور زمین کا بقاء ہے (ایمان والے نہ ہونگے تو قیامت آجائے گی) اس لئے ایمان کی نورانیت سے آسمان اور زمین سب منور ہیں اسی معنی کو لیکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا هدى اهل السموات والارض فهم بنوره الى الحق يهتدون وبهداه من الضلالة ينجون (راجع معالم التنزیل ص ۳۴۵ ج ۴ و روح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۸)

پھر فرمایا مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ (اللہ کے نور کی ایسی مثال ہے جیسے ایک طاقچہ ہے جس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے اور وہ چراغ ایسے قندیل میں ہے جو شیشہ کا بنایا ہوا ہے اور وہ قندیل ایسا صاف شفاف ہے جیسے چمکدار ستارہ ہو۔ چراغ تو خود ہی روشن ہوتا ہے پھر وہ ایسے قندیل میں جل رہا ہے جو شیشہ کا ہے اور شیشہ بھی معمولی نہیں اپنی چمک دمک میں ایک چمکدار ستارہ کی طرح ہے۔ پھر وہ چراغ جل بھی رہا ہے ایک بابرکت درخت کے تیل سے جسے زیتون کہا جاتا ہے۔ زیتون کے جس درخت سے یہ تیل لیا گیا ہے وہ درخت بھی کوئی ایسا عام درخت نہیں بلکہ وہ ایسا درخت ہے جو مشرق کے رخ پر ہے نہ مغرب کے رخ پر یعنی اس پر دن بھر دھوپ) پڑتی ہے نہ تو مشرق کی جانب کوئی آڑ ہے جو اس کی دھوپ کو روکے، اور نہ مغرب کی طرف کوئی آڑ ہے جو اس جانب سے آنے والی دھوپ کو روکے یہ درخت کھلے میدان میں ہیں جہاں اس پر دن بھر دھوپ پڑتی رہتی ہے، ایسے درخت کا تیل بہت صاف روشن اور لطیف ہوتا ہے کمال یہ ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی چھوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی خود بخود جل اٹھے گا، چراغ روشن ہے، پھر اس میں کئی طرح سے روشنی بڑھنے کے اسباب موجود ہیں۔ یہ سب چیزیں جمع ہو کو نور علیٰ نور (روشنی پر روشنی) کی شان پیدا ہوگئی ہے تشبیہ ہے اور ایک مثال ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے جس نور کو مثال مذکور میں بیان فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت حسن اور زید بن اسلم نے فرمایا کہ اس سے قرآن کریم مراد ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے

سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے وہ نور مراد ہے جو مومن بندوں کے دلوں میں ہے وہ اسی نور کے ذریعہ ہدایت پاتے ہیں جسے سورہ زمر میں یوں بیان فرمایا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ میں بیان فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ نور سے فرماں برداری مراد ہے۔ وھو راجع الیٰ قول ابن مسعود و ابن عباس (راجع معالم التنزیل)

صاحب بیان القرآن نے اس مقام پر تشبیہ کو واضح کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لئے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے گو بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو۔ کیونکہ علم تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسے وہ روغن زیتون آگ لگنے سے پہلے ہی روشنی کے لئے مستعد تھا مومن بھی علم احکام سے پہلے ہی ان پر عمل کے لئے مستعد ہوتا ہے اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نور عمل یعنی عمل کے پختہ ارادہ کے ساتھ نور علم بھی مل جاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے' پس عمل و علم جمع ہو کر نور علیٰ نور صادق آ جاتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ علم احکام کے بعد اس کو کچھ قائل تامل و تردد ہو کہ اگر موافق نفس کے پایا قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا اسی انشراح اور نور کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (یعنی جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے) اور ایک جگہ فرمایا فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ تلاوت فرمائی' پھر فرمایا بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل کر دیا جاتا ہے تو پھیل جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اس کو پہچان لیا جائے آپ نے فرمایا ہاں دار الغرور (دھوکے کے گھر یعنی دنیا) سے دور رہنا اور دار الخلود (ہمیشگی والے گھر) کی طرف متوجہ ہونا اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری کرنا یہ اس نور کی علامت ہے (اخرجه البیهقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۶)

پھر فرمایا يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے) اللہ کی ہدایت ہی سے ایمان بھی نصیب ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کی بھی توفیق ہوتی ہے۔ اور نفس کو ترک ممنوعات اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کی آسانی ہو جاتی ہے نفس بھی دل کے نیک جذبات کا تابع ہو جاتا ہے اور دونوں کو اعمال صالحہ میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ (اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے) تاکہ ان کے ذریعہ مضامین عقلیہ محسوس چیزوں کی طرح سمجھ میں آ جائیں۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ (اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) سب کے اعمال و احوال اسے معلوم ہیں اپنے علم و حکمت کے موافق جزا و سزا دے گا۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾

ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ایسے لوگ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں

رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ

جنہیں اللہ کی یاد سے، اور نماز پڑھنے سے، اور زکوٰۃ دینے سے، سوداگری اور خرید و فروخت کرنا غفلت میں نہیں ڈالتا،

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی، تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے

وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اپنے فضل سے انہیں اور بھی زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بلاحساب رزق دیتا ہے۔

نیک بندے قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں بیع اور تجارت کے اشغال انہیں اللہ کے ذکر سے اور اقامت صلوٰۃ و ادائیگی زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے

تفسیر: ان آیات میں مساجد اور اہل مساجد کی فضیلت بیان فرمائی ہے لفظ فِیْ بُیُوْتٍ جو جار مجرور ہے کس سے متعلق ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں تفسیر جلالین میں ہے کہ یہ یُسَبِّحُ سے متعلق ہے جو اس سے متاخر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے تجارت اور مال کی فروختگی غفلت میں نہیں ڈالتی ایسے گھروں میں صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان گھروں سے مسجدیں مراد ہیں (کما وقع عند مسلم وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللّٰہ یتلون کتاب اللّٰہ، الحدیث) علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ صبح و شام اللہ کا ذکر کرنے سے پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ کیونکہ نماز فجر صبح کے وقت ادا کی جاتی ہے اور باقی نمازیں دن ڈھلنے کے بعد ادا کی جاتی ہیں، لفظ آصال اصیل کی جمع ہے جو ظہر عصر مغرب اور عشاء چاروں نمازوں پر صادق آتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہے۔ (انتھی ما فی معالم التنزیل) تفسیر جلالین نے پہلے قول کو لیا ہے انہوں نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ العشایا من بعد الزوال.

خواہ پانچ نمازیں مراد لیجائیں یا صرف فجر اور عصر مراد لی جائے بہر صورت آیت کریمہ میں نمازیوں کی تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ مسجدوں میں وہ لوگ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی' دنیا کی ضرورت کے لئے تجارت میں مشغول تو ہو جاتے ہیں لیکن بازار میں ہوتے ہوئے تجارت کی مشغولیت کو پیچھے ڈال کر نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ بازار میں موجود تھے نماز کا وقت ہو گیا تو لوگ کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ انہیں لوگوں کے بارے میں آیت کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ نازل ہوئی۔

تجارت اور خرید و فروخت کے اوقات میں نمازوں کے اوقات آ ہی جاتے ہیں اس موقعہ پر خصوصاً عصر کے وقت میں جبکہ کہیں ہفت روزہ بازار لگا ہوا ہو یا خوب چالو مارکیٹ میں بیٹھے ہوں اور گاہک پر گاہک آ رہے ہوں کاروبار چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھنا اور پھر مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کرنا تاجر کے لئے بڑے سخت امتحان کا وقت ہوتا ہے' بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مال کی محبت سے مغلوب نہ ہوں اور نماز کی محبت انہیں دکان سے اٹھا کر مسجد میں حاضر کر دے۔

اِقَامِ الصَّلٰوةِ کے ساتھ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ بھی فرمایا ہے اس میں نیک تاجروں کی دوسری صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ یہ لوگ تجارت تو کرتے ہیں جس سے مال حاصل ہوتا ہے اور عموماً یہ مال اتنا ہوتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مال کی محبت انہیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں ہوتی' جتنی بھی زکوٰۃ فرض ہو جائے حساب کر کے ہر سال اصول شریعت کے مطابق مصارف زکوٰۃ میں خرچ کر دیتے ہیں۔

درحقیقت پوری طرح صحیح حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرنا بہت اہم کام ہے جس میں اکثر پیسے والے فیل ہو جاتے ہیں' بہت سے لوگ تو زکوٰۃ دیتے ہی نہیں اور بعض لوگ دیتے ہیں لیکن حساب کر کے پوری نہیں دیتے' اور بہت سے لوگ اس وقت تک تو زکوٰۃ دیتے ہیں جب تک تھوڑا مال واجب ہو۔ لیکن جب زیادہ مال کی زکوٰۃ فرض ہو جائے تو پوری زکوٰۃ دینے پر نفس کو آمادہ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں ایک ہزار میں سے پچیس روپیہ نکال دیں چار ہزار میں سے سو روپیہ دے دیں۔ یہ نفس کو نہیں کھلتا لیکن جب لاکھوں ہو جاتے ہیں تو نفس سے مغلوب ہو جاتے ہیں' اس وقت سوچتے ہیں کہ ارے اتنا زیادہ کیسے نکالوں؟ مگر یہ نہیں سوچتے کہ جس ذات پاک نے یہ مال دیا ہے اسی نے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور ہے بھی کتنا کم؟ سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ' جس نے حکم دیا وہ خالق اور مالک ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ پورا ہی مال خرچ کر دینے کا حکم فرما دے اور وہ چھیننے پر اور مال کو ہلاک کرنے پر بھی قادر ہے' پھر زکوٰۃ ادا کرنے میں ثواب بھی ہے اور مال کی حفاظت بھی ہے یہ سب باتیں مومنین مخلصین کی ہی سمجھ میں آتی ہیں۔

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہونگی) اوپر جن حضرات کی تعریف فرمائی کہ انہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی ان کا ایک اور وصف بیان فرمایا جس پر تمام اعمال صالحہ کا اور منکرات ومحرمات کے چھوڑنے کا مدار ہے' بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان ہے اور وہاں کے حساب کی پیشی کا یقین ہے وہ لوگ نیکیاں بھی اختیار کرتے ہیں گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور انہیں اپنے اعمال پر غرور اور گھمنڈ نہیں ہوتا وہ اچھے سے اچھا عمل کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ ٹھیک طرح ادا ہوا یا نہیں عمل بھی کرتے ہیں اور آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ قیامت کا دن بہت سخت ہوگا اس میں آنکھیں بھی چکرا جائیں گی اور ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہ ہونگے۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ (اللہ انہیں اسی دن کے لئے مہلت دیتا ہے جس دن آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائیں گی جلدی جلدی چل رہے ہونگے اوپر کو سر اٹھائے ہونگے ان کی آنکھیں ان کی طرف واپس نہ لوٹیں گی اور ان کے دل ہوا ہونگے) جس نے اس دن کے مواخذہ اور محاسبہ کا خیال کیا اور وہاں کی پیشی کا مراقبہ کیا اور خوف کھاتا رہا اور ڈرتا رہا کہ وہاں میرا کیا بنے گا ایسا شخص دنیا میں فرائض اور واجبات بھی صحیح طریقے پر انجام دے گا اور گناہوں سے بچے گا اور اسے آخرت کی فلاح اور کامیابی نصیب ہوگی۔ سورہ مومنون میں جو فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا ان ڈرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی نہیں (اس سے یہ لوگ مراد نہیں) بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان سے ان کا عمل قبول نہ کیا جائے ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ (یہ وہ لوگ ہیں جو اچھے کاموں میں آگے بڑھتے ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۷)

درحقیقت آخرت کا فکر اور وہاں کا خوف گناہوں کے چھڑانے اور نیکیوں پر لگانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

فائدہ: مساجد کے بارے میں جو فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ فرمایا ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تُرْفَعَ بمعنی تبنٰی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت مجاہد تابعی کا قول ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ترفع بمعنی تعظم ہے کہ ان مساجد کی تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی ان کا ادب کیا جائے ان میں وہ کام اور وہ باتیں نہ کی جائیں جو مسجد کے بلند مقام کے خلاف ہیں (ذکر البغوی القولین فی معالم التنزیل)

مساجد کی تعمیر بھی مامور بہ ہے اور مبارک ہے جس کا بڑا اجر وثواب ہے اور ان کا ادب کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ مسجدوں کو پاک وصاف رکھنا ان میں برے اشعار نہ پڑھنا' بیع وشراء نہ کرنا اپنی گمشدہ چیز تلاش نہ کرنا۔ پیاز لہسن کھا کر یا

کسی بھی طرح کی بدبو منہ میں یا جسم میں یا کپڑے میں لیکر آنے سے پرہیز کرنا' ان میں دنیا والی باتیں نہ کرنا بہت چھوٹے بچوں کو ساتھ نہ لے جانا یہ سب چیزیں مسجد کی تعظیم میں داخل ہیں۔ مساجد کی اصل آبادی یہ ہے کہ اذانیں دیکر مسلمانوں کو نماز کے لئے بلایا جائے اور داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھی جائے اور جماعت سے نمازیں پڑھی جائیں۔ اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے' قران مجید کی تعلیم ہو دینی باتیں سکھائی اور پڑھائی جائیں' ایک نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کیا جائے ان میں اعتکاف کیا جائے۔ نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو مسجد ہی میں دل اٹکا رہے احادیث شریفہ میں ان امور کا اہتمام کرنے کا حکم فرمایا ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مساجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دیدے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (رواہ الترمذی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۶۹)

فائدہ: آیت شریفہ میں جو لفظ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ وارد ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے یہ استنباط کیا ہے کہ رجال یعنی مرد مسجدوں میں آئیں ان میں نماز پڑھیں اور ذکر و تلاوت کریں اور درس میں مشغول ہوں یہ مردوں ہی کے لئے مناسب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو بعض شرطوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت تو دی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ بیوتھن خیر لھن اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عورت کی نماز اس کے گھر میں یعنی اندر کے حصے میں اس نماز سے بہتر ہے جو صحن میں پڑھے اور خوب اندر کے کمرہ میں نماز پڑھے یہ اس سے بہتر ہے کہ اپنے گھر کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھے (رواھما ابو داؤد ص ۸۴ ج ۱)

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے)

وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (اور انہیں اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے) وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اور اللہ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے) ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھے سے اچھا اجر ہے اور زیادہ سے زیادہ ثواب ہے اور بلا حساب رزق ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ رہا ہو یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا

يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ

تو اس کو کچھ بھی نہ پایا۔ اور اس نے وہاں اللہ کی قضاء کو پالیا سو اللہ نے اس کا حساب پورا کر دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے یا جیسے کسی گہرے سمندر کے

فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ

اندرونی حصہ میں اندھیریاں ہوں جسے موج نے ڈھانک رکھا ہو۔ اس کے اوپر ایک موج ہو اس کے اوپر بادل ہو۔ اندھیریاں ہیں بعض

بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

بعض کے اوپر ہیں۔ جب اپنے ہاتھ کو نکالے تو اسے نہ دیکھ پائے۔ اور جس کے لئے اللہ نور نہیں مقرر نہ فرمائے سو اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

کافروں کے اعمال ریت کی طرح سے ہیں جو دور سے پانی معلوم ہوتا ہے

تفسیر: اہل ایمان کے اعمال کی جزا بتانے کے بعد کافروں کے اعمال کا تذکرہ فرمایا اور آخرت میں ان کے منافع سے محرومی ظاہر کرنے کے لئے دو مثالیں ظاہر فرمائیں' کافر لوگ دنیا میں بہت سے اعمال کرتے ہیں۔ مثلاً صلہ رحمی بھی کرتے ہیں۔ جانوروں کو کھلاتے ہیں' چیونٹیوں کے بلوں میں آٹا ڈالتے ہیں مسافر خانے بناتے ہیں کنویں کھدواتے ہیں' اور پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمیں موت کے بعد فائدہ پہنچے گا ان کی اس غلط فہمی کو واضح کرنے کے لئے دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ پہلی مثال یہ کہ ایک شخص پیاسا ہو وہ دور سے سراب یعنی ریت کو دیکھے اور اسے یہ سمجھے یہ پانی ہے (سخت دوپہر کے وقت جنگلوں کے چٹیل میدانوں میں سے دور سے ریت پانی معلوم ہوتا ہے) اب وہ جلدی جلدی اپنے خیال میں پانی کی طرف چلا وہاں پہنچا تو جو کچھ اس کا خیال تھا اس کے مطابق کچھ بھی نہ پایا وہاں تو ریت نکلا (جو سخت گرم تھا نہ اسے کھا سکتا ہے نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے) جس طرح اس پیاسے کا گمان جھوٹا نکلا اسی طرح کافروں کا یہ خیال کہ ظاہری صورت میں جو اچھے اعمال کرتے ہیں یہ موت کے بعد نفع بخش ہونگے غلط ہے کیونکہ اعمال صالحہ کے اخروی ثواب کے لئے ایمان شرط ہے وہاں پہنچیں گے تو کسی عمل کا جسے نیک سمجھ کر کیا تھا کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا کما قال تعالیٰ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے' جیسے پریشان غبار لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو جو بظاہر نیک ہوں بالکل ضائع نہیں فرماتا ان کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کسی مومن پر ایک نیکی کے بارے میں بھی ظلم نہیں فرمائے گا دنیا میں بھی اس کا بدلہ دے گا اور آخرت میں بھی اس کی جزا دے گا لیکن کافر جو نیکیاں اللہ کے لئے کرتا ہے دنیا میں اس کا بدلہ دے دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی بھی نیکی نہ بچی ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے (رواہ مسلم)

وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ (اور اس نے اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا سو اس نے اس کا حساب پورا کر دیا) یعنی دنیا میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جا چکا ہوگا۔

قال صاحب معالم التنزیل ص۳۴۹ ج۳ ووجد الله عنده ای عند عمله فوفه حسابه ای جزاء عمله اه وقال صاحب الروح ۸۸۷ ج ۱۸ وقیل وجد الله تعالیٰ محاسبا ایاه علی ان العندیة بمعنی الحساب لذکر التوفیة بعد بقوله سبحانه فوفّاه حسابه ای اعطاه وافیا کاملا حساب عمله وجزاءه اواتم حسابه بعرض الکتبة ماقدمه (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں و وجد الله عنده یعنی اس نے اپنے عمل کے پاس اللہ تعالیٰ کو پایا۔ فوفهٗ حسابه یعنی اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بعض نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا حساب کرنے والا پایا اس بناء پر کہ یہاں توفی کے ذکر کی وجہ سے عند حساب کے معنی میں ہے یعنی اسے اس کے حساب کا پورا پورا بدلہ دیا یا یہ کہ اس کے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے کے مطابق اس کا حساب مکمل کر دیا)

وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے) یعنی اسے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی اور ایک کا حساب کرنا دوسرے کا حساب لینے سے مانع نہیں ہوتا۔

کافروں کے اعمال کی دوسری مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یا یوں سمجھو جیسے بہت سی اندھیریاں بڑے گہرے سمندر کے اندرونی حصہ میں ہوں اور اس سمندر کو ایک بڑی موج نے ڈھانک لیا ہو پھر اس موج کے اوپر دوسری موج ہو پھر اس کے اوپر بادل ہو نیچے اوپر اندھیریاں ہی اندھیریاں ہیں۔ اگر کوئی شخص دریا کی تہہ میں ہو جہاں مذکورہ اندھیریوں پر اندھیریاں ہوں اور اپنا ہاتھ نکال کر دیکھنا چاہے تو وہاں اس کے اپنے ہاتھ کے دیکھنے کا ذرا بھی احتمال نہیں۔ اسی طرح کافر بھی گھٹا ٹوپ گھپ اندھیریوں میں ہیں وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے اعمال کا اچھا نتیجہ نکلے گا حالانکہ اس کا کچھ بھی اچھا نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے مفسر ابن کثیر (ص ۲۹۶ ج ۳) فرماتے ہیں کہ پہلی مثال ان کافروں کی ہے جو جہل مرکب میں مبتلا ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے نفع مند ہونگے اور دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو جہل بسیط میں مبتلا ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کفر کے سرغنوں کے مقلد ہونے کی وجہ سے کافر ہیں انہیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے قائد کا کیا حال ہے اور وہ ہمیں کہاں لے جائے گا۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ تم کہاں جا رہے ہو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرداروں کے ساتھ ہیں پھر جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جو موت کے بعد ثواب ملنے کے قائل ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے نیک اعمال ہمارے لئے نفع مند ہونگے اور دوسری مثال ان کافروں کی جو قیامت اور آخرت کو مانتے ہی نہیں اور وہ اعمال کی جزا سزا کے منکر ہیں۔ ان کے پاس وہمی نور بھی نہیں (جبکہ پہلے قسم کے کافروں کے پاس ایک وہمی اور خیالی نور تھا) سو جن لوگوں نے آخرت کے لئے کوئی عمل کیا ہی نہیں ان کے لئے تو بس ظلمت ہی ظلمت ہے۔

مفسر ابن کثیر نے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ کافر پانچ اندھیریوں میں ہے اس کی بات ظلمت ہے، اس کا عمل ظلمت ہے اس کا اندر جانا (عمارت میں داخل ہونا) ظلمت ہے اور اس کا نکلنا ظلمت ہے اور قیامت کے دن وہ دوزخ کی اندھیریوں میں داخل کر دیا جائے گا۔

وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (اور اللہ جس کے لئے نور مقرر نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں) یہ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ کے مقابلہ میں فرمایا، مومن کو اللہ نے نور دیا فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اور کافر کے لئے اللہ نے نور مقرر نہیں فرمایا لہٰذا وہ کفر کی ظلمتوں میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ہر ایک نے اپنی

صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝۴۱ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی

نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے۔ اور جن کاموں کو لوگ کرتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور

اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٤٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى

اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادل کو چلاتا ہے۔ پھر بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ

پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے نکل رہی ہے۔ اور بادل سے یعنی بادل کے بڑے بڑے ٹکڑوں میں سے جو پہاڑ کی طرح ہیں اولے برساتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ

پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی روشنی آنکھوں کو ختم کر دے۔ اور اللہ

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ

رات اور دن کو بدلتا ہے اس میں ضرور عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے، اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

سے پیدا فرمایا پھر ان میں بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں

عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٥﴾

جو چار پاؤں پر چلتے ہیں بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آسمان اور زمین والے اور صفیں بنائے ہوئے پرندے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں ہر ایک کو اپنی اپنی نماز کا طریقہ معلوم ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ کی قدرت کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں اور مخلوق میں جو اس کے تصرفات ہیں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو رہنے اور بسنے والے ہیں وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ وہ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے۔ اس مخلوق میں پرندے بھی ہیں جو پر پھیلائے ہوئے فضا میں اڑتے ہیں یہ بھی اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں ان کا فضاء میں اڑنا اور زمین پر نہ گرنا ان کے پروں کی حرکتوں کو اس قابل بنانا کہ ان سے اڑیں اور زمین پر نہ گریں ان سب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے یہ مضمون کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں پہلے بھی گزر چکا ہے اور قرآن مجید میں بہت سی جگہ مذکور ہے۔

اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہونا زبان قال سے بھی، اور زبان حال سے بھی ہے۔ جو لوگ اہل زبان ہیں وہ زبان

سے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور جن چیزوں کو قوت گویائی عطا نہیں فرمائی گئی وہ بھی اپنے حال کے مطابق اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اول تو ہر چیز کا وجود ہی اس بات کو بتاتا ہے کہ اس کا خالق مالک قادر مطلق اور حاکم متصرف ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جس کو جو فہم اور شعور عطا فرمایا ہے اپنے اس شعور سے اللہ کی تسبیح میں اور اس کی عبادت میں مشغول ہے فرشتوں میں اور انسانوں اور جنات میں زیادہ عقل فہم ہے اس سے کم حیوانات میں (وہ بھی مختلف ہے) اور اس سے کم نباتات میں اور اس سے کم جمادات میں ہے' فیما بین العباد جمادات میں بظاہر فہم و ادراک اور شعور ہے اسی لئے سورہ بقرہ میں پتھروں کے بارے میں فرمایا ہے وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اور سورہ حج میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ مزید سمجھنے کے لئے مذکورہ دونوں آیتوں کی تفسیر دیکھی جائے۔ انوار البیان ج ا

آیت بالا میں جو كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ فرمایا ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کے رہنے اور بسنے والے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہمیں اپنے خالق جل مجدہ کی تسبیح میں اور نماز میں کس طرح مشغول رہنا چاہئے۔ بعض حضرات نے صلوٰۃ بمعنی دعاء لیا ہے یہ معنی مراد لینا بھی درست ہے لیکن صلوٰۃ کا معروف معنی لیا جائے تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ جس طرح بنی آدم دوسری مخلوق کی تسبیح کو نہیں سمجھتے کما قال تعالى فى سورة الاسراء وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اسی طرح اگر دوسری مخلوق کی نماز کو نہ جانیں اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں ہے' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تسبیح اور صلوٰۃ اطاعت اور انقیاد مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس کام میں لگا دیا وہ اس میں لگی ہوئی ہے اور جس کو جو الہام فرما دیا وہ اسی کے مطابق اپنی ڈیوٹی پوری کرنے میں مشغول ہے۔

یہاں یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کے وجود ہی کو نہیں مانتے ان کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار ان کی خلقت کے ان کا اپنا وجود ہی اللہ کی تنزیہ بیان کرنے کے لئے کافی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان نالائقوں کو تنبیہ کرنے ہی کے لئے تو ارشاد فرمایا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے تم ایسے ناہنجار ہو کہ جس نے تمہیں پیدا کیا اس کو نہیں مانتے اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول نہیں ہوتے اسی لئے آیت کے آخر میں وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ فرمایا ہے (اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو لوگ کرتے ہیں) اسے اہل ایمان کے اعمال کا بھی علم ہے اور وہ اہل کفر کو بھی جانتا ہے وہ سب کی جزا سزا اپنے علم و حکمت کے موافق نافذ فرما دے گا۔ قال صاحب الروح ج ۱۸ ص ۱۸۷ وانما تسبيحهم ما ذكر من الدلالة التى يشار كهم فيها غير العقلاء ايضا وفى ذلك من تخطئتهم وتعييرهم ما فيه

اس کے بعد فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک) وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) وہ خالق و مالک ہے حقیقی متصرف ہے یہاں جو برائے نام کوئی مجازی حکومت ہے وہ کوئی بھی نہ رہے گی۔ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ ہی کے ہوں گے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا (الآیہ) اس میں عالم علوی کے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بادل کو دوسری بادل کی طرف چلاتا ہے پھر ان سب کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ جمانے کے بعد اس میں سے بارش نازل فرماتا ہے۔ اے مخاطب تو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے بارش نکل رہی ہے' اور جب اس کی مشیت ہوتی ہے تو انہیں بادلوں کے بڑے بڑے حصوں میں سے جو پہاڑوں کے مانند ہیں اولے برسا دیتا ہے۔ یہ اولے بڑے خطرناک ہوتے ہیں جس کی جان یا مال کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بچا دیتا ہے اور جسے مالی جانی نقصان پہنچانا ہو وہ ان اولوں کو اس کی ہلاکت یا کثیر و قلیل ضرر کا سبب بنا دیتا ہے۔

قال صاحب الروح فی تفسیرہ قولہ تعالٰی وینزل من السماء من جبال ای من السحاب من قطع عظام تشبہ الجبال فی العظم' والمراد بھا قطع السحاب

بعض مرتبہ بادلوں میں بجلی پیدا ہوتی ہے جس کی چمک بہت تیز ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آنکھوں کی بینائی کو اچک لے گی۔ اس کا پیدا فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کے تصرفات میں سے ہے۔ اس کے ذریعہ اموات بھی ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے بچا لیتا ہے۔

انہی تصرفات میں سے رات اور دن کا الٹنا پلٹنا بھی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اسی کو فرمایا یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ (اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو پلٹتا ہے) رات اور دن کا تعلق ظاہری اعتبار سے آفتاب کے طلوع و غروب ہونے سے ہے' لیکن آفتاب بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اللہ نے جو طلوع و غروب کا نظام مقرر فرما دیا ہے اسی کے مطابق چلتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (بلاشبہ اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے) جو شخص اپنی عقل و فہم اور بصیرت سے کام لے گا اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تکوین کے مظاہروں پر غور کرے گا اسے ضرور اللہ تعالیٰ کی توحید واضح طور سے سمجھ میں آ جائے گی اور جس نے اپنے لئے یہ طے کر لیا کہ مجھے دلائل میں غور نہیں کرنا اور حق کو نہیں ماننا تو وہ گمراہ ہی رہے گا۔

اس کے بعد بعض سفلی تصرفات کا تذکرہ فرمایا' ارشاد ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے پھرنے والی ہر چیز کو پانی سے پیدا فرمایا' اس سے حیوانات مراد ہیں جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں پھر ان جانوروں میں بعض وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ وغیرہ' اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے (جبکہ خشکی میں ہوں) اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے اونٹ بھینس گائے بکری وغیرہ۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اسے پورا اختیار ہے جیسے جس حال میں اور جس شکل و صورت میں پیدا فرمائے۔ اور جس کو جس طرح چاہے قوت و قدرت عطا فرمائے دیکھو پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کو جس طرح چلنے اور بھاگنے کی قوت عطا فرمائی ہے ان میں سے بہت سی دو اور چار ٹانگوں والی چیزوں کو عطا نہیں فرمائی نہیں چل سکتی۔ چھپکلی کو دیکھ لو وہ چھت سے الٹی لٹک کر بھی دوڑ لیتی ہے دوسری مخلوق ایسا کرے تو گر پڑے' چھپکلی چل بھی رہی ہے اور چپک بھی رہی ہے فسبحان من اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی.

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) جس کو جیسا چاہا بنایا و ماشاء اللہ کان و مالم یشالم یکن

یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کے بارے میں دیکھا جاتا ہے کہ ان کا توالد و تناسل نطفہ سے نہیں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ان کا تو کوئی ماں باپ تھا ہی نہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں لفظ کل دابۃ بطور تغلیب کے استعمال فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ عام طور سے جو تم انسان اور چوپایوں کو دیکھتے ہو ان کی تخلیق نطفہ سے ہے اور بعض حضرات نے دوسرا جواب دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا پھر اس میں سے بعض کو آگ بنا دیا جس سے جنات پیدا فرمائے اور بعض کو مٹی بنا دیا اور اس سے انسان کو پیدا فرمایا اور بعض کو حصہ نور بنا دیا اس سے فرشتے پیدا فرمائے اور جتنی مخلوق وجود میں آئی اس کے وجود میں کسی نہ کسی طرح پانی کے جوہر کا وجود ہے۔ (من معالم التنزیل ص ۳۵۱ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۹۳ ج ۱۸)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے ایسی آیات نازل کی ہیں جو بیان کرنے والی ہیں اور اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ

ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق روگردانی کر لیتا ہے اور یہ لوگ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

مومن نہیں ہیں اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو ان میں سے ایک فریق اسی وقت پہلو تہی کر لیتا ہے

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ

اور اگر ان کا کوئی حق ہو تو اس کی طرف فرمانبردار بنے ہوئے چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا انہیں شک ہے یا انہیں اس بات کا

يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

خوف ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کریں گے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

منافقوں کی دنیا طلبی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف اور قبول حق سے اعراض

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے واضح آیات کھلی کھلی نشانیاں نازل فرمائی ہے جو حق اور حقیقت کو واضح کرنے والی ہیں جو عقل و فہم سے کام نہیں لیتا وہ دلائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور گمراہی

کے راستے ہی اختیار کئے ہوئے رہتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیتا ہے' اس کے بعد جو چار آیات ہیں ان کو سمجھنے کے لئے منافقین کے بعض واقعات کو سمجھنا چاہئے' ایک واقعہ ہم سورہ نساء کی آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں وہ بشر نامی منافق کا قصہ ہے۔ ایک واقعہ بعض مفسرین نے ان آیات کے ذیل میں لکھا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مغیرہ بن وائل سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا دونوں نے آپس میں بخوشی اس زمین کو تقسیم کر لیا اس کے بعد مغیرہ نے کہا کہ تم اپنی زمین مجھے بیچ دو حضرت علیؓ اس پر راضی ہو گئے بیع مکمل ہو گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیمت پر اور مغیرہ نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کسی نے مغیرہ کو سمجھایا کہ تو نے یہ نقصان کا سودا کیا ہے۔ یہ شور زمین ہے اس پر اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ اپنی زمین واپس لے لیں کیونکہ میں اس سودے پر راضی نہیں تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تو نے اپنی خوشی سے یہ معاملہ کیا ہے اور اس زمین کا حال جانتے ہوئے تو نے خریدا ہے۔ مجھے اس کا واپس کرنا منظور نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ چل ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقدمہ پیش کریں' اس پر وہ کہنے لگا کہ میں محمد (علیہ السلام) کے پاس نہیں جاتا وہ تو مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں مجھ پر ظلم کر دیں' اس پر آیت بالا نازل ہوئی چونکہ وہ شخص منافق تھا اس لئے اس نے مذکورہ بالا بے ہودہ گستاخی والی بات کہی۔ اور چونکہ منافقین آپس میں اندرونی طور پر ایک ہی تھے اور گھل مل کر رہتے تھے نیز ایک دوسرے کا تعاون بھی کرتے تھے اس لئے آیت شریفہ میں طرز بیان اس طرح اختیار فرمایا کہ سب منافقین کو شامل فرما لیا' مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب منافقین میں سے کسی سے جھگڑا ہوتا اور وہ جھگڑا نمٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بلایا جاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آپ میرے ہی حق میں فیصلہ فرمائیں گے تو حاضر خدمت ہو جاتا اور اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ کسی پر ظلم کرے اور اسے خصومت کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے کہا جاتا تو اعراض کرتا تھا' اور کسی دوسرے شخص کے پاس چلنے کو کہتا تھا منافقین نے اپنا یہ طریقہ کار بنا رکھا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ سبب نزول سمجھنے کے بعد اب آیات کا ترجمہ اور مطلب سمجھئے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ (یعنی منافقین) ظاہری طور پر زبان سے یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں اس ظاہری قول و قرار کے بعد عملی طور پر ان میں سے ایک جماعت منحرف ہو جاتی ہے چونکہ حقیقت میں مومن نہیں ہیں اس لئے انہوں نے ایسا طرز عمل بنا رکھا ہے جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تا کہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو ان کی ایک جماعت اس سے اعراض کرتی ہے (کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ظلم کر رکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو فیصلہ ہمارے خلاف جائے گا) اور اگر ان کا حق کسی پر آتا ہو تو اس حق کے وصول کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بڑی ہی فرماں برداری کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں۔ مقصد ان کا صرف دنیا ہے ایمان کا اقرار اور فرماں برداری کا قول و قرار دنیاوی منافع ہی کے لئے ہے۔ خدمت عالی میں حاضر ہونے کی

صورت میں بھی طالب دنیا ہی نہیں اور حاضری دینے سے اعراض کرنے میں بھی دنیا ہی پیش نظر ہوتی ہے۔

اَفِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ (کیاان کے دلوں میں مرض ہے) یعنی اس کا یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں اَمِ ارۡتَابُوۡۤا (یاانہیں شک ہے) کہ آپ نبی ہیں یانہیں اَمۡ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّحِیۡفَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَرَسُوۡلُهٗ (یاوہ یہ خوف کھاتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف سے ان پر ظلم ہوگا) مطلب یہ ہے کہ ان تین باتوں میں سے کوئی چیز نہیں ہے انہیں یہ بھی یقین ہے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آپکی خدمت میں حاضر ہوکر جو فیصلہ ہوگا اس میں ظلم نہیں ہوگا جب یہ بات ہے تو اعراض کا سبب صرف یہی رہ جاتا ہے کہ خود وہ ظالم ہیں بَلۡ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کا مال تو ہمیں مل جائے لیکن ہم پر جو کسی کا حق ہے وہ دینا نہ پڑے۔ اگر انہیں ڈر ہوتا کہ آپ کا فیصلہ انصاف کے خلاف ہوگا تو جب اپنا حق کسی پر ہوتا اس کے لئے بھی دوڑے ہوئے نہ آتے وہ جانتے تھے کہ آپ کا فیصلہ صاحب حق کے حق میں ہوگا۔ لیکن جب یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف ہوگا تو اعراض کرتے تھے۔ ان کا مقصود انصاف کرانا نہیں بلکہ دوسروں کا مال مارنا ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا
جب مومنین کو اللہ اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو ان کا کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔
وَاَطَعۡنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۵۱ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ
اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں' اور جو شخص اللہ کے اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ۝۵۲
سو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں

ایمان والوں کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا کہہ کر رضامندی ظاہر کردیتے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہیں

تفسیر: اوپر منافقین کا حال بیان فرمایا کہ وہ صرف زبان سے ایمان اور اطاعت کا اقرار اور اعلان کردیتے ہیں' پھر جب ان کے جھگڑوں کے فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف بلایا جاتا ہے تو اعراض کرتے ہیں اور بچ کر چلے جاتے ہیں' وہ لوگ اپنے ایمان کے اعلان واقرار میں جھوٹے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں سچے مومنین کا قول وعمل بتایا

اور وہ یہ کہ جب انہیں کسی فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ ہر موقعہ پر سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہی کہتے ہیں' ذرا بھی اعراض اور انحراف نہیں کرتے' وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن بھی لیا مان بھی لیا یہ حضرات ہی کامیاب ہیں۔ یہ پہلی آیت کا مضمون ہے' دوسری آیت میں اس بات کی مزید توضیح فرمائی اور دوبارہ کامیابی کی خوشخبری دی' فرمایا کہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے) وَيَخْشَى اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرے) وَيَتَّقْهِ (اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (سو یہی لوگ کامیاب ہیں) اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے اول اللہ تعالیٰ کی اطاعت دوم رسول ﷺ کی اطاعت (اطاعت میں وہ سب مامورات داخل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا اور اطاعت میں ان اعمال سے بچنا بھی داخل ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا' بلکہ سنن و آداب پر عمل کرنا بھی اطاعت کا جزو ہے) اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اس میں فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا داخل ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ تمام گناہوں سے بچتا رہے گو اطاعت میں گناہوں سے بچنا بھی داخل ہے لیکن مزید تاکید اور اہتمام کے لئے اس کا تذکرہ فرمایا۔ مختصر الفاظ میں مومن بندوں کی کامیابی بتادی۔ اسی لئے آیت کے ختم پر فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ فرمادیا فائز یعنی کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچادیا جائے اور جنت میں داخل کردیا جائے جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا ہے فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز (سو جو شخص دوزخ سے بچادیا گیا اور جنت میں داخل کرادیا گیا وہ کامیاب ہوگیا)

مفسر ابن کثیر (ص ۲۹۹ ج ۳) نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یخشی اللہ سے ان گناہوں کے بارے میں ڈرنا مراد ہے جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں اور ویتقہ سے یہ مراد ہے کہ آئندہ گناہوں سے بچے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۚ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

اور انہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور نکل جائیں گے' آپ فرمادیجئے کہ قسم نہ کھاؤ' فرمانبرداری

مَّعْرُوْفَةٌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا

پہچانی ہوئی ہے۔ بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ آپ فرمادیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی سو اگر تم روگردانی کرو گے تو رسول کے ذمہ وہ ہے

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

جس کا ان پر بار رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا' اور اگر تم نے ان کی فرمانبرداری کی تو ہدایت پانے والے بن جاؤ گے۔ اور رسول کے

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۞

ذمہ صرف واضح طور پر پہنچادینا ہے

منافقوں کا جھوٹی قسمیں کھا کر فرمانبرداری کا عہد کرنا

تفسیر: ان آیات میں بھی روئے سخن منافقین کی طرف ہے وہ زوردار طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تو سراپا اطاعت ہیں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہیں اگر آپ کو حکم ہو ہم گھربار چھوڑ کر نکل جائیں تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ آپ جب بھی جہاد کے لئے باہر نکلنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ ان کی تردید میں فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری جانی پہچانی ہوئی ہے قسمیں کھانے کے باوجود بھی تم اپنے وعدہ پر پورے نہیں اتر سکتے' حکم سن کر پھر خلاف ورزی کرو گے' اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جو شخص مخلص ہو اسے اپنے فرماں برداری ظاہر کرنے کے لئے قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو حکم کو مانتا چلا جاتا ہے۔ اس کا عمل اور طرز عمل ہی بتا دیتا ہے کہ وہ مخلص ہے اور جس کا فرماں برداری کا صرف دعویٰ ہو وہ اپنے دعوے کا بھرم رکھنے کے لئے بار بار قسمیں کھاتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور ہر حکم کے لئے حاضر ہوں' منافقین کا یہی طریقہ تھا کہ فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے تھے اور اس پر قسمیں کھاتے تھے پھر جب حکم ہوتا تھا تو منہ موڑ لیتے تھے اور مومنین اخلاص کیساتھ فرمانبرداری میں لگے رہتے تھے انہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص کو آخرت میں بھی پیش ہونا ہے' میدان قیامت میں جب حساب ہوگا تو یہ زبانی دعوے اور جھوٹی قسمیں اور دھوکہ دینے کے ارادے اور شر و فساد کی نیتیں سب ہی کا انجام دیکھ لیں اگر بندوں کو پتہ نہ چلے تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ خبر ہے وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ میں اس مضمون کو واضح فرما دیا ہے۔

مزید فرمایا کہ اے منافقو! اگر تم فرمانبرداری سے بچو اور روگردانی کرو تو اس میں رسول ﷺ کا کچھ نقصان نہیں آپ ﷺ کے ذمہ جو بار ڈالا گیا ہے (یعنی تبلیغ کا کام) آپ اس کے ذمہ دار ہیں اور تم جانتے ہو کہ آپ نے اسے پورا کر دیا' اور تم پر جو بار ڈالا گیا تم اس کے ذمہ دار ہو یعنی تمہارے ذمہ فرمانبرداری ہے تم فرمانبرداری نہ کرو گے تو اپنا برا کرو گے۔

مزید فرمایا وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا اور اگر تم سچے دل سے اخلاص کے ساتھ اطاعت کرو گے تو راہ حق پا جاؤ گے۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اور رسول کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا پیغام واضح طور پر پہنچانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے (انہوں نے پہنچا دیا اب تم اپنی ذمہ داری پوری کرو) اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے جو نائب ہیں وہ امت کو جو بھی کوئی بات بتائیں واضح طور پر بتائیں جو صاف طور پر سمجھ میں آجائے آگے عمل کرنے والے کی ذمہ داری ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ
اور تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں ضرور ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ

ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور اس نے ان کے لئے جس دین کو پسند فرمایا ہے اسے ان کے لئے قوت دے گا ان کے خوف کے

بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

بعد ضرور ضرور امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کرتے ہیں میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو یہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا

نافرمان ہیں۔ اور نماز کو قائم کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے مخاطب

تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾

ان کے بارے میں یہ ہرگز خیال نہ کر کہ روئے زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور البتہ وہ بری جگہ ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں سے استخلاف اور تمکین فی الارض کا وعدہ

تفسیر: معالم التنزیل ص ۳۵۳ ج ۳ میں حضرت ابو العالیہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ نزول وحی کی ابتداء کے بعد ہی سے ثابت قدمی کے ساتھ مقیم رہے اور کافروں کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچتی تھیں ان پر بامر الٰہی صبر کرتے رہے صبح شام دشمنوں کی طرف سے خائف رہتے تھے پھر جب مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا حکم دے دیا گیا تو مدینہ منورہ پہنچ گئے، وہاں پہنچنے پر بھی دشمنوں سے چھٹکارا نہ ہوا (یہودی بھی دشمن تھے اور منافقین سے بھی خطرہ رہتا تھا) اس لئے ہر شخص ہتھیار بند رہتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص کے منہ سے یہ نکل گیا تھا کہ کیا ہم پر کوئی ایسا دن بھی آئے گا جس میں ہم امن و امان سے ہونگے اور ہتھیار ساتھ رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی، اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریم وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (آخر تک نازل فرمائی) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا تمہیں زمین میں اقتدار و اختیار دے گا، دشمن مغلوب ہونگے عرب و عجم پر تمہارا تسلط ہوگا ان سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے زمین میں خلیفہ بنایا اور اقتدار سپرد فرمایا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی حکومت و سلطنت تو مشہور رہی ہے ان کے علاوہ بھی بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی اور زمین میں با اختیار اور با اقتدار بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (اے میری قوم! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی

جبکہ اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا)

اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ برحق ہے اس نے ہر وعدہ پورا فرمایا ہے اور آئندہ اس کے سارے وعدے پورے ہونگے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو وعدے فرمائے جو ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر تھے وہ سب پورے ہوئے پورے عرب (حجاز' یمن' شام' عراق' نجد) پر ان کا تسلط ہوا' ان کے بعد آنیوالے مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم رہیں۔ صدہا سال افریقہ اور ایشیاء کے ممالک پر ان کا قبضہ رہا۔ انہیں پورا اختیار تھا کہ اپنے دین پر چلیں اور لوگوں کو چلائیں۔ اسلام کی دعوت دیں اسلام کو پھیلائیں وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ کا پورا پورا مظاہرہ تھا نہایت سکون اطمینان اور امن وامان کے ساتھ رہتے تھے۔ مکہ معظمہ کی زندگی میں جو خوف و ہراس تھا پھر مدینہ منورہ میں جو چند سال خوف وخطر کے گزرے اسے اللہ تعالیٰ نے امن سے بدل دیا۔ اور وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ دیکھتی آنکھوں پورا ہو گیا۔ اس وعدہ کے پورا فرمانے کے ساتھ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا بھی فرمایا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ پر مضبوطی سے جمے رہیں اللہ کی عبادت کرتے رہیں اور کسی طرح کا شرک جلی یا خفی (عمل لغیر اللہ) اختیار نہ کریں۔

مسلمانوں کا شرط کی خلاف ورزی کرنا اور اقتدار سے محروم ہونا

پھر ہوا یہ کہ مسلمانوں نے شرط کی خلاف ورزی کی۔ ایمان بھی کمزور ہو گیا اعمال صالحہ بھی چھوڑ بیٹھے۔ عبادت الہیہ سے بھی پہلو تہی کرنے لگے۔ لہٰذا بہت سے ملکوں سے حکومتیں ختم ہو گئیں۔ اور بہت سی جگہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے امن وامان تباہ ہو گیا۔ اور دشمنوں سے امن وامان کی اور اپنی حکومتیں باقی رکھنے کی بھیک مانگنے لگے۔ بڑی بڑی حکومتیں چھن جانے کے بعد اب بھی افریقہ اور ایشیاء میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں اور زمین کے بہت بڑے حصہ پر اب بھی انہیں اقتدار حاصل ہے۔ لیکن اصحاب اقتدار عموماً نام کے مسلمان ہیں۔ کہیں شیعیت کو اجاگر کیا جا رہا ہے اور کہیں شیوعیت کو امام بنا رکھا ہے کہیں مغربی جمہوریت پر ایمان لائے ہوئے ہیں کہیں الحاد اور زندقہ کو اپنا رکھا ہے قانون ہے کہ مغرب کا اور وضع قطع ہے تو نصاریٰ کی' پھر دشمن سے دبتے ہیں اور اسی کے کہنے کے مطابق کرتے ہیں۔ آپس میں جنگ ہے۔ دشمنوں سے رازداری ہے قرآن مجید میں جو لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا فرمایا ہے اس کی صریح خلاف ورزی ہے' ہر وقت خوف زدہ ہیں کہ دشمن ہمیں اقتدار سے نہ ہٹوا دیں یا قتل نہ کروا دیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے دور ہیں دشمنان اسلام کی فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے اپنا بھرم اور مضبوط تسلط کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے استخلاف اور تمکین کے وعدہ کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا تھا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (جو اس کے بعد ناشکری کرے گا تو یہی لوگ نافرمان ہیں) ہم نے لفظ کفر کا ترجمہ ناشکری سے کیا ہے کہ اس کا لغوی معنی ہے اور شریعت کی اصطلاح میں ایمان کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی

مراد ہو سکتے ہیں جو شخص کفر اختیار کرلے پورا نافرمان ہے ایسے شخص کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

اگر کوئی شخص کافر تو نہیں ہوا لیکن اعمال صالحہ سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منہ موڑے ہوئے ہے اسے گو کافر نہ کہا جائے گا لیکن فاسق اور باغی ضرور ہے۔ جب ایسے لوگوں کی اکثریت ہوگی اور مومنین صالحین اور علمائے عاملین کو برا کہا جائے گا اور عامۃ الناس قرآن وحدیث کی تعلیمات سے دور بھاگیں گے تو اللہ کی مدد نہیں ہوگی' اللہ تعالیٰ نے مدد اٹھالی ہے' اس لئے حکومتیں ہوتے ہوئے بھی دشمنوں سے خائف ہیں اور ان کے دروازہ پر مال اور اقتدار کی دریوزہ گری کرنے میں منہمک ہیں' ڈرتے رہتے ہیں کہ دشمن کی نافرمانی کرلی تو کرسی جاتی رہے گی۔ کاش مسلمانوں کے جتنے ملک ہیں سب متحد ہوتے' بلکہ ایک ہی امیر المومنین ہوتا جو سب کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق لے کر چلتا۔ اگر ایسا کر لیتے تو دشمن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لیکن اب تو مسلمانوں کی خودغرضی نے مسلمانوں کے ملکوں کو اور ان کے اصحاب اقتدار کو دشمنوں کا کھلونا بنا رکھا ہے۔

اگر آج بھی مسلمان مضبوط ایمان والے ہو جائیں اور اعمال صالحہ والے بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت خالصہ میں لگ جائیں تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہی دن آجائیں گے جو خلافت راشدہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد دیگر ملوک صالحین کے زمانہ میں تھے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور نماز کو قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) اس میں واضح طور پر بتادیا کہ دوبارہ فرمانبرداری کی زندگی پر آنے اور عبادات بدنیہ اور عبادات مالیہ ادا کرنے پر آجائیں تو پھر رحم کے مستحق ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر تعجب ہے کہ جن فاسقوں کو بار بار آزما چکے ہیں انہی کو دوبارہ اقتدار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کے بعد فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ (اے مخاطب کافروں کے بارے میں یہ خیال نہ کر کہ روئے زمین میں عاجز کرنے والے ہیں)

اس میں یہ بتادیا کہ کوئی بھی خیال کرنے والا یہ خیال نہ کرے کہ کافر لوگ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ کی گرفت سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھاگ کر اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اور موت تو بہر حال سب کو آنی ہی ہے۔ زمین میں جو شخص جہاں بھی ہو اپنی مقررہ اجل کے موافق اس دنیا سے چلا جائے گا اور کافر کا عذاب تو موت کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے' کافروں کو جو دنیا میں عذاب ہے وہ اپنی جگہ ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بری جگہ ہے اسی کو آخر میں فرمایا' وما وھم النار' ولبئس المصیر۔

روافض قرآن کے منکر ہیں صحابہ کرام کے دشمن ہیں

دشمنان اسلام میں روافض یعنی شیعوں کی جماعت بھی ہے یہ لوگ اسلام کے مدعی اور اہل بیت کی محبت کے دعویدار

ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں نہ قرآن سے نہ اللہ کے رسول سے (علیہ السلام) نہ حضرات صحابہ کرامؓ سے نہ حضرات اہل بیتؓ سے آیت استخلاف جو سورۂ نور کا جزو ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تمہیں خلیفہ بنائے گا اور تمکین فی الارض کی نعمت سے نوازے گا تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ وعدہ پورا ہو گیا۔

مسلمانوں کا اقتدار عرب اور عجم میں بڑھتا چڑھتا چلا گیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خلیفہ راشد تھے وہ مذکورہ بالا تینوں خلفاء کے ساتھ ایک جان اور دو قالب ہو کر رہے ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے ان کے مشوروں میں شریک رہے۔ پھر جب انہیں خلافت سونپ دی گئی تو یہ نہیں فرمایا کہ یہ حضرات خلفائے راشدین نہیں تھے یا خلافت کے غاصب تھے اور میں سب سے پہلے خلافت کا مستحق تھا وہ انہیں حضرات کے طریقہ پر چلتے رہے ان کے فتح کئے ہوئے ممالک کو باقی رکھا اور قرآن و حدیث کے موافق امور خلافت انجام دیئے۔ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے ان کی شہادت پر خلافت راشدہ کے تیس سال پورے ہو گئے رسول اللہ علیہ السلام نے الخلافة من بعدی ثلاثون سنة فرمایا تھا اسی کے مطابق اہل السنۃ والجماعۃ مذکورہ پانچوں حضرات کو خلفاء راشدین مانتے ہیں لیکن زیادہ تر زبانوں پر چاروں خلفاء کے اسمائے گرامی آتے ہیں کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت چند ماہ تھی۔

اب روافض کی بات سنو وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر عثمان رضی اللہ عنہم خلیفہ راشد تو کیا ہوتے مسلمان ہی نہیں تھے روافض قرآن کے بھی منکر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم مرتبہ کے بھی (جو ان کے عقیدہ میں امام اول ہیں اور معصوم ہیں) ان کو بزدل بتاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت کا اعلان نہیں کیا جس کے وہ اولین مستحق تھے اور جس کی ان کے پاس رسول اللہ علیہ السلام کی طرف سے وصیت تھی ان لوگوں کے عقیدہ میں امام اول نے حق کو چھپایا اور اپنے سے پہلے تینوں خلفاء کے ساتھ مل کر رہے اور اس میں انہوں نے تقیہ کر لیا تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد روافض جن حضرات کو امام مانتے ہیں ان میں سے کسی کی خلافت قائم نہیں ہوئی۔ اگر ان لوگوں کی بات مان لی جائے کہ حضرت ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ عنہم وہ خلیفہ نہیں تھے جن کا آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تو قرآن مجید کا وعدہ صحیح ثابت نہیں ہوتا (العیاذ باللہ) شیعوں کے سامنے جب یہ بات آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ وعدہ امام مہدی پر پورا ہوگا۔ جھوٹے کا کام جھوٹ ہی سے چلتا ہے آیت شریفہ میں تو منکم وارد ہوا ہے جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب فرمایا ہے یہ لوگ منکم کو نہیں دیکھتے اپنی گمراہی پر مصر ہیں یاد رہے قرآن مجید میں اور کسی جگہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان لفظ منکم وارد نہیں ہوا۔ وعدہ استخلاف کے بیان میں یہ لفظ آیا ہے وعدہ استخلاف کے ساتھ ہی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے روافض کی تردید فرما دی فلعنة الله علی من کذب بالقرآن۔

فائدہ: آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ کافروں کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر بھاگ

جائیں گے اس کے عموم میں وہ سب کافر داخل ہیں جو زمانہ نزول قرآن سے لیکر آج تک اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور ان کے ملکوں کو توڑتے ہیں اور اپنی برتری کے لئے تدبیریں کرتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں بھی تباہ ہونگے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہونگے۔ فلیتفکر الکافرون ومنھم الروافض المفسدون۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ
اے ایمان والو جو تمہارے مملوک ہیں اور تم میں سے وہ لڑکے جو بلوغ کو نہیں پہنچے
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ
تین وقتوں میں اجازت لیا کریں، نماز فجر سے پہلے، اور جس وقت تم دوپہر میں اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو،
وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ۫ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ
اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کوئی
بَعْدَهُنَّؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِؕ وَ اللّٰهُ
گناہ نہیں ہے۔ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے ہیں، کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اللہ اسی طرح تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ
عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ
علیم ہے حکیم ہے، اور تمہارے لڑکے جب حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اجازت لیں جیسے ان لوگوں نے اجازت لی جو
مِنْ قَبْلِهِمْؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾
ان سے پہلے ہیں، اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

گھروں میں داخل ہونے کے لئے خصوصی طور پر تین اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کیا جائے

تفسیر: اسی سورۃ نور کے چوتھے رکوع میں کسی کے پاس اندر جانے کے لئے اجازت لینے اور اجازت نہ ملنے پر واپس ہو جانے کا حکم مذکور ہے، وہ حکم اجانب کے لئے ہے جن کا اس گھر سے رہنے سہنے کا تعلق نہ ہو جس میں اندر جانے کی اجازت طلب کرنا چاہتے ہوں۔

ان دو آیتوں میں ان اقارب اور محارم کا حکم فرمایا ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں اور ان سے عورتوں کو پردہ کرنا بھی واجب نہیں ہے ان میں ان بچوں کا حکم بیان فرمایا جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اور غلاموں

کا ذکر ہے (جنہیں کام کے لئے اپنے آقا کی خدمت کے لئے بار بار اندر آنا جانا پڑتا ہے) ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ تین اوقات میں تمہارے پاس اندر آنے کے سلسلے میں اجازت لینے کا خاص دھیان رکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم انہیں یہ تعلیم دو اور انہیں سمجھاؤ اور سدھاؤ کہ وہ ان اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں ان اوقات میں سے پہلا وقت نماز فجر سے پہلے اور دوسرا دوپہر کا وقت ہے جب عام طور سے زائد کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں اور تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد کا ہے۔ ان تینوں اوقات کے بارے میں فرمایا کہ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ کہ یہ تینوں تمہارے پردہ کے اوقات ہیں کیونکہ ان اوقات میں عام عادت کے مطابق تخلیہ ہوتا ہے اور انسان بے تکلفی کے ساتھ آرام سے رہنا چاہتا ہے۔ تنہائی میں کسی وقت وہ اعضاء بھی کھل جاتے ہیں جن کا ڈھانکے رکھنا ضروری ہے اور سوتے وقت غیر ضروری کپڑے تو اتار ہی دیتے ہیں اور تنہائی کا موقع پا کر بعض مرتبہ میاں بیوی بھی بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے متمتع ہوتے ہیں۔ اگر آنے والا آزاد لڑکا ہو یا غلام یا لونڈی ہو اور اندر آنے کی اجازت نہ لے تو بعض مرتبہ ممکن ہے کہ ان کی نظر کسی ایسی حالت یا کسی ایسے عضو پر پڑ جائے جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے بالغ غلام مرد اپنے آقا کے پاس ان اوقات میں جائے تو وہ بھی اجازت لے۔ گو مرد کا مرد سے پردہ نہیں ہے لیکن ان اوقات میں کپڑے اتارے ہوئے ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بے دھیانی میں بعضے وہ اعضاء کھل جاتے ہیں جن کا مرد کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے مذکورہ اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں۔ معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدلج تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلانے بھیجا یہ دوپہر کا وقت تھا اس نے حضرت عمر کو ایسی حالت میں دیکھ لیا جو انہیں ناگوار ہوا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

مضمون بالا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے ان اوقات کے علاوہ اگر یہ لوگ بلا اجازت آ جائیں تو اس میں تم پر یا ان پر کوئی الزام نہیں ہے، پھر اسکی وجہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یہ لوگ تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں) چونکہ ہر وقت اجازت لینے میں دشواری ہے اس لئے مذکورہ بالا اوقات کے علاوہ بلا اجازت داخل ہونے گھر کے لڑکوں اور غلاموں کو اجازت دے دی گئی آخر میں فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اللہ اسی طرح تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے)

یاد رہے کہ عورت کا اپنا غلام ہو یا اس کے شوہر کا اگر نامحرم ہو تو اس سے پردہ کرنا اسی طرح واجب ہے جیسے نامحرموں سے پردہ واجب ہے۔

یہ پہلی آیت کا مضمون تھا دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ جب لڑکے بالغ ہو جائیں جنہیں بلوغ سے پہلے مذکورہ تین وقتوں کے علاوہ بے اجازت اندر آنے کی اجازت تھی اب بالغ ہونے کے بعد اسی طرح اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے رہے یہ خیال نہ کریں کہ کل تک تو ہم یوں ہی چلے جاتے تھے اب اجازت کیوں لیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

(اللہ اسی طرح تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)

فائدہ: پہلی آیت میں جو تین اوقات میں اجازت لینے کا حکم فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل چھوڑ رکھا ہے ایک تو یہی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ اور دوسرے سورہ نساء کی آیت وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى اور تیسری سورہ حجرات کی آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا (اکثر لوگ اس آیت پر عمل نہیں کرتے) (گویا کہ) اس پر ایمان ہی نہیں لائے اور میں تو اپنی اس باندی کو بھی حکم دیتا ہوں کہ میرے پاس اجازت لیکر آئے (ابن کثیر ص ۳۰۳ ج ۳)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

اور جو عورتیں بیٹھ چکی ہیں جنہیں نکاح کرنے کی امید نہیں ہے سو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے اتار کر

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

رکھ دیں بشرطیکہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں، اور یہ بات کہ پرہیز کریں ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے

بوڑھی عورتیں پردہ کا زیادہ اہتمام نہ کریں تو گنجائش ہے

تفسیر: القواعد قائدة کی جمع ہے اس سے بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو گھر میں بیٹھ چکی ہیں، نہ نکاح کے لائق ہیں نہ انہیں نکاح کی رغبت ہے نہ کسی مرد کو ان سے نکاح کرنے کی طلب ہے ان عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جن سے چہرہ چھپا رہتا ہے، چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیں یعنی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول کر آجائیں بشرطیکہ مواقع زینت کا اظہار نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم جوان عورتوں کا سا نہیں ہے اگر چہرہ اور ہتھیلیاں غیر محرم کے سامنے کھول دیں اس میں گناہ نہیں ہے البتہ جسم کے دوسرے حصوں کو نہ کھولیں اور یہ جو انہیں چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دی گئی ہے یہ جائز ہونے کی حد تک ہے۔ بہتر ان کے لئے بھی یہی ہے کہ احتیاط کریں اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے سے بھی احتراز کریں۔

جب بوڑھی عورتوں کو بھی اجازت دینے کے باوجود یہ فرمایا کہ ان کو بھی احتیاط کرنا بہتر ہے کہ چہرہ کھول کر غیر محرموں کے سامنے نہ آئیں تو اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جوان عورتوں کو غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھول کر آنا کیسے جائز ہوگا۔ هذا في القواعد فكيف في الكواعب. (روح المعانی ص ۲۱۷ ج ۱۸) وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور اللہ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے)

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى

نہ تو نابینا آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ مریض کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے کوئی

اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ
مضائقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے
اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا
گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم
مَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ‌ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا‌ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ
مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو
بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً‌ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے دعاء مانگنے کے طور پر، جو مبارک ہے پاکیزہ ہے، اللہ اسی طرح
الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾
تمہیں اپنے احکام بتاتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں کھانے پینے کی اجازت

تفسیر: علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل ص ۳۵۸ ج ۳ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے مختلف اقوال لکھے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ لنگڑے اور نابینا اور بیمار لوگ تندرست آدمیوں کے ساتھ کھانے سے یہ سمجھتے ہوئے پرہیز کرتے تھے کہ لوگ ہم سے گھن کرتے ہیں اور کہا یہ کہ کوئی شخص یوں سمجھ لے کہ نابینا زیادہ کھا گیا یا یہ کہ لنگڑے کے بارے میں یہ خیال کرنے لگے کہ اس نے دو آدمیوں کی جگہ گھیر لی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اور حضرت مجاہد نے یوں فرمایا کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے یہاں کھانے کی اجازت دینے کے لئے آیت کا نزول ہوا' سبب نزول جو بھی ہو آیت کریمہ میں آپس میں بے تکلفی کی بنیاد ایک دوسرے کے گھر میں شرعی اصول کے مطابق کھانے کی اجازت دی ہے چونکہ آپس کی قرابت اور دوستی کی وجہ سے ایک دوسرے کا کھانا کھانا اور لینا دینا ناگوار نہیں ہوتا دل کی خوشی سے سب کھلاتے پلاتے ہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے ہاں نہ کھائیں تو اس سے ناگواری ہوتی ہے اس لئے آیت کریمہ میں بے تکلف آپس میں کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ جب ہر شخص دل سے چاہتا ہے اور حالات و معاملات اس بات کو بتاتے ہیں کہ اپنے عزیز کی کوئی چیز کھالی اگرچہ بظاہر اجازت نہیں لی تب بھی اسے ناگوار نہیں تو بلا اجازت بھی کھا سکتے ہیں۔ اپنے گھروں سے کھانے میں اور جن معذوروں کا ذکر ہے ان کو ساتھ کھلانے میں کوئی حرج اور تنگی کی بات نہیں ہے اور ان معذوروں کو بھی ساتھ کھانے میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ اور بعض مفسرین نے مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ سے اولاد کے

گھر مراد لئے ہیں اور مطلب یہ بتایا ہے کہ تم اپنی اولاد کے گھروں سے کھاؤ اسمیں کوئی حرج نہیں (کمافی الجلالین)
اگر تم اپنے باپوں یا ماؤں یا بھائیوں یا بہنوں یا چچاؤں یا پھوپھیوں یا ماموؤں یا خالاؤں کے گھروں سے کھاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (اگر بہن یا پھوپھی یا خالہ کا اپنا ذاتی مال ہے تو اس میں سے بلا تکلف کھا لینے میں کوئی مذائقہ نہیں ہاں اگر ان کے شوہروں کا مال ہو اور وہ دل سے راضی نہ ہوں تو اس کے کھانے میں احتیاط کی جائے)

رشتہ داروں کو بیان فرمانے کے بعد اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهٗ فرمایا اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی کے مال کی حفاظت کے وکیل اور ذمہ دار ہیں۔ کسی مالک کے مویشی چرانے والے اور باغوں کی دیکھ بھال کرنے والے اگر متعلقہ مال میں سے کھالیں۔ تو اس کی اجازت ہے البتہ ساتھ نہ لے جائیں اور ذخیرہ نہ بنائیں بقدر حاجت اور حسب ضرورت کھالیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے مملوک غلام مراد ہیں کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ آقا ہی کی ملکیت ہے اس لئے وہ اس میں سے کھا سکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا اَوْ صَدِيْقِكُمْ (یعنی اپنے بے تکلف دوستوں کے گھر سے بھی کھا پی سکتے ہو) دوستی سچی اور پکی ہو صرف لینے ہی کا دوست نہ ہو دوست کے کھانے پر بھی دل خوش ہوتا ہو **قال صاحب الروح ورفع الحرج فی الأکل من بیت الصدیق لانہ ارضی بالتبسط واسربہ من کثیر من ذوی القرابۃ** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دوست کے گھر سے کھانے میں حرج کو اٹھا دیا گیا اس لئے کہ دوست اس بے تکلفی سے بہت راضی اور خوش ہوتا ہے بہت سارے قرابت داروں کی نسبت) پھر فرمایا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ اکٹھے ہو کر کھاؤ یا الگ الگ) اس کے بارے میں معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ انصار میں سے بعض حضرات ایسے تھے جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ جب کوئی مہمان ساتھ ہوگا تب ہی کھائیں گے مہمان نہیں ملتا تھا تو تکلیف اٹھاتے تھے بھوکے رہتے تھے لہٰذا ان کو اجازت دے دی گئی کہ چاہے اکٹھے کھاؤ (مہمان مل جائے تو اس کے ساتھ کھالو اور چاہے تنہا کھالو)

اس کے بعد فرمایا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً سو جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے نفسوں کو سلام کرو جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ دعاء مانگنے کے طور پر جو مبارک ہے پاکیزہ ہے اس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم ان گھروں میں داخل ہو جن کا اوپر ذکر ہوا تو اپنے نفسوں کو سلام کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جو لوگ موجود ہیں ان کو سلام کرو چونکہ اعزہ واقرباء اور دوست سب مل کر گویا ایک ہیجان ہیں اس لئے **علی اھلھا** کے بجائے **علی انفسکم** فرمایا اور اس میں ایک یہ نکتہ بھی ہے کہ جب تم سلام کرو گے تو حاضرین جواب دیں گے اس طرح تمہارا سلام کرنا اپنے لئے سلامتی کی دعاء کرانے کا ذریعہ بن جائے گا (ذکرہ صاحب الروح) یہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہے۔ دعاء کرنے کے طور پر مشروع کیا گیا ہے پھر یہ مبارک بھی ہے کیونکہ اس میں اجر بھی ہے برکتیں بھی ہیں۔ اور یہ خصلت طیبہ بھی ہے جس سے سننے والا خوش ہوتا ہے اور اپنا دل بھی خوش ہوتا ہے جب کہیں جائیں جہاں کہیں مسلمان موجود ہو یا راستہ میں کوئی مسلمان مل جائے تو السلام علیکم کہے اور جسے سلام کیا وہ بھی جواب دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو اپنے گھر والوں پر داخل ہو تو سلام کر اس میں تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی (مشکوۃ المصابیح ص ۳۹۹)

اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو۔ تو اس گھر کے رہنے والوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے نکلو تو گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۹۹)

سلام کے مسائل ہم سورہ نساء کی آیت کریمہ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔ آخر میں فرمایا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیَاتِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنی احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا

ایمان والے وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام کیلئے جمع ہوتے ہیں جس کے لئے جمع کیا گیا تو اس وقت تک نہیں جاتے

حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۚ

جب تک آپ سے اجازت نہ لیں بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِھِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمُ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

سو جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جسے چاہیں اجازت دیدیں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ

غفور ہے رحیم ہے تم اپنے درمیان رسول اللہ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بے شک اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے

یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ

آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی مصیبت آپڑے یا انہیں کوئی

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾

دردناک عذاب پہنچ جائے

اہل ایمان رسول اللہ ﷺ سے اجازت لیکر جاتے ہیں

تفسیر: درمنثور ص ۶۰ ج ۵ میں لکھا ہے کہ غزوہ احزاب (جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں) کے موقع پر قریش مکہ ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ منورہ کی آبادی کے قریب بیر رومہ کے پاس ٹھہر گئے اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ آئے تو یہ لوگ احد کی طرف آکر ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کی خبر ہوگئی۔ اس موقعہ پر خندق پہلے ہی سے کھودی جا چکی تھی۔ جس میں مسلمانوں نے خوب خوشی سے حصہ لیا۔ لیکن منافقین اول تو دیر میں آتے تھے اور جب آتے تھے تو تھوڑا بہت کام کر دیتے تھے پھر جب جانا ہوتا تو رسول اللہ کے علم اور اجازت کے بغیر چپکے سے کھسک جاتے تھے اور مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لیکر جاتے تھے پھر جب ضرورت پوری ہو جاتی

تھی تو واپس آ جاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا میں اہل ایمان کی توصیف فرمائی اور منافقین کی دنیا سازی اور بے وفائی کا تذکرہ فرمایا چونکہ منافقین کے دلوں میں ایمان ہی نہیں تھا دنیا سازی اور ریاکاری کے لئے اپنا مومن ہونا ظاہر کرتے تھے اس لئے ان سے ایسی چیزیں ظاہر ہوتی رہتی تھیں جو یہ بتا دیتی تھیں کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں یہ لوگ نماز بھی جھٹ پٹ پڑھتے تھے اور عشاء اور فجر کی نمازوں میں حاضر ہونے سے جان چراتے تھے، جو نماز تھی وہ بھی ریاکاری کی نماز تھی، جہاد میں جاتے تھے تو وہاں بھی شرارت کرتے تھے جس کا ذکر سورہ توبہ میں گزر چکا ہے جس کا ظاہر باطن ایک نہ ہو وہ کہاں تک ظاہرداری قائم رکھ سکتا ہے کہیں نہ کہیں جا کر یہ بات کھل ہی جاتی ہے کہ یہ دل سے مومن نہیں ہے۔ **قال صاحب الروح و التسلل الخروج من البین علی التدریج و الخفیۃ وقد للتحقیق وقولہ تعالیٰ لواذا ای ملاوذۃ بان یستتر بعضھم ببعض حتی یخرج** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں التسلل کا معنی ہے درمیان میں سے ترتیب کے ساتھ خفیہ طور پر نکلنا اور قد تحقیق کے لئے ہے اور ارشاد الٰہی **لواذا یعنی ملاوذۃ** اس طرح کہ ایک دوسرے سے چھپتا ہے تاکہ نکل جائے) سورہ توبہ میں بھی منافقین کی اس حرکت کو بیان فرمایا ہے **وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ نَّظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ ھَلْ یَرٰکُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ** (اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ کسی نے دیکھا تو نہیں پھر چلے جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا اس سبب سے کہ وہ سمجھتے نہیں)

حضرت امام ابوداؤد نے اپنی کتاب مراسیل میں لکھا ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کسی کو نکسیر پھوٹنے یا کسی ضرورت سے جانا ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کی طرف انگوٹھے کی پاس والی انگلی سے اشارہ کر دیتا تھا آپ بھی ہاتھ کے اشارہ سے اجازت دے دیتے تھے اور منافقین کا یہ حال تھا کہ خطبہ سننا اور مجلس میں بیٹھنا ان کے لئے بھاری کام تھا جب مسلمانوں میں سے کوئی شخص باہر جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرتا تو منافق یہ کرتے تھے کہ اس مسلمان کی بغل کے پاس کھڑے ہو کر اسے آڑ بنا کر نکل جاتے تھے اس پر اللہ شانہ نے آیت کریمہ **قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ** (آخر تک) نازل فرمائی شان نزول گو خاص ہو لیکن آیات کا مفہوم عام ہوتا ہے مسلمانوں کی تعریف بھی فرمائی اور اس کے ذیل میں یہ بھی فرما دیا اہل ایمان کا یہ طریقہ ہونا چاہیے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی ضرورت یا کسی مشورہ کے لئے بلائیں تو حاضر ہو جائیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے بلاوے کو ایسا نہ سمجھیں جیسا کہ آپس کے بلاوے کو سمجھتے ہیں (چاہے گئے چاہے نہ گئے) آپکے بلانے پر فوراً آ جائیں اور جب تک آپ مجلس برخاست نہ کریں جم کر بیٹھے رہیں اگر مجلس کے درمیان سے جانا ہو تو آپ سے اجازت لیکر جائیں۔ منافقوں کی طرح چپکے سے نہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپکو حکم دیا کہ جب اہل ایمان آپ سے چلے جانے کی اجازت مانگیں تو آپ جسے چاہیں اجازت دے دیں ضروری نہیں کہ سبھوں کو اجازت دیں ممکن ہے کہ جس ضرورت کے پیش نظر اجازت مانگ رہے ہیں وہ واقعی ضروری نہ ہو یا ضروری تو ہو لیکن مجلس کو چھوڑ کر چلے جانے سے اس سے زیادہ کسی ضرر کا خطرہ ہو اس لئے اجازت دینا نہ دینا آنحضرت ﷺ پر چھوڑ دیا گیا۔ ساتھ ہی **وَاسْتَغْفِرْ لَھُمُ اللّٰہَ** بھی فرمایا کہ آپ ان کے لئے استغفار بھی کریں۔ کیونکہ

جس دینی ضرورت کے لئے جمع کیا گیا ہے اسے چھوڑ کر جانا اگر چہ عذر قوی ہی ہو اس میں اپنی ذاتی ضرورت کو دین پر مقدم رکھنے کی ایک صورت نکلتی ہے اس میں اگر چہ گناہ نہ ہو مگر کوتاہی کا شائبہ ضرور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس عذر کو قوی سمجھ کر اجازت لی اسی قوی سمجھنے میں ہی خطا اجتہادی ہو گئی ہو لہٰذا آپ اجازت دینے کے ساتھ ان کے لئے استغفار بھی کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا کا ایک مطلب تو مفسرین کرام نے یہ لیا ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ بلائیں تو حکم ماننا واجب ہے ضرور حاضر خدمت ہو جاؤ آپ کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا آپس میں ایک دوسرے کے بلاوے کو سمجھتے ہیں کہ جس بلاوے کو چاہا اہمیت دی اور جس کو چاہا نظر انداز کر دیا (اگر چہ اس میں بھی حقوق مسلم میں یہ بتایا کہ ویجیبہ اذا دعاہ لیکن اس درجہ کا تاکید نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے بلاوے کی اہمیت ہے جس کی خلاف ورزی حرام ہے) اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ دعاء الرسول میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ عرض کرنا ہو کوئی بات کرنی ہو تو ادب کو ملحوظ رکھو۔ یارسول اللہ یا نبی اللہ کہو یا محمد نہ کہو بات کرنے میں ایسا طرز عمل اختیار نہ کرو جس سے آپ کو تکلیف پہنچے اس کو سورہ حجرات میں یوں بیان فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز پر بلند مت کرو اور بات کرنے میں اس طرح زور کی آواز سے نہ بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کی بات پر زور سے آواز نکالتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ نہ چلے)

پھر فرمایا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ (جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی فتنہ یا دردناک عذاب پہنچ جائے) فتنہ سے دنیا میں مصیبت اور مشقت میں پڑنا مراد ہے اور دردناک عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے اس میں منافقین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم جو رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہو اور چپکے سے مجلسوں سے کھسک جاتے ہو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا اس کی وجہ سے دنیا میں بھی مبتلائے عذاب ہو سکتے ہو اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے دردناک عذاب ہے ہی۔ امرہ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں لفظ اللہ کی طرف راجع ہو یا رسول اللہ ﷺ کی طرف لیکن ہر صورت میں مآل واحد ہے کیونکہ رسول ﷺ کا حکم دینا درحقیقت اللہ ہی کا حکم دینا تھا اسی لئے سورۂ نساء میں مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ فرمایا ہے۔

فائدہ: علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جس طرح رسول ﷺ کے بلانے پر جمع ہونا لازم تھا اسی طرح جب آپ کے خلفاء اور علماء اور امرائے اسلام اور دینی مدارس کے ذمہ دار اور مساجد کے متولی اور جہاد کے منتظمین کسی دینی ضرورت کے لئے بلائیں تو حاضر ہو جائیں اور مجلس کے ختم تک بیٹھے رہیں اگر درمیان میں جانا ہو تو اجازت لیکر جائیں۔

فائدہ: حضرات فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مطلق امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ واجب کی حکم عدولی ہی پر عذاب کی وعید ہو سکتی ہے' سلسلہ کلام گو منافقین کی حکم عدولی کے بارے میں ہے لیکن الفاظ کا عموم ہر خلاف ورزی کرنے والے کو شامل ہے۔ عام بات تو یہ ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے لیکن جہاں کہیں وجوب کے لئے نہیں ہے وہاں سنت یا مستحب ہونے کا پتہ قرائن سے یا طرز بیان سے اور سیاق کلام سے معلوم ہو جاتا ہے۔

بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سامنے آتا ہے تو حکم عدولی کرتے ہیں نفس کے تقاضوں اور بیوی بچوں کے مطالبات اور رسم و رواج کی پابندی اور حب دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی قصداً صریح خلاف ورزی کر جاتے ہیں اور بعضے تو مولویوں کو صلواتیں سناتے ہیں۔ چوری اور سینہ زوری اور زبانی کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں ڈاڑھی مونڈھنے اور ڈاڑھی کاٹنے ہی کو لے لو' رشوت کے لین دین کو سامنے رکھ لو' خیانتوں کا اندازہ لگا لو اور دیکھو کہ زندگی میں کہاں کہاں احکام شرعیہ کے خلاف ورزی ہو رہی ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ ان کی خلاف ورزی پر وعید شدید ہے ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہاں کہاں اور کس کس عمل سے آخرت کی بربادی ہو رہی ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ

خبردار بلاشبہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے' بلاشبہ وہ جانتا ہے کہ تم کس حال پر ہو' اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

وہ اس دن کو بھی جانتا ہے۔ پھر وہ انہیں بتلا دے گا جو عمل انہوں نے کئے' اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے' اسے سب کچھ معلوم ہے

تفسیر: یہ سورہ نور کی آخری آیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے اسے اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے' کوئی شخص کچھ بھی کرے اللہ تعالیٰ کو سب کا حال معلوم ہے۔ قیامت کے دن حاضر ہونگے تو سب بتا دے گا۔ کوئی چیز اور کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں لہٰذا سب فرماں برداری کریں اور آخرت کے مواخذہ سے بچیں۔

وقد تم تفسير سورة النور لليلة الحادى عشر من جمادى الثانية سنه ۱۴۱۵ هجريه والحمد لله على الافضال والانعام والصلوة على رسوله سيد الانام وعلى اله واصحابه الذين اتبعوه فاهتدوا به واستناروا بالنور التام وعلى من تبعهم باحسان الى يوم القيام

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اس میں ستتر آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل فرمائی تا کہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو جائے اللہ کی وہ ذات ہے جس کے لئے ملک ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ

آسمانوں کا اور زمین کا اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا' اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں' اور اس نے ہر

شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ

چیز کو پیدا کیا' پھر اس کا ٹھیک انداز مقرر فرمایا' اور لوگوں نے اس کے علاوہ معبود بنا لئے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور حال یہ ہے کہ وہ پیدا کیے جاتے ہیں'

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَالَ

اور وہ اپنی جانوں کے لئے کسی ضرر اور کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ حیات کا' اور نہ کسی کو زندہ کر کے اٹھانے کا' اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ

جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے صرف ایک جھوٹ ہے جسے اپنے پاس سے بنالیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس بارے میں اس کی مدد کی ہے سو یہ لوگ بڑے

جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ

ظلم اور جھوٹ کو لے کر آئے' اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو منقول ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس نے لکھوا لیا ہے سو وہی صبح شام

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ

اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں' آپ فرما دیجئے کہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں ہوں یا زمین میں' بلاشبہ وہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ

بخشنے والا ہے مہربان ہے' اور ان لوگوں نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے' اس پر

لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ

کیوں نہیں نازل ہوا ایک فرشتہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا' یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا' یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا

یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

جس میں سے کھاتا' اور ظالموں نے کہا کہ تم ایسے ہی آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے' آپ دیکھ لیجئے انہوں نے آپ کے لئے کیسی

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

عجیب عجیب باتیں بیان کی ہیں' سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ کوئی راہ نہیں پائیں گے

اثبات توحید و رسالت' مشرکین کی حماقت اور عناد کا تذکرہ

تفسیر: یہاں سے سورہ فرقان شروع ہو رہی ہے اوپر پہلے رکوع کا ترجمہ لکھا گیا ہے' اس میں قرآن مجید کی صفت بیان فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ہی صاحب قرآن رسول اللہ ﷺ کی صفت بھی بیان فرمائی' ارشاد فرمایا کہ وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فرقان یعنی فیصلہ کرنے والی کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا جو حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہے اور واضح طور پر ہدایت اور ضلالت کو متعین کر کے بتانے والا ہے' یہ قرآن اپنے بندہ پر اس لئے نازل فرمایا ہے کہ وہ جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو جائے' اس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کو بیان فرمایا ہے' قیامت آنے تک جتنے بھی جنات اور انسان ہیں آپ سب کی طرف مبعوث ہیں' آپ کو دین حق دیکر اللہ تعالیٰ نے بھیجا آپ نے حق کی تبلیغ فرمائی قبول کرنے والوں کو بشارتیں دیں اور جو قبول حق سے منکر ہوئے انہیں ڈرایا اور بتایا کہ آخرت میں منکر کا برا انجام ہے' جس نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کا انکار کیا اس کے لئے نار جہنم ہے قال الطيبي في اختصاص النذير دون البشير سلوك طريقة براعة الاستهلال والا يذان بان هذه السورة مشتملة على ذكر المعاندين الخ (علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں۔ بشیر کو چھوڑ کر یہاں نذیر کو مخصوص کرنا براعت استہلال کے طور پر ہے اور یہ بتلانے کے لئے ہے کہ یہ سورۃ معاندین کے ذکر پر مشتمل ہے) (ذکرہ صاحب الروح ج ۱۸ ص ۴۳۱)۔

پھر قرآن نازل فرمانے والی ذات بابرکات کی صفات بیان فرمائیں' جس کی طرف سے ہر طرح کی برکت اور خیر کثیر ملتی ہے' فرمایا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جس کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (اور اس نے اپنے لئے کوئی اولاد تجویز نہیں کی) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں) وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا) فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا یعنی جس چیز کو پیدا فرمایا اس کی ساخت اور شکل و صورت کا ایک خاص انداز بنایا اور اس کے آثار و خواص بھی پیدا فرمائے اور ہر چیز کو اپنی حکمت کے مطابق اعمال و اشغال میں لگا دیا۔ آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اس کی ہیئت اس کے حال کے مناسب ہے اسی طرح سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں' زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی جس چیز پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت شکل و صورت' نرمی سختی وغیرہ ہر حالت اور ہر صفت اس کام کے مناسب بنائی ہے جس کے لئے اس کو پیدا فرمایا زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ بنایا کہ جو کچھ اس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے اور نہ پتھر اور لوہے کی طرح ایسا سخت بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں' چونکہ اس سے یہ ضرورتیں بھی متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی نکالا جا سکے اور بنیادیں کھود کر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کی جا سکیں اس لئے اس کو اس کی ہیئت کذائیہ پر رکھا گیا' پانی کو

سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہے' ہوا بھی سیال مادہ کی طرح ہے مگر پانی سے مختلف ہے پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے' ہوا کو قادر مطلق کے اپنا ایسا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت و عمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے **قال صاحب الروح فقدره ای هیأه لما ارادبه من الخصائص والا فعال اللائقة به تقدير ابديعا لا يقادر قدره ولا يبلغ كنهه كتهيئة الانسان للفهم والا دراک والنظر والتدبر فی امور المعاد والمعاش واستنباط الصنائع المتنوعة ومزاولة الاعمال المختلفة الى غير ذلک.** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ فقدرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے لائق جیسے خصائص و افعال پر بنانے کا ارادہ کیا اسی کے مطابق اسے تیار کیا ایسے منفرد انداز سے کہ دوسرا کوئی اس پر قادر نہیں ہے اور نہ ہی اس کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ جیسے انسان کو آخرت و دنیا کے معاملات میں سمجھ بوجھ اور فکر و نظر کرنے والا اور مختلف صنعتوں کا ایجاد کرنے والا بنایا اور مختلف قسم کے اعمال و کردار اپنانے والا بنایا)

اس کے بعد مشرکین کی گمراہی کا تذکرہ فرمایا کہ ان لوگوں نے اس ذات پاک کو چھوڑ کر جو آسمان اور زمین کا خالق ہے جس کا ملک میں کوئی شریک نہیں اور جس کی کوئی اولاد نہیں بہت سے معبود بنا لیئے یہ معبود کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کرتے وہ تو خود ہی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان کی عاجزی کا یہ عالم ہے کہ وہ خود اپنی جانوں کے لئے کسی بھی ضرر اور نفع کے مالک اور مختار نہیں ہیں' نہ اپنی ذات سے کسی ضرر کو دفع کر سکتے ہیں اور نہ اپنی جانوں کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نیز وہ موت و حیات کے بھی مالک نہیں' نہ زندوں کو موت دے سکتے ہیں اور نہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں پھر جب قیامت کا دن ہوگا اس وقت ان کو بھی اللہ تعالیٰ ہی زندہ فرمائے گا مردوں کو یہ باطل معبود دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے۔

اہل کفر کا شرک اختیار کرنے کی ضلالت اور سفاہت بیان کرنے کے بعد ان کا ایک اور عقیدہ کفریہ بیان فرمایا اور یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کا یہ کہنا کہ یہ کتاب جو میں پڑھ کر سناتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے ایک افتراء ہے نازل تو کچھ بھی نہیں ہوا ہاں انہوں نے اپنے پاس سے عبارتیں بنالی ہیں اور اس بارے میں دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مدد کی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا **فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا** کہ ان لوگوں نے بڑے ظلم کی بات کہی ہے' اور بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے (اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کو مخلوق کی تراشیدہ بات بتادیا ہے)

ان لوگوں نے جو یوں کہا کہ دوسرے لوگوں نے عبارتیں بنانے میں ان کی مدد کی ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مشرکین کا اشارہ یہود کی طرف تھا وہ کہتے تھے کہ انہیں یہودی پرانی امتوں کے واقعات سنا دیتے ہیں اور یہ انہیں بیان کر دیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا اشارہ ان اہل کتاب کی طرف تھا جو پہلے سے توریت پڑھتے تھے پھر مسلمان ہو گئے تھے' وجہ انکار کے لئے ان لوگوں کو کچھ نہ ملا اور قرآن جیسی چیز بنا کر لانے سے عاجز ہو گئے تو اپنی خفت مٹانے کے لئے ایسی باتیں کرنے لگے۔

پھر منکرین کے ایک باطل دعویٰ کا تذکرہ فرمایا **وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا** (الآیة) اور ان لوگوں نے کہا کہ محمد ﷺ جو یوں کہتے ہیں کہ میرے اوپر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے اس میں نازل ہونے والی کوئی بات نہیں ہے یہ پرانی لکھی ہوئی باتیں ہیں جو پہلے سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں انہیں کو انہوں نے لکھوا لیا ہے یہ صبح شام بار بار ان کے اوپر پڑھی جاتی

ہیں جس کی وجہ سے انہیں یاد ہو جاتی ہیں انہیں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے' ان لوگوں کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آپ فرما دیجئے کہ اس قرآن کو اس ذات پاک نے نازل فرمایا ہے جسے ہر چھپی ہوئی بات کا علم ہے آسمانوں میں ہو یا زمین میں) تم جو خفیہ مشورے کرتے ہو اور آپس میں جو چپکے چپکے یوں کہتے ہو کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے یا دوسروں سے لکھوا لیا ہے قرآن نازل فرمانے والے کو تمہاری ان سب باتوں کا پتہ ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا اِنَّهٗ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے) اس میں یہ بتایا کہ تم نے جو باتیں کہی ہیں یہ کفریہ باتیں ہیں ان کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو گئے ہو لیکن جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ بہت بڑا کریم ہے اگر اپنی کفریہ باتوں سے توبہ کر لو گے اور ایمان لے آؤ گے تو وہ پرانی تمام باتوں کو معاف فرما دے گا۔

اس کے بعد مشرکین مکہ کی انکار رسالت والی باتوں کا تذکرہ فرمایا وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ الآیۃ (اور ان لوگوں نے یوں کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) ان لوگوں نے اپنی طرف سے نبوت اور رسالت کا ایک معیار بنا لیا تھا اور وہ یہ تھا کہ رسول کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہئے جو اپنے اعمال و احوال میں دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو جو شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بازار میں جاتا ہے چونکہ یہ شخص ہمارا ہی جیسا ہے اس لئے یہ رسول نہیں ہو سکتا' یہ ان لوگوں کی حماقت کی بات ہے' خود تراشیدہ معیار ہے' صحیح بات یہ ہے کہ انسانوں کی طرف جو شخص مبعوث ہو وہ انسان ہی ہونا چاہئے جو قول سے بھی بتائے اور عمل کر کے بھی دکھائے' کھانا کھانے کھانے کے احکام بھی بتائے اور خرید و فروخت کے طریقے بھی سمجھائے۔

منکرین رسالت نے رسالت و نبوت کا معیار بیان کرتے ہوئے اور بھی بعض باتیں کہیں۔

اولاً یوں کہا لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا (اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے کام میں شریک ہوتا اور نذیر ہوتا) یعنی وہ بھی لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا۔

دوم اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْهِ کَنْزٌ (یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا)

سوم اَوْ تَکُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْکُلُ مِنْهَا (یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا پیتا) انہوں نے جو یوں کہا تھا کہ رسول میں کوئی امتیازی شان ہونی چاہئے اس امتیازی شان کو انہوں نے خود ہی تجویز کیا کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو کار رسالت میں ان کا شریک ہوتا یا ان کے پاس خزانہ ہوتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جب ان میں سے کوئی چیز نہیں تو ہم اور یہ برابر ہوئے پھر اس کے دعوائے رسالت کو کیسے مان لیں' ان باتوں کے ساتھ انہوں نے ایک اور ظلم کر دیا اور اہل ایمان سے یوں کہہ دیا کہ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (کہ تم تو ایک ایسے ہی آدمی کا اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے) کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے' جب قرآن جیسا کلام نہ لا سکے اور دلائل اور معجزات کے سامنے لاجواب ہو گئے تو آخر میں یہ بات نکالی کہ تم جسے رسول مان رہے ہو وہ مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے

جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا آپ دیکھ لیجئے کہ یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ گمراہ ہوگئے پھر وہ راہ نہیں پاسکیں گے (اگر غور کرتے اور عقل سے کام لیتے تو یہی قرآن اور یہی رسول جن پر اعتراض کر رہے ہیں ان کی ہدایت کا سبب بن جاتے' اب تو وہ اعتراض کر کے دور جا پڑے اب وہ راہ حق پر نہ آئیں گے)

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

با برکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو آپ کے لئے اس سے بہتر نعمتیں عطا فرما دے یعنی ایسے باغ جن کے نیچے نہریں

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا

جاری ہوں اور آپ کے لئے محل بنا دے' بلکہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جو شخص قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے دھکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے' جب وہ

رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غضبناک اور جوش و خروش والی آوازیں سنیں گے' اور جب وہ اس میں ایسی حالت میں ڈالے جائیں گے کہ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے تو وہاں

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ

ہلاکت کو پکاریں گے' آج ایک ہلاکت کو مت پکارو اور بہت سی ہلاکتوں کو پکارو' آپ فرما دیجئے کہ یہ بہتر ہے یا ہمیشہ کے رہنے والی

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

جنت بہتر ہے' جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے' یہ جنت ان کے لئے بطور بدلہ عطا کی جائے گی اور ان کا ٹھکانہ ہوگی' اور ان کے لئے اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے

خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے' جس کا پورا کرنا اس نے اپنے ذمہ لے لیا ہے' جس کی درخواست کرنی چاہیے۔

قیامت کے دن کافروں پر دوزخ کا غیظ و غضب' دوزخ کی تنگ جگہوں میں ڈالا جانا' اہل جنت کا جنت میں داخل ہونا' اور ہمیشہ ہمیشہ جی چاہی زندگی میں رہنا

تفسیر: مشرکین جو طرح طرح سے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جس میں فرمائشی معجزات کا طلب کرنا بھی

تھا اور یہ کہنا بھی تھا کہ آپ کی طرف خزانہ کیوں نہیں ڈالا گیا اور آپ کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس میں سے آپ کھاتے پیتے' اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ پاک جو کثیر البرکات اور کثیر الخیرات ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بہتر عطا فرمادے جن کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے' وہ چاہے تو آپ کو ایسے باغ عطا فرما دے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور آپ کو محل عطا فرمادے' لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے کہ لوگوں کو اعتراضات کی وجہ سے کسی کو اموال عطا فرمائے' وہ جو چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے' اس کے بعد معاندین کی ایک اور تکذیب کا ذکر فرمایا' بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ یعنی یہ لوگ نہ صرف آپ کی رسالت کے منکر ہیں بلکہ وقوع قیامت کے بھی منکر ہیں۔ اور یہ جو شبہات پیش کرتے ہیں ان کا سبب یہ ہے کہ ان کو آخرت کی فکر نہیں ہے آخرت کی بے فکری نے ان کو شرارت نفس پر آمادہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے طلب حق سے بعید ہو رہے ہیں آیت کے شروع میں جو لفظ بل لایا گیا ہے اس سے یہ مضمون واضح ہو رہا ہے وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا (اور جو شخص قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے دھکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کیا ہے)

قیامت کے دن جب یہ لوگ حاضر ہوں گے تو دوزخ سے ابھی دور ہی ہوں گے کہ دوزخ چیخے گی اور چلائے گی' اس کی ہیبت ناک غصہ بھری آوازسنیں گے' دوزخ کو اللہ تعالیٰ کے مبغوض لوگوں پر غصہ آئے گا اور اس کا یہ غیظ و غضب اس کی کڑی اور سخت آواز سے ظاہر ہوگا جیسے کوئی اونٹ کسی کی دشمنی میں بپھر جائے اور اس کا بدلہ لینے میں آواز نکالے اور جیسے ہی موقع ملے تو کچا چبا کر بھرتہ بنادے۔

اول تو مکذبین اور معاندین کو دوزخ کا غیظ و غضب ہی پریشان کردے گا پھر جب اس میں ڈالے جائیں گے تو تنگ مکان میں پھینک دیئے جائیں گے۔

دوزخ اگرچہ بڑی جگہ ہے لیکن عذاب کے لئے دوزخیوں کو تنگ جگہوں میں رکھا جائے گا بعض روایات میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ جس طرح دیوار میں کیل گاڑی جاتی ہے اسی طرح دوزخیوں کو دوزخ میں ٹھونس دیا جائے گا (ذکرہ ابن کثیر ص ۳۱۱ ج ۳) دوزخ میں ڈالے جانے والوں کی صفت (مقرنین) بیان فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

سورہ سبا میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا الْاَغْلَالَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کرتے تھے) جب کفار دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور وہاں کا عذاب چکھیں گے تو ہلاکت کو پکاریں گے یعنی موت کو پکاریں گے اور یہ آرزو کریں گے کہ کاش موت آجاتی اور اس عذاب سے چھٹکارا ملتا' ان سے کہا جائے گا۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا (آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو)

یعنی یہ آرزو بے کار ہے کہ موت آجائے تو عذاب سے چھٹکارہ ہو جائے ایک موت نہیں بلکہ بہت کثیر تعداد میں موتوں کو پکارو بہر حال موت آنے والی نہیں ہے اسی عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے' سورہ فاطر میں فرمایا لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِىْ كُلَّ كَفُوْرٍ (نہ ان کو قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا' ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیں گے)

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ (الآیۃ) یعنی آپ فرما دیجئے کہ یہ دوزخ اور اس کا عذاب بہتر ہے یا وہ جنت بہتر ہے جو ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے' جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ جنت متقیوں کو ان کے اعمال کی جزاء کے طور پر دی جائے گی اور یہ لوگ انجام کے طور پر اس میں جائیں گے وہ ہی ان کا مقام ہوگا اور اسی میں رہیں گے صرف رہنا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز کئے جائیں گے وہاں جو چاہیں گے وہ عطا کیا وہاں نفسوں کی خواہش کے مطابق زندگی گزاریں گے اور زندگی بھی ابدی اور دائمی ہوگی' اس کے برعکس کسی دوزخی کی کوئی بھی خواہش پوری نہیں کی جائے گی' سورہ سبا میں فرمایا۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِىْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ (اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان آڑ کر دی جائے گی جیسا کہ اس سے پہلے ان کے ہم مشرب کافروں کے ساتھ کیا گیا بلاشبہ وہ بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا)

مزید فرمایا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا یہ جو جنت کی نعمتیں اہل تقویٰ کو دی جائیں گی اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کا پورا کرنا اپنے ذمہ کر لیا ہے' اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہیں کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں اپنے انعام سے نوازے' جیسا کہ سورہ آل عمران میں اولوا الالباب (عقلمندوں) کی دعا نقل فرمائی ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اے ہمارے رب اپنے رسولوں کی زبانی جو آپ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق ہمیں عطا فرما دیجئے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمائیے بیشک آپ وعدہ خلاف نہیں فرماتے)

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ اس کے پورا ہونے کی دعا کرنا شک کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی حاجت کا اظہار کرنے اور دعا کی فضیلت ملنے اور مناجات کی لذت حاصل کرنے کے لئے ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ

اور یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع فرمائے گا اور ان کو بھی جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کیا تم نے

هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِىْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ

میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے؟ وہ کہیں گے کہ آپ کی ذات پاک ہے ہمارے لئے یہ درست نہیں ہے کہ ہم آپ کے

دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

علاوہ دوسروں کو اولیاء بنالیں لیکن بات یہ ہے کہ آپ نے ان کے باپ دادوں کو نعمتیں دیدیں یہاں تک کہ وہ ذکر کو بھول گئے

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ

اور وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے سو انہوں نے تمہاری بات کو جھٹلا دیا سو تم کسی بھی طرح عذاب دفع نہیں کر سکتے اور نہ کسی طرح کی مدد پا سکتے ہو اور تم میں سے جو شخص ظلم کرے گا

نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے

مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے ان سے سوال و جواب' یہ لوگ مال و متاع کی وجہ سے ذکر کو بھول گئے' روز قیامت عذاب میں داخل ہونگے' وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا

تفسیر: قیامت کے دن مشرکین بھی محشور ہونگے اور وہ معبود بھی موجود ہوں گے جن کی عبادت کر کے مشرک بنے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر جن کی عبادت کی ان میں فرشتے بھی ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی' اور اوثان و اصنام یعنی بت بھی ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ یہ میرے بندے جنہوں نے شرک کیا اور تمہاری عبادت کی کیا تم نے انہیں گمراہ کیا یا یہ خود ہی گمراہ ہو گئے؟ وہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ اے اللہ آپ کی ذات پاک ہے۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی بنائیں ہم ان مشرکین سے دوستی رکھنے والے اور تعلق جوڑنے والے نہیں تھے ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جن سے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا اس سے ملائکہ اور دیگر عقلاء مراد ہیں' اور جن حضرات نے الفاظ عموم میں اصنام کو بھی شامل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس دن اصنام کو بھی زبان دے دی جائے گی اور وہ بھی اپنے معبودوں سے براءت ظاہر کریں گے'

جواب دینے والے کہیں گے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا آپ نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو مال و دولت عطا فرمایا یہ لوگ شہوتوں اور خواہشوں میں پڑ کر آپ کی یاد بھول گئے' نہ تو خود ہدایت کے لئے فکر مند ہوئے اور نہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی طرف دھیان دیا لہٰذا ہلاک ہونے والے بن گئے۔

قولہ تعالیٰ: (قَوْمًا بُوْرًا) ای ھالکین علی ان بورا مصدر و صف به الفاعل مبالغة او جمع بائر

کعوذ جمع عائذ' قال ابن عباس هالکین فی لغة عمان وهم من الیمن' وقیل بورا فاسدین فی لغة الازد ویقولون امر بائر ای فاسد وبارت البضاعة اذا فسدت وقال الحسن بورا لا خیر فیهم من قولهم ارض بور ای متعطلة لا نبات فیها وقیل بورا عمیا عن الحق والجملة اعتراض تذییلی مقرر لمضمون ما قبله علی ما قال وابو السعود. (قوماً بوراً' بوراً' کا معنی ہلاک ہونے والی۔ یہ معنی اس بناء پر کہ بوراً مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے فاعل کی صفت کے طور پر لایا گیا ہے یا بوراً بائر کی جمع ہے جیسے عوذ جمع ہے عائذ کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بوراً کا ہلاکت کے معنی میں ہونا عمان کی لغت ہے جو یمن کے لوگ ہیں اور بعض نے کہا قبیلہ ازد کی لغت میں فاسدین کے معنی میں ہے کہتے ہیں امر بائر یعنی فاسد اور کہتے ہیں بارت البضاعة جبکہ وہ فاسد ہو گئی ہو۔ اور حسن فرماتے ہیں بوراً کا معنی ہے ان میں کوئی خیر نہیں ہے یہ ارض بور اسے بنا ہے یعنی زمین جو فارغ ہے اس میں کوئی پیداوار نہیں ہے اور بعض نے کہا بوراً کا معنی ہے حق سے اندھے' بہر حال یہ جملہ معترضہ ہے جو سابقہ مضمون کی تاکید کے لئے ہے۔ جیسا کہ ابوسعود نے کہا ہے)

اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کی گئی ان سے مذکورہ بالا سوال ہوگا ان کا جواب نقل فرما کر ارشاد فرمایا فَقَدْ كَذَّبُوكُم بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا اس میں اس خطاب کا ذکر ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں سے ہوگا کہ تم جو ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کے معبود ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اسے تمہارے معبودین نے جھٹلا دیا اب تمہیں عذاب ہی میں جانا ہے عذاب دفع کرنے کی تمہارے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے اور کوئی مدد کا راستہ بھی نہیں ہے نہ تم خود اپنی کوئی مدد کر سکتے ہو نہ کوئی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔

مذکورہ سوال و جواب سے مشرکین کی بیوقوفی اور حماقت ظاہر ہو جائے گی' دنیا میں جن لوگوں کی عبادت کرتے تھے وہ ان سے بیزاری ظاہر کر دیں گے۔ ان سے جو نفع کی امید کی تھی وہ منقطع ہو جائے گی۔

وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا اس میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو دنیا میں موجود ہیں کہ موت سے پہلے ایمان لے آؤ ظلم یعنی کفر کو چھوڑ و جو شخص کفر پر مر جائے ہم اسے آخرت میں بڑا عذاب چکھا دیں گے۔

قال صاحب الروح و تفسیر الظلم بالکفرهو المروی عن ابن عباس والحسن وابن جریج' وایدبان المقام یقتضیه فان الکلام فی الکفرو وعیده من مفتتح السورة (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ظلم کی تفسیر کفر سے کرنا حضرت ابن عباسؓ حسنؒ اور ابن جریجؒ سے مروی ہے اور اس معنی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مقام اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ابتدائے سورۃ سے ہی کفر اور اس پر وعید کا بیان ہے)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ

اور بات یہی ہے کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم نے بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿۲۰﴾

اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے امتحان بنایا ہے کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے

انبیاء کرام کھانا کھاتے تھے' اور بازاروں میں چلتے تھے تم میں بعض بعض کے لئے آزمائش ہیں

تفسیر: چند آیات سے پہلے مشرکین کا یہ قول گذرا ہے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

یہاں ان کی باتوں کا جواب دے دیا کہ کھانا کھانا اور بازاروں میں چلنا پھرنا نبوت و رسالت کے خلاف نہیں ہے'

آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے گئے وہ کھانا کھانے والے تھے اور بازاروں میں بھی آتے جاتے اور چلتے پھرتے تھے' اللہ تعالیٰ شانہ' نے رسول بھیجے اور انہیں ان صفات سے متصف فرمایا جو رسول کی شان کے لائق تھیں اور جن کا صاحب رسالت کے لئے ہونا ضروری تھا' ان صفات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کسی کو اپنے پاس سے یہ طے کرنے کا حق نہیں کہ صاحب نبوت میں فلاں وصف ہونا چاہئے جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی کی صفات وشرائط میں یہ نہیں ہے کہ کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو تم اپنے پاس سے نبوت کی صفات کیسے طے کرتے ہو اور اس بنیاد پر کیسے تکذیب کرتے ہو کہ یہ کھانا کھاتے ہیں اور بازار میں جاتے ہیں' انبیائے سابقین علیہم السلام بشر تھے' آنحضرت ﷺ بھی بشر ہیں' کھانا پینا' بازار جانا بشریت کے تقاضوں میں سے ہے ان تقاضوں کو پورا کرنا نبوت ورسالت کی شان کے خلاف نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً (اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے فتنہ یعنی امتحان کا ذریعہ بنایا ہے) اس فتنہ میں تنگدستی بھی ہے اور مالداری بھی' غریبوں کو دیکھ کر مالداریوں کہتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کے مقبول بندے ہوتے تو غریب کیوں ہوتے' اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ رسول ہوتے تو ان کے پاس خزانہ ہوتا یا باغ ہوتا اس میں سے کھاتے پیتے' یہ سب باتیں مالداری کے کبر اور نخوت کی وجہ سے زبان سے نکلتی ہیں ان باتوں کو بہانہ بنا کر زمانہ نبوت کے مخالفین رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے' تکذیب کرنے والوں کا مالدار ہونا اور اہل ایمان کا مالدار نہ ہونا یہ ذریعہ امتحان ہے' ایمان لانے کے لئے رسول ﷺ کے مالدار ہونے کی شرط لگانا اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے ہے' خود غریب ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا کے مضمون کے ہم معنی ہے' جیسے فقراء مالداروں کے لئے فتنہ ہیں ایسے ہی مالدار بھی فقراء کے لئے فتنہ ہیں' صاحب روح المعانی نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے' وہ لکھتے ہیں وجعلنا اغنیاء کم ایھا الناس ابتلاء لفقرائکم لننظر ھل یصبرون (اے لوگو ہم نے تمہارے دولتمندوں کو تمہارے غریبوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ کیا وہ صبر کرتے ہیں؟) اس تفسیر کی بنا پر اتصبرون کا تعلق ماقبل سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو مال نہیں دیا گیا ان کے لئے مالداروں کا وجود فتنہ ہے یعنی آزمائش ہے فقراء سے خطاب فرمایا اَتَصْبِرُوْنَ (کیا تم صبر کرتے ہو) یعنی تمہیں صبر کرنا چاہیے فالاستفھام بمعنی الامر

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا (اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے) فتنہ میں پڑنے والوں کو بھی دیکھتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بھی جانتا ہے ہر ایک کو اس کی نیت اور اعمال کے مطابق جزاء دے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ

اور ان لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا یہ کیوں نہ ہوا کہ ہم رب کو دیکھ لیتے' بلاشبہ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

انہوں نے اپنے نفسوں کو بڑا سمجھا اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی' جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

مجرمین کے لئے کوئی بشارت کی چیز نہیں ہوگی اور وہ کہیں گے ہٹاؤ اور بچاؤ اور انہوں نے جو بھی عمل کئے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر فضاء میں نظر آنے والے مٹی کے باریک

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

ذرات بنادیں گے اس دن جنت والے بہتر ہوں گے ٹھہرنے کی جگہ کے اعتبار سے اور آرام کرنے کی جگہ کے اعتبار سے

معاندین اور مکذبین کے لئے وعید اصحاب جنت کیلئے خوشخبری

تفسیر: معاندین ومکذبین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ ہم رسالت کا دعویٰ کرنے والے کو اس وقت رسول مانیں گے جب فرشتوں کو اتار کر ہمارے سامنے لے آئے' بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہمیں دکھادے اگر ایسا ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے' یہ لوگ آخرت کے قائل نہیں تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے' جس کا آخرت پر ایمان ہو وہ تو یہ سوچے گا کہ جو شخص نبوت کا مدعی ہے مجھے اس کی باتوں پر غور کرنا چاہئے' جو معجزات پیش کئے ان پر کفایت کر کے ایمان لانا چاہئے' جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں نہیں وہ لوگ ایسی بے تکی معاندانہ باتیں کرتے ہیں اسی لئے وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فرمایا کہ یہ باتیں ان لوگوں کی ہیں جنہیں یہ امید نہیں ہے کہ قیامت کے دن پیشی ہوگی اور حق وناحق کے فیصلے ہوں گے' اور کفر کی سزا ملے گی اور اہل ایمان کو انعامات ملیں گے' یہاں معاندین کی دو باتیں نقل فرمائیں اول یہ کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) واقعی رسول ہیں تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے آئیں جو ان کی تصدیق کردیں ان کے جواب میں فرمایا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں میں بڑا تکبر اختیار کیا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اوقعوا الاستکبار فی شانها وعدوها کبیرۃ الشان یعنی انہوں نے اپنی جانوں کے بارے میں یہ سمجھ لیا کہ ان کے نفوس اتنے بڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی) یعنی انہوں نے اپنے کو اس لائق سمجھا کہ فرشتے آکر ہمارے سامنے بیان دیں اور اپنے کو اس لائق سمجھا کہ اس دنیا میں رب جل شانہ کو دیکھ لیں' یہ تکبر میں بہت آگے بڑھ گئے اور اپنے لئے وہ بات تجویز کی جس کے اہل نہیں ہیں۔

پھر فرمایا يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ (الآیہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جبکہ فرشتوں کو دیکھیں گے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے اس سے موت کا دن مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کا جو مطالبہ کر رہے ہیں اس کا وقوع بھی ہو جائے گا' جب مرنے لگیں گے تو فرشتے نظر آجائیں گے لیکن اس وقت فرشتوں کی حاضری مکذبین کے حق میں نامبارک ہوگی' اس دن مجرمین یعنی مکذبین کے لئے کسی بھی طرح کی کوئی بشارت یعنی خوشخبری نہیں ہوگی' موت کے وقت سے لے کر ابدالآباد ہمیشہ عذاب اور تکلیف میں رہیں گے' جب قیامت کا دن ہوگا عذاب میں مبتلا ہوں گے' اس وقت عذاب سے محفوظ ہونے کی دہائی

دیتے ہوئے یوں کہیں گے حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا کہ کسی بھی طرح یہ عذاب روک دیا جائے اور یہ مصیبت ٹل جائے لیکن عذاب دفع نہیں ہوگا اور چیخ و پکار اور مصیبت ٹلنے کی دہائی ذرا بھی فائدہ مند نہ ہوگی۔

اور کافر لوگ دنیا میں جو بعض اعمال نیکیوں کے عنوان سے کرتے ہیں (اس میں راہبوں کی عبادات اور جوگیوں کی ریاضات بھی داخل ہیں) ان میں سے اگر کوئی چیز ایسی تھی جسے نیکی قرار دیا جاسکے جیسے صلہ رحمی وغیرہ تو کفر کی وجہ سے اس کا کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا' آخرت میں کافروں کے سارے اعمال اکارت اور باطل ہوں گے' سورہ ابراہیم میں فرمایا مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ اَعۡمَالُهُمۡ کَرَمَادِ ۣ اشۡتَدَّتۡ بِهِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ لَا یَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ ذٰلِکَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ (جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی یہ حالت ہے جیسے راکھ ہو جسے تیز آندھی کے دن میں تیز ہوا اڑا کر لے جائے' ان لوگوں نے جو اعمال کئے ان کا کچھ حصہ بھی ان کو حاصل نہ ہوگا' یہ دور کی گمراہی ہے)۔

یہاں سورۃ الفرقان میں کافروں کے اعمال کو هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا فرمایا هباء اس غبار کو کہتے ہیں جو کسی روشن دان سے اس وقت نظر آتا ہے جب اس پر سورج کی دھوپ پڑ رہی ہو یہ غبار اول تو بہت زیادہ باریک ہوتا ہے پھر کسی کام کا نہیں ہوتا ہاتھ بڑھاؤ تو ہاتھ میں نہیں آتا نہ پینے کا نہ پوتنے کا' جس طرح یہ بے کار غبار روشن دان میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے لیکن کام کا نہیں اسی طرح کافروں کے اعمال بھی بیکار ثابت ہوں گے اور ان کے حق میں ذرا بھی فائدہ مند نہ ہوں گے۔

یہ تو کافروں کا حال ہے' اس کے بعد اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا کہ یہ حضرات اس دن ایسی جگہ میں ہوں گے جو رہنے کی بہترین جگہ ہے اور آرام کرنے کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے' لفظ مقیلا قال یقیل قیلولة سے ظرف کا صیغہ ہے دوپہر کو آرام کرنے کے لئے جو لیٹتے ہیں اسے قیلولہ کہتے ہیں جنت میں نیند نہ ہوگی آرام کی جگہ ہونے کے اعتبار سے اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا سے تعبیر فرمایا' اسی کو سورہ کہف میں نِعۡمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا فرمایا (کیا ہی اچھی آرام کی جگہ ہے)۔

وَیَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِکَةُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۲۵﴾ اَلۡمُلۡکُ یَوۡمَئِذِ ۣ الۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ

اس وقت کو یاد کرو جب آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا اور بکثرت فرشتے نازل کئے جائیں گے' آج ملک رحمٰن ہی کے لئے ہے

وَکَانَ یَوۡمًا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ عَسِیۡرًا ﴿۲۶﴾ وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡهِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی

اور یہ دن کافروں پر سخت ہوگا اور اس دن کو یاد کرو جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا اور یوں کہے گا

اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا ﴿۲۷﴾ یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدۡ

کاش میں رسول کے ساتھ راستہ بنا لیتا' ہائے میری بربادی کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا' البتہ

اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ

اس نے مجھے اس کے بعد ذکر سے ہٹا دیا جبکہ میرے پاس ذکر آ گیا تھا اور شیطان انسان کو بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے اور رسول کا کہنا ہوگا

یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا

کہ اے رب میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا' اور اسی طرح ہم نے مجرمین لوگوں میں سے ہر نبی کے لئے

مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴿۳۱﴾

دشمن بنائے ہیں اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے

قیامت کے دن کا ہولناک منظر' کافر کی حسرت
کہ کاش فلاں شخص کو دوست نہ بناتا

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی اور مصیبت کو بیان فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا قیامت کے دن آسمان کا پھٹنا دوسری آیات میں بھی مذکور ہے کما فی قولہ تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وقولہ تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور یہاں لفظ بِالْغَمَامِ کا بھی اضافہ ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بظاہر آسمان سے یہی آسمان مراد ہے جو ہمارے اوپر سایہ فگن ہے اور الغمام سے سحاب معروف یعنی بادل مراد ہیں اور باء سببیت کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اس دن آسمان بادلوں کے طلوع ہونے کے سبب پھٹ پڑے گا اور اس میں کوئی بعد نہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ آسمان کو بادل کی وجہ سے اس طرح پھاڑ دے جیسے اونٹ کے کوہان کو چھری سے شق کر دیا جاتا ہے' پھر یہ بتاتے ہو کہ باء صرف ملابست کے لئے بھی ہو سکتی ہے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ جس وقت آسمان پھٹ پڑے گا اس وقت وہ اس حالت میں ہوگا جیسے اس پر بادل چھائے ہوئے ہوں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ السماء سے نہ صرف السماء الدنیا بلکہ سارے آسمان مراد ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۹)

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا (اور فرشتے عجیب طریقہ سے اتار دیئے جائیں گے) جسے آج لوگ نہیں جانتے' اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جو بظاہر اسرائیلات میں سے ہے (روح المعانی ج ۱۹ ص ۹)

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ یہ (آسمان کا پھٹنا) حساب شروع ہونے کے وقت ہوگا اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا' یہ وہ پھٹنا نہ ہوگا جو نفخہ اول کے وقت اس کے افناء کے لئے ہوگا کیونکہ نزول غمام کا وقت بعد نفخہ ثانیہ کے ہے جس وقت سب آسمان و زمین دوبارہ درست ہو جائیں گے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (آج کے دن صرف رحمٰن کی حکومت ہوگی) قیامت کے دن جب آسمان پھٹ پڑے گا تو ساری بادشاہت ظاہری طور پر اور باطنی طور پر اور صرف رحمٰن جل مجدہ ہی کے لئے ہوگی اس دن کوئی مجازی حاکم اور بادشاہ بھی نہ ہوگا' سورہ غافر میں فرمایا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ ہی کے لئے ہے جو واحد ہے قہار ہے)

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِيْنَ عَسِيْرًا (اور وہ دن کافروں پر سخت ہوگا)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ (الی الآیات الثلث)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط لعنۃ اللہ علیہ جب بھی سفر سے آتا کھانا پکاتا اور اہل مکہ کی دعوت کرتا تھا' اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زیادہ اٹھتا بیٹھتا تھا' آپ کی باتیں اسے پسند آتی تھیں ایک مرتبہ جب وہ سفر سے واپس آیا تو کھانا تیار کیا اور حضور اقدس ﷺ کو کھانے کی دعوت دی آپ ﷺ نے فرمایا میں تیرا کھانا نہیں کھا سکتا جب تک کہ تو لا الہ الا اللہ کی اور میرے رسول ہونے کی گواہی نہ دے اس نے پھر کھانے کو کہا آپ نے پھر وہی جواب دیا اس کے بعد اس نے شہادتین کی گواہی دیدی اور آپ نے اس کا کھانا کھالیا اس واقعہ کی ابی بن خلف کو خبر ہوئی تو وہ عقبہ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اے عقبہ کیا تو بددین ہوگیا (مشرکین مکہ شرک میں غرق ہونے کی وجہ سے دین توحید کو بددینی سے تعبیر کرتے تھے والعیاذ باللہ) اس پر عقبہ نے کہا کہ میں دل سے (بددین) تو نہیں ہوا لیکن بات یہ ہے کہ ایک شخص میرے گھر آیا میں نے اس سے کھانے کے لئے کہا اس نے کہا کہ جب تک تو میرے کہنے کے مطابق گواہی نہ دے گا میں تیرا کھانا نہ کھاؤں گا مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ ایک شخص میرے گھر آئے اور کھانا کھائے بغیر چلا جائے لہٰذا میں نے اس کے قول کے مطابق گواہی دیدی جس پر اس نے کھانا کھالیا' اس پر ابی بن خلف نے کہا کہ میں اس وقت تک تجھ سے راضی نہیں ہوسکتا جب تک تو اس شخص کے پاس جا کر بدتمیزی والی حرکت نہ کرے' چنانچہ عقبہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بدتمیزی سے پیش آیا آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تو مجھے مکہ معظمہ سے باہر ملے گا تو میں تیری گردن ماردوں گا' چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر اس کی گردن ماردی گئی اس آیت میں ظالم سے عقبہ بن معیط اور فلان سے ابی بن خلف مراد ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت ندامت و افسوس سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے یوں کہے گا (يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا) کاش میں اللہ کے رسول کے ساتھ اپنا راستہ بنالیتا (يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا) (کہ میں فلاں کو یعنی ابی بن خلف کو اپنا دوست نہ بناتا) لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِي (مجھے اللہ کے ذکر سے اس نے ہٹادیا اس کے بعد کہ ذکر میرے پاس آ گیا (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) کے واسطہ سے جو میرے پاس اللہ کا ذکر آیا اور جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نصیحت کی اور ان پر جو قرآن نازل ہوا وہ میں نے سنا میرے اس دوست نے مجھے اس سے روک دیا میں اسے دوست سمجھتا تھا لیکن وہ تو دشمن نکلا)

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا (اور شیطان انسان کو بے یارومددگار چھوڑنے والا ہے اس جملہ میں دونوں احتمال ہیں) (۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جس میں علی الاطلاق سب کو یہ بتادیا کہ شیطان سے دوستی کرنے کا انجام برا ہے خواہ کفر شرک اختیار کر کے اس کی دوستی اختیار کی جائے خواہ اس کے مشورہ سے معصیت کی زندگی اختیار کی جائے ہر حال میں شیطان دھوکہ دے گا اور عین ایسے وقت پر بے یارومددگار چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے گا جب مدد کی ضرورت ہوگی (۲) یہ احتمال بھی ہے کہ مذکورہ جملہ ظالم ہی کے کلام کا تتمہ ہو۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ظالم سے مطلق کافر اور فلانا سے شیطان مراد ہے یہ پہلی بات کے معارض نہیں ہے سبب نزول چاہے خواہ خاص ہو الفاظ کا عموم چاہتا ہے کہ ہر کافر کہے گا کہ میں گمراہ کرنے والوں کو دوست نہ بناتا تو اچھا ہوتا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (اور رسول کا کہنا ہوگا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا) اس آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ قیامت کے دن جب کافر اور مشرک پچھتائیں گے کہ اے کاش ہم دنیا میں گمراہ کرنے والوں کو دوست نہ بناتے اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ پر ایمان لے آتے اور آپ کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتے' اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے میرے رب میری قوم یعنی امت دعوت نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا لہٰذا مشرکین اور کافرین کا جرم ان کے اقرار سے بھی ثابت ہو جائے گا اور آنحضرت ﷺ کی شہادت سے بھی الفاظ کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو بظاہر اسلام کا نام لیتے ہیں لیکن سیاست اور معیشت اور حکومت اور معاشرت میں نہ صرف قرآن کے خلاف چلتے ہیں بلکہ قرآن کے احکام پر کافروں کے قوانین کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر مزید یہ ہے کہ حدود وقصاص کے احکام کو ظالمانہ بتاتے ہیں ایسی باتیں کرنے والے اگرچہ مدعی اسلام ہیں مگر اپنے اقوال ضلال واضلال کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ الفاظ کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن کو پڑھتے ہی نہیں اور وہ لوگ بھی داخل ہیں جو پڑھ لیتے ہیں لیکن کھول کر کبھی ہاتھ نہیں لگاتے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ (اور اسی طرح ہم نے مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے ہیں) یعنی یہ لوگ جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں کوئی نئی بات نہیں جس کا غم کیا جائے' وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيرًا جس کو ہدایت دینا منظور ہو اس کے لئے آپ کا رب کافی ہے اور جو ہدایت سے محروم ہو اس کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے کے لئے بھی آپ کا رب کافی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ

اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ کر دیا گیا' ہم نے اسی طرح نازل کیا ہے' تا کہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے

فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿۳۳﴾

دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے اور یہ لوگ آپ کے سامنے کیسا ہی عجیب سوال کریں ہم ضرور اس کا ٹھیک جواب خوب وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عطا کر دیں گے

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۳۴﴾

جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔

قرآن کریم کو دفعۃً نازل نہ فرمانے میں کیا حکمت ہے

تفسیر: مشرکین مکہ اپنے عناد سے طرح طرح کے اعتراض تراشتے رہتے تھے انہیں اعتراضات میں سے ایک یہ اعتراض تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اور یہ کلام جو تمہیں سناتا ہوں اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی کتاب ہے اور اس نے یہ قرآن ایمان لانے کے لئے بھیجا ہے تو یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوتا ہے بیک وقت ایک ہی ساتھ کیوں نازل نہیں ہوا؟ ان لوگوں کا یہ اعتراض حماقت پر مبنی تھا' جس کی کتاب ہے وہ جس طرح بھی نازل فرمائے اسے پورا اختیار ہے کذلک ای نزلناہ کذلک تنزیلا مغایرا لما اقترحوا لنثبت به فؤادک (تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو تقویت دیں) اس میں تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے کی حکمت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنا آپ کے قلب مبارک کو تقویت دینے کا سبب ہے صاحب روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۵ لکھتے ہیں کہ تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں حفظ کی آسانی ہے اور فہم معانی ہے اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کی معرفت ہے جن کی رعایت انزال قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے پھر جبرئیل امین علیہ السلام کا بار بار آنا جو بھی کوئی چھوٹی یا بڑی سورت نازل ہو اس کا مقابلہ کرنے سے معترضین کا عاجز ہو جانا اور ناسخ اور منسوخ کو پہنچانا وغیرہ یہ سب آپ کے قلب کی تقویت کا سبب ہے۔

جب معترضین کوئی اعتراض اٹھاتے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ کرتے تو اسی وقت آپ کی تسلی کے لئے آیت نازل ہو جاتی تھی اس سے آپ کو ہر بار تقویت حاصل ہو جاتی تھی' اگر پورا قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو گیا ہوتا تو یہ بار بار کی تسلی کا فائدہ حاصل نہ ہوتا' واضح رہے کہ یہاں تدریجاً قرآن مجید نازل فرمانے کی ایک حکمت بتائی ہے اس کے علاوہ دوسری حکمتیں بھی ہیں۔

وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا (اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے) صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ بیناہ بیانا فیه ترسل کہ ہم نے اس قرآن کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور وقفہ وقفہ سے نازل فرمایا ہے چنانچہ پورا قرآن کریم تیئس سال میں نازل ہوا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مزید تقویت قلب اور تسلی کے لئے ارشاد فرمایا وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ (الآیۃ) کہ یہ لوگ آپ پر اعتراض کرنے کے لئے جو بھی عجیب بات پیش کریں گے اس کے مقابلہ میں ہم ضرور حق لے آئیں گے اور واضح طور پر صحیح جواب نازل کر دیں گے جس سے ان کا اعتراض باطل ہو جائے گا اور قیل و قال کا مادہ ختم ہو جائے گا۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ (الآیۃ) اس آیت میں کافروں کا برا انجام فرمایا اور وہ یہ کہ ان لوگوں کو چہروں

کے بل گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور اس میں پھینک دیا جائے گا وہ جگہ عذاب کے اعتبار سے بری جگہ ہے یہاں دنیا میں ان کو بتایا جاتا تھا کہ اپنی حرکتوں کی سزا میں برے عذاب میں مبتلا ہو گے اور یہ کہ تم گمراہ ہو راہ حق سے ہٹے ہوئے ہو لیکن یہاں نہیں مانتے تھے وہاں عذاب میں مبتلا ہوں گے تو دونوں باتیں سمجھ میں آ جائیں گی لیکن وہاں کا سمجھنا اور ماننا فائدہ مند نہ ہو گا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی کو وزیر بنا دیا' پھر ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ

اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا

اس قوم کی طرف چلے جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا' پھر ہم نے اس قوم کو بالکل ہی ہلاک کر دیا' اور ہم نے قوم نوح کو ہلاک کیا

الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾

جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لئے عبرت بنا دیا' اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے

وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

اور ہم نے عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہلاک کیا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے

الْاَمْثَالَ ؗ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ

امثال بیان کیں' اور ہر ایک کو ہم نے پوری طرح ہلاک کر دیا' بلاشبہ یہ لوگ اس بستی پر گذرے ہیں جس پر بری بارش برسائی گئی کیا یہ اسے نہیں

السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ

دیکھتے رہے' بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ موت کے بعد اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے' اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں

اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ

کیا یہی شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے' اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر

صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾

جمے ہوئے نہ رہتے' اور جس وقت یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے اس بات کو جان لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا تھا'

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا' سو کیا آپ اس کے وکیل ہیں' آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے

اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح سے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں

نوح علیہ السلام کی قوم اور فرعون عاد وثمود اور اصحاب الرس کی بربادی کا تذکرہ مشرکین کی گمراہی اور بدحالی کا حال

تفسیر: ان آیات میں امم سابقہ کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن مجید کے مخاطبین کے لئے عبرت ہے اس کے بعد مشرکین مکہ کی شر پسندی کا تذکرہ فرمایا۔

ہلاک شدہ اقوام میں یہاں جن کا ذکر ہے ان میں اوّلاً فرعون اور اس کی قوم کا اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو غرق کر دیا اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت بنا دیا۔ یہ ان کی دنیاوی سزا تھی اور آخرت میں ظالموں کے لئے عذاب الیم تیار فرمایا ہے، اس کے بعد عاد اور ثمود اور اصحاب الرس کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا کہ ان کے درمیان میں اور بہت سی امتوں کو ہلاک فرما دیا، ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کی ہدایت کے لئے مثالیں یعنی موثر مضامین اور عبرت کی باتیں بیان کیں لیکن انہوں نے نہ مانا لہٰذا ہم نے ان کو بالکل ہی ہلاک کر دیا۔

اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی بستی کا ذکر فرمایا جن بستیوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم رہتی تھی ان بستیوں کو ان لوگوں کی تکذیب اور شرمناک افعال کی وجہ سے پلٹ دیا گیا تھا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے تھے جس کا تذکرہ سورہ اعراف اور سورہ ھود میں گذر چکا ہے اہل مکہ سال میں دو مرتبہ تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے اور ان بستیوں کے پاس سے گذرا کرتے تھے اور انہیں ان لوگوں کی بربادی کا حال معلوم تھا۔ اسی کو فرمایا وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ (بلاشبہ یہ لوگ اس بستی پر گذرے ہیں جس پر بری بارش برسائی گئی تھی) ہلاک شدہ بستیوں کو دیکھتے ہوئے یہ لوگ گذر جاتے ہیں اور کچھ بھی عبرت حاصل نہیں کرتے، اسی کو سورہ صافات میں فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (بلاشبہ ضرور تم ان بستیوں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گذرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) یہ متعدد بستیاں تھیں یہاں لفظ قریہ مفرد لایا گیا ہے جس میں مرکزی اور بڑی بستی کا ذکر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ القریہ جنس کے لئے لایا گیا ہو۔

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا (کیا یہ لوگ ان بستیوں کو دیکھتے نہیں رہے) بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا یعنی یہ لوگ ان بستیوں پر گذرتے تو ہیں لیکن ان کا عبرت نہ پکڑنا بے علمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے

کی امید ہی نہیں رکھتے یعنی آخرت کے منکر ہیں اور ہلاک شدہ بستیوں کو یوں ہی امور اتفاقیہ پر محمول کرتے ہیں اور اپنے کفر کو دنیا یا آخرت میں موجب سزا نہیں سمجھتے۔

جن لوگوں کو کفر کی وجہ سے ہلاک کیا گیا ہے ان میں اصحاب الرس کا ذکر بھی فرمایا الرس عربی میں کنویں کو کہتے ہیں' یہ کنویں والے لوگ کون تھے' کس علاقہ میں تھے ان کی طرف کس نبی کو بعثت ہوئی تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی' صاحب روح المعانی نے ان کے بارے میں متعدد اقوال لکھے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ یمامہ کی ایک بستی میں رہتے تھے جو قوم ثمود کے بقایا تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ شہر انطاکیہ (شام) میں ایک کنواں تھا یہ لوگ اس کنویں کے آس پاس رہتے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ اور اصحاب الرس دونوں قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے ان کے بہت سارے کنویں تھے اور کثیر تعداد میں مویشی تھے انہیں اسلام کی دعوت دی تو سرکشی میں آگے بڑھتے چلے گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو برابر ایذاء پہنچاتے رہے' حتیٰ کہ ایک دن ایک کنویں کے چاروں طرف جمع تھے جو صرف کھودا ہی گیا تھا پکا نہیں بنایا گیا' اس کنویں کی آس پاس کی زمین انہیں لیکر گرتی چلی گئی اور یہ لوگ اسی سے ہلاک ہو گئے' ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الرس سے اصحاب الاخدود مراد ہیں (جن کا سورہ بروج میں ذکر ہے اور الرس سے اخدود یعنی خندق مراد ہے)

اس کے بعد قریش مکہ کی سرکشی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ یہ لوگ صرف آپ کی تکذیب ہی نہیں کرتے آپ کا مذاق بھی بناتے ہیں اور مسخرہ پن کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (کیا یہی شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے) یہ ایسا ہی ہے جیسے قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا اُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا (کیا ہمارے درمیان سے صرف اسی شخص پر ذکر نازل کیا گیا) مکذبین اور معاندین کا یہ عجیب سوال رہا کہ فلاں شخص ہی کو نبی کیوں بنایا گیا؟ دوسرے شخص کو عہدہ کیوں نہیں دیا گیا یہ جہالت اور حماقت کا سوال ہے جس کسی کو بھی شخص کو رسالت کی ذمہ داری سونپی جائے اس کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کو رسول کیوں بنایا گیا اس طرح سے تو نبوت کا سلسلہ قائم ہی نہ ہوتا' سورہ انعام میں ان سب کا جواب دے دیا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اس موقع کو جہاں اپنا پیغام بھیجے) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور معجزات پیش فرما دیئے جن میں بہت بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کے مقابل بنا کر لانے سے تمام فصحاء بلغاء عاجز رہ گئے ان معجزات کو دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ ان کی دعوت کیا ہے وہ شرک چھڑا رہے ہیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں موت کے بعد جی اٹھنے اور اعمال کا بدلہ دیئے جانے سے با خبر فرما رہے ہیں ان کی اس دعوت میں غور فکر کرنا لازم ہے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کو رسول بنا کر کیوں بھیجا۔

اہل مکہ اپنے کفر و شرک پر خوش تھے اور اس میں بڑا کمال سمجھتے تھے کہ ہم نے توحید کی دعوت قبول نہیں کی' وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اپنے معبودوں پر جمے ہوئے نہ رہتے تو یہ شخص تو ہمیں ان کی پرستش سے ہٹا ہی دیتا' ان کی اس جہالت کا جواب

دیتے ہوئے فرمایا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الآیۃ) اور جس وقت یہ لوگ عذاب دیکھیں گے اس وقت جان لیں گے کہ راہ حق سے ہٹا ہوا کون تھا' عذاب سب سمجھا دے گا اور اس وقت حقیقت ظاہر ہو جائے گی' دنیا میں رسول اللہ ﷺ کو جو بے راہ بتاتے تھے قیامت کے دن ان کا اپنا گمراہ ہونا واضح ہو جائے گا' ان کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا) اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (سو کیا آپ ان کی نگرانی کرنے والے ہیں) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ (کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں) اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں)

اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان قبول نہ کریں تو آپ پریشان نہ ہوں آپ پر قبول کرانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی لہٰذا آپ ان کے نگران نہیں ہیں آپ کا کام صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے سورۃ الزمر میں فرمایا اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (ہم نے لوگوں کے لئے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے جو شخص راہ راست پر آئے گا تو اپنے نفع کے واسطے' اور جو شخص بے راہ رہے گا اس کا بے راہ ہونا اس پر پڑے گا اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے) آپ کے یہ مخاطب گمراہی میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں حق کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے انہوں نے تو خواہش نفس ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جو جی میں آتا ہے وہ کہتے ہیں جو نفس خواہش کرتا ہے اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں جیسے معبود کی فرماں برداری کی جاتی ہے ایسے لوگوں سے ہدایت کی توقع نہ رکھئے۔ آپ یہ بھی خیال نہ کریں ان میں اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ یہ تو راہ حق سے اتنی دور جا پڑے ہیں کہ بس چوپایوں کی طرح ہو گئے ہیں' بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ سے بھٹک گئے ہیں کیونکہ چوپائے مکلف نہیں ہیں وہ نہ سمجھیں تو ان کی طرف کوئی مذمت متوجہ نہیں ہوتی اور یہ مکلف ہیں پھر بھی سننے کی طرح نہیں سنتے اور سمجھنے کی طرح نہیں سمجھتے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جانور تو اپنے مجازی مالک کی فرمانبرداری کرتے ہیں محسن اور غیر محسن کو پہچانتے ہیں اپنے کھانے پینے کے مواقع کو جانتے ہیں اپنے ٹھہرنے اور بیٹھنے کے ٹھکانوں کو سمجھتے ہیں اپنے نفع کے طالب رہتے ہیں اور ضرر سے بچتے ہیں' برخلاف ان لوگوں کے جنہیں اللہ نے عقل دی اور سمجھ دی ہے یہ لوگ اپنے خالق اور رازق کی فرمانبرداری نہیں کرتے اور اس کے احسان مند نہیں ہوتے خواہشوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں نہ ثواب کی طلب ہے نہ عقاب کا خوف' حق سامنے آ گیا معجزات دیکھ لئے دلائل عقلیہ سے لاجواب ہو گئے لیکن ان سب کے باوجود ایمان قبول نہیں کرتے لامحالہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔

یہ جو فرمایا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ (الآیۃ) اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ ان میں سے بعض کا ایمان لانا بھی مقدر تھا اس لئے لفظ اکثر لایا گیا' آیت شریفہ سے خواہشات نفس کے پیچھے چلنے کی قباحت اور شناخت

معلوم ہوئی یہ خواہشات نفس کا اتباع انسان کو کفر و شرک پر بھی ڈالتا ہے اور گناہ بھی کرواتا ہے جو لوگ نفس کے پابند ہوتے ہیں نفس ہی کی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں اور اس طرح چلتے ہیں جیسے نفس ہی ان کا معبود ہو یہ ذہن اور مزاج تباہ کر کے رکھ دیتا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف خواہشات نفس کے پیچھے چلنے کا ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں (الحدیث) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہلاک کرنے والی یہ چیزیں ہیں (۱) نفس کی خواہش جس کا اتباع کیا جائے (۲) وہ کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے (۳) انسان کا اپنے نفس پر اترانا اور یہ ان تینوں میں سب سے زیادہ سخت ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

جو لوگ مسلمان نہیں ہیں ان کا اپنی خواہشات کا متبع ہونا ظاہر ہے کہ توحید کی دعوت پر کان نہیں دھرتے اور کفر و شرک ہی کو اختیار کیے رہتے ہیں نفس نہیں چاہتا کہ اللہ کے رسول کا اتباع کریں لہٰذا نفس کے غلام بنے رہتے ہیں۔ دلائل سے حق واضح ہو جانے پر بھی حق کی طرف نہیں آتے، اتباع نفس کا مرض بہت سے مدعیان اسلام میں بھی ہے قرآن حدیث کی صاف صریح تعلیمات کو پس پشت ڈال کر ایسے عقائد اور ایسے اعمال تراش لیتے ہیں جن میں بعض تو کفر کی حد تک پہنچا دیتے ہیں مثلاً کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر مانتے ہیں اور کچھ لوگ آپ کے بشر ہونے کے منکر ہیں۔

یہ دونوں کفریہ باتیں ہیں قرآن حدیث کے خلاف ہیں بعض فرقے تحریف قرآن کے قائل ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو دو تین حضرات کے علاوہ تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں یہ بھی کفریہ عقیدے ہیں اور یہ سب نفس کا اتباع ہے یعنی خواہشات نفس کی پابندی ہے۔

یہ ہم نے بعض ایسے عقائد بتائے ہیں جو اتباع ہویٰ کی وجہ سے لوگوں نے اختیار کر لئے ہیں اب رہے وہ اعمال جنہیں بدعت عملی کہا جاتا ہے یہ بھی بہت زیادہ ہیں مختلف علاقوں میں بکثرت مختلف بدعات رواج پذیر ہیں یہ بدعتیں خوشی میں اور مرنے جینے میں، محرم الحرام کے مہینہ میں، ربیع الاول میں، رجب میں اور شعبان میں بہت زیادہ مروج ہیں جن کی تفاصیل حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب اصلاح الرسوم میں بیان کر دی گئی ہیں، اور چونکہ بدعت کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں خود تراش لینے ہی سے وجود میں آ جاتی ہے اس لئے مختلف علاقوں میں مختلف بدعات ہیں، احقر نے ایک مرتبہ جنوبی ہند کا سفر کیا ظہر کا وقت تھا مسجد میں امام صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مؤذن نے اذان دی تو اس کے بعد نقارہ بجا دیا گیا احقر نے امام صاحب سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ عورتوں کو بتانے کے لئے ہے کہ مسجد میں اذان ہو گئی ہے میں نے عرض کیا کیا سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کی اطلاع دینے کے لئے اذان کے علاوہ نقارہ پیٹا جاتا تھا۔ کہنے لگے ایسا تو نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ لوگوں نے یہ نئی چیز کیوں نکالی؟ ایک تو نئی چیز وہ بھی نقارہ؟ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں یہ بھی رواج ہے کہ دفن کرنے کے بعد دفن میں شرکت کرنے والوں کو میٹھی روٹیاں بانٹتے ہیں جب تک روٹیاں تیار نہیں ہو جاتیں میت کو گھر ہی میں رکھے رہتے ہیں، دمشق کا سفر کیا وہاں دیکھا کہ اذان سے چند منٹ پہلے مؤذن مینارہ پر چڑھ کر زور زور

سے درود شریف پڑھتا ہے اور جمعہ کے دن خطیب خطبہ پڑھنے کے لئے اپنے حجرہ سے چلتا ہے تو جب اس پر نظر پڑ جائے چند آدمی مل کر زور زور سے درود شریف پڑھتے ہیں اور اس کے منبر میں بیٹھ جانے تک برابر پڑھتے رہتے ہیں، مختلف علاقوں میں مختلف بدعات ہیں اہل بدعات کو جب متنبہ کیا جاتا ہے تو ماننے کے بجائے الٹی الٹی دلیلیں لے آتے ہیں اور سینکڑوں سنتیں جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں ان پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتے یہ اتباع ہوئی ہے اگرچہ دینی جذبات کے ساتھ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ
اے مخاطب کیا تو نے اپنے رب کی طرف نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا رکھتا' پھر ہم نے آفتاب کو
عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ
اس پر علامت مقرر کیا' پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا' اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو
لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا
لباس اور نیند کو آرام کی چیز بنایا' اور دن کو پھیل جانے کا وقت بنایا' اور وہ ایسا ہے جس نے اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی
بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ
ہوائیں بھیج دیں' اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا تاکہ ہم اس کے ذریعے مردہ زمین میں جان ڈال دیں' اور تاکہ یہ پانی
مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى
ہم اپنی مخلوق میں سے چار پایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلا دیں' اور ہم اسے ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں' لیکن
اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ
اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہیں رہتے' اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے' سو
الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾
کافروں کی بات نہ مانیئے' اور اس کے ذریعہ ان سے خوب بڑا مقابلہ کیجئے۔

سایہ اور آفتاب' رات اور دن ہوائیں اور بارشیں سب تصرفات الٰہیہ کا مظہر ہیں

تفسیر: اولاً ارشاد فرمایا کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلایا ہے جب سورج طلوع ہوتا

ہے تو ہر چیز کا سایہ خوب لمبا ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا جو آفتاب کے بلند ہونے پر بھی نہ گھٹتا' نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے آفتاب کو سایہ کی درازی اور کوتاہی پر ایک ظاہری علامت مقرر کر دیا کہ آفتاب طلوع ہوا تو چیزوں کا سایہ لمبا ظاہر ہوا پھر آفتاب چڑھتا گیا تو سایہ گھٹتا گیا' حتیٰ کہ عین زوال کے وقت ذرا سا سایہ رہ گیا' پھر جب آفتاب آگے بڑھا تو سایہ کا رخ مشرق کی طرف کو ہو گیا جو زوال کے وقت تک مغرب کی طرف تھا۔

گو بظاہر آفتاب کی رفتار ان چیزوں کی علامت ہے لیکن حقیقت میں سب کچھ خالق کائنات جل مجدہ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا جو تمہارے لئے پردہ ہے جیسے تمہیں لباس چھپاتا ہے رات بھی تمہیں پوشیدہ رکھتی ہے اور چونکہ عموماً نیند رات ہی میں ہوتی ہے اس لئے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ نیند کو ہم نے راحت کی چیز بنایا' دن میں محنت کرتے ہیں کام کاج میں رہتے ہیں پھر رات کو اپنے ٹھکانوں پر آجاتے ہیں تو کھا پی کر سو جاتے ہیں' دن بھر کی محنت مشقت کی وجہ سے جو نڈھال ہو گئے تھے اور جان میں جو کمزوری آ گئی تھی سونے کی وجہ سے وہ ختم ہو جاتی ہے اور صبح کو گویا نئی زندگی مل جاتی ہے' رات میں چونکہ تاریکی ہے اس لئے اس میں خوب مزے دار نیند آتی ہے' دن میں سونے کی کوشش کی جائے تو کھڑکیوں پر پردے ڈال کر باقاعدہ رات کی فضا بنائی جاتی ہے۔

پھر چونکہ نیند ایک طرح کی موت ہے جیسے حدیث شریف میں **النوم اخو الموت** فرمایا ہے اس لئے دن کی نعمت کا تذکرہ فرماتے ہوئے **وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا** فرمایا' قرآن و حدیث میں لفظ نشور قبروں سے اٹھنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں صبح کو بیدار ہو کر دن میں مختلف کاموں کے لئے پھیل جانے کو نشور سے تعبیر فرمایا' سورۃ القصص میں فرمایا **وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** (اور اس کی رحمت میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل یعنی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو) چونکہ رات کا سونا موت کے مترادف ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ رات کو سونے لگتے تو یہ دعا پڑھتے تھے **اللھم باسمک اموت واحیی** (میں اللہ کا نام لیکر مرتا اور جیتا ہوں) اور جب سو کر اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے **الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور** (سب تعریف اللہ کے لئے جس نے موت دینے کے بعد زندہ فرما دیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے)

ثالثاً بارش کی نعمت کا تذکرہ فرمایا اور بارش سے پہلے جو ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہوئی آتی ہیں ان کا نعمت ہونا بیان فرمایا' ان ہواؤں سے لوگوں کو بارش کے آنے کی خوشخبری بھی مل جاتی ہے اور جن چیزوں کو بارش سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں (تاکہ بھیگ کر خراب نہ ہو) ان کے محفوظ کرنے کا وقت بھی مل جاتا ہے۔

یہاں بارش کے تین منافع بتائے اول یہ کہ اس پانی سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے' یہ پانی ندیوں اور

نہروں میں بھی آتا ہے تالابوں میں جمع ہوتا ہے پھر اس پانی سے غسل بھی کرتے ہیں وضو کے استعمال میں بھی لاتے ہیں اور میل کچیل بھی صاف کرتے ہیں کپڑے بھی دھوتے ہیں خاص کر طہارت حکمیہ تو پانی کے بغیر کسی دوسری سیال چیز سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

دوم یہ کہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے زمین سے سبزہ نکل آتا ہے کھیتیوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں' تیسرے یہ فرمایا کہ بارش کے پانی کو ہم اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں' بارش کے پانی سے انسان اور ان کے مویشی بھی سیراب ہوتے ہیں اس سے انسانوں کی بھی پیاس دور ہوتی ہے اور جانوروں کی بھی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا یعنی اس پانی کو حکمت اور مصلحت کے مطابق مختلف مواقع میں پہنچاتے ہیں۔ کبھی کہیں بارش ہوتی ہے کبھی کہیں' کبھی تھوڑی کبھی خوب زیادہ' اس میں عبرت ہے اور نصیحت ہے لیکن لوگ اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے' اکثر لوگوں کا بس یہی کام ہے کہ ناشکری ہی میں لگے رہتے ہیں' یہ ناشکری انسانوں میں عموماً کفر کی حد تک ہے کھاتے ہیں اور پہنتے ہیں اللہ کی پیدا کردہ چیزیں اور عبادت کرتے ہیں دوسروں کی' اور بہت سے لوگوں کی ناشکری کفر کی حد تک تو نہیں لیکن نافرمانی اور معاصی میں لگے رہتے ہیں یہ بھی ناشکری ہے دونوں قسم کی ناشکری کے بارے میں فرمایا فَاَبٰۤی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا (سو اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہ رہے)

پھر فرمایا وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا (اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے) جس سے آپ کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہر نبی اپنی اپنی بستی میں دعوت کا کام کرتا اور آپ صرف ام القریٰ (مکہ معظمہ) یا مزید اس کے آس پاس کی چند بستیاں کی طرف مبعوث ہوتے' لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا' آپ کو خاتم النبیین بنایا اور سارے عالم کے انسانوں کی طرف رہتی دنیا تک کے لئے مبعوث فرمایا' یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا انعام ہے' اس انعام کی شکرگزاری بھی لازم ہے' اور دعوت الی الحق کا کام جو سپرد کیا گیا ہے اس میں بھی محنت اور کوشش کے ساتھ لگنا ضروری ہے' جب آپ محنت کریں گے تو اہل کفر آپ کو اس کام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے' وہ چاہیں گے کہ آپ اپنا کام چھوڑ دیں یا بعض باتوں میں مداہنت اختیار کرلیں' آپ ان کی بات بالکل نہ مانیں بلکہ خوب محنت اور مجاہدہ سے کام لیں' اور زوردار طریقہ پر قرآن کے ذریعہ ان کا مقابلہ کریں' جو خود بہت بڑا معجزہ ہے اور اس میں جو توحید پر دلائل قاہرہ بیان کئے ہیں ان کو پیش کرتے رہئے ان کی طرف سے جو مداہنت اور ترک تبلیغ کی درخواست سامنے آئے اس میں ان کی بات نہ مانئے' اسی کو فرمایا فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا کَبِیْرًا۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا

اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا جن میں یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا ہے' اور یہ شور ہے کڑوا ہے' ان کے درمیان میں

بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ
ایک حجاب بنا دیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنا دیا اور تیرا
رَبُّكَ قَدِیْرًا ۝
پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر، میٹھے اور کھارے سمندر میں امتزاج نطفہ سے انسان کی تخلیق

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں، جو لوگوں کی نظر کے سامنے ہیں اور ان چیزوں کو لوگ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں، ان میں سے ایک تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو سمندروں کو اس طرح ملا دیا کہ دونوں ساتھ چلتے ہیں ان میں سے ایک میٹھا ہے جس سے خوب اچھی طرح پیاس بجھتی ہے اور ایک خوب زیادہ شور ہے کڑوا ہے، ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ایک آڑ بنا دی ہے اور رکاوٹ لگا دی ہے جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے میں گھلتے ملتے نہیں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ظاہری کوئی آڑ نہیں ہیں، بس اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی نے ان کو اس طرح جاری کر رکھا ہے کہ میٹھے دریا کا پانی شور دریا کے پانی میں نہیں ملتا اور شور دریا کا پانی میٹھے دریا میں نہیں ملتا، سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ (اس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا دیا کہ وہ باہم ملے ہوئے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے وہ دونوں اپنی مقررہ بہنے کی جگہ سے تجاوز نہیں کرتے) بظاہر دیکھنے میں کوئی آڑ نہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے میں ملتا بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دونوں کو اس حال میں رکھا ہے کہ ایک دوسرے میں نہیں ملتے یہی یعنی قدرتی آڑ ہے اور ظاہری کوئی آڑ نہیں ہے۔

جس نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اسے پورا اختیار ہے کہ جس مخلوق کو جس طرح چاہے رکھے جو طبیعتیں ہیں وہ بھی اسی کی بنائی ہوئی ہیں، عموماً مخلوقات اپنی طبیعت کے مطابق چلتی رہتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو طبیعت کے خلاف بھی ظہور ہو جاتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا، پانی کا مزاج یہ ہے کہ ایک پانی دوسرے پانی میں گھل مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے دو سمندر ساتھ ساتھ جاتے ہیں دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے میں نہیں گھستا، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانب بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی

تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھارا بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے، نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجری میں چلائے او دونوں کے بیچ میں بہت جگہ زمین حائل کر دی اس طرح آزادانہ چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری، یا کھاری میٹھا بن جائے، گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ **وقیل غیر ذلک، والراجح عندی ھو الاول، واللہ اعلم**

قدرت کاملہ کا ایک بہت بڑا مظاہرہ یہ ہے کہ اس نے نطفہ منی سے انسانوں کی تخلیق فرمائی، ان میں شہوت رکھ دی اس شہوت کی وجہ سے بیاہ شادی کی ضرورت پیش آئی جب نکاح ہوتے ہیں تو میاں بیوی کا اختلاط ہوتا ہے اس سے اولاد ہوتی ہے اور اس طرح سے خاندان بڑھتا چلا جاتا ہے اور آپس میں سلسلہ نسب چلتا ہے، ہر پیدا ہونے والے کے دو خاندان ہوتے ہیں ایک باپ کی طرف کا خاندان دوسرا ماں کی طرف سے، پھر شادیاں ایک خاندان کی دوسرے خاندان میں ہوتی ہیں اور غیر خاندانوں میں بھی ہوتی ہیں یہ سسرالی رشتے بھی نعمت عظیمہ ہیں ان کے ذریعہ مختلف خاندانوں میں محبتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ **وکان ربک قدیرا** (اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے) اس نے جو کچھ پیدا فرمایا اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور اس کے علاوہ بھی وہ جو چاہے گا پیدا فرمائے گا۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيرًا ﴿۵۵﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ انہیں کچھ ضرر دے سکیں، اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے،

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ

اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا ہاں جو شخص یہ چاہے کہ

يَتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۵۷ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى

اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے اور آپ اسی ذات پر بھروسہ کیجئے جو زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی اور اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے اور وہ

بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝۵۸ ۚۙ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونے کے لئے کافی ہے، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۛۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝۵۹ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ

میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہ بڑی مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے دریافت کرلو اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو

قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ۝۶۰ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي

تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو سجدہ کرنے کا تو ہمیں حکم دیتا ہے اور ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے وہ ذات عالی شان ہے جس نے

السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝۶۱ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور ان میں ایک چراغ بنایا روشن کرنے والا چاند بنایا اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝۶۲

پیچھے آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

السجدة

اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں آسمانوں کی اور زمین کی تخلیق فرمائی اور رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے جانے والا بنایا

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کی بے وقوفی اور بغاوت ظاہر فرمائی ہے اور وہ یہ کہ یہ لوگ اپنے خالق کو چھوڑ کر جس کی صفات اوپر بیان کی گئی ہیں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو اپنے ان پرستاروں کو نہ نفع دے سکیں اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکیں پھر ان کی مزید سرکشی بیان کرتے ہوئے فرمایا وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا (اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے) یعنی ایسے عمل کرتا ہے جیسے کوئی شخص کسی کا مخالف ہو اور اس کی مخالفت میں لگ کر ایسے کام کرتا رہے جو اسے ناگوار ہوں جس کی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔

ظَهِيْرًا کا ترجمہ جو ''مخالف'' کیا گیا ہے محاورہ کا ترجمہ ہے صاحب روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ یہ مظاہر کے معنی میں ہے اور معناً ہر معاون اور مددگار کو کہا جاتا ہے (لفظ علیٰ کی وجہ سے بمعنی مخالف کیا گیا ہے) اور کافر سے جنس کافر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمام کافر پروردگار جل مجدہ کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی مخالفت اور شیطان کی

مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ اپنا کام کریں حق کی دعوت دیتے رہیں جو قبول نہ کرے اس کی طرف سے غمگین نہ ہوں اور مزید یہ فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں دعوتِ توحید کی محنت پر تم سے کوئی کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کرتا ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے رب کی طرف راستہ بنالے یعنی اس کا دین قبول کرلے اور اس کی رحمت ورضامندی کو اپنا مقصود بنالے کار دعوت میں میرا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں تمہاری ہی ہمدردی مطلوب ہے جب میں طالب دنیا نہیں اور تمہارے نفع ہی کے لئے جدوجہد کرتا ہوں تو تمہیں میری دعوت پر کان دھرنا چاہئے اگر ٹھیک سے سنو گے سوچو گے سمجھو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حق بات ضرور دل میں اترے گی۔

اس کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اس ذات پاک پر توکل کریں جو ہمیشہ سے زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی وہی آپ کو اجر ثواب دے گا اور وہی دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے گا توکل کے ساتھ اس کی تسبیح وتحمید میں بھی مشغول رہئے (کیونکہ اس کا ذکر نصرت الٰہی دفع مصائب اور رفع بلایا کے لئے بہت بڑا معاون ہے)

وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا (اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونے کے لئے کافی ہے) جو لوگ کفر وشرک پر جمے ہوئے ہیں آپ کی دعوت قبول نہیں کرتے آپ کو تکلیفیں دیتے ہیں ان کا حال ذات پاک حی لایموت کو معلوم ہے وہ ان سب کو سزا دے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان خالقیت بیان فرماتے ہوئے آسمان وزمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے اندر ہیں سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا ان چھ دنوں کی تفسیر سورۂ حم سجدہ ع ۲ میں مذکور ہے اس کے بارے میں وہیں عرض کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا) استواء قائم ہونے کو اور عرش تخت شاہی کو کہا جاتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے بارے میں ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ فرمایا ہے اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى بھی فرمایا ہے اس کو سمجھنے کے لئے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلف صالحین صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہٗ کی ذات وصفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا جو کچھ فرمایا ہے اس سب پر ایمان لائیں اور سمجھنے کے لئے کھوج کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف صحیح ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے استوی علی العرش کا معنی پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استوی کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے

باہر ہے اور ایمان اس پر لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اسے اپنی مجلس سے نکلوا دیا معالم لفظ الرحمٰن کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ مرفوع علی المدح ہے یعنی ھوالرحمٰن مطلب یہ ہے کہ ابھی جس کی شان خالقیت بیان کی گئی ہے وہ رحمٰن ہے جل مجدہ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (سوائے مخاطب تو اس کی شان کے بارے میں کسی جاننے والے سے دریافت کر لے) آسمانوں زمینوں کو پیدا کرنا پھر اپنی شان کے مطابق عرش پر استواء فرمانا سب رحمٰن کی صفات ہیں اس کی تحقیق مطلوب ہو تو باخبر سے پوچھئے' باخبر سے مراد حق تعالیٰ یا جبرئیل امین ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کتب سابقہ کے علماء ہوں جن کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس معاملہ کی اطلاع ملی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے) یہ بات وہ اپنی جہالت اور عناد کی وجہ سے کہتے تھے اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا (اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے لئے تم ہمیں سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہو) وہ یہ بات ضد میں کہتے تھے کہ تمہارے کہنے سے ہم کسی کو سجدہ نہیں کریں گے وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (اور آپ کا یہ فرمانا کہ تم رحمٰن کو سجدہ کرو اس سے ان کو اور زیادہ نفرت بڑھ جاتی ہے) قریب آنے کے بجائے اور زیادہ دور ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے مزید مظاہر بیان فرمائے ارشاد فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (وہ ذات عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور ان میں ایک چراغ بنایا اور روشن کرنے والا چاند بنایا' اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہئے) مقصود ان آیات سے انسان کو یہ بتلانا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور شمس و قمر اور رات دن کا انقلاب اور ان کی تاریکی اور روشنی اور زمین و آسمان کی تمام کائنات پیدا کی ہے تاکہ غور و فکر کرنے والے کو اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں اور شکر گذار کو شکر کے مواقع ملیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو عاجزی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ

قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا

ہمارا اسلام ہے اور وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے اس طرح رات گذارتے ہیں کہ سجدوں میں اور قیام میں مشغول رہتے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں

اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا

کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھئے بلاشبہ اس کا عذاب بالکل ہی تباہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ برا ٹھکانہ ہے اور

وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

برا مقام ہے اور جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال والا ہوتا ہے

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا

اور وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے

بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

مگر حق کے ساتھ، اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا اس کے لئے قیامت کے دن عذاب بڑھتا چلا جائے گا

وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ

اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا، سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو

اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ

اللہ نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے سو وہ اللہ کی طرف

إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ

خاص طور پر رجوع ہوتا ہے اور وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے اور جب بیہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ ہیں

إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا

جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے، اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب

هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾ أُولَٰئِكَ

ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائیے، اور ہم کو متقیوں کا امام بنا دیجئے، یہ وہ لوگ ہیں

يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ

جنہیں ثابت قدم رہنے کی وجہ سے بالا خانے ملیں گے اور اس میں ان کو بقاء کی دعا اور سلام ملے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ ٹھہرنے کی

مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

اچھی جگہ ہے اور اچھا مقام ہے، آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا، سو تم نے جھٹلایا سو عنقریب

يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾
وبال ہو کر رہے گا

عباد الرحمان کی صفات اور ان کے اخلاق و اعمال

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور انہیں عباد الرحمٰن کا معزز لقب دیا ہے' ان حضرات کی جو چند صفات ذکر فرمائیں' پہلی صفت یہ ہے کہ انہیں رحمٰن کا بندہ بتایا' یہ بہت بڑا وصف ہے اور بہت بڑا لقب ہے یوں تکوینی طور پر سب ہی رحمٰن کے بندے ہیں لیکن اپنے اعتقاد سے اور اختیار سے اور اخلاص سے جس نے اپنی ذات کو سچے اعتقاد اور اخلاص کے ساتھ رحمٰن جل مجدہ کی عبادت میں لگا دیا اور رحمٰن جل مجدہ نے اس کے بارے میں یہ فرما دیا کہ یہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑھ کر بندہ کا کوئی اعزاز نہیں یہ بندے کا سب سے بڑا معزز لقب ہے' اللہ تعالیٰ نے معراج کا تذکرہ شروع فرماتے ہوئے سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا ہے یہ شان عبدیت ہی تو بندہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتی ہے اور آخرت میں بلند درجات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی غرور اور تکبر کے ساتھ اکڑتے مکرتے ہوئے نہیں چلتے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (اور زمین میں اکڑتا ہوا مت چل بیشک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) جب کسی شخص میں تواضع کی شان ہوتی ہے اور تکبر کے مرض میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ اپنی رفتار میں بھی عاجزی اختیار کرتا ہے۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو ان سے الجھتے نہیں نہ انہیں جواب دیتے ہیں اور نہ ان سے جھگڑا کرتے ہیں اس بات کو یہاں سورہ فرقان میں دو جگہ بیان فرمایا ہے پہلے تو یوں فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ بھیا ہمارا سلام ہے) یہ سلام وہ نہیں ہے جو ملاقات کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ جان چھڑانے کے لئے یہ لفظ کہہ کر چلے جاتے ہیں اسی کو سورہ قصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِيْنَ دوسری جگہ اسی رکوع میں فرمایا وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (اور جب یہ لوگ بے ہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں) بات یہ ہے کہ شریر اور کمینہ مزاج لوگ شریفوں کو تکلیف دینے پر تلے رہتے ہیں زبان سے تکلیف دینا ان کی شان میں برے کلمات کہنا طعنے دینا' اشاروں اور کنایوں سے ان کی برائی کرنا اس سے نہیں چوکتے۔ یہ لوگ بیہودہ کاموں میں لگے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں' شرافت کے ساتھ آنکھیں نیچی کر کے گذر جاتے ہیں۔ اور اگر کسی نے چھیڑ ہی دیا تو یہ کہہ کر چلے

جاتے ہیں کہ ہمارا اسلام ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے جواب دیا تو ان منہ پھٹ لوگوں کے درمیان آبرو محفوظ نہ رہے گی۔

رحمٰن کے بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے وہ اس طرح رات گذارتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام میں ہیں ان کا ذوق عبادت انہیں زیادہ آرام نہیں کرنے دیتا سورہ والذاریات میں فرمایا

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (بلاشبہ متقی لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے انہیں جو کچھ عطا فرمایا اسے لینے والے ہوں گے بلاشبہ وہ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے)

عبادالرحمٰن کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے رہتے ہیں وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کے عذاب کو ہٹائے رکھنا کیونکہ اس کا عذاب بالکل تباہ کرنے والا ہے یہ محاورہ کا ترجمہ ہے غرامالزوم کے معنی میں آتا ہے اور جب عذاب کسی کو لازم ہوگا تو وہ پوری طرح تباہ ہوگا اس کے لئے چھٹکارا کا کوئی راستہ نہیں اس سے اہل کفر کا عذاب مراد ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (بلاشبہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بری جگہ ہے) اللہ تعالیٰ اس بری جگہ سے محفوظ فرمائے یہ مومنین مخلصین عابدین قانتین کا طریقہ ہے کہ وہ عبادت بھی خوب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی ہیں اور عذاب سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے رہتے ہیں سورۃ المومنون میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (اور کچھ دیتے ہیں ان کے دل اس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں) یعنی انہیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ قبول ہوتا ہے یا نہیں، نیک عمل کر کے بے فکر ہو جانا مومن کی شان نہیں مومن عمل بھی کرتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے کہ دیکھو میرے اعمال کو درجہ قبولیت نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی کہ جب رحمٰن کے بندے خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ کرنے میں کنجوسی اختیار کرتے ہیں بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ درمیانی راہ چلنے کو قواما فرمایا ہے کیونکہ اس میں دونوں جانب استقامت رہتی ہے کان کلا منهما يقاوم الاخر یہ میانہ روی شرعاً محمود ہے گناہوں میں تو مال خرچ کرنا جائز ہی نہیں حلال کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرے یہ میانہ روی مالی امور پر قابو پانے کا کامیاب ذریعہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کرنے میں معیشت کا آدھا انتظام ہے یعنی کمانا اور محنت کرنا اس میں معیشت کا آدھا انتظام ہے اور آدھا انتظام میانہ روی سے خرچ کرنے میں ہے اپنی ذات پر اور اپنی آل و اولاد پر والدین و اقرباء پر خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے ہاں جن کا توکل بہت بڑھا ہوا ہے اور نیکیوں میں بیک وقت پورا یا آدھا مال خرچ کرنے میں ان کی اپنی ذات کو بھی تکلیف محسوس نہ

ہو اور نفقات مفروضہ اور واجبہ کا کسی طرح حلال انتظام ہو سکتا ہو تو ایسے حضرات اللہ کی راہ میں پورا مال بھی خرچ کر سکتے ہیں جیسا کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا جب آپ نے ان سے پوچھا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ یعنی ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی کافی ہے (مشکوۃ المصابیح ۵۵۶)

عباد الرحمٰن کی ساتویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے یعنی وہ مشرک نہیں ہیں توحید خالص اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جسکا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ہاں اگر قتل بالحق ہے شریعت کے اصول کے مطابق ہے مثلاً اگر کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے یا کسی زانی کو رجم کرنا پڑے تو اس کی وجہ سے قتل کر دیتے ہیں نویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زنا نہیں کرتے اس کے بعد فرمایا

وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اثاما کی یہ تفسیر حضرت قتادہ اور ابن زید سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر جزا سے کی ہے اور ابو مسلم کا قول ہے کہ اثاما گناہ کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی یلق جزاء اثام' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اثام جہنم کے اسماء میں سے ہے' يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اس کے لئے قیامت کے دن دہرا عذاب بڑھتا چلا جائے گا) یعنی عذاب پر عذاب بڑھتا رہے گا کما فی اية اخری زدناهم عذابا فوق العذاب' مزید فرمایا وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہے گا ذلیل کیا ہوا) یعنی عذاب بھی دائمی ہوگا اور اس کے ساتھ ذلیل بھی ہوگا' اس عذاب سے کافروں کا عذاب مراد ہے کیونکہ انہیں کو دائمی عذاب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کے برابر تجویز کرے حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں (اہل عرب تنگ دستی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے) سائل نے سوال کیا اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے (زنا تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے اور زیادہ گناہ گاری بڑھ جاتی ہے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (آخر تک) نازل فرمائی (رواہ البخاری ص ۷۰۱)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

(سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) اس استثناء سے معلوم ہوا کہ کافر اور مشرک کے لئے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہے' جو بھی

کوئی کافر کفر سے توبہ کرے اس کی سابقہ تمام نافرمانیاں معاف فرمادی جائیں گی' حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور شرط یہ ہے میری مغفرت ہو جائے آپ نے فرمایا **اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ** (اے عمرو کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں) (مسلم ج ۱ ص ۷۶)

یہ جو فرمایا کہ اللہ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے گا' اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں جنہیں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو علیحدہ رکھو لہٰذا اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن ایسے ایسے کام کئے ہیں وہ اقرار کرے گا منکر نہ ہوگا۔ اس بات سے ڈرتا ہوگا کہ بڑے گناہ باقی ہیں وہ سامنے لائے گئے تو کیا ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے ہر گناہ کے بدلہ اس کو ایک ایک نیکی دے دو یہ سن کر (خوشی کی وجہ سے اور یہ جان کر ہر گناہ پر ایک نیکی مل رہی ہے) یوں کہے گا ابھی تو میرے گناہ اور باقی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ رہا ہوں (وہ گناہ بھی پیش کئے جائیں اور ان کے بدلہ میں بھی ایک ایک نیکی دی جائے) یہ بات بیان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کو ایسی ہنسی آئی کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں نظر آ گئیں (مشکوٰۃ المصابیح ۴۹۲ از مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیئات کو حسنات سے بدلنے کا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے' اور ہر گناہ کی جگہ ایک ایک نیکی کا ثواب دیدیا جائے یہ مطلب نہیں کہ گناہوں کو نیکیاں بنا دیا جائے گا۔ کیونکہ برائی کبھی اچھائی نہیں بن سکتی اور بعض حضرات نے تبدیل السیئات بالحسنات کا یہ مطلب لیا ہے کہ گذشتہ معاصی توبہ کے ذریعہ ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کی جگہ بعد میں آنے والی طاعات لکھ دی جائیں گی **کمایشیر الیہ کلام کثیر من السلف** (ذکرہ صاحب الروح)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا (اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کرتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اخلاص سے توبہ کرتا ہے' اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہے اور نیکی پر رہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

قال صاحب الروح ای رجوعا عظیم الشان مرضیا عندہ تعالی ماحیا للعقاب محصلا للثواب

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایسا عظیم الشان رجوع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسندیدہ ہوتا ہے۔ سزا کو مٹانے والا اور ثواب کو حاصل کرنے والا ہو) اس آیت شریفہ میں توبہ کا طریقہ بتا دیا کہ پختہ عزم کے ساتھ توبہ کرے اور اللہ کی رضا کے کاموں میں لگے اور گناہوں سے خاص طور پر پرہیز کرے۔

عباد الرحمٰن کی دسویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو

جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے) جھوٹ کے کاموں سے وہ تمام کام مراد ہیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں' کوئی شخص گناہ کا کام کرے اس کی ممانعت سب ہی کو معلوم ہے جن مواقع میں گناہ ہو رہے ہوں ان مواقع میں جانا بھی ممنوع ہے' مشرکین کی عبادت گاہوں میں ان کے تہواروں میں اور ان کے میلوں میں نہ جائیں ۔ جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو' ناچ رنگ کی محفل ہو' شراب پینے پلانے کی مجلس ہو' ان سب مواقع میں اللہ کے بندے نہیں جاتے' گو اپنے عمل سے گناہ میں شریک نہ ہوں لیکن جب اپنے جسم سے حاضر ہو گئے تو اول تو اہل باطل کی مجلس میں اپنی ذات سے ایک شخص کا اضافہ کر دیا' جبکہ برائی کی مجلسوں میں اضافہ کرنا بھی ممنوع ہے' دوسرے ان مجالس میں شریک ہونے سے دل میں سیاہی اور قساوت آ جاتی ہے اور نیکیوں کی طرف جو دل کا ابھار ہوتا ہے اس میں کمی آ جاتی ہے' اگر بار بار ایسی مجلسوں میں حاضر ہو تو نیکیوں کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور نفس برائیوں سے مانوس ہوتا چلا جاتا ہے بیاہ شادیوں میں آج کل بڑے بڑے منکرات ہوتے ہیں ٹی وی ہے وی سی آر ہے تصویر کشی ہے فلمیں بنانا ہے' اور بھی طرح طرح کے معاصی ہیں ان میں شریک ہونے سے بچیں اور اپنے نفس اور روح کی حفاظت کریں' یورپ اور امریکہ میں مسلمان دوڑ دوڑ کر جا رہے ہیں وہاں ہوٹلوں میں اور کافروں کی محفلوں میں دوستوں کی مجلسوں میں طرح طرح کے گناہ ہوتے ہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے ننگے ناچ بھی ہوتے ہیں' ان سب میں حاضر ہونے سے اپنی جان کو بچانا لازم ہے ورنہ چند دن میں انہیں جیسے ہو جائیں گے۔ اعاذنا اللہ تعالٰی من ذلک

بعض حضرات نے لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا مطلب یہ لیا ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے یہ مطلب بھی الفاظ قرآنیہ سے بعید نہیں ہے' جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض روایات میں اسے اکبر الکبائر میں شمار فرمایا ہے حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن نماز فجر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے پھر آپ نے سورۃ الحج کی یہ آیت پڑھی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو اس حال میں کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہو' اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو (رواہ ابوداؤد)

عبادالرحمٰن کی گیارہویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں) یعنی برائی کی مجلسوں میں شریک ہونا تو درکنار اگر کبھی لغو اور بے ہودہ مجلسوں میں اتفاق سے ان کا گذر ہو جائے تو بھلے مانس ہو کر گذر جاتے ہیں یعنی جو لوگ لغو اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہوں ان کے عمل کو نفرت کی چیز جانتے ہوئے ان پر نظر ڈالے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بھلے آدمیوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جو وہاں کھڑا ہو گیا وہ تو شریک ہو گیا' اور اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شریر آدمی مجلس میں بلانے لگے یا بلاوجہ خواہ مخواہ کسی بات میں الجھ پڑے' خیریت اسی میں ہے کہ ادھر سے اعراض کرتے ہوئے گذر جائے اگر ان میں سے کوئی شخص چلتے ہوئے کو چھیڑ دے تو یوں سمجھ لے کہ مجھے نہیں کہا۔ عبادالرحمٰن کی بارھویں صفت

بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا۔

یعنی ان بندوں کی شان یہ ہے کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ تذکیر کی جاتی ہے یعنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور ان کے تقاضے پورے کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو ان پر گونگے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ مطلب یہ ہے کہ ان آیات پر اچھی طرح متوجہ ہوتے ہیں ان کے سمجھنے اور تقاضے جاننے کے لئے سمع و بصر کو استعمال کرتے ہیں ایسا طرز استعمال نہیں کرتے جیسے سنا ہی نہیں اور دیکھا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا قرآن کے معانی اور مفاہیم کو اچھی طرح سمجھا جائے اور ان کے تقاضوں پر پوری طرح عمل کیا جائے یہی اہل ایمان کی شان ہے۔

عبادالرحمٰن کی تیرھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ (اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما) یعنی انہیں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اس کا مفہوم بہت عام ہے بیویاں اور بچے سکھ سے رہیں آرام سے جئیں فرمانبردار بھی ہوں نیک بھی ہوں دین دار بھی ہوں انہیں دیکھ دیکھ کر دل خوش ہوتا ہو یہ سب آنکھوں کی ٹھنڈک میں شامل ہے۔

جو بندے نیک ہوتے ہیں انہیں اپنی ازواج و اولاد کی دینداری کی بھی فکر رہتی ہے وہ جہاں ان کے کھانے پینے کا فکر کرتے ہیں' وہاں انہیں دین سکھانے اور ان کی دینی تربیت کا بھی اہتمام کرتے ہیں' اگر بیوی بچے جسمانی اعتبار سے صحت مند ہوں اور انہیں کھانے پینے کو خوب ملتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کے نافرماں ہوں تو آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں بنتے بلکہ وبال بن جاتے ہیں۔ جب اولاد کو دین پر ڈالیں گے اور انہیں متقی بنائیں گے اور زندگی بھر انہیں دین پر چلاتے رہیں گے تو ظاہر ہے کہ اس طرح متقیوں کے امام اور پیشوا بنے رہیں گے۔

عبادالرحمٰن یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا (اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا دے) کوئی شخص متقیوں کا پیشوا اس وقت بن سکتا ہے جبکہ خود بھی متقی ہو دعا کا انحصار اسی پر نہیں ہے کہ ازواج اور اولاد ہی متقی ہوں انسان خود بھی متقی بنے جب انسان خود متقی ہوگا اور اپنے تقوے کو ہر جگہ کام میں لائے گا تو اس کی ازواج و اولاد اور احباب و اصحاب بھی متاثر ہوں گے اور اس کی دیکھا دیکھی تقوے پر آئیں گے اپنے خاندان اور کنبہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کا بھی پیشوا بننے کی سعادت حاصل ہوگی' معلوم ہوا کہ تقوے کے ساتھ دینی پیشوا بننے کی خواہش رکھنا اور اس کے لئے دعا کرنا شرعاً مذموم نہیں بلکہ محمود ہے جب کسی میں تقویٰ اور اخلاص ہوگا تو اس کی مشیخت اور ریاست اور امامت اس کے نفس میں کبر پیدا نہ ہونے دے گی۔

عبادالرحمٰن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کا آخرت کا مقام بتایا أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے) اس میں الغرفۃ جنس کے معنی میں ہے سورہ سبا میں فرمایا فَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ (سو یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

دوہری جزا ہے اور وہ بالا خانوں میں امن وامان کے ساتھ رہیں گے) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت والے اپنے اوپر بالا خانوں کے رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکدار ستارے کو دیکھتے ہو جو مشرق یا مغرب کی افق میں دور چلا گیا ہو اور یہ فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ) یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے منازل ہوں گے' ان کے علاوہ وہاں کوئی اور نہ پہنچے گا' آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی۔ (رواہ البخاری ص ۴۶۱)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر ان کے باطن سے اور باطن ان کے ظاہر سے نظر آتا ہے اللہ نے یہ بالا خانے اس شخص کے لئے تیار فرمائے ہیں جو نرمی سے بات کرے اور کھانا کھلائے اور کثرت سے روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلَامًا (یعنی یہ حضرات بالا خانوں میں آرام سے بھی ہوں گے اور معزز بھی ہوں گے ان کی بیش بہا نعمتوں کے ساتھ یہ بھی ہوگا کہ فرشتے انہیں زندگی کی دعا دیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہیں رکھے اور ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے اور فرشتے سلام بھی کریں گے) جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرشتے یوں کہیں گے کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ (تم پر سلام ہو خوش عیش رہو سو اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ)

خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ اچھی جگہ ہے ٹھہرنے اور رہنے کے لئے)

مومنین مخلصین کا انعام واکرام بتانے کے بعد فرمایا کہ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب تمہاری پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا) مفسرین کرام نے اس کے متعدد مفاہیم بتائے ہیں جن میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو تم جو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو اور اس کی عبادت کرتے ہو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری قدر و قیمت ہے اگر تم اس کی عبادت نہ کرتے تو تمہارے کوئی قدر قیمت نہ تھی ای لولا دعاء کم لما اعددت بکم' وھذا بیان لحال المومنین من المخاطبین (یعنی اگر تمہاری پکار نہ ہوتی تو میں تمہاری پرواہ نہ کرتا اور یہ مخاطب مومنین میں سے بعض کی حالت کے بیان کے لئے ہے) (روح المعانی)

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ (سوائے کافرو تم نے تکذیب کی) فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (سو عنقریب تمہیں سزا چپک کر رہے گی) یعنی تم پر اس کا وبال ضرور پڑے گا جو دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کی صورت میں سامنے آ جائے گا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لزام سے کفار قریش کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

ولقدتم تفسیر سورة الفرقان بحمده سبحانه وتعالٰی فی الاسبوع
الاخیر من شهر صفر الخیر ۱۴۱۶ ھ
والحمد لله رب العالمین والصلٰوة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی
آله واصحابه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَإِحْدَى عَشَرَ رُكُوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ شعراء مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

طٰسٓمّٓ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں، کیا ایسا ہونے کو ہے کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں، پھر ان کی گردنیں اس نشانی کی وجہ سے جھک جائیں، اور ان کے پاس

مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ

رحمٰن کی طرف سے جو بھی کوئی نصیحت آجاتی ہے تو اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں، سو انہوں نے جھٹلا دیا سو آجائیں گی

اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے، کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا اس میں ہم نے کتنی قسم کی اچھی

زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

اچھی بوٹیاں اگائی ہیں بلاشبہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾

رحمت والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی، اور مکذبین کے لئے وعید

تفسیر: علامہ بغوی معالم التنزیل ص ۳۸۱ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام کی جب اہل مکہ نے تکذیب کی تو یہ آپ کو شاق گذرا چونکہ آپ کو اس بات کی حرص تھی کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں اس لئے ان کی تکذیب سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ کو تسلی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ نازل فرمائی (جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنا کام کرتے رہیں، ان کے غم میں آپ کو جان ہلاک کرنا نہیں ہے)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم اگر چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل فرما دیں جسے یہ تسلیم کر لیں اور اس کی وجہ سے ان کی گردنیں جھک جائیں اور اس طرح سے جبراً و قہراً ایمان لے آئیں لیکن ایسا کرنا نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے تاکہ اپنے اختیار سے ایمان قبول کریں۔

اس کے بعد مخاطبین کی عام حالت بیان فرمائی کہ جب بھی رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو قبول کرنے کے بجائے اعراض کرتے ہیں' ان کے جھٹلانے اور آیات کا مذاق بنانے کا نتیجہ عنقریب ان کے سامنے آجائے گا یعنی تکذیب اور استہزاء کی سزا پائیں گے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آنے والے عذابوں کو انباء سے تعبیر فرمایا جو نبأ کی جمع ہے نبأ خبر کے معنی میں آتا ہے چونکہ قرآن عظیم نے پہلے سے تکذیب و استہزاء کے عواقب کی خبر دی ہے اس لئے اَنۡبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ فرمایا یعنی تکذیب پر عذاب آنے کی جو خبریں دی گئی تھیں ان کا ظہور ہو جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی شان ربوبیت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے زمین سے ہر قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں نکالی اور اگائی ہیں جنہیں بنی آدم اور حیوانات کھاتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں' آخر میں فرمایا اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور کمال قدرت پر بڑی نشانی ہے اور اکثر لوگ مانتے نہیں ہیں اور انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

آخر میں فرمایا وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ (اور آپ کا رب عزیز ہے غلبہ والا ہے) منکرین دین اور معاندین یہ نہ سمجھیں کہ ہم یوں ہی انتقام اور عذاب سے چھوٹے ہوئے رہیں گے' نیز اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے جو لوگ ابھی کفر شرک سے باز آجائیں ایمان قبول کرلیں ان پر رحم فرمائے گا۔

وَاِذۡ نَادٰى رَبُّكَ مُوۡسٰٓى اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس چلے جاؤ کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں ہیں'

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يُّكَذِّبُوۡنِ ؕ﴿۱۲﴾ وَيَضِيۡقُ صَدۡرِىۡ وَلَا يَنۡطَلِقُ لِسَانِىۡ

موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں' اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی

فَاَرۡسِلۡ اِلٰى هٰرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمۡ عَلَىَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ يَّقۡتُلُوۡنِ ۚ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذۡهَبَا

لہٰذا ہارون کو بھی پیغمبر بنا دیجئے اور مجھ پر ان لوگوں کا جرم ہے لہٰذا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر ڈالیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا

بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاۡتِيَا فِرۡعَوۡنَ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۱۶﴾

سو تم دونوں ہماری آیات لے کر جاؤ' بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں سننے والے ہیں' سو تم فرعون کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے

اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ

پیغمبر ہیں یہ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے اپنے پاس رکھ کر اس وقت نہیں پالا جب

عُمُرِكَ سِنِيۡنَ ۙ﴿۱۸﴾ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ الَّتِىۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ

تو نومولود تھا' اور تو ہمارے اندر اپنی عمر کے برسہا برس رہا ہے اور تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا اور تو ناشکروں میں سے ہے' موسیٰ نے جواب دیا

فَعَلۡتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ ؕ﴿۲۰﴾ فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِىۡ رَبِّىۡ

یہ فعل میں نے اس وقت کیا تھا جبکہ میں چوک جانے والوں میں سے تھا' سو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا جب مجھے تمہاری طرف سے ڈر لگا' سو میرے رب

حُكۡمًا وَّجَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلۡكَ نِعۡمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَنۡ عَبَّدتَّ بَنِىۡۤ

نے مجھے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرما دیا' اور وہ جو تو مجھ پر اپنا احسان جتلا رہا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی

اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ

اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا' فرعون نے کہا اور رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ رب العالمین وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے

اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَهٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ

ان سب کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو' فرعون اپنے آس پاس کے بیٹھنے والوں سے کہنے لگا کیا تم نہیں سنتے؟ موسیٰ نے کہا کہ وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں

الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَـكُمُ الَّذِىۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ

کا بھی رب ہے' فرعون نے کہا بلاشبہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے' موسیٰ نے کہا کہ وہ مشرق اور مغرب

وَالۡمَغۡرِبِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَـئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰهًا غَيۡرِىۡ لَاَجۡعَلَـنَّكَ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم سمجھتے ہو' فرعون نے کہا اگر تو نے میرے علاوہ کوئی معبود بنایا تو میں

مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِيۡنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكَ بِشَىۡءٍ مُّبِيۡنٍ ۚ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاۡتِ بِهٖۤ اِنۡ كُنۡتَ

ضرور ضرور تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا' موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح دلیل پیش کر دوں؟ فرعون نے کہا

مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ۚۖ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا

اگر تو سچوں میں سے ہے تو دلیل پیش کر دے' اس پر موسیٰ نے اپنی عصا ڈال دیا سو وہ اچانک واضح طور پر اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا سو وہ

هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۳۳﴾

اچانک دیکھنے والوں کے لئے سفید ہو گیا تھا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا فرعون کے پاس پہنچنا اور گفتگو کرنا

تفسیر: یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے جو بہت سی آیات پر مشتمل ہے ان میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما

السلام کے فرعون کے پاس جانے اور اس سے گفتگو کرنے کا تذکرہ ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ فرعون بنی اسرائیل کا دشمن تھا۔ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان کی جو لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں انہیں زندہ چھوڑ دیتا تھا' جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ اس بچہ کو ایک تابوت میں رکھ کر سمندر میں ڈال دو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اہل فرعون نے اس تابوت کو پکڑ لیا دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے' بچہ کو اٹھا لیا اور فرعون کی بیوی نے فرعون سے کہا اسے قتل نہ کرو ممکن ہے کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں' جب فرعون اس پر راضی ہو گیا تو دودھ پلانے والی عورت کی تلاش ہوئی موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں لیتے تھے جب ان کی والدہ نے تابوت میں رکھ کر انہیں سمندر میں ڈالا تو ان کی بہن کو پیچھے لگا دیا تھا کہ دیکھ یہ تابوت کدھر جاتا ہے' جب تابوت فرعون کے محل میں پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا تو ان کی بہن بول اٹھی کہ میں تمہیں ایسا خاندان بتا دیتی ہوں جو ان کی کفالت کر لے گا' ان لوگوں نے منظوری دے دی اور یہ جلدی سے اپنی والدہ کو لے آئیں' موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ قبول کر لیا اور اپنی والدہ کے پاس رہتے رہے' لیکن فرعون کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے رہتے تھے جب بڑے ہو گئے تو فرعون کے محل میں رہنا سہنا شروع ہو گیا اور وہاں کئی سال گزارے پھر جب اور بڑے ہو گئے تو ایک قبطی یعنی فرعون کی قوم کے ایک شخص کا ان کے ہاتھ سے قتل ہو گیا لہٰذا ایک شخص کے مشورہ دینے پر مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے وہاں ایک بزرگ کی لڑکی سے نکاح ہو گیا دس سال وہاں گزارے' اس عرصہ میں بکریاں چراتے رہے پھر جب اپنے وطن یعنی مصر کو واپس ہونے لگے تو اپنی بیوی کو ساتھ لیا جنگل بیابان میں کوہ طور کے پاس پہنچے (جو مصر اور مدین کے درمیان ہے) اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ راستہ بھی بھول گئے اور سردی بھی لگنے لگی کوہ طور پر آگ نظر آئی اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں جاتا ہوں تمہارے تاپنے کے لئے کوئی چنگاری لے آؤں گا یا کوئی راہ بتانے والا ہی مل جائے گا' وہ نار نہ تھی بلکہ نور الٰہی تھا وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت سے نواز دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اسے توحید کی دعوت دو وہ اور اس کی قوم ظالم لوگ ہیں' انہیں کفر و شرک سے اور اس کی سزا سے بچنا چاہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں اور ساتھ ہی یہ بات ہے کہ میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور زبان میں بھی روانی نہیں ہے اس لئے میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایئے اور میرے کام میں شریک فرمایئے' ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ میرے ذمہ ان کا ایک جرم ہے میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا اب ڈر ہے وہ مجھے اس کے بدلہ قتل نہ کر دیں' اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہوا تمہاری درخواست قبول کر لی گئی ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز کر دیا اور ان کو بھی تمہارے کام میں شریک کر دیا' اور تم اس بات کا خیال نہ کرو کہ وہ تمہیں قتل کر دے گا ایسا ہرگز نہ ہوگا تم دونوں جاؤ اسے حق کی دعوت دو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارا حال دیکھتے ہیں اور جو کچھ فرعون سے بات چیت ہوگی وہ سب ہم سنتے رہیں گے فرعون کے پاس پہنچو اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں' تو رب العالمین پر ایمان لا اور ہماری رسالت کو بھی تسلیم کر'

اور رب العالمین کے سوا کسی کو اپنا رب اور معبود مت بنا' اور ہمارا یہ بھی کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے اور اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لیا اور دونوں فرعون کے پاس پہنچے اسے توحید کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کو ساتھ بھیجنے کے لئے کہا' فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ جب تو چھوٹا سا بچہ تھا ہم نے تجھے پالا اپنی عمر کے کئی سال تم نے ہمارے ساتھ گزارے اور تو نے وہ حرکت کی جسے تو جانتا ہے (یعنی ایک قبطی کو قتل کر دیا) ہم نے جو تیری پرورش کی تو نے اس کا یہ بدلہ دیا اور شکر گزاری کی بجائے ناشکروں میں شامل ہو گیا' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ مجھ سے ایک شخص قتل ہو گیا تھا مجھ سے غلطی ہو گئی تھی (میں نے عمداً قتل نہیں کیا تھا اس کی ظالمانہ روش کو دیکھ کر تادیباً مکا مارا تھا وہ ایک مکا لگنے سے مر گیا میرا مقصود نہ مارنا تھا نہ کوئی ایک مکا میں مرتا ہے) تم لوگ میرے قتل کے مشورے کر رہی رہے تھے لہٰذا میں قتل کے ڈر سے بھاگ گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دانشمندی عطا فرمادی اور مجھے اپنے پیغمبروں میں شامل فرما دیا۔ اب جبکہ مجھے اللہ تعالیٰ کا فرمان لے کر تیرے پاس آنا ضروری ہوا' رہی یہ بات کہ تو نے میری پرورش کی تھی اور تو مجھ پر اس کا احسان جتا رہا ہے تو تجھے سمجھنا چاہئے کہ میری پرورش تجھے کیوں کرنی پڑی' نہ تو بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا نہ میں سمندر میں بہایا جاتا نہ تیرے گھر میں پہنچتا نہ تجھے پرورش کرنی پڑتی' تو نے جو بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اس کی وجہ سے تیرے گھر میں میری پرورش کرائی گئی' پھر یہ بھی تو دیکھ کہ میں نے ایک شخص کو قتل کیا میرا ایک شخص کا قتل کر دینا تیرے نزدیک قابل ذکر ہے اور تو نے جو بنی اسرائیل کے لڑکے کثیر تعداد میں قتل کئے اس کا تجھے کوئی دھیان نہیں اگر تو نے ایک لڑکے کی پرورش کر ہی دی تو کیا اس سے اس ظلم کو دبایا جا سکتا ہے جو تو نے بنی اسرائیل کیساتھ روا رکھا ہے۔

فرعون چونکہ اپنے ہی کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اپنی قوم کے لوگوں سے منواتا تھا اور یہ لوگ خالق حقیقی جل مجدہ کے منکر تھے اس لئے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا فرمانا کہ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اچھا نہ لگا اس نے سوال جواب کے ذریعہ ان کی بات کو رد کرنے اور اپنے درباریوں کو مطمئن رکھنے کے لئے سوالات شروع کر دیئے اس میں سے بعض سوال اور ان کے جواب سورہ طٰہٰ کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں اور کچھ یہاں شعراء میں ذکر فرمائے ہیں' فرعون کہنے لگا کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں یہ تو بتاؤ رب العالمین کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے دھڑک جواب دیا کہ رب العالمین جل مجدہ وہ ہے جو آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اس میں یہ بتا دیا کہ اے فرعون تو اور تیرے آس پاس کے بیٹھنے والے اور تیری مملکت کے سارے افراد تیری ساری مملکت اور ساری دنیا اور اس کے رہنے بسنے والے رب العالمین ان سب کا رب ہے' فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ بات کبھی نہ سنی تھی وہ اچنبھے کے طور پر اپنے درباریوں سے کہنے لگا اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (کیا آپ لوگ سن رہے ہیں کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (رب العالمین تمہارا بھی رب ہے اور تم سے پہلے جتنے باپ دادے گزرے ہیں ان سب کا بھی رب ہے) ایسی بات کانہ

بات سن کر فرعون سے کچھ بن نہ پڑا اور اپنے درباریوں سے بطور تمسخر یوں کہنے لگا کہ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ کہ یہ شخص جو اپنے خیال میں تمہارا رسول بن کر آیا ہے مجھے تو اس کے دیوانہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ (اللہ کے رسولوں کو دیوانہ اور جادوگر تو کہا جاتا ہی رہا ہے فرعون نے بھی یہ حربہ استعمال کر لیا) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات مزید آگے بڑھائی اور فرمایا کہ میں جس ذات پاک کو رب العالمین بتا رہا ہوں وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو تو اسے مان لو اب تو فرعون ظالمانہ کٹ حجتی پر آ گیا جو ظالموں کا شعار ہے اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ میرے سوا اگر تو نے کسی کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا تو جیل کاٹے گا اور وہاں کے مصائب میں مبتلا رہے گا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دلیل سے بات کرتا ہوں میرے پاس اللہ کی طرف سے اس بات کی نشانی ہے کہ میں اس کا پیغمبر ہوں اگر میں وہ نشانی پیش کر دوں تو پھر بھی جیل جانے کا مستحق ہوں؟ حضرت موسیٰ کے فرمانے پر فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو لاؤ نشانی پیش کرو' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو جو نشانیاں دی تھیں ان میں ایک تو لاٹھی کو زمین پر ڈلوا کر سانپ بنا دیا تھا پھر ان کے پکڑنے سے وہ دوبارہ لاٹھی بن گئی تھی جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں بیان ہو چکا ہے دوسرے ان سے فرمایا تھا کہ تم اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ داخل کرو انہوں نے ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ سفید ہو کر نکل آیا یہ سفیدی اس گورے پن سے کئی گنا زیادہ تھی جو عام طور سے گورے آدمیوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے' یہ دونوں نشانیاں دے کر فرعون کے پاس بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ فَذٰلِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ (سو یہ تمہارے رب کی طرف سے دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف لے کر جاؤ) فرعون نے نشانی طلب کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی وہ فوراً اژدہا بن گئی اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو خوب زیادہ سفید ہو کر نکلا دیکھنے والے اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۳ میں لکھا ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ کا ہاتھ چاند کے ٹکڑے کی طرح چمک رہا تھا' اس کے بعد فرعون نے مقابلہ کے لئے جادوگروں کو بلایا جیسا کہ آئندہ رکوع میں مذکور ہے۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

قوم کے سردار جو فرعون کے آس پاس موجود تھے ان سے فرعون نے کہا کہ بلاشبہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے

بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾

نکال دے۔ سو بتاؤ تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں اپنے کارندوں کو بھیج دو

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ

جن کا یہ کام ہو کہ لوگوں کو جمع کریں تمہارے پاس ہر بڑے ماہر جادوگر کو لے آئیں' سو ایک مقررہ دن کے خاص وقت پر جادوگر جمع کئے گئے اور لوگوں سے کہا گیا

أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَٰلِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

تم جمع ہونے والے ہو؟ شاید ہم جادوگروں کی راہ کو قبول کر لیں اگر وہ غالب ہو جائیں گے' جب جادوگر آئے تو انہوں نے

قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَٰلِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ

فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب ہو گئے تو کیا یقینی طور پر ہمیں کوئی بڑا انعام ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس

إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ

صورت میں تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ڈال دو جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو ان لوگوں نے اپنی رسیاں

وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَٰلِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ

اور لاٹھیاں ڈال دیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر بولے کہ بلاشبہ ہم ہی غالب ہوں گے۔ سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔

فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَٰجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٤٧﴾

سو اچانک وہ ان لوگوں کے بنائے ہوئے دھندے کو نگلنے لگا پھر جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ﴿٤٨﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي

جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کیا تم اس پر اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بیشک بات یہ ہے کہ یہ تم سب کا بڑا ہے

عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَٰفٍ

جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے' سو یہ ضروری بات ہے کہ تم عنقریب جان لو گے میں ضرور ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور پاؤں کو مخالف جانب سے کاٹ دوں گا

وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ

اور ضرور ضرور تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا' انہوں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں

أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَٰيَٰنَآ أَن كُنَّآ أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو اس وجہ سے بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے فرعون کا جادوگروں کو بلانا' مقابلہ ہونا اور جادوگروں کا شکست کھا کر ایمان قبول کرنا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب وسوال سے عاجز ہو کر اور دو بڑے معجزے دیکھ کر فرعون کی شکست تو

اسی وقت ہوگئی لیکن اس نے اپنی خفت مٹانے اور درباریوں کو مطمئن رکھنے اور ان کے ذریعہ ساری قوم کو اپنی فرمانبرداری پر جمائے رکھنے کے لیے سرداروں سے کہا جو اس وقت وہاں دربار میں موجود تھے کہ سمجھ میں آ گیا یہ تو ایک بڑا ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ تمہیں مصر کی سرزمین سے نکال دے اور اپنی قوم کا بڑا بن کر ان کو ساتھ لے کر حکومت کرنے لگے۔ تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ سورہ اعراف میں ہے کہ یہ بات قوم فرعون کے سرداروں نے کہی تھی اور یہاں اس بات کو فرعون کی طرف منسوب فرمایا۔ بات یہ ہے کہ بادشاہ جو کچھ کہتے ہوں ان کے درباری خوشامدی بھی اس بات کو دہراتے ہوئے تائید میں وہی الفاظ کہہ دیتے ہیں جو بادشاہ سے سنے ہوں۔

جب مشورہ میں بات ڈالی گئی تو آپس میں یہ طے پایا کہ تمہاری قلم رو میں جتنے بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر ہیں ان سب کو جمع کرو اور اس مقصد کے لئے اپنے سارے شہروں میں کارندے بھیج دو جو ہر طرف سے جادوگروں کو جمع کر کے لے آئیں اور اس شخص کو جو جادو لے کر سامنے آیا ہے اور اس کے بھائی کو سردست مہلت دو۔ جب جادوگر آ جائیں گے تو مقابلہ کرالیا جائے گا۔

شہروں میں آدمی بھیجے گئے انہوں نے بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو سمیٹنا شروع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کا دن اور وقت طے کرنے کی بات کی گئی انہوں نے فرمایا **مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى** تمہارے لئے یوم الزینہ یعنی میلے کا دن مقرر کرتا ہوں چاشت کے وقت مقابلہ ہوگا جادوگر آئے اور جیسے اہل دنیا کا طریقہ ہوتا ہے انہوں نے وہی دنیاداری کی باتیں شروع کر دیں اور فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہمیں اس کی وجہ سے کوئی بڑا انعام اور کوئی عظیم صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا کیوں نہیں تم تو پوری طرح نوازے جاؤ گے۔ نہ صرف یہ کہ تمہیں بڑے انعام سے سرفراز کیا جائے گا بلکہ تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

مقررہ دن اور مقررہ وقت میں ایک بڑے کھلے میدان میں مصر کے عوام اور خواص جمع ہوئے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی پہنچے جادوگر بھی اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں لے کر آئے، مصر کے لوگوں میں دین شرک مشہور مروج تو تھا ہی لیکن ساتھ ہی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دعوت توحید کا بھی چرچا ہو چلا تھا اب لوگوں میں یہ بات چلی کہ دیکھو کون غالب ہوتا ہے۔ اگر جادوگر غالب ہو گئے تو ہم انہیں کی راہ پر یعنی دین شرک پر چلتے رہیں گے جس کا داعی فرعون ہے اس کے ساتھ یوں بھی کہنا چاہئے تھا کہ یہ دونوں بھائی موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) غالب ہو گئے تو ان کا دین قبول کرلیں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی ہیبت کی وجہ سے یہ بات زبانوں پر نہ لا سکے گو لفظ **لَعَلَّنَا** سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ انہوں نے یقین کے ساتھ نہیں کہا کہ ہم جادوگروں کا اتباع کرلیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ جادوگر غالب ہونے والے نہیں ہیں۔

جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ بولو کیا رائے ہے تم پہلے اپنی لاٹھی ڈال کر سانپ بنا کر دکھاتے ہو یا ہم پہلے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں؟ (جادوگروں کا یہ سوال سورہ طٰہٰ میں مذکور ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ پہلے تم ہی

ڈالو۔ میں بعد میں ڈالوں گا۔ لہٰذا جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں۔ رب العالمین جل مجدہ کے ماننے والوں میں تو تھے نہیں لہٰذا انہوں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ ہماری ہی فتح ہے اور ہم غالب ہونے والے ہیں۔

اس کے بعد سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا وہ عصا اژدھا بن گیا اور نہ صرف یہ کہ اژدھا بن گیا بلکہ جادوگروں نے جو اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کے سانپ بنائے تھے ان سب کو نگلنا شروع کر دیا' اب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہو گئے انہوں نے یقین کر لیا کہ موسیٰ اور ان کا بھائی علیہما السلام جادوگر نہیں ہیں ہم اتنے زیادہ جادوگر ہیں اور جادو میں ماہر بھی ہیں ان کے مقابلہ میں ہم سب کا جادو دھرا رہ گیا ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جب یہ اپنی بات میں سچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ان کا سچا ہونا ہم پر واضح ہو گیا تو ان پر ایمان لانا ضروری ہے ان کے دلوں میں حق قبول کرنے کا جذبہ ایسے زور سے ابھرا کہ بے اختیار سجدہ میں گر گئے جیسا کہ کوئی کسی کو پکڑ کر سجدہ میں ڈال دے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ (اس وقت ان کا اجمالی ایمان ہی کافی تھا)

اب تو فرعون کی خفت اور ذلت کی انتہا نہ رہی جن لوگوں کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے مقابلہ کے لئے بلایا تھا وہی ہار مان گئے اور ان دونوں پر ایمان لے آئے لہٰذا اپنی خفت مٹانے کے لئے فرعون نے وہی دھمکی والی چال چلی جو بادشاہوں کا طریقہ رہا ہے' اول تو اس نے یوں کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر ان پر ایمان لے آئے (حالانکہ دین وایمان ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے دلوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا قبضہ ہے کسی مخلوق کا قبضہ نہیں ہے گو بادشاہ اپنی سرکشی اور طغیانی میں یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ دلوں پر بھی ہمارا قبضہ رہنا چاہئے اور ہمارے عوام اسی دین کو قبول کریں جس کے ہم داعی ہیں' جب حق دلوں میں اپنی جگہ کر لیتا ہے تو کسی بھی صاحب اقتدار اور صاحب تسلط سے نہیں ڈرتا وہ صرف معبود حقیقی جل مجدہ سے ڈرتا ہے اور اسی سے امید رکھتا ہے)

فرعون نے دوسری بات یہ کہی کہ تم نے جو ہار مان لی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کو اسی شخص نے جادو سکھایا ہے اور یہی تمہارا بڑا ہے تم نے یہ ملی بھگت کی ہے کہ ہار جیت کا مصنوعی سوانگ دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لو ابھی دیکھو تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور تم کو سولی پر لٹکا دوں گا' چونکہ جادوگروں پر پوری طرح حق واضح ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے فرعون کی دھمکی کا کچھ اثر نہ لیا بلکہ فرعون کو منہ توڑ جواب دیا اور یوں کہا کہ کوئی حرج کی بات نہیں بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ جانے والے ہیں (پروردگار عالم کی طرف سے جو ایمان پر صلہ ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کی ذرا سی تکلیف کی کوئی حیثیت نہیں) بلاشبہ ہم اللہ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو اس وجہ سے معاف فرما دے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں میدان مقابلہ میں جو لوگ حاضر تھے ان میں سب سے پہلے جادوگر ایمان لائے اس اعتبار سے انہوں نے اپنے کو اول المومنین سے تعبیر کیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو ساتھ لے کر راتوں رات چلے جاؤ بلاشبہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا' پھر فرعون

حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا

نے شہروں میں اہل کار بھیج دیئے' بلاشبہ یہ تھوڑی سی جماعت ہے اور انہوں نے ہم کو غصہ دلایا ہے' اور بلاشبہ

لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾

ہم سب خطرہ رکھنے والے ہیں' سو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ جائے قیام سے نکال دیا'

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ

یہ بات اسی طرح سے ہے' اور یہ چیزیں ہم نے بنی اسرائیل کو دے دیں' سو سورج نکلنے کے وقت ان کے پیچھے جا پہنچے پھر جب دونوں جماعتوں نے

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾

آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا یقینی بات ہے کہ ہم تو پکڑ لئے گئے' موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے'

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ

وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا' سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی کو مارو' سو وہ پھٹ گیا ہر حصہ اتنا بڑا تھا

الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾

جیسے بڑا پہاڑ' اور ہم نے اس موقعہ پر دوسروں کو قریب کر دیا' اور ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب کو نجات دی'

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾

پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے'

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾

بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے رحمت والا ہے۔

بحکم الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو ہمراہ لے کر راتوں رات چلا جانا اور فرعون کا پیچھا کرنا' پھر لشکروں سمیت غرق ہونا

تفسیر: سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا حکم ہوا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر مصر سے نکل جاؤ اور سمندر کی طرف جانا سمندر پر پہنچو گے تو اسے خشک پاؤ گے۔ اپنی قوم کو لے کر گزر جانا تمہارے پیچھے تمہارا دشمن لگے گا بے فکر رہنا اور نڈر رہنا کما قال تعالیٰ فی سورۃ طٰہٰ لَا تَخَافُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰی' حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر چل دیئے فرعون کو پہلے سے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ مصر سے نہ نکل جائیں' وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی تو سمجھ ہی چکے تھے گو زبان سے نہیں مانتے تھے جسے عناد ہو وہ حق کو حق سمجھ کر بھی باطل پر اڑا رہتا

ہے' فرعون کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ بنی اسرائیل ایک دن مصر کو چھوڑ کر چل دیں گے جب اس کو علم ہوا کہ بنی اسرائیل نکل چکے ہیں تو اس نے اپنے ملک کے شہروں میں کارندے دوڑا دیئے جو ایسے لوگوں کو جمع کر کے لائیں جو اس بات کی کوشش میں مدد دے سکیں کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے نہ پائیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی رعیت کو یہ بھی یقین دلایا کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں' ہمیں ان پر قابو پانا آسان ہے اول تو ہماری رعایا ہیں دوسرے انہوں نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ انہوں نے ہمیں غصے میں ڈالا ہے ہم انہیں آزاد چھوڑنے والے نہیں ہیں اپنے ملک سے انہیں نکلنے نہیں دیں گے ہم ان کی طرف سے پوری طرح محتاط ہیں ان کے نکل جانے کا جو خطرہ ہے ہم ان سے غافل نہیں ہیں' یہ حاذرون کا ایک مطلب ہے' دوسرا مطلب صاحب روح المعانی نے بعض مفسرین سے (جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں) یہ نقل کیا ہے کہ ہم پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔

فرعون کو بنی اسرائیل کی روانگی کا پتہ چلا تو اس نے اپنے لشکروں کو جمع کیا جو بھاری تعداد میں تھے لشکروں کا جمع ہونا پھر بنی اسرائیل کا پیچھا کرنا اس میں اتنی دیر لگ گئی کہ بنی اسرائیل سمندر کے کنارہ تک پہنچ چکے تھے ادھر فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ پہنچا یہ ایسا وقت تھا کہ سورج کی روشنی پھیل چکی تھی بنی اسرائیل نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو دیکھا اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے بنی اسرائیل کو دیکھا' پہلی جماعت یعنی بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ کہ ہم تو دھر لئے گئے دشمن اپنے لشکروں سمیت پہنچ گیا ہے ہم سے قریب تر ہے اب تو ہم پوری طرح ان کے نرغہ میں ہیں' سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالکل ہی مطمئن تھے انہوں نے فرمایا کلا ہرگز نہیں (یعنی ہم پکڑے نہیں جا سکتے)

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور راہ بتائے گا) موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ شانہ' کا حکم ہوا کہ سمندر میں اپنی لاٹھی مار دو چنانچہ انہوں نے لاٹھی دریا پر ماردی' اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سمندر پھٹ گیا اور جگہ جگہ پانی ٹھہر گیا اور راستے نکل آئے پانی کے ٹھہرنے سے جگہ جگہ جو ٹکڑے بنے وہ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے کوئی بڑا پہاڑ ہو ان ٹکڑوں کے درمیان راستے نکل آئے اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان راستوں سے پار ہو گئے فرعون جو اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے سے آ رہا تھا اس نے یہ نہ سوچا کہ یہ سمندر تو کبھی ٹھہرا نہیں اس میں کبھی راستے نہیں بنے یہ راستے کیسے بن گئے؟ اگر غور کرتا تو اس کی سمجھ میں آ جاتا کہ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ ہے اور وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اگر اس وقت بھی ایمان لے آتا تو ڈوبنے کی مصیبت سے دوچار نہ ہوتا' لیکن اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنے لشکر کو لے کر بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر میں داخل ہو گیا بنی اسرائیل پار ہو کر دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت ڈوب گیا جب اس کا پورا لشکر سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ شانہ' نے سمندر کو حکم دے دیا کہ آپس میں پانی کے سب ٹکڑے مل جائیں اور جو خشک راستے بن گئے تھے وہ ختم ہو جائیں چنانچہ سمندر کے ٹکڑے آپس میں مل گئے

فرعون خود بھی ڈوبا اپنے لشکر کو بھی لے ڈوبا جب ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا اور کہنے لگا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں) اللہ پاک کا ارشاد ہوا آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ تو فساد کرنے والوں میں سے تھا)

الحاصل اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق فرما دیا۔ فرعون اپنی اکڑ مکڑ کے ساتھ یہ سمجھ کر نکلا تھا اور اپنے لشکروں کو ہمراہ لیا تھا کہ بنی اسرائیل کو ابھی ابھی پکڑ کر لے آئیں گے، اپنے باغوں کو اور چشموں کو اور خزانوں کو اور عمدہ مکانوں کو چھوڑ کر نکلے تھے اور خیال یہ تھا کہ ابھی واپس آتے ہیں، یہ خبر نہ تھی کہ اب لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا تمام نعمتوں سے محروم ہوئے ڈوبے اور دریا برد ہوئے دنیا بھی گئی اور آخرت کا دائمی عذاب اس کے علاوہ رہا، فرعون جیسے دنیا میں بنی اسرائیل کو پکڑنے کے لئے اپنے لشکر سے آگے آگے جا رہا تھا اسی طرح قیامت کے دن دوزخ میں جاتے ہوئے اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا كما قال تعالىٰ فی سورة هود عليه السلام يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (فرعون قیامت کے دن دوزخ کی طرف جاتے ہوئے اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا سو وہ انہیں دوزخ میں وارد کر دے گا)

فرعون اور فرعون کے ساتھی باغوں اور چشموں اور خزانوں اور اچھے مکانوں سے محروم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کو عطا فرما دیں، صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسرائیل کو وارث بنانے کے بارے میں اولاً تو مفسر واحدی سے یوں نقل کیا ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ غرق ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو واپس مصر بھیج دیا اور قوم فرعون کے جو اموال اور جائیدادیں اور رہنے کے گھر تھے وہ سب بنی اسرائیل کو عطا فرما دیئے حضرت حسن سے بھی یہی بات نقل کی ہے اور ایک یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واپس چلے گئے تھے اور وہاں جا کر قوم فرعون یعنی قبطیوں کے اموال پر قابض ہو گئے تھے اور باقی لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف چلے گئے اور ایک قول یہ لکھا ہے کہ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ کا یہ مطلب نہیں کہ سمندر سے نجات پانے کے بعد اسی وقت مصر کو واپس لوٹ گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد انہیں مصر میں اقتدار مل گیا اور مذکورہ چیزیں ان کے قبضہ میں آ گئیں لیکن اقتدار اور قبضہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا۔

احقر کے خیال میں یہی بات صحیح ہے کیونکہ آیتوں میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ انہیں فوراً ہی مصر میں اقتدار مل گیا اور اس قول کے مطابق جنات اور عیون اور کنوز کے بارے میں یوں کہا جائے گا کہ الفاظ جنس کے لئے استعمال ہوئے ہیں عین وہی چیزیں مراد نہیں ہیں جو فرعون اور ان کے ساتھیوں نے چھوڑی تھیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً (بلاشبہ اس میں بہت بڑی نشانی ہے) وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان میں اکثر لوگ ایمان

لانے والے نہیں ہیں) وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (اور بلاشبہ آپ کا رب عزت والا ہے رحمت والا ہے) وہ گرفت فرمانے پر بھی قادر ہے اور رحم بھی فرماتا ہے مومن بندوں کو اس کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہئے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ

اور آپ ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا

أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ

کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے پاس جمع رہتے ہیں ابراہیم نے کہا کہ کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا

يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ

یہ تمہیں نفع دیتے ہیں یا ضرر دیتے ہیں؟ وہ لوگ کہنے لگے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے' ابراہیم نے کہا کیا تم نے ان کو دیکھا

مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ

کہ تم اور تمہارے باپ دادے جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو سو بے شک وہ میرے دشمن ہیں سوائے رب

الْعَالَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا

العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہ مجھے ہدایت دیتا ہے اور مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي

بیمار ہو جاؤں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرا قصور معاف

خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ

فرمادے گا' اے میرے رب مجھے حکم عطا فرمائیے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمائیے' اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ

لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِأَبِي

میرا ذکر باقی رکھئے' اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں بنا دیجئے اور میرے باپ کی مغفرت فرمائیے

إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾

بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے' اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجئے گا جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے'

إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾

سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے پاس آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا' اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت بیان کرنا اور بارگاہ خداوندی میں دعائیں پیش کرنا

تفسیر: یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت توحید اور قوم کی تبلیغ کا بیان شروع ہو رہا ہے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء نقل فرمائی ہے جو انہوں نے اللہ جل شانہ سے اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے کی تھی۔ انہوں نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا' ان لوگوں نے جو بے تکے جواب دیئے اس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مواقع میں کیا گیا ہے یہاں جو مکالمہ مذکور ہے قریب قریب اسی طرح کی گفتگو سورۃ الانبیاء علیہم السلام (ع ۵) میں بھی گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے معلوم تھا کہ یہ لوگ بتوں کے پجاری ہیں بظاہر اس سوال کی حاجت نہ تھی لیکن انہوں نے سوال اس لئے فرمایا کہ جواب دیتے وقت ان کے منہ سے ان کی پرستش کا اقرار ہو جائے اور پھر وہ ان کے اقرار کو بنیاد بنا کر اگلا سوال کر سکیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں وہ لوگ کہنے لگے ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور انہی پر دھرنا دیئے بیٹھے رہتے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ جو تم ان کی عبادت کرتے ہو اس میں تمہیں کیا فائدہ نظر آتا ہے؟ تم جب ان کو پکارتے ہو اور ان سے کسی حاجت کے پورا ہونے کا سوال کرتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں اور کیا تمہارے عبادت کرنے کی وجہ سے تمہیں کوئی نفع پہنچاتے ہیں اور کیا ان کی عبادت ترک کر دینے سے کوئی ضرر پہنچا دیتے ہیں؟ وہ لوگ یہ جواب تو دے نہ سکے کہ وہ بات سنتے ہیں یا کوئی نفع ضرر پہنچا سکتے ہیں اور اس طرح کا کوئی جواب ان کے پاس تھا بھی نہیں' لامحالہ مجبور ہو کر وہی بات کہہ دی جو مشرکوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے ہیں یعنی دلیل اور سند تو کوئی ہمارے پاس نہیں باپ دادوں کو جو کچھ کرتے دیکھا ہم بھی وہ کرنے لگے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اور تمہارے پرانے باپ دادے جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں کچھ تو غور کیا ہوتا' یہ کیسی نہ سمجھی کی بات ہے کہ جو چیز نہ سنے اور نہ دیکھے نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے اس کو معبود بنا بیٹھے' وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے جو اپنی عبادت کرنے والے سے بھی کمتر ہو' یہ تو رہی تمہاری بات' رہا میں' تو میرے نزدیک یہ بات ہے کہ یہ میرے دشمن ہیں اگر میں ان کی عبادت کرنے لگوں تو ان کی عبادت کی وجہ سے مجھے سخت نقصان پہنچے گا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی رب بنا رکھے ہیں وہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے وہ سب ان کے دشمن ہیں' ہاں جو لوگ صرف رب العالمین جل مجدہ کی عبادت میں مشغول ہیں وہی نفع میں ہیں' رب العالمین جل مجدہ ان کا ولی ہے اور وہ اپنے رب کے اولیاء ہیں (یہ جو فرمایا فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ یہ انہوں

نے اپنے اوپر رکھ کر کہا اور مقصود یہ تھا کہ یہ باطل معبود تمہارے دشمن ہیں دعوت تبلیغ کا کام کرنے والے مختلف اسالیب بیان اختیار کرتے رہتے ہیں) اس کے بعد رب العالمین جل مجدہ کی صفات جلیلہ بیان فرمائیں اور مشرکین کو بتادیا کہ دیکھو میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اسی کی عبادت کرو۔

اولاً یوں فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ (جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی صحیح راہ بتاتا ہے)

ثانیاً: وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ (اور جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے)

ثالثاً: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (اور جب میں مریض ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے)

رابعاً: وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ (اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا)

خامساً: وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (اور جس سے میں اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ وہ انصاف کے دن میں قصور کو معاف فرمادے گا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین جل مجدہ کی صفات جلیلہ بیان فرما کر بتادیا کہ دیکھو میں ایسی عظیم ذات کی عبادت کرتا ہوں تمہارے معبودوں میں ان میں سے ایک صفت بھی نہیں ہے پھر تم انہیں کیسے پوجتے ہو؟ نیز یہ بھی بتادیا کہ یہی دنیا سب کچھ نہیں ہے اس کے بعد موت بھی ہے اور موت کے بعد زندہ ہونا بھی ہے اور انصاف کے دن کی پیشی بھی ہے، ہاں رب العالمین کے منکروں اور باغیوں کو عذاب ہوگا اگر اسی دنیا میں توبہ کرلی جائے تو رب العالمین جل مجدہ خطاؤں کو معاف فرمادے گا۔ سب سے بڑا گناہ کفر و شرک ہے اس سے باز آجاؤ تاکہ انصاف کے دن گرفت نہ ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اپنے اوپر رکھ کر ان لوگوں کو بتادی اور سمجھادی اس سے اہل ایمان کو بھی سبق لینا چاہئے کہ جب جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے کو خطاء وار سمجھ رہے ہیں اور رب العالمین جل مجدہ سے بخشش کی لو لگائے ہوئے ہیں تو عام مومنین کو تو اور زیادہ اپنے کو قصور وار سمجھنا لازم ہے۔ اپنے کو خطا کار بھی سمجھیں اور مغفرت کی دعائیں بھی کرتے رہیں اور بخشش کی امید بھی رکھیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا تذکرہ فرمایا رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا (اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما) لفظ حکم کی تفصیل میں کئی قول ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے حکمت مراد ہے یعنی قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی خیر کا علم عطا فرمائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حکم سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا اور اس کے تمام احکام کا علم مراد ہے تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حکم سے نبوت مراد ہے لیکن یہ بات اس صورت میں تسلیم کی جاسکتی ہے جبکہ دعائے مذکور کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے ہوں (راجع روح المعانی ج ۱۹ ص ۹۸)

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (اور مجھے صالحین میں شامل فرما) یعنی مجھے ان حضرات میں شامل فرمادے جن کے علوم

اور اعمال آپ کے نزدیک مقبول ہوں کیونکہ کتنا ہی علم ہو اور کیسا ہی عمل ہو مقبولیت عند اللہ کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ میرا ذکر باقی رکھئے) یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو میرے بعد آئیں گے اور ان کی جو امتیں ہوں گی ان میں میرا ذکر اچھائی سے ہوتا رہے یہ شرف مجھے ہمیشہ عطا فرمائیے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی ان کے بعد جتنے بھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے سب انہیں کی ذریت میں سے تھے ساری امتوں نے انہیں خیر کے ساتھ یاد کیا اور امت محمدیہ علی صاحبہا وسلم کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خصوصی تعلق ہے اسے تو سب ہی جانتے ہیں اللہ جل شانہٗ نے خاتم الانبیاء ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کا اتباع کیجئے) اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام ہیں اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجے کا ذکر ہوتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کی جاتی ہے کہ اے اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کی آل پر صلوٰۃ اور برکت بھیجئے جیسا کہ آپ نے ابراہیم اور ان کی آل پر صلوٰۃ اور برکت بھیجی وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ (اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے بنا دیجئے) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی نیک ہو اسے بہر حال جنت نصیب ہونے کی دعا کرتے رہنا چاہئے اپنے اعمال پر گھمنڈ نہ رکھے۔

وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ (اور میرے باپ کی مغفرت فرمائیے بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے) یعنی میرے باپ کو ایمان کی توفیق دیجئے اور اس طرح مغفرت کے قابل بنا کر اس کی مغفرت فرما دیجئے اس بارے میں مزید کلام سورہ توبہ کی آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ اور سورہ ابراہیم کی آیت رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے پاس آئے) اس سے معلوم ہوا کہ جنت النعیم حاصل ہونے کی دعا کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن رسوا نہ فرمائے جنت میں تو کوئی رسوائی نہیں ہے اس سے پہلے رسوائی ہو سکتی ہے جیسا کہ بہت سے گناہ گاروں کے ساتھ ایسا ہوگا کہ قیامت کے دن رسوائی اور ذلت اور عذاب میں مبتلا ہوں گے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دن بھی باعزت ہوں گے دوسرے اشخاص اس سے عبرت حاصل کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آذر سے ملاقات ہو جائے گی آذر کا چہرہ بے رونق اور سیاہی والا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے

فرمائیں گے کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر، اس پر ان کا باپ کہے گا کہ آج حکم دو میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا' اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرمایا کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رسوا نہ کریں گے سو اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ ہلاک ہو (یعنی کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے والا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے پھر ابراہیم سے خطاب ہوگا کہ اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو وہ نظریں ڈالیں گے تو انہیں ایک بالوں سے بھرا ہوا بجو نظر آئے گا جو (آلائش میں) آلودہ ہوگا (یہ ان کا باپ ہوگا جس کی صورت مسخ کر دی جائے گی) اس بجو کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (رواہ البخاری ص ۴۷۳)

جب صورت مسخ ہو جائے گی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے نفرت ہو جائے گی اور رسوائی کا خیال ختم ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن کی رسوائی سے محفوظ رہنے کے لئے جو دعا کی اس میں قیامت کے دن کا حال بتاتے ہوئے یوں بھی فرمایا لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ (کہ وہ ایسا دن ہوگا جس دن نہ مال کام دے گا نہ اولاد کام دے گی) اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال جمع کرنے اور اپنے پیچھے اولاد کو مالدار بنا کر چھوڑنے کے جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کرتے' حرام مال تو وبال ہے ہی وہ حلال مال بھی آخرت میں وبال ہوگا جس سے فرائض اور واجبات ادا نہ کئے گئے ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ کیا گیا ہو یہ نافرمانیاں بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے سلسلہ میں بھی ہوتی ہیں' خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے ہاں اگر کسی نے مال کو حلال طریقہ سے کمایا اور شرعی طریقوں پر خرچ کیا اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے دین پر ڈالا تو یہ نیک کام نفع مند ہوں گے' اسی کو فرمایا کہ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (کہ جو شخص قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اس کے اموال اور اس کی اولاد اس کے لئے فائدہ مند ہوں گے) یعنی قلب سلیم کا اخلاص نیک اولاد اور اعمال صالحہ اموال طیبہ ہی نافع ہوں گے۔

والکلام علی تقدیر مضاف الی من ای لا ینفع مال ولا بنون الا مال وبنو من اتی اللہ بقلب سلیم حیث انفق مالہ فی سبیل البر وار شد بنیہ الی الحق وحثہم علی الخیر وقصدبھم ان یکونوا عباد اللہ تعالیٰ مطیعین شفعاء لہ یوم القیامۃ (اور کلام میں من کا مضاف مقدر ہے مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد نفع نہیں دیں گے مگر اس آدمی کا مال واولاد نفع دیں گے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سلیم دل لے کے آئے گا اس طرح کہ اس نے اپنا مال نیکی میں خرچ کیا ہو۔ اپنی اولاد کو حق کا راستہ دکھایا ہو اور انہیں بھلائی پر تیار کیا ہو اور ان سے اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بنیں۔ قیامت کے دن اس کی سفارش کریں) (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۰۰)

فائدہ: حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر اچھائی کے ساتھ ہو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں اپنے بارے میں اچھا تذکرہ ہونے کی آرزو رکھنا مومن کے بلند مقام کے خلاف نہیں ہے' اعمال خیر کرتا رہے اور صرف اللہ کی رضا کے لئے اعمال صالحہ میں مشغول ہو ریا کاری کے جذبات نہ ہوں اور یہ بھی نہ ہو کہ لوگ میرے اعمال کو دیکھ کر میری تعریف کریں اعمال صرف اللہ کے لئے ہوں اور یہ دعا اس کے علاوہ ہو کہ لوگوں میں میرا تذکرہ خوبی کے ساتھ ہو یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں' رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی مخلص نہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

یہ دعا کی اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا (اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنادے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنادے)

اس میں کبر نفس کا علاج ہے جب اپنے چھوٹا ہونے کا خیال رہے گا تو لوگوں کے تعریف کرنے سے کبر میں مبتلا نہ ہوگا ہاں اتنا خیال رہنا بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو حقیر نہ جانے اور جھوٹی تعریف کا بھی متمنی نہ ہو۔

اپنے لئے ثنائے حسن کی آرزو رکھنا جبکہ (شرائط کے ساتھ ہو) جائز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیں کہ اپنی ذات کو برائی کے ساتھ مشہور کرنا بھی کوئی ہنر اور کمال کی بات نہیں ہے بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ نیک بھی ہوتے ہیں اور گناہوں سے بھی بچتے ہیں لیکن اگر کسی غلط فہمی سے بدنامی ہونے لگے تو اس کی پرواہ نہیں کرتے اگر کوئی شخص توجہ دلائے کہ اپنی صفائی پیش کریں تو کہہ دیتے ہیں کہ میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں جو میری طرف برائی منسوب کرے گا خود غیبت میں مبتلا ہوگا اس کا اپنا برا ہوگا اور مجھے غیبت کرنے والوں کی نیکیاں ملیں گی میں کیوں صفائی دوں؟ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اپنی آبرو کی حفاظت کرنا بھی اچھا کام ہے اور لوگوں کو غیبت اور تہمت سے بچانا ان کی خیر خواہی ہے بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اے اللہ مجھے اچھے اعمال سے متصف فرمائیے اور ان اعمال کو میرے بعد کے آنیوالوں میں باقی رکھئے جو میرا اتباع کریں اس سے لوگ مجھے اچھائی سے یاد کریں گے اور ان کے اعمال صالحہ کا ثواب بھی ملے گا جبکہ ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿۹۱﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ

اور متقیوں کے جنت قریب کردی جائے گی اور گمراہوں کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی، اور ان سے کہا جائے گا کہ اللہ کو چھوڑ کر تم

تَعْبُدُونَ ﴿۹۲﴾ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿۹۴﴾

جنکی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں، پھر وہ لوگ اور گمراہ لوگ

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿۹۵﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿۹۶﴾ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ

اور ابلیس کے لشکر سب اس میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے، وہ لوگ دوزخ میں ہوتے ہوئے آپس میں جھگڑیں گے اللہ کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ

مُّبِينٍ ﴿۹۷﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۹۸﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِن

ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر مانتے تھے اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے، سو ہمارے لئے

شَافِعِينَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۲﴾ إِنَّ

نہ سفارش کرنے والے ہیں اور نہ کوئی مخلص دوست ہے، سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو پھر واپس ہونا نصیب ہوجاتا، سو ہم اہل ایمان میں سے ہوجاتے، بلاشبہ

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾

اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ کا رب عزت والا ہے رحم والا ہے۔

دوزخ میں گمراہوں کا پچھتانا اور آپس میں جھگڑنا' نیز دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا

تفسیر: ان آیات میں اولاً تو قیامت کے دن کا ایک منظر بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس دن متقیوں کے لئے جنت قریب کردی جائے گی اور گمراہ لوگوں کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی جس کی وجہ سے اہل ایمان خوش ہو جائیں گے اور اہل کفر ڈر جائیں گے ثانیاً یوں فرمایا کہ کافروں سے سوال کیا جائے گا کہ اللہ کے سوا جو تم نے معبود بنا رکھے تھے وہ کہاں ہیں؟ تمہیں تو ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں' وہ یہاں تمہاری مدد نہیں کر سکتے تمہاری تو کیا مدد کرتے عذاب میں خود مبتلا ہونے والے ہیں اس سے اپنے کو نہیں بچا سکتے' اس گفتگو کے بعد ان مشرکوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے تمام گمراہوں کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' ثالثاً یہ فرمایا کہ جب وہ لوگ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تو آپس میں جھگڑا کریں گے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکین اول تو اس بات کو تسلیم کریں گے کہ واقعی ہم کھلی گمراہی میں تھے اور اس بات کو اللہ کی قسم کھا کر بیان کریں گے اور اپنے معبودوں سے کہیں گے ہم نے جو تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دیا یہ ہماری صریح گمراہی تھی' وہاں تو ہم مجرموں کی بات مانتے تھے جو گمراہی کے بانی اور داعی تھے آج معلوم ہوا کہ انہیں مجرموں نے ہمارا ناس کھویا اور ہمیں بہکایا اب یہاں مصیبت میں گرفتار ہو گئے عذاب سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں' یہاں نہ کوئی سفارشی ہے نہ مخلص دوست ہے بہکانے والوں نے ہمیں بہکایا اور ہمارا ناس کھویا کاش اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ایمان والوں میں شامل ہو جاتے اور کسی کے سمجھانے بجھانے سے کفر و شرک اختیار نہ کرتے (لیکن وہاں سے واپس آنے کا کوئی راستہ نہیں ہے ہمیشہ کے لئے عذاب ہی عذاب ہے)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً (بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں مشرکین کے مبتلائے عذاب ہونے کی سچی خبر میں ایک بڑی عبرت ہے) وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان عبرت کی باتوں کے باوجود مشرکین میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (اور بلاشبہ آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے بڑا زبردست ہے)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّیْ لَكُمْ

نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے' بلاشبہ میں تمہارے لئے

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا

امانت والا پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا' میرا ثواب

عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیرے پیچھے رذیل ترین لوگ لگے ہوئے ہیں'

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

نوح نے کہا کہ مجھے ان کے کاموں کے جاننے کی کیا ضرورت ہے ان سے حساب لینا تو میرے رب ہی کا کام ہے' کاش تم سمجھ رکھتے'

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ

اور میں اللہ والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں میں تو بس واضح طور پر ڈرانے والا ہوں' ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے نوح

لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا

اگر تو باز نہ آیا تو ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں سنگسار کر دیا جاتا ہے نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بلاشبہ میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا سو آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے

وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے دیجئے' سو ہم نے نوح کو اور اس کے ساتھیوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں تھے نجات دیدی'

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ

پھر ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا' بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾

تیرا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور ان لوگوں کا گمراہی پر جمے رہنا اور آخر میں غرق ہو کر ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے جو گفتگو ہوئی گذشتہ رکوع میں اس کا ذکر تھا' اب یہاں سے دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اور قوموں کے ساتھ ان کے مکالمات اور مخاطبات اور قوموں کی تکذیب پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کے قصے بیان کئے جا رہے ہیں اولاً حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اور اس کے بعد حضرت ہود حضرت

صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی شرک سے روکا اور انہیں طرح طرح سے سمجھایا اور ان لوگوں سے کہا کہ تم کفر وشرک کیوں نہیں چھوڑتے اللہ کو ایک ماننے کے لئے تو عقل ہی کافی ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور امانت دار ہوں جو کچھ کہتا ہوں اسی کے حکم سے کہتا ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو کیونکہ میری فرمانبرداری کرنا خالق اور مالک ہی کی فرمانبرداری کرنا ہے' اور تم یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہوں اور تمہیں راہ حق پر لانے کی محنت کر رہا ہوں اس میں میرا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہے تم سے اپنی اس محنت پر کوئی اجرت یا عوض یا صلہ طلب نہیں کرتا میں تو اپنا اجر ثواب رب العالمین جل مجدہ سے لے لوں گا تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ جب یہ شخص ہم سے کسی چیز کا طالب نہیں تو اتنی محنت کیوں کرتا ہے تم غور کرو اور سمجھو اور اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ہدایت قبول نہ کی اینڈے بینڈے جواب دیتے رہے حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال ان لوگوں کے درمیان رہے لیکن تھوڑے ہی سے آدمی مسلمان ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جو کٹ حجتی کی اور ایمان نہ لانے کا بہانہ بنایا اس میں ایک یہ بات بھی تھی کہ تمہارے ساتھ رذیل لوگ لگے ہوئے ہیں اگر ہم تم پر ایمان لے آئیں تو ہمیں ان چھوٹے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پڑے گا (اس میں گویا اس طرف اشارہ تھا اگر یہ لوگ ہٹ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں اور آپ سے دین سیکھنے لگیں) یہ ایسا ہی ہے جیسے عرب کے لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے کہا تھا کہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں (یعنی بلال صہیب عمار خباب وغیرھم رضی اللہ عنھم) جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں' **قال القرطبی وکانھم طلبوا منه طرد الضعفاء کما طلبته قریش** ۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں گویا انہوں نے کمزوروں کو بھگا دینے کا مطالبہ کیا جیسا کہ قریش نے اسی کا مطالبہ کیا تھا)

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تو دین وایمان سے مطلب ہے مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کوئی شخص عمدہ پیشہ اختیار کرلے یا ایسا کوئی کام اختیار کرلے جسے دنیا والے گھٹیا سمجھتے ہیں مثلاً سڑکوں پر جھاڑو دینا یا جوتے گانٹھنا وغیرہ' اصل چیز ایمان اور اعمال صالحہ ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں دو چیزوں کے ذریعہ بلند مرتبہ ملتا ہے اور پھر سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے محاسبہ فرمائے گا۔ (یہ بات فرما کر ان لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ دیکھو تمہارا بھی حساب ہوگا) کاش تم سمجھدار ہوتے تو ایسی بے تکی باتیں نہ کرتے' حق کو قبول نہ کرنے کے لئے ایسے بہانے کرنا کہ تمہارے پاس جو لوگ بیٹھتے ہیں وہ دنیاوی اعتبار سے گھٹیا ہیں نا سمجھی کی بات ہے' یہ جو تمہاری خواہش ہے کہ میں انہیں ہٹا دوں تو میں ایسا نہیں کرسکتا جن لوگوں نے حق کو قبول کرلیا توحید کو مان لیا مومن بندے بن گئے بھلا میں ان کو کیسے ہٹا سکتا ہوں اور میں کوئی تم پر زبردستی تو کر نہیں سکتا' میں تو واضح

طور پر ڈرانے والا ہوں میں نے سمجھانے میں اور صاف صاف کہنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا یہ مطلب تھا کہ یہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں یوں ہی ظاہر میں تمہارا دین قبول کرلیا ہے دل سے مومن نہیں ہیں جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کہ مجھے کسی کے باطن سے بحث نہیں میں تو ظاہر کے دیکھنے کا مکلف ہوں۔ کسی نے ایمان قبول کرلیا میرا ساتھی ہو گیا بس وہ میرے نزدیک مومن ہے رہا باطن کا معاملہ سو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ ان کا حساب لے گا کاش تم قانون شرعی کو جانتے ہوتے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے آدمی کہنے لگے کہ اپنی یہ باتیں بند کرو اگر تم باز نہ آئے تو سمجھ لو کہ تمہاری خیر نہیں ہم پتھر مار مار کر تمہیں جان سے مار دیں گے۔ سورہ ھود اور سورہ نوح میں ان لوگوں کی اور باتیں بھی ذکر فرمائیں ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے عذاب کا مطالبہ کیا (جس کا ذکر سورہ ھود میں ہے) ساڑھے نو سو سال تک کسی قوم کو دعوت دینا یہ کوئی معمولی مدت نہیں ہے ان لوگوں نے بھی عذاب مانگا اور حضرت نوح علیہ السلام بھی بہت زیادہ دل برداشتہ ہو گئے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ پاک میرے اور میرے قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے یعنی ان کو ہلاک کر دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو ایمان والے ہیں نجات دے دیجئے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم فرمایا چنانچہ انہوں نے کشتی بنائی اپنے اہل و عیال مومنین اور دیگر اہل ایمان کو ساتھ لیکر بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا پڑھ کر اس میں سوار ہو گئے۔ آسمان سے پانی برسا زمین سے بھی پانی ابلا زبردست سیلاب آیا اس میں پوری قوم غرق ہو گئی اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جو کشتی میں سوار تھے نجات پا گئے تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف اور سورہ ھود میں واقعہ گذر چکا ہے اور سورہ نوح کا بھی مطالعہ کرلیا جائے۔

فائدہ: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ شروع فرماتے ہوئے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ فرمایا ہے اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی طرف ایک ہی نبی مبعوث ہوئے تھے پھر تمام مرسلین کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جھٹلانا کیسے لازم آیا' اس کے جواب میں حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت ایک ہی تھی اس لئے جب کسی ایک نبی کو جھٹلایا تو اس سے سب کی تکذیب لازم آ گئی' خصوصاً جبکہ ہر نبی نے تمام نبیوں کی تصدیق کا حکم بھی فرمایا اور یہ بتایا ہو کہ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لاؤ۔

كَذَّبَتْ عَادُ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّیْ لَكُمْ

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی ھود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے بلاشبہ میں تمہارے لئے

رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۲۶﴾ وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ

امانت والا پیغمبر ہوں، سوتم اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو، اور میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا ثواب تو

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبۡنُوۡنَ بِکُلِّ رِیۡعٍ اٰیَۃً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ

بس رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا تم ہر اونچے مقام پر کھیل کے طور پر یادگار بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو

لَعَلَّکُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ اِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾

شاید تم ہمیشہ رہو گے، اور جب تم پکڑتے ہو تو بڑے جابر بن کر گرفت کرتے ہو، سوتم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو،

وَ اتَّقُوا الَّذِیۡۤ اَمَدَّکُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّکُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾

اور اس ذات سے ڈرو جس نے ان چیزوں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائی جنہیں تم جانتے ہو اس نے چوپائے اور بیٹے اور باغات اور چشموں کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائی،

اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡنَاۤ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ

بیشک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں تم نصیحت کرو یا

تَکُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۱۳۸﴾ فَکَذَّبُوۡہُ

نصیحت کرنے والوں میں سے نہ بنو اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی عادت ہے اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں سو ان لوگوں نے ھود کو جھٹلایا

فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ

سو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب

الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۴۰﴾

عزیز ہے رحیم ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کی بعثت، قوم عاد کی تکذیب اور بربادی

تفسیر: مذکورہ بالا آیات میں حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا ہے، آپ قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ نے بھی ان سے وہ باتیں کیں جن کا حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں امانت دار ہوں تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو مجھے تم سے کچھ لینا نہیں ہے میرا اجر و ثواب صرف اللہ کے ذمہ ہے، قوم عاد بڑی سرکش قوم تھی ان کے ڈیل ڈول بھی بڑے تھے جس کو سورہ اعراف میں وَزَادَکُمۡ فِی الۡخَلۡقِ بَسۡطَۃً سے تعبیر فرمایا ہے اور سورہ فجر میں ان کے بارے میں اَلَّتِیۡ

لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ فرمایا ہے (ان جیسے لوگ زمین کے حصوں میں پیدا نہیں کئے گئے) یہ لوگ اونچی جگہوں پر یادگار کے طور پر بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے جو ایک عبث اور فضول کام تھا ان چیزوں کی ضرورت بالکل نہ تھی محض فخر و شیخی میں اس طرح کی عمارتیں بناتے تھے اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ میں اس کا تذکرہ فرمایا' اس کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ بلا ضرورت تعمیر کر کے فضول کام کرتے ہو اور علامہ قرطبی نے ایک مطلب یہ لکھا ہے کہ تم لوگ اوپر بیٹھ بیٹھ کر راہگیروں کا مذاق بناتے ہو اور ان کے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہو۔

اپنے رہنے کے لئے بھی یہ لوگ بڑے بڑے مضبوط محل بناتے تھے اور ان کا ڈھنگ ایسا تھا کہ گویا انہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اس کو فرمایا وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ لعل عربی زبان میں ترجی کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ تم یہ آرزو لئے بیٹھے ہو کہ دنیا میں ہمیشہ رہو گے اسی لئے تو اتنی پختہ عمارتوں کے دلدادہ بنے ہوئے ہو' بعض حضرات نے لعل کو بمعنی کی بتایا ہے ای کی ماتخلدون لا تتفکرون فی الموت (یعنی تم اسی لئے مضبوط محل بناتے ہو تا کہ دنیا میں ہمیشہ رہو اسی لئے موت کے بارے میں فکرمند نہیں ہوتے) اور حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے کان کے معنی میں لیا ہے یعنی تم ایسے گھر بناتے ہو گویا کہ تم ان میں ہمیشہ رہو گے۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (اور جب تم پکڑتے ہو تو بڑے جابر بن کر پکڑتے ہو) چونکہ وہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تھے اور انہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ بھی تھا اس لئے انہوں نے ازراہ تکبر یہاں تک کہہ دیا تھا من اشد منا قوة (کہ طاقت میں ہم سے بڑھ کر کون ہوگا) اپنے اسی گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے جب کسی کو پکڑتے تھے تو بہت ظلم و زیادتی کرتے تھے بغیر کسی رحم کے ترس کھائے بغیر مارتے کاٹتے اور ظلم کرتے چلے جاتے تھے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں مسلطين غاشمين بلا رافة ولا قصد تاديب ولا نظر فی العاقبة۔ (مسلط ہونے والے نرمی تادیب اور انجام میں نظر کئے بغیر سختی کرنے والا)

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو مزید سمجھایا اور فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (سو اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو) وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ (اور اس ذات سے ڈرو جس نے ان چیزوں کے ذریعے تمہاری امداد فرمائی جنہیں تم جانتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس سے ڈرو اس کی نافرمانی نہ کرو اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (اللہ تعالیٰ نے چوپایوں اور بیٹوں اور باغچوں اور چشموں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائی) لہٰذا تم پر لازم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (بلاشبہ میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں) یعنی اگر تم ناشکری سے باز نہ آئے تو تم پر عذاب آجائے گا اور عذاب بھی معمولی نہیں ہوگا جس دن عذاب آئے گا وہ دن عذاب کے اعتبار سے ایک بڑا دن ہوگا۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَا (الآیات) ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ تمہاری واعظانہ باتوں سے ہم متاثر ہونے والے نہیں تم ہمیں نصیحت کرو یا نہ کرو بہرحال ہم اپنی جگہ پر اٹل ہیں ہمیں بات ماننا نہیں ہے' اور یہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ سے ڈرو اور

قیامت کو مانو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں وہ بھی ایسی باتیں کہتے آئے ہیں اب تک تو قیامت آئی نہیں اور یہ جو تم عذاب والی بات کہتے ہو ہم اسے بھی نہیں مانتے ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلا دیا اللہ پاک نے انہیں سخت آندھی کے ذریعہ ہلاک کر دیا جس کا ذکر سورہ حم سجدہ (ع ۲) اور سورہ الحاقہ (ع ۱) سورہ ذاریات (ع ۲) سورہ قمر (ع ۱) اور سورہ احقاف میں فرمایا ہے سات رات اور آٹھ دن لگاتار ٹھنڈی تیز ہوا چلتی رہی جس سے سب ہلاک ہو گئے مفصل واقعہ ہم سورہ اعراف (ع ۹) کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا، جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے، بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں

اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

امانت دار ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو، اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو بس

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ

رب العالمین کے ذمہ ہے، یہاں جو کچھ ہے کیا تمہیں اس میں امن وامان کے ساتھ چھوڑے رکھا جائے گا باغیچوں میں اور چشموں میں

طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾

اور کھیتیوں میں اور کھجوروں میں جو کہ گچھے گوندھے ہوئے ہیں اور تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو اتراتے ہوئے سو تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْٓا

اور ان لوگوں کی بات نہ مانو جو حد سے آگے بڑھ جانے والے ہیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے، انہوں نے جواب دیا

اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

کہ بس تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہو، تو ہمارا ہی جیسا ایک آدمی ہے سو تو کوئی نشانی لے آ اگر تو

الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

سچوں میں سے ہے، صالح علیہ السلام نے کہا کہ یہ اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک دن اس کی باری ہے اور ایک مقررہ دن میں پینے کی تمہاری باری ہے

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ مت لگانا ورنہ تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا' سوان لوگوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر پشیمان ہوئے سو انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانا اور تکذیب و انکار کے جرم میں ہلاک ہونا

تفسیر: اس رکوع میں قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے' یہ لوگ قوم عاد کے بعد تھے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے انہوں نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی سمجھایا بجھایا' قوم عاد کی طرح ان لوگوں نے بھی ضد و عناد اور سرکشی پر کمر باندھ لی' حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں امین ہوں تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور یہ فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب نعمتیں دی ہیں ان کو یاد کرو ناشکرے نہ بنو اس نے تمہیں باغ دیئے چشمے عطا فرمائے' کھیتیاں عنایت فرمائیں' کھجوروں کے باغ دیئے' ان کھجوروں کے گچھے گوندھے ہوئے ہیں جو خوب پھل لانے والے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ تمہیں پہاڑوں کے تراشنے کی قوت اور ہمت عطا فرمائی تم پہاڑوں کو تراشتے ہو اور فخر کرتے ہوئے اور اتراتے ہوئے ان میں گھر بنا لیتے ہو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ امن و امان اور چین و آرام میں رہو گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو غلط ہے دیکھو تمہیں مرنا بھی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا بھی ہے تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو' جن لوگوں نے تمہاری راہ مار رکھی ہے جو حد سے آگے نکل چکے ہیں زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے تم ان کی باتوں میں آ کر اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو' تمہارے جو بڑے ہیں تمہارا ناس کھو رہے ہیں۔ وہ تمہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہمارے خیال میں تو صرف یہ بات ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے اسی وجہ سے تم ایسی باتیں کر رہے ہو اور یہ بات بھی ہے کہ تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارے اندر وہ کونسی بڑائی ہے جس کی وجہ سے تم رسول بنائے گئے؟ سورۃ القمر میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۔ (سو وہ کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ایک شخص ہے اگر ہم ایسا کریں تو ضرور بڑی گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے) کیا ہم سب کے درمیان سے اسی کی طرف وحی کی گئی ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی خورہ ہے) باتیں کرتے کرتے وہ لوگ یہاں تک آ گے

بڑھے کہ انہوں نے یوں کہہ دیا کہ اچھا کوئی خاص معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی ہے اللہ کی طرف سے بطور معجزہ بھیجی گئی ہے (بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی کہا تھا کہ ہم تو تمہیں اس وقت نبی مانیں گے جب تم پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ ان کو ہر چند سمجھایا کہ اپنا منہ مانگا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے اگر تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور تم ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ جلد ہی عذاب آ جائے گا لیکن وہ نہ مانے) اللہ کے حکم سے پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی یہ اونٹنی عام اونٹنیوں کی طرح نہ تھی اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی تھی اس کو بہت زیادہ پانی پینے کی ضرورت تھی ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا تھا لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ (اس کے لئے پانی پینے کا وقت مقرر ہے اور تمہارے لئے ایک دن کا پینا مقرر ہے) یہ اونٹنی کنویں میں منہ لٹکا کر اکیلی کنویں کا پانی پی جاتی تھی اور قوم ثمود کے لوگ روزانہ پانی نہیں پلا سکتے تھے خود ان کے لئے پانی بھرنے کا اور مویشیوں کو پانی پلانے کا دن مقرر کر دیا گیا تھا۔

پہلے تو اپنی منہ سے اونٹنی مانگی تھی پھر جب پانی کی تقسیم کا معاملہ درپیش ہوا تو ان لوگوں کو یہ بات کھلنے لگی اور اس اونٹنی کا وجود ناگوار ہوا اونٹنی کے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کے ارادوں کی اطلاع ملی تو فرمایا اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا' بالآخر عذاب آ ہی گیا اور وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے ان لوگوں پر سخت چیخ کا اور زلزلہ کا عذاب آیا۔ اسی کو فرمایا فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ (سو انہوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر پشیمان ہوئے پھر عذاب نے ان کو پکڑ لیا) سورہ اعراف اور سورہ ھود میں تفصیل گزر چکی ہے (انوار البیان ص ۴۵۶ ج ۳ و ص ۵۰۹ ج ۴)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں)

وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے' میں بلاشبہ تمہارے لئے

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا

اللہ کا رسول ہوں امانت دار ہوں' سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو' اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا' میرا اجر تو

عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ

بس رب العالمین کے ذمہ ہے' کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے

أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾

بیبیاں پیدا فرمائی ہیں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔ان لوگوں نے کہا کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور نکال دیئے جانے والے لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُم مِّنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ

لوط نے کہا کہ میں تمہارے کام سے بغض رکھنے والوں میں سے ہوں اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں سے نجات دیجئے سو ہم نے لوط کو اور اس کے تمام گھر والوں کو

أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ

نجات دیدی سوائے ایک بڑھیا کے وہ باقی رہ جانے والیوں میں سے تھی، پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسادی

فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ

سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسائی گئی جن کو ڈرایا گیا' بلاشبہ ان اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾

آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور برے کاموں سے روکنا' قوم کا دھمکی دینا کہ ہم تمہیں نکال دینگے' پھر پتھروں کی بارش سے ہلاک ہونا

تفسیر: سیدنا حضرت لوط علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے' جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ نہر اردن کے قریب تھیں یہ لوگ فاحش کام کرنے والے تھے یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سورہ اعراف اور سورہ ھود اور یہاں سورہ شعراء میں بیان فرمایا ہے' ان سے پہلے یہ عمل کسی قوم نے نہیں کیا تھا نیز یہ لوگ ڈاکہ زنی بھی کرتے تھے جیسا کہ سورہ عنکبوت (ع ۳) میں مذکور ہے وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ (اور تم راہزنی کرتے ہو) حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اچھی طرح سے سمجھایا اور برے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے' کہنے لگے اجی! ان لوگوں کو بستی سے نکال دو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاک باز بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے ازراہ تمسخر کہی تھی۔

یہاں سورہ شعراء میں یہ بھی ہے قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں نکال دیا

جاتا) قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ برابر اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ' ان پر عذاب آ گیا اور انہیں منہ مانگی مصیبت مل گئی' سورہ انعام اور سورہ شعراء اور سورہ نمل میں وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا فرمایا ہے (کہ ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسادی) اور سورہ ھود اور سورہ حجر میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی زمین کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ کر دیا یعنی زمین کا تختہ الٹ دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسا دیئے نیز سورہ حجر میں یہ بھی ہے کہ سورج نکلتے نکلتے ان کو چیخ نے پکڑ لیا' خلاصہ یہ ہے کہ ان پر تینوں طرح کا عذاب آیا اور ہلاک اور برباد کر دیئے گئے' لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو نجات مل گئی ہاں ایک بڑھیا جو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی انہیں لوگوں میں سے رہ گئی جو عذاب میں مبتلا ہوئے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک ہوگئی تفصیل کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ سورہ اعراف سورہ ھود سورہ حجر میں گزر چکا ہے' اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ

ایکہ والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے' بیشک میں تمہارے لئے

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ

رسول امین ہوں' سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو' اور تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میرا ثواب تو

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

بس رب العالمین ہی کے ذمہ ہے' تم پورا ناپا کرو' اور نقصان میں ڈالنے والے مت بنو' اور ٹھیک طرح سے وزن کیا کرو'

الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا

اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دیا کرو' اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو' اور اس ذات سے ڈرو

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا

جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا فرمایا' ان لوگوں نے کہا کہ بات یہی ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہو' اور تو ہمارا ہی جیسا

بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ

ایک آدمی ہے اور بیشک ہم تجھے جھوٹوں ہی میں سے خیال کرتے ہیں' سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے

كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيٓ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ

کوئی ٹکڑا گرادے، شعیب نے کہا کہ تم جو کام کرتے ہو انہیں میرا رب خوب جانتا ہے۔ سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا لہٰذا ان لوگوں کو

يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۸۹﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا' بلاشبہ ان میں بڑی عبرت ہے' اور ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۹۱﴾

ایمان لانے والے نہیں ہیں' اور بیشک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

اصحاب الایکہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کا حق کی دعوت دینا' ناپ تول میں کمی کرنے سے روکنا' پھر ان لوگوں کا نافرمانی کی سزا میں ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے کفر کے علاوہ ان میں جو دوسرے معاصی رواج پذیر تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے بھاؤ طے ہو جانے کے بعد جب خریدار کو ناپ کر یا تول کر سودا دیتے تھے تو کمی کر دیتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول امین ہوں اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور زمین میں فساد نہ کرو' یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے تکے جواب دیتے رہے ناپ تول میں کمی کرنے سے جو انہیں منع فرمایا تھا اس کے بارے میں کہنے لگے یٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِيٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے تھے اور یہ کہ ہم اپنی مرضی سے اپنے مالوں میں تصرف نہ کریں) مطلب یہ تھا ہمارے مال ہیں جو چاہیں کریں کم تولیں کم ناپیں تمہیں اس سے کیا غرض ہے۔ جب انسان یہ بھول جاتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں میں اور میرا مال اللہ ہی کی ملکیت ہے تو اس طرح کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے میاں جاؤ تمہاری ایسی ہی باتیں ہیں تم پر کسی نے تگڑا جادو کر دیا ہے اور تم ہو بھی ہمارے جیسے ایک آدمی' ہم تم کو کیسے نبی مانیں' ہمارے خیال میں تو تم جھوٹوں میں سے ہو اور یہ جو تم بار بار عذاب

آنے کی رٹ لگاتے ہو اس سے ہم پر کچھ بھی اثر ہونے والا نہیں، اگر عذاب کی بات سچی ہے یوں ہی دھمکی نہیں ہے تو عذاب لا کر دکھا دو، چلو آسمان سے ہم پر ایک ٹکڑا گرا دو، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں عذاب کا لانے والا نہیں ہوں اور میں اس کی کیفیت کی تعیین بھی نہیں کر سکتا۔ تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے تم پر کب عذاب آئے گا اور کس طرح عذاب آئے گا یہ سب اسی کے علم میں ہے بہر حال تمہارے اعمال عذاب کی دعوت دینے والے ہیں صاحب الـروح لوگوں کی سرکشی بڑھتی گئی اور راہ راست پر نہ آئے اور ان پر عذاب آ ہی گیا اور الظلۃ (سائبان) کے عذاب سے ہلاک ہوئے، مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ جب عذاب آنے کا وقت قریب آ ہی گیا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی بھیج دی لہٰذا وہ گھروں کو چھوڑ کر درختوں اور جھاڑیوں کے پاس جمع ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا جس کے سایہ میں پناہ لینے کے لئے ایک جگہ جمع ہو گئے جب سب اکٹھے ہو گئے تو وہیں پر جلا دیئے گئے، روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھیج دی جو ان سب کو کھا گئی یہ ان کا منہ مانگا عذاب تھا انہوں نے کہا کہ ہم پر آسمان سے ٹکڑا گرا دو، لہٰذا آسمان ہی کی طرف سے بادل نظر آیا اور اسی کے سایہ میں جل کر بھسم ہو گئے۔ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (بلاشبہ یہ بڑے دن کا عذاب تھا)

فائدہ: ایکہ جھاڑیوں والے جنگل کو کہا جاتا ہے یہ لوگ ایسے جنگل میں رہتے تھے جس میں جھاڑیاں تھیں اور گھنے درخت تھے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ فرمایا اور اخوهم نہیں فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی قوم میں سے نہ تھے ہاں اصحاب مدین کے بارے میں اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فرمایا ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نسب اور خاندان کے اعتبار سے انہی میں سے تھے (کما مر فی سورۃ الاعراف وفی سورۃ هود علیہ السلام ویاتی فی سورۃ العنکبوت ان شاء اللہ تعالیٰ)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

اور بلاشبہ یہ رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اس کو آپ کے قلب پر امانت دار فرشتہ لیکر نازل ہوا تا کہ آپ واضح طور پر

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، واضح عربی زبان میں ہے، اور بلاشبہ اس کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں میں ہے، کیا ان لوگوں کے لئے

اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾

یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے پھر وہ اس کو ان کے سامنے

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ

پڑھ کر سنا دیتا تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو مجرمین کے دلوں میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے

بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ

جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، سو وہ ان کے پاس اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی پھر کہیں گے کیا ہمیں

مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا

مہلت مل سکتی ہے، کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کو جلدی چاہتے ہیں اے مخاطب ذرا یہ بتا کہ اگر ہم انہیں چند سال عیش میں رہنے دیں پھر جس کا ان سے

يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾

وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آ پڑے تو ان کا وہ عیش ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے، اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کی ہیں

ذِكْرٰى ﴿قف﴾ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا

ان سب میں نصیحت کے طور پر ڈرانے والے تھے، اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں، اور اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں اترے اور نہ وہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

طاقت رکھتے ہیں، بلاشبہ وہ سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔

قرآن عربی زبان میں ہے اسے روح امین لیکر نازل ہوئے

تفسیر: ان آیات میں نزول قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا، منکرین کی تکذیب اور عناد کو بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ لوگ عذاب آنے کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ قرآن مجید رب العالمین جل مجدہ کا اتارا ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لیکر نازل ہوا ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اس فرشتہ نے امانتداری کے طور پر پورا پورا اسی طرح آپ ﷺ تک پہنچایا ہے جس طرح ان کے سپرد کیا گیا تھا الروح الامین یعنی جبریل نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں یعنی اس قرآن کے ذریعہ اولین مخاطبین کو اور ان کے آس پاس کے لوگوں کو اور بعد میں آنے والے لوگوں کو ڈرائیں یعنی اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دیں جو نہ مانے اسے بتائیں کہ انکار کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوگا کما فی سورۃ الانعام وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ وقال تعالٰی فی سورۃ الشوریٰ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ پھر فرمایا کہ قرآن مجید واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس کی فصاحت

اور بلاغت سب کو مسلم ہے جب اہل عرب کو چیلنج کیا گیا کہ قرآن جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے اور آج تک عاجز ہیں ہمارے ایک ثقہ دوست نے بتایا کہ امریکہ میں دو کمپیوٹر اس بات کے لئے لگا رکھے ہیں کہ قرآن کی آیات کے مقابلہ میں کچھ بنا کر دیں اور اس سلسلہ میں ان کمپیوٹروں کو جب کوئی آیت دیتے ہیں کہ اس کے مقابل بنا کر دو تو وہ انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں بن سکتی۔

مزید فرمایا کہ قرآن مجید پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے یعنی توریت اور انجیل میں یہ بتایا ہے کہ ایک ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا اہل کتاب نے گو اپنی کتابوں میں تحریف کر دی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کتابوں میں یہ باتیں موجود ہیں بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین سابقہ کتب سماویہ میں بھی ہیں جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ کے ختم پر فرمایا اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (بلاشبہ یہ پرانے صحیفوں میں ہے ابراہیم کے صحیفے اور موسیٰ کے صحیفے) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورہ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے اور سورہ طٰہٰ اور طواسین (جن کے شروع میں طٰس آتا ہے) اور حوامیم (جن سورتوں کے شروع میں حٰم ہے) یہ سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے دی گئی ہیں۔ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیات (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لیکر ختم سورت تک) عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں اور مفصل (سورہ حجرات سے سورۃ الناس تک جو سورتیں ہیں) یہ مجھے زائد دی گئی ہیں (جو دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دی گئیں) **ذکرہ فی الجامع الصغیر ورمزلہ بالضعف۔**

پھر فرمایا کہ علمائے بنی اسرائیل جو قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت موجود ہیں وہ لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب نازل ہوگئی' ان علماء میں سے بعض تو مسلمان ہوگئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے انہوں نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے' خود تو مسلمان نہ ہوئے لیکن اپنے عوام کو تنہائیوں میں بتا دیا اور ان کے سامنے اقراری ہوگئے' علماء بنی اسرائیل کا مان لینا کہ قرآن مجید واقعی اللہ کی کتاب ہے یہودیوں پر تو حجت ہے ہی مشرکین عرب پر بھی حجت ہے جو یہود کو اہل علم مانتے اور جانتے تھے' خصوصاً اہل مکہ جنہوں نے یہودیوں سے جا کر یہ پوچھا کہ تم اہل علم ہو اور اہل کتاب ہو کچھ ایسے سوال بتاؤ جن سے محمد رسول اللہ ﷺ کا امتحان کیا جائے اور ان کا جواب پا کر ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق' کی جا سکے جس پر یہودیوں نے کہا کہ روح کے بارے میں اور اصحاب کہف کے بارے میں اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرو' قریش مکہ نے واپس آ کر سوالات کئے لیکن جواب ملنے پر بھی ایمان نہ لائے پھر فرمایا کہ اس قرآن کو ہم نے ایسے شخص پر نازل کیا ہے جو عربی ہے اگر ہم بعضے عجمیوں پر یعنی کسی غیر عرب انسان پر نازل کر دیتے اور وہ ان کو پڑھ کر سنا دیتا تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے حالانکہ اس میں معجزہ کا ظہور اور زیادہ ہوتا کیونکہ جس غیر عربی شخص پر قرآن نازل ہوتا اس کا عربی زبان پر قادر نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہوتی کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی طرف سے ہے لیکن جن

ہٹ دھرموں کو ماننا نہیں ہوتا وہ کسی طرح بھی نہیں مانتے۔ اس کے بعد فرمایا کَذٰلِکَ سَلَکْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ (کہ ہم نے ایمان نہ لانے کو مجرمین کے دلوں میں ڈال دیا ہے) یہ لوگ انکار اور انکار پر اصرار کی وجہ سے قرآن پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ سخت عذاب کو نہ دیکھ لیں گے جو ان کے سامنے اچانک آ کھڑا ہوگا اور ان کو پہلے سے خبر بھی نہ ہوگی' جب یہ صورتحال ہوگی تو یوں کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے لیکن وہ وقت نہ مہلت کا ہوگا اور نہ اس وقت ایمان قبول کیا جائے گا (عذاب الیم سے وہ عذاب بھی مراد ہوسکتا ہے جو تکذیب کی سزا میں دنیا میں منکرین پر آتا رہا ہے' اور موت کے وقت کا عذاب اور برزخ کا عذاب اور قیامت کے دن کا عذاب بھی مراد ہوسکتا ہے ان عذابوں میں سے کسی بھی عذاب کے آجانے پر مہلت دیئے جانے کا اور ایمان قبول کرنے کا قانون نہیں ہے)

پھر فرمایا اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ (کیا وہ ہمارے عذاب کے آنے کے لئے جلدی مچا رہے ہیں) چونکہ انہیں عذاب آجانے کا یقین نہیں ہے اس لئے ایسی باتیں کرتے ہیں اور ان کا یہ سمجھنا کہ جو ڈھیل دی جارہی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذاب نہ آئے گا ان کی سخت غلطی ہے دنیا کی ذراسی چہل پہل دیکھ کر جو یوں سمجھ رہے ہیں کہ عذاب آنے والا نہیں اور اسی زندگی کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں یہ بہت بڑی ناسمجھی ہے۔ جب عذاب آپہنچے گا جس سے چھٹکارا نہ ہو سکے گا اور سخت بھی ہوگا اس وقت یہ تھوڑی سی زندگی کا کیف اور مال و متاع کچھ بھی کام نہ دے گا' یہ انسانوں کی نہایت ہی حماقت کی بات ہے کہ فانی دنیا میں تھوڑے سے دن کی چہل پہل میں مشغول ہو کر موت کے بعد کی زندگی کو بھول جائیں اور وہاں کے بڑے اور دائمی عذاب کو اپنے سر لے لیں اسی کو فرمایا اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ (اے مخاطب تو بتا کہ اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ ان کے سر آپڑے تو ان کا عیش کیا کام دے سکتا ہے' یعنی یہ جو عیش کی مہلت دی گئی ہے اس سے آنے والا عذاب تو کیا ٹلتا اس کی وجہ سے اس میں کوئی کمی تخفیف بھی نہ ہوگی) قال صاحب الروح ص ۱۳۱ ج ۱۰ قال سبحانہ ان ھذا العذاب الموعود وان تاخر ایاما قلائل فھو لا حق بھم لا محالة وھنا لک لا ینفعھم ما کانوا فیہ من الاغترار المثمر لعدم الایمان ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے اگرچہ تھوڑے دن مؤخر ہو جائے مگر وہ انہیں ضرور پہنچنے والا ہے اب جس دھوکہ کی وجہ سے یہ کافر بنے ہوئے ہیں تب یہ دھوکہ انہیں فائدہ نہیں دے گا)

اس کے بعد فرمایا وَمَآ اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ذِکْرٰی (اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب میں نصیحت کے طور پر ڈرانے والے تھے) یعنی قرآن کے مخاطبین سے پہلے بھی امتیں گزری ہیں کسی امت کو تبلیغ اور انذار کے بغیر نہیں ہلاک کیا گیا ان کی طرف ڈرانے والے بھیجے گئے انہوں نے خیر خواہی اور نصیحت کے طور پر خوب اچھی طرح توحید کی دعوت دی' حق کو واضح کیا منکرین کو ڈھیل دی گئی ان پر حجت پوری ہوگئی اور ڈھیل دینے سے بھی انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو ان کو ہلاک کر دیا گیا' جو لوگ قرآن مجید کے مخاطب ہیں ان لوگوں پر بھی پوری طرح حق واضح کر دیا گیا ہے اور انہیں ڈھیل بھی دی جارہی ہے لہٰذا عذاب کی طرف سے مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں وَمَا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ (اور ہم ظلم کرنے

والے نہیں ہیں) یعنی حقیقۃً تو اللہ تعالیٰ سے ظلم کا ظہور ہو ہی نہیں سکتا صورۃً بھی اللہ تعالیٰ سے ظلم کا صدور نہیں ہو سکتا قال صاحب الروح ای لیس شاننا ان یصدر عنا بمقتضی الحکمۃ ما ھو فی صورۃ الظلم لو صدر من غیر نابان نھلک احدا قبل انذارہ اوبان نعاقب من لم یظلم۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہماری حکمت کے نقاضا سے ہماری شان یہ نہیں ہے کہ ہم سے ظلم کی صورت بھی پیدا ہو)

اس کے بعد پھر قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ (کہ اس قرآن کو شیاطین لیکر نازل نہیں ہوئے) وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ (اور یہ ان کے لئے درست بھی نہیں ہے) وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (اور وہ اس پر قدرت بھی نہیں رکھتے) اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (بلاشبہ وہ اس کے سننے سے روک دیئے گئے ہیں) یعنی یہ لوگ وحی آسمانی کو سن بھی نہیں سکتے اس پر انہیں بالکل ہی قدرت نہیں ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں مشرکین قریش کی اس بات کی تردید ہے جو انہوں نے کہا تھا کہ ایک جن محمد ﷺ کے تابع ہے وہ آپ کو قرآن سنا دیتا ہے اور آپ اسی کو نقل فرما دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی تردید میں فرمایا کہ اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں آئے اور نہ ان لوگوں کو اس پر قدرت ہے کیونکہ قرآن تو سبب ہدایت ہے اور شیاطین کا کام گمراہ کرنے کا ہے وہ ہدایت کی چیز کو جس میں توحید ہی توحید ہے مشرکین کے پاس پہنچانے کا ذریعہ کیونکر بن سکتے ہیں، پھر مزید بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی قدرت بھی نہیں دی کہ وہ وحی آسمانی کو سن لیں۔ وہاں سے لانا اور آپ تک پہنچانا وہ تو بعد کی بات ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾
سو آپ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکاریئے ورنہ سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے،
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ
اور ان لوگوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آیئے جو اہل ایمان آپ کا اتباع کرنے والے ہیں، سو اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ
میں تمہارے اعمال سے بری ہوں، اور آپ عزت والے رحم والے پر توکل کیجئے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور
فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾
سجدہ کرنے والوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں، بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو مومنین کے ساتھ تواضع سے پیش آنے اور عزیز و رحیم پر توکل کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اوّلاً یہ فرمایا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو معبود نہ بنائیں ایسا کریں گے تو عذاب میں مبتلا ہوں گے

بظاہر یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور حقیقت میں پوری امت کو خطاب ہے کیونکہ آپ سے شرک اور کفر صادر ہونے کا احتمال ہی نہیں، لیکن آپ کو خطاب کر کے یہ بتا دیا کہ جب غیر اللہ کی عبادت کرنے سے آپ کے لئے یہ حکم ہے تو دوسرے لوگ شرک کرنے سے کیونکر معذب نہ ہوں گے۔

ثانیاً آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قریب ترین خاندان کے لوگوں کو ڈرایئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور وہاں چڑھ کر قریش کے مختلف خاندانوں کو آوازیں دیکر جمع فرمایا جب جمع ہو گئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ میدان میں کچھ گھوڑا سواروں کی ایک جماعت ہے وہ تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے مل کر جواب میں کہا کہ ہاں ہم آپ کی تصدیق کریں گے ماجربنا علیک الا صدقا (ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے) آپ نے فرمایا تو سمجھ لو کہ میں تمہیں سخت عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈرا رہا ہوں (یعنی اگر تم نے میری دعوت توحید قبول نہ کی تو تم سب سخت عذاب میں مبتلا ہو گے یہ سن کر ابولہب نے کہا کہ تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو کیا تو نے ہمیں اس بات کے لئے جمع کیا ہے) اس پر تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت اپنی جانوں کو بچالو (یعنی ایمان لا کر دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) میں اللہ کی طرف سے (آنے والے عذاب سے) تمہارے چھٹکارا کے لئے کچھ نہیں کر سکتا آپ نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے اپنی پھوپھی صفیہ سے بھی خصوصی طور پر نام لیکر یہی فرمایا اور اپنی بیٹی سے فرمایا اے محمد کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں سے تو جو چاہے سوال کر لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا (رواہ البخاری و مسلم کمافی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۰) مطلب یہ ہے کہ آخرت میں نجات کا تعلق رشتہ داری اور کسی کا بیٹا بیٹی ہونے سے نہیں ہے اس کا تعلق ایمان سے ہے جس نے ایمان قبول کیا اور اسی پر موت آئی وہاں اس کے لئے نجات ہے۔

رسول اللہ ﷺ سارے ہی انسانوں اور جنات کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ رحمۃ للعالمین تھے، سب ہی کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے، پھر بھی خاص طور سے اپنے اہل خاندان کو خصوصیت کے ساتھ ایمان کی دعوت دینے کا حکم فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگوں سے غافل نہ ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا اور پھوپھی کو نام لیکر خطاب فرمایا حتیٰ کہ اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی وہی بات فرمائی جو دوسروں سے فرمائی تھی حالانکہ وہ پہلے سے ہی مومن تھیں اور اب تک بالغ بھی نہ ہوئی تھیں۔ معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کو دین پر ڈالنا بھی مبلغ اور داعی کی ذمہ داری ہے سورۃ التحریم میں فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (اے ایمان والو تم

اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دوسروں کو تبلیغ کرنے میں بہت آگے آگے ہوتے ہیں لیکن اولاد اور اہل خانہ اور اہل خاندان سے غافل رہتے ہیں۔

ثالثاً آپ کو یہ حکم دیا کہ اہل ایمان جنہوں نے آپ کی پیروی کر لی آپ کے دین میں داخل ہو گئے اور آپ کی راہ پر چلنے لگے آپ ان کے ساتھ تواضع اور فروتنی اختیار کیجئے ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیجئے (جس نے ایمان قبول کر لیا وہ رحمت و رافت اور شفقت کا زیادہ مستحق ہو گیا)

رابعاً یوں فرمایا کہ جن لوگوں کو آپ دین حق کی دعوت دیتے ہیں وہ لوگ اگر آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں (نافرمانوں کے ساتھ کسی مداہنت اور مسامحت کی گنجائش نہیں)

خامساً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے جو عزیز ہے اور رحیم ہے، جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں امامت کرتے وقت سجدہ کرنے والوں کے درمیان آپ کی نشست اور برخاست ہوتی ہے وہ آپ کو دیکھتا ہے وہ سب کی باتوں کو سنتا ہے اور تمام احوال کو جانتا ہے، اگر آپ کو مخالفین کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو آپ فکر مند نہ ہوں اس ذات پاک پر بھروسہ کریں جو عزیز ہے اور رحیم ہے اور سمیع ہے علیم ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترتے ہیں، جو کان لگا کر سنتے ہیں

وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ

اور اکثر ان میں جھوٹ بولنے والے ہیں۔ اور شاعروں کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں حیران

يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا

پھرا کرتے ہیں اور وہ لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا،

مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾

اور مظلوم ہونے کے بعد انہوں نے بدلہ لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا وہ عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی جگہ لوٹ کر جائیں گے۔

شیاطین ہر جھوٹے پر نازل ہوتے ہیں، اور شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں

تفسیر: مشرکین کہا کرتے ہیں کہ ایک جن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھاتا اور بتاتا ہے وہی باتیں آپ ہمیں بتا دیتے ہیں کے

جواب میں فرمایا کہ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ (کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں) تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترتے ہیں) يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (جو کان لگا کر سنتے ہیں اور اکثر ان میں جھوٹ بولنے والے ہیں) یعنی ان جھوٹے لوگوں کے کانوں میں جو شیاطین باتیں ڈالتے ہیں یہ ان کی طرف خوب کان لگا کر سنتے ہیں اور شیاطین سے سن کر جو باتیں نقل کرتے ہیں ان میں بھی اکثر جھوٹ بولتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین اوپر جا کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے تھے وہ اوپر سے سنی ہوئی خبر میں اپنی طرف سے بہت سا جھوٹ ملا دیتے تھے۔ اور ان میں سے جو کوئی بات صحیح نکل جاتی تھی جو آسمان سے سنی ہوئی ہوتی تھی وہ اس سے کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے۔ شیاطین کاہنوں کے پاس آتے تھے۔ یہ کاہن خوب زیادہ جھوٹے بھی ہوتے تھے اور بہت بڑے بدکردار بھی، شیاطین کا کام جھوٹے اور بدکردار لوگوں کے پاس آنے کا ہے وہ نبی سے دوستی نہیں رکھتے، اور اس کے پاس نہیں آسکتے۔

اس کے بعد شعراء کی مذمت فرمائی وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ کہ شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں (لہٰذا مشرکین کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ آنحضرت ﷺ شاعر ہیں) آپ تو حقائق کی دعوت دیتے ہیں اور شاعر جھوٹی باتیں کہتے ہیں آسمان اور زمین کے قلابے ملاتے ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے چلتے ہیں وہ گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ کو گمراہ ہی پسند کرتا ہے اور اس کے پیچھے چلتا ہے۔

اس کے بعد شاعروں کی بدحالی اور کذب بیانی کا حال بتایا اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ شاعر ہر وادی میں یعنی ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں) جھوٹی باتیں تلاش کرنے کے لئے ٹکریں مارتے ہیں اور ایسی چیز نکال کر لاتے ہیں جو ان کے متبعین کو پسند ہوں وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (اور وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر عمل نہیں کرتے) روح المعانی ص ۱۴۶ ج ۱۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ شعراء مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا کہ محمد جس طرح باتیں بیان کرتے ہیں ہم بھی اسی طرح کہہ سکتے ہیں یہ لوگ فخر دو عالم ﷺ کی ہجو میں دیہاتیوں کے سامنے اشعار کہتے تھے وہ لوگ خوش ہوتے تھے۔ ان دیہاتیوں کو الغاوٗن بتایا ہے۔

شاعروں کی بے تکی باتیں، جھوٹی تعریفیں اور غلط تشبیہات اور مدح و ذم میں کذب بیانی تو معروف ہی ہے، عارف گنجوی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کیا ہی اچھی بات کہی کہ اکذب او احسن اوست بعض اہل علم نے اردو میں اس کا مفہوم یوں ادا کیا ہے ؎

حسن شعر کا گر سن لو یہ آج تم — جتنا ہو جھوٹ اس میں اتنا ہی بہتریں ہے

عربی کا یہ شعر بھی سنا ہی ہوگا ؎

لا تعجبوا من بلی غلالته — قد زر ازراره علی القمر

فارسی کے اشعار بھی سنئے ؎

اے آنکہ جزو لایتجزی دہان تو طولے کہ ہیچ عرض نہ دارد میان تو
بنطق کردۂ نقطۂ موہوم رادونیم اے آنکہ بودہ است معجز نما بیان تو

اس کے بعد مومنین صالحین کا استثناء فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (یعنی جو لوگ اہل ایمان ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں اور مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے لیتے ہیں یہ لوگ شاعروں کی مذکورہ بالا جماعت سے خارج ہیں) چونکہ ان میں ایمان ہے اعمال صالحہ میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں کثرت سے مشغول رہتے ہیں اس لئے اگر شعر بھی کہتے ہیں تو جھوٹی بے تکی بہکی بہکی باتوں سے بچ کر رہتے ہیں ان کے اشعار بھی ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت دیتے ہیں اللہ سے لو لگانے کی ترغیب دیتے ہیں اشعار میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہیں اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی مشرک اور کافر نے ان کی ہجو کر دی یا دین کی کسی بات پر اعتراض کر دیا جو ان پر ایک طرح کا ظلم ہے تو وہ بدلہ لینے کے طور پر کافروں کی ہجو کر دیتے ہیں اور اس ہجو میں انہیں ثواب ملتا ہے کیونکہ یہ کام بھی اللہ کے لئے ہوتا ہے' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے دفاع کرتے ہو جبرائیل علیہ السلام برابر تمہاری تائید میں لگے رہتے ہیں' حضرت حسان نے مشرکین کی خوب ہجو کی (کیونکہ وہ لوگ ظالم تھے) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار کی وجہ سے دلوں میں یہ آرزو نہ رہی کاش کوئی شخص مشرکین کی بے ہودگی کا جواب دیتا کیونکہ یہ ان پر تیروں سے بھی زیادہ سخت ہے (رواہ مسلم) جب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے اشعار کہتے تھے تو آپ ان کے لئے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھیں (رواہ البخاری) معلوم ہوا کہ اگر شعر اچھا ہو تو اس کو پڑھنا جائز ہے بلکہ بعض مرتبہ ثواب ہے۔ مومن کے ہر کام میں نیک نیتی ہونی چاہئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اشعار کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا **ھو کلام فحسنہ حسن و قبیحہ قبیح** (یعنی شعر بھی ایک کلام ہے اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے) جس شاعری میں جھوٹ ہو گمراہی کی باتیں ہوں غیبتیں ہوں تہمتیں ہوں اور اس کی وجہ سے نمازوں سے غفلتیں ہوں اور وہ مشاعرے جن میں باتیں بھی جھوٹی ہوں اور نمازیں بھی قضا ہوں یہ سب حرام ہیں' اگر کوئی شخص سچا اور اچھا شعر پڑھ لے تو اس کی ممانعت نہیں ہے'

سورت کے ختم پر فرمایا وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ (کہ جن لوگوں نے ظلم کیا یہ عنقریب جان لیں گے کہ انہیں کیسی بری جگہ لوٹ کر جانا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو نبوت کے منکر رہے اور قرآن کی تکذیب کرتے رہے اور آنحضرت ﷺ کو ایذاء پہنچاتے رہے' یہ لوگ جب دوزخ میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنا ٹھکانہ معلوم ہو جائے گا جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

وھذا آخر تفسیر سورۃ الشعراء' والحمد للہ ذی الجبروت والکبریا' والصلوۃ علی سید الرسل والانبیاء وعلی آلہ وصحبہ البررۃ الاصفیاء الاتقیاء

سُورَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّسَبْعُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ نمل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ترانویں آیات اور سات رکوع ہیں

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

طٰسٓ یہ آیات ہیں قرآن کی، اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی ہدایت اور بشارت ہیں اہل ایمان کے لئے

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، بلاشبہ جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ

آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا۔ سو یہ لوگ بھٹکتے پھرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ

برا عذاب ہے، اور یہ لوگ آخرت میں بہت زیادہ خسارہ میں ہوں گے، اور بالیقین آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے

حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾

قرآن دیا جا رہا ہے۔

یہ کتاب مبین کی آیات ہیں جو مومنین کے لئے ہدایت اور بشارت ہیں، کافروں کے لئے ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ النمل شروع ہو رہی ہے۔ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں اس سورت کے دوسرے رکوع میں ایک قصہ بیان فرمایا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا تھا تو ایک چیونٹی نے اپنی ہم جنس چیونٹیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہارا چورا بنا کر رکھ دیں، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النمل معروف ہوا۔

اوّل تو یہ فرمایا کہ یہ قرآن کی اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں کتاب مبین سے بھی قرآن مجید ہی مراد ہے۔ جیسا کہ سورہ یوسف کے شروع میں فرمایا تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ فرمایا ہے۔

پھر آیات قرآنیہ کو اہل ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت بتایا۔ اور اہل ایمان کی صفات بتائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور یہ دونوں

اسلام کے ارکان میں سے ہیں۔ ان کی ادائیگی پابندی سے کی جائے تو ایمان کے دوسرے تقاضوں پر بھی عمل ہوتا رہتا ہے۔ اور آخرت کا یقین ہر نیکی پر آمادہ کرنے اور ہر گناہ چھڑانے پر ابھارتا رہتا ہے اسی کو آیت کے ختم پر وَهُم بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ میں بیان فرمایا۔

مؤمنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آیات قرآنیہ اہل ایمان کے لئے بشارت اور ہدایت ہیں قرآن تو سبھی کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور حق قبول کرنے پر انعامات کی بشارت دیتا ہے لیکن چونکہ قرآن کی دعوت پر اہل ایمان ہی دھیان دیتے ہیں اس لئے خاص طور سے ان کے لئے ہدایت اور بشارت ہونا بیان فرمایا۔

اس کے بعد کافروں کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا ہے جو انہیں مرغوب ہیں اور انہیں اچھے لگتے ہیں' جو کام برے ہیں یہ لوگ انہیں اچھا سمجھ رہے ہیں اور اس کی وجہ سے جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں' ان لوگوں کی وعید بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں سخت خسارہ میں ہوں گے۔ انہیں وہاں نعمت اور رحمت نصیب نہ ہوگی۔ ہمیشہ کے لئے عذاب ہی میں رہیں گے اور عذاب بھی بڑھتا چڑھتا رہے گا اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جو انہیں اجسام دیئے گئے اعضاء اور جوارح عطا کئے گئے اموال سے نوازے گئے ایمان قبول کر کے ان سب کے ذریعہ جنت حاصل کر سکتے تھے لیکن وہ تو کفر اختیار کر کے اور اعمال بد میں مبتلا ہو کر جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور دوزخ کے مستحق ہو گئے' یہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (اور بالیقین آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے) پس جب اللہ تعالیٰ کی آپ پر مہربانی ہے اللہ کا فرشتہ آتا رہتا ہے اور اللہ کی کتاب آپ تک پہنچاتا رہتا ہے تو آپ کو یہ محبوبیت عند اللہ ہی کافی ہے۔ دشمن جو کچھ کہیں کہنے دو' ان کی باتوں سے غمگین نہ ہو۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ بلاشبہ مجھے آگ نظر آئی ہے میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں' یا تمہارے پاس آگ کا ایک شعلہ

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ

کسی لکڑی میں جلتا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم تاپ لو۔ سو جب وہ وہاں آئے تو آواز دی گئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے' اور وہ بھی

حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

مبارک ہیں' جو اس کے ارد گرد ہیں' اور اللہ پاک ہے جو رب العالمین ہے۔ اے موسیٰ بے شک بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں عزیز ہوں حکیم ہوں'

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ
اور تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو سو جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر لوٹے اور مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا اے موسیٰ تم نہ
اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ
ڈرو بلاشبہ میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرتے، مگر جس نے ظلم کیا پھر اس نے گناہ کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو میں مغفرت کرنے والا ہوں
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۣ فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ
رحمت والا ہوں اور اے موسیٰ تم اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کرو وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں چیزیں ان نو معجزات میں سے ہیں جنہیں لیکر
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا
تمہیں فرعون کی طرف جانا ہے بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں۔ سو جب ان کے پاس ہمارے معجزات پہنچے جو واضح تھے تو کہنے لگے کہ
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ
یہ صریح جادو ہے۔ اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی راہ سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے نفسوں نے یقین کر لیا تھا، سو دیکھو
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴
فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا،

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رات کے وقت سفر میں کوہ طور پر آگ کے لئے جانا اور نبوت سے سرفراز ہونا

تفسیر: سورہ طٰہٰ کے پہلے اور دوسرے رکوع کی تفسیر میں اور سورہ شعراء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے مصر میں رہتے تھے فرعون کے بیٹے بنے ہوئے تھے ان کے ہاتھ سے فرعون کی قوم کا ایک شخص قتل ہو گیا ایک شخص نے رائے دی کہ دیکھو فرعونی لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کو چھوڑ کر مدین چلے گئے وہاں کے شیخ کی لڑکی سے نکاح ہو گیا اور دس سال وہاں رہے۔ جب اپنی بیوی کو لیکر مصر کی طرف واپس آنے لگے تو رات کو سردی بھی لگ گئی اور راستہ بھی بھول گئے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ طور پر آگ نظر آ رہی ہے یہ آگ نہیں تھی نور ربانی تھا جسے انہوں نے آگ سمجھ لیا تھا اپنی بیوی سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں وہاں جاتا ہوں، وہاں سے لکڑی میں سلگا کر آگ کا کوئی شعلہ لے آؤں گا۔ تاکہ تم اس سے تاپ لو گی یعنی گرمی

حاصل کرلوگی اور یہ بھی امکان ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والامل جائے۔ وہاں پہنچے تو اللہ پاک کی طرف سے یہ آواز آئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے اردگرد ہیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ من فی النار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور من حولھا سے فرشتے مراد ہیں (وقیل علی عکس ذالک) جہاں یہ آگ تھی سورہ قصص میں اس کو البقعة المبارکة فرمایا ہے اور آواز بھی وادی کے کنارے کی دائیں جانب سے آئی تھی بقعہ بھی مبارک وہاں جو فرشتے حاضر تھے وہ بھی مبارک موسیٰ علیہ السلام بھی مبارک' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک ہونے کی خوشخبری دی گئی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے اور ہر نقص سے اور مخلوقین کی صفات سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ وحدہ لاشریک ہے اپنی ذات وصفات میں مخلوق کی ہر مشابہت سے پاک ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

مبارک ہونے کی بشارت کے بعد اللہ پاک کا مزید خطاب ہوا اور فرمایا یٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کہ اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں عزیز ہوں حکیم ہوں۔ اس کے بعد لاٹھی کے بارے میں سوال و جواب ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی' پھر اس لاٹھی کے ڈالنے کا حکم فرمایا جب انہوں نے لاٹھی کو ڈال دیا تو وہ اژدھا بن گئی' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح سے ہے اور اس میں حرکت ہو رہی ہے یہ حال دیکھ کر وہ پچھلے پاؤں لوٹے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا یہ خوف طبعی تھا جس کا اس وقت مظاہرہ ہوا' اللہ پاک کا ارشاد ہوا کہ اسے پکڑ لو ڈرو نہیں ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ (میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے) لہٰذا تم ڈرو نہیں میری طرف سے تمہاری حفاظت ہوگی۔ بظاہر اس سے پہلے انہیں نبوت اور رسالت سے نوازنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمکلامی ہی رسالت عطا فرمانے کے قائم مقام ہوگئی جیسا کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے خاتم النبیین ﷺ سے غار حرا میں سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سنا دیں اور اسی سے آپ کے پیغمبر ہونے کی ابتداء خبر دی گئی' اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ میں دونوں باتیں بیان فرما دیں اول رسالت کا اعلان فرمایا' دوم رسولوں کی ایک صفت خاص فرما دی اور وہ یہ کہ اللہ کے رسول' اللہ کے حضور میں کسی مخلوق سے نہیں ڈرتے قال صاحب الروح والتقیید بلدی لان المرسلین فی سائر الاحیان اخوف الناس من اللہ عزوجل۔

اس کے بعد فرمایا اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یہ استثناء منقطع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ جو لوگ کوئی گناہ کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرلیں پھر اس کے بعد اس برائی کو نیکی سے بدل لیں یعنی اس کے بعد توبہ کرلیں تو ان کی توبہ قبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجنا تھا اور وہ بڑا سرکش تھا اس لئے معجزات کی ضرورت تھی دو بڑے معجزات تو وہی ہیں جو وادی مقدس میں دے دیئے گئے جہاں آگ لینے کے لئے گئے تھے اور باقی معجزات کا وقتاً فوقتاً ظہور

ہوتا رہا یہاں جو دو معجزات دیئے گئے ان میں سے ایک لاٹھی کا سانپ بن جانا تھا اور دوسرا ید بیضاء تھا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر دو اور پھر اسے نکالو جب نکالو گے تو دیکھو گے کہ وہ خوب سفید ہے اور یہ سفیدی کسی عیب والی نہیں ہوگی جو مرض وغیرہ کی وجہ سے ہو جاتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص نشانی ہے جو بطور معجزہ عطا کی گئی ہے۔

فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَقَوۡمِهٖ (یہ دو نشانیاں ہیں جو منجملہ ان نو نشانیوں میں سے ہیں جنہیں لے کر تم کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف چلے جانا ہے) اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ (بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے معجزات دکھائے فرعون اور اس کی قوم نے الٹا اثر لیا۔

معجزات سے انہیں بصیرت حاصل ہوئی اور یہ یقین ہو گیا کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن انہوں نے معجزوں کو جادو بتا دیا پھر جادوگروں سے مقابلہ کرایا مقابلہ میں جادوگر ہار گئے اور مسلمان ہو گئے لیکن فرعون اور اس کی قوم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان پر ایمان لانے میں اپنی ہیٹی سمجھی تکبر کیا جو انہیں لے ڈوبا اور دلوں میں یقین ہوتے ہوئے انکار کر بیٹھے بالآخر ہلاک کر دیئے گئے اور ڈبو دیئے گئے اسی کو فرمایا فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (سو دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا)

فائدہ: وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ سے معلوم ہوا کہ توحید و رسالت کا یقین ہو جانا ایمان نہیں یقین بھی ہو اور یقین کے ساتھ تسلیم بھی ہو (جسے ماننا کہتے ہیں) تب ایمان کا تحقق ہوتا ہے۔ آج کل کافروں میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اسلام کو دین حق سمجھتے ہیں اس بارے میں مضامین بھی لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی رسالت بھی ان کے دلوں میں اتری ہوئی ہے آپ کی تعریف میں نعتیں بھی لکھتے ہیں لیکن اسلام قبول نہیں کرتے یہ جحود اور عناد ہی ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيۡرٍ

اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا' اور ان دونوں نے کہا کہ اللہ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہمیں اپنے

مِّنۡ عِبَادِهِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيۡمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ

مومن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے' اور سلیمان' داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی

الطَّيۡرِ وَاُوۡتِيۡنَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيۡمٰنَ

بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے' بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے۔ اور سلیمان کے لئے ان کے لشکر جمع کئے گئے

جُنُوۡدُهٗ مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ وَالطَّيۡرِ فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰى وَادِ النَّمۡلِ

جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے اور پرندوں میں سے تھے' پھر انہیں روکا جاتا تھا' یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں آئے

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا

تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے رہنے کی جگہوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل کے رکھ دیں اور انہیں خبر

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ

بھی نہ ہو سو وہ چیونٹی کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور عرض کیا کہ اے میرے رب آپ مجھے اسی پر رکھئے کہ میں آپ کی

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ

نعمت کا شکر ادا کرتا رہوں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جس سے آپ راضی ہوں اور آپ مجھے اپنی رحمت سے

فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اپنے نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا علم و فضل، جن و انس پر حکومت، چیونٹیوں کو بلوں میں داخل ہونے کا مشورہ

تفسیر: ان آیات میں تو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو علم عطا فرمایا تھا علوم نبوت تو ان دونوں کو دیئے ہی تھے دوسرے علوم بھی عطا فرمائے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم فرما دیا تھا وہ اس سے لوہے کی زرہیں بناتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسا اقتدار عطا فرمایا تھا جس کے ذریعہ شیاطین سے کام لیتے تھے ان سے عمارتیں بھی بنواتے تھے اور ان سے سمندروں میں غوطے بھی لگواتے تھے اور ان سے بڑے بڑے برتن بنواتے تھے جو تالابوں کے برابر ہوتے تھے اور بڑی بڑی ہانڈیاں بنواتے تھے جو زمین میں گڑی رہتی تھیں، دونوں باپ بیٹے تھے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کی اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی، دونوں باپ بیٹے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ علوم نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمرانی بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ملک کے وارث ہوئے اور یہ حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ ان کی حکومت جنات اور وحوش و طیور سب پر تھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مسخر فرما دیا تھا۔ یہ سب آپ کے حکم کے تابع تھے۔ چرندوں اور پرندوں میں اتنا شعور ہے کہ وہ جس کے لئے مسخر کر دیئے جائیں اس کے حکم کو سمجھیں اور اس کی فرمانبرداری کریں ہر ایک کو اس کے احوال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے شعور عطا فرمایا ہے جانور اس کو سمجھتے ہیں کہ ہمارا کون دشمن ہے آدمی پتھر اٹھائے تو کوا اور کتا دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ چھپکلی اِدھر اُدھر چھپ جاتی ہے۔ چیونٹی کی قوت شامہ

دیکھو جہاں ذرا سے کچھ میٹھا پڑا ہوگا ذرا دیر میں وہیں حاضر ہو جائے گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے زبان تو دوسرے حیوانات کی بھی سکھائی گئی تھی لیکن چونکہ آگے ہدہد کا قصہ آ رہا ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ جانوروں کی بولی کا تذکرہ فرما دیا انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے) اس سے اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہر چیز مراد ہے جو معیشت اور حکومت میں کام آئے اس کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی نعمتوں کا اقرار کرتے ہوئے یوں کہا کہ ہمیں ہر چیز دی گئی ہے' عن ابن عباس رضی اللہ عنہما هو مايهمه عليه السلام من امور الدنيا والاخرة وقد يقال انه ما يحتاج الملک من آلات الحرب و غيرها (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کا وہ سب مراد ہے جو حضور علیہ السلام کے لئے ہونا چاہئے اور بعض نے کہا اس سے مراد سامان جنگ ہے۔ جو ایک بادشاہ کی ضرورت ہوتی ہے) (روح المعانی ص ۱۷۴ ج ۱۹) ذلک هو الفضل المبين (یہ کھلا ہوا فضل ہے) شکر ادا کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے اس میں یہ بتا دیا کہ ہم سے افضل بھی اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ ان سے وہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں جو ان دونوں سے افضل تھے اور اس سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ اصل افضلیت وہی ہے جو ایمان کے ساتھ ہو اور اہل ایمان میں باہمی اخلاص اور اعمال کے اعتبار سے تفاضل ہے کافر اس قابل نہیں ہے کہ اسے مفضل علیہ قرار دیا جائے۔ یعنی وہ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی مومن بندہ یہ کہے کہ میں فلاں کافر سے افضل ہوں فضیلت بتانے کے لئے کوئی وجہ تو ہو کافر میں تو خیر ہے ہی نہیں۔ پھر کیسے کہیں کہ ہم اس سے افضل ہیں اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے لشکر میں جنات بھی تھے اور انسان بھی' اور پرندے بھی' جنہیں چلنے کے وقت روکا جایا کرتا تھا۔ روکے جانے کا مطلب یہ ہے کہ بڑی بھاری تعداد میں لشکر ہونے کی وجہ سے متفرق ہو جانے کا اندیشہ تھا لہٰذا ان کو روک روک کر چلایا جاتا تھا تاکہ پچھلے لشکر والے بھی آگے والے لشکروں تک پہنچ جائیں ایسا نہ ہو کہ اگلے والے آگے نکل جائیں اور پچھلوں کو خبر بھی نہ ہو۔ قال القرطبي معناه يردا اولهم الى آخرهم ويكفون قال قتادة كان لكل صنف وزعة في رتبتهم ومن الكرسي ومن الارض اذا مشوا فيها يقال وززعته اوزعه وزعا اى كففته والوازع في الحرب الموكل بالصفوف يزع من تقدم منهم (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ لشکر میں آگے والوں کو پیچھے والوں کی طرف لوٹا کر روکا جاتا۔ قتادہ کہتے ہیں ہر قسم کے لئے رتبہ میں ان کا ایک بڑا تھا کرسی میں بھی اور زمین پر چلنے میں بھی۔ کہا جاتا ہے وزعتہ' اوزعہ' وزعا یعنی میں نے اسے روکا۔ اور جنگ میں وزاع وہ ہوتا ہے جس کے ذمہ صفوں کا نظام ہوتا ہے کہ جو آگے بڑھا ہوا ہے اسے پیچھے ہٹائے)

اس کے بعد ایک واقعہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کو لیکر جا رہے تھے ایک چیونٹی کو ان کا پتہ چل گیا اس نے چیونٹیوں سے کہا تم اپنے اپنے رہنے کے ٹھکانوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر بے علمی میں تمہیں روند ڈالیں جس سے تم پس کر رہ جاؤ اور انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات سن لی اور سمجھ لیا اور اس کی بات سن کر ایسے مسکرائے کہ ہنسی تک نوبت پہنچ گئی۔ اور اللہ پاک کے حضور میں یوں دعا کی کہ اے رب مجھے آپ اس کام میں لگائے رکھیئے کہ آپ نے جو مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا ہے میں اس کا شکر ادا

کرتا ہوں اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل رکھیئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ چیونٹیاں سمجھتی بھی ہیں اور بولتی بھی ہیں گو ہم ان کی بولنے کو نہ سن سکیں اور نہ سمجھ سکیں' ایک چیونٹی نے جو اپنی جنس کو خطاب کر کے کہا اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی اپنے امتیوں کو لیکر (آبادی سے باہر) بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے' اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی آسمان کی طرف اپنی ایک ٹانگ اٹھائے ہوئے ہے' یہ دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ چلو واپس ہو جاؤ اس چیونٹی کی وجہ سے ہمارے حق میں دعا قبول ہو گئی (رواہ الدار قطنی کمافی المشکوۃ ص ۱۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرام میں سے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے حکم دیا کہ چیونٹیوں کی آبادی کو جلا دیا جائے' چنانچہ وہ جلا دی گئی' اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے وحی بھیجی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اس کی وجہ سے تم نے تسبیح پڑھنے والی امتوں میں سے ایک امت کو جلا دیا۔ (رواہ البخاری ص ۴۶۷)

شریعت میں ایذا دینے والی چیونٹی کو مار دینا جائز تو ہے جلا کر ہلاک کرنا جائز نہیں۔

سنن ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چیونٹیوں کی ایک آبادی کو دیکھا جسے حضرات صحابہ نے جلا دیا تھا' آپ نے فرمایا کہ اسے کس نے جلایا؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے' آپ نے فرمایا **لا ینبغی ان یعذب بالنار الارب النار'** بلاوجہ چیونٹی کو قتل کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار جانوروں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے (۱) چیونٹی (۲) شہد کی مکھی (۳) ہدہد (۴) صرد (رواہ ابوداؤد)

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جو **فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا** فرمایا اس میں لفظ تبسم (مسکرانا) اور ضاحکاً (ہنسنا) دونوں کو جمع فرما دیا ہے جب کسی کو ہنسی آتی ہے تو عموماً مسکراہٹ سے شروع ہوتی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اولاً مسکرہٹ آ گئی جو ہنسی تک پہنچ گئی اس میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ ہنسنا محمود کام نہیں ہے کبھی کبھار کوئی ہنسی آ جائے تو دوسری بات ہے زیادہ تر مسکرانے سے کام چلانا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ پوری طرح ہنسے ہوں اور آپ کے گلے کا کوا دیکھنے میں آ گیا ہو' آپ تو بس مسکرایا ہی کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی صفت بیان کی **وکان لا یضحک الا تبسما** (آپ نہیں ہنستے تھے مگر مسکرا کر) (رواہ الترمذی)

بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ہنسی آئی ہو اور آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئی ہوں' شمائل ترمذی میں ہے **لقد رایت**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحک یوم الخندق حتی بدت نواجذہ' (میں نے غزوہ خندق کے دن دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں) اور بھی بعض روایات میں ایسا وارد ہوا ہے' آپ نے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ کو چند نصیحتیں ایک ہی مجلس میں فرمائی تھیں جن میں ایک یہ بھی تھا ایاک و کثرۃ الضحک فانہ یمیت القلب ویذھب بنور الوجہ کہ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ دل کو مردہ کر دیتا ہے اور چہرہ کے نور کو ختم کر دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ اے پروردگار آپ نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں مجھے اس حال پر باقی رکھیئے کہ میں ان کا شکر کرتا رہوں اس سے معلوم ہوا کہ والدین پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوں ان کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے' بات یہ ہے' بہت سی نعمتیں والدین کے ذریعہ اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور وہ نعمتوں کا ذریعہ بنتے ہیں۔ علوم دینیہ اور اعمال صالحہ پر ڈالنے میں عموماً والدین ہی کا دخل ہوتا ہے والدین میں جو دینداری کے جذبات ہوتے ہیں یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے یہ نعمت اولاد کی دینداری کا سبب بن جاتی ہے لہٰذا اولاد کو اس نعمت کا بھی شکر ادا کرنا ضروری ہوا' نیز والدین سے جو میراث ملتی ہے وہ پہلے ماں باپ کو ملتی ہے پھر اولاد کو پہنچتی ہے لہٰذا اس کا بھی شکر ادا کیا جائے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ

اور سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں' کیا وہ کہیں غائب ہے؟ میں اسے ضرور ضرور سخت

عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ

سزا دوں گا یا ضرور ضرور اسے ذبح کردوں گا' یا یہ بات ہو کہ وہ میرے سامنے کوئی صریح دلیل لیکر آئے۔ پھر تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ہدہد نے کہا

أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ

کہ میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں بے شک میں نے ایک عورت کو پایا جو ان پر بادشاہت کرتی ہے

وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ

اور اسے ہر چیز دیدی گئی ہے' اور اس کے لئے ایک بڑا تخت ہے' میں نے اسے اور اس کی قوم کو اس حالت پر پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج

مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾

کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے سو اس نے انہیں راہ سے ہٹا دیا لہٰذا وہ ہدایت نہیں پاتے'

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ

وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو

وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ

اور ظاہر کرتے ہو۔ اللہ ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے، سلیمان نے کہا ہم عنقریب دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

جھوٹوں میں سے ہے، میرا یہ خط لیجا اور اسے ان کے پاس ڈالدے پھر ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ وہ کیا بات چیت کرتے ہیں،

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ

کہنے لگی کہ اے درباروالو میرے پاس ایک خط ڈالا گیا ہے جو عزت والا خط ہے بے شک وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں اللہ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ

کے نام سے جو رحمٰن ہے رحیم ہے۔ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی نہ جتاؤ اور میرے پاس فرماں بردار ہو کر آ جاؤ، کہنے لگی اے درباروالو!

اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ

تم میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو وہ کہنے لگے کہ ہم طاقت والے ہیں اور سخت

وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

لڑائی والے ہیں اور تمہیں اختیار ہے سو تم دیکھ لو کیا حکم کرتی ہو، کہنے لگی کہ بلا شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کر دیتے ہیں،

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ

اور جو اس کے رہنے والے باعزت ہوتے ہیں انہیں ذلیل بنا دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ

بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ

بھیجے ہوئے لوگ کیا جواب لیکر واپس ہوتے ہیں۔ سو جب وہ قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو سو اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے

مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا

وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ تم اپنے ہدیہ پر خوش ہوتے ہو تو ان لوگوں کے پاس لوٹ جا ہم ان پر ایسے لشکر بھیجتے ہیں کہ وہ لوگ ان کا

قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے

حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی حاضری لینا' ہدہد کا غائب ہونا اور ملک سبا سے ایک ملکہ کی خبر لینا' اور اس کے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لیجانا اور ملکہ کا ہدیہ بھیجنا

تفسیر: حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت انسان جنات چرند پرند سب پر تھی وہ ان سب کے بادشاہ تھے' اور یہ چیزیں ان کے لشکر کا جزو تھیں ایک بار جانوروں کی حاضری لی تو جانور جمع ہو گئے لیکن ان میں ہدہد حاضر نہیں ہوا (ممکن ہے انہوں نے ہر جنس کے بڑے ہی کو بلایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمام جانوروں کو جمع ہونے کا حکم دیا ہو سب جانور جمع ہو گئے ہد ہد بھی سب آ گئے لیکن ان کا سردار حاضر نہ ہوا ہو) جب مطلوبہ ہدہد کو انہوں نے حاضر نہ پایا تو فرمانے لگے کیا بات ہے مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا ہے' کیا کسی ایسے گوشہ میں ہے جسے میں دیکھ نہیں پاتا یا وہ موجود ہی نہیں ہے تو اسے یا تو سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا الا یہ کہ اپنی غیر حاضری کا عذر واضح دلیل کے ساتھ بیان کرے' ابھی ذرا سی ہی دیر گذری تھی کہ ہدہد حاضر ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں ملک سبا میں چلا گیا تھا اور میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں ہے (علم ایسی ہی چیز ہے جس سے بات کرنے کا حوصلہ ہو جاتا ہے)

میں ملک سبا سے ایسی خبر لایا ہوں جو بالکل یقینی ہے اور وہ خبر یہ ہے کہ وہاں ایک عورت کی بادشاہت چلتی ہے اس عورت کے پاس شاہی ضرورت کی ہر چیز موجود ہے اور ایک بڑا تخت ہے جس پر وہ بیٹھتی ہے یہ عورت اور اس کی قوم کے لوگ مشرک ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کہ جو تنہا ہے اور معبود حقیقی ہے سورج کو سجدہ کرتے ہیں شیطان ان کے پیچھے لگا ہوا ہے اس نے ان کے اعمال شرکیہ کو مزین کر دیا ہے اور انہیں راہ حق سے ہٹا رکھا ہے' راہ حق تو یہ ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور ان سب چیزوں کو جانتا ہے جنہیں آپ لوگ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں' شیطان نے راہ حق سے ہٹا کر انہیں شرک پر لگا دیا ہے اب وہ اسی پر جمے ہوئے ہیں' جبکہ ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جب ہدہد نے اپنا بیان دے دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا ہم ابھی پتہ چلا لیتے ہیں کہ تو اپنی بات میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے میں ایک خط لکھتا ہوں اور تیرے ہی ذریعہ بھیجتا ہوں میرا یہ خط لیجا اور جہاں ملکہ سبا اور اس کے درباری لوگ بیٹھتے ہیں وہاں جا کر اس کو ڈال دینا پھر وہاں سے ہٹ جانا تاکہ وہ اسے پڑھیں اور آپس میں گفتگو اور مشورہ کریں' وہاں سے ہٹ تو جانا لیکن اتنی دور بھی نہ ہو جانا کہ ان کی باتوں اور مشوروں کا پتہ نہ چلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

(بلاشبہ وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن ہے رحیم ہے تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی نہ جتاؤ اور میرے پاس فرماں بردار ہو کر آ جاؤ)

اس خط لکھنے کا یہ ادب معلوم ہوا کہ خط لکھنے والا پہلے اپنا نام لکھے تا کہ مکتوب الیہ کو معلوم ہو جائے کہ جو خط میں پڑھ رہا ہوں وہ کس کی طرف سے ہے۔ دوسرا ادب یہ معلوم ہوا کہ خط کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا جائے۔ اگرچہ کسی کافر کے نام خط لکھا جارہا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے جو شاہ فارس ہرقل کو دعوت اسلام کا خط لکھا تھا اس کی ابتداء بھی اس طرح ہے کہ پہلے آپ نے اپنا اسم گرامی لکھا پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ من محمد عبد اللّٰہ ورسوله الی هرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدی تحریر فرمایا اس میں سلام کا اضافہ ہے لیکن السلام علیکم نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ اس پر سلام ہو جو ہدایت کا اتباع کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے بھی والسلام علی من اتبع الهدی فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ زبانی یا تحریری طور پر کافروں کو سلام نہ کیا جائے اگر ان کو سلام کرنا ہو تو سلام علی من اتبع الهدی یا اس کے ہم معنی الفاظ کہہ دیں یا لکھ دیں چونکہ سلام لکھنا کوئی فرض واجب نہیں ہے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر نہیں فرمایا' یہ معلوم ہو چکا تھا کہ جس عورت کو خط لکھا جارہا ہے وہ اور اس کی قوم سورج کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے اللہ کا نام شروع میں لکھ دیا اور یہ بھی بتادیا کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے اس کی طرف رجوع کریں گے تو اس کی رحمت سے نوازے جائیں گے' پھر بڑی جسارت اور دلیری کے ساتھ تحریر فرمایا کہ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑے نہ بنو۔ تکبر نہ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ تم میرے پاس فرماں بردار ہو کر آ جاؤ' خط لکھ کر ہدہد کے حوالے کر دیا۔

حسب الحکم ہدہد نے خط لے جا کر اس مجلس میں ڈال دیا جس میں ملکہ سبا اور اس کے ارکان دولت موجود تھے وہاں خط ڈال کر ہدہد ذرا دور ہٹ گیا ملکہ نے خط کھولا پڑھا اور اس کا مضمون اپنے درباریوں کو سنایا' خط بہت جاندار تھا کسی صاحب اقتدار کو یہ لکھا جائے کہ تم میرے مقابلہ میں بڑے نہ بنو اور فرماں بردار ہو کر آ جاؤ' یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے' ملکہ سبا نے سمجھ لیا کہ خط لکھنے والا ہم سے بڑھ کر صاحب اقتدار معلوم ہوتا ہے' اگر ہم کوئی الٹا سیدھا جواب لکھ دیں تو یہ اپنی بڑائی جتانا ہوگا' اگر صاحب مکتوب نے ہم پر حملہ کر دیا تو ممکن ہے کہ ہم مغلوب ہو جائیں' جس سے ہماری حکومت بھی تباہ ہو جائے اور رعیت کو بھی ناگوار احوال سے دوچار ہونا پڑے لہٰذا ہمیں سنجیدگی سے بصیرت کے ساتھ اس مسئلہ سے نبٹنا چاہئے۔

خط پڑھ کر ملکہ سبا نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر کبھی کوئی اقدام نہیں کرتی اس لئے اب تم مشورہ دو کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ ارکان دولت نے کہا جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے تو اس کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں' رہا مشورہ کا معاملہ تو فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے جو مناسب ہو اس کے لئے حکم کیجئے۔

ملکہ نے کہا بے شک ہم طاقتور اور صاحب شوکت ہیں' لیکن سلیمان کے معاملہ میں ہم کو عجلت نہیں کرنی چاہئے' پہلے ہم

کو اس کی قوت وطاقت کا اندازہ کرنا ضروری ہے کیونکہ جس عجیب طریقہ سے ہم تک یہ پیغام پہنچا ہے وہ اس کا سبق دیتا ہے کہ سوچ سمجھ کی قدم اٹھانا مناسب ہے' میرا ارادہ یہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں جو سلیمان کے لئے عمدہ اور بیش بہا تحائف لیجائیں اس بہانہ سے وہ اس کی شوکت وعظمت کا اندازہ لگا سکیں گے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اگر واقعی وہ زبردست قوت وشوکت کا مالک اور شاہنشاہ ہے تو پھر اس سے ہمارا لڑنا مصیبت کو دعوت دینا ہے اس لئے کہ صاحب طاقت وشوکت والے بادشاہوں کا یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی بستی میں فاتحانہ غلبہ کے ساتھ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو برباد اور باعزت شہریوں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہے۔ ہمیں بلاوجہ بربادی مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟

چنانچہ ملکہ نے چند ہدایا اور تحفہ جات تیار کئے اور اپنے چند اہل کاروں کو قاصد بنا کر بھیج دیا جب وہ لوگ یہ اموال ہدایا اور تحفے لیکر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کیا تم لوگ مال کے ذریعہ میری مدد کرنا چاہتے ہو جس کی وجہ سے یہ تحفے لائے ہو؟ سو اللہ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے' (کیونکہ تمہارے پاس صرف اموال ہیں اور کچھ انسانوں کی جماعت کے فوجی ہیں اور میرے پاس تو دنیا کا وہ وہ مال ہے جسے تم جانتے بھی نہیں' تمہارے پاس تو زمین ہی کا کچھ حصہ ہے اور میرے لئے تو زمین کے اندر تانبے کی نہر بہہ رہی ہے اور میری فوج میں انسان بھی ہیں جنات بھی ہیں وحوش بھی ہیں اور طیور بھی ان چیزوں کا حضرت سلیمان کے جواب میں تذکرہ نہیں ہے البتہ مَآ اٰتٰىنِیَ اللّٰهُ کے عموم میں یہ سب چیزیں داخل ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام نے مزید فرمایا بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ یعنی ہمیں تو تمہارے تحفوں کے ملنے کی خوشی نہیں ہے بلکہ تم ہی اپنے ھدیہ پر خوش ہو رہے ہو پھر قاصدوں میں جو ایک خصوصی قاصد تھا اس سے فرمایا کہ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ کہ جاؤ ان کے پاس واپس چلے جاؤ (اور اپنے ہدایا بھی لے جاؤ کما فی روح المعانی) اگر ہماری بات نہ مانی اور ہمارے پاس فرماں بردار ہو کر نہ آئے تو ہم ان کے پاس ایسی فوجیں لیکر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انکو وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے۔

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ

سلیمان نے کہا کہ اے درباروالو! کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کا تخت اس سے پہلے میرے پاس لیکر آ جائے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں' جنات میں سے

الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ

ایک دیونے کہا کہ میں اسے اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنے مقام سے کھڑے ہوں اور بلاشبہ میں اس پر قدرت رکھتا ہوں امانت دار ہوں اس شخص نے کہا

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ

جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ کی آنکھ جھپکے سو جب اسے اپنے پاس دھرا ہوا دیکھا تو کہنے لگے

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

کہ یہ میرے رب کا ایک فضل ہے تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنی ہی جان کے لئے شکر کرتا ہے اور جو شخص

كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ

ناشکری کرے اس میں شک نہیں کہ میرا رب غنی ہے کریم ہے سلیمان نے کہا کہ اس کے لئے اس کے تخت کو بدل دو تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا

الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ

ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے سو جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے کہنے لگی گویا یہ تو وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے علم دیدیا گیا تھا

مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ

اور ہم فرماں بردار ہو چکے ہیں، اور سلیمان نے اسے اس سے روک دیا جو وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی بلاشبہ وہ کافر قوم میں سے تھی،

كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ

اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جا سو جب اس نے اسے دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں سلیمان نے کہا بلاشبہ

صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ

یہ ایسا ایک محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے وہ کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار بلاشبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

العالمین کی فرماں برداری قبول کر لی،

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ سبا کا تخت منگوانا، پھر اس سے دریافت کرنا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ پھر اس کا مسلمان ہو جانا

تفسیر: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے قاصدوں کو ہدایا سمیت واپس کر دیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ لوگ فرماں بردار ہو کر آئیں گے ہمارے لشکروں سے لڑنے کا ارادہ نہ کریں گے، بعض مفسرین نے یوں لکھا ہے کہ ملکہ سبا اپنے مصاحبین کے ساتھ روانہ ہو چکی تھی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پایہ تخت کے قریب پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ اس کا غبار بھی نظر آ گیا تھا لہٰذا انہوں نے عرش کو حاضر کرنے کا حکم فرمایا اور یہ مناسب جانا کہ اپنی قوت اور شوکت کا ملکہ سبا اور اس کے ساتھ آنے والوں کے سامنے مزید مظاہرہ ہو جائے سبا سے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پایہ تخت تک ان لوگوں کے پاس بہت جلدی پہنچنے کا انتظام نہ تھا، اتنی دور سے آنے کے لئے اچھی

خاصی مدت درکار تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے مناسب جانا کہ ملکہ سبا کا تخت (جسے ہدہد نے عرش عظیم سے تعبیر کیا تھا) منگالیا جائے آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ تم میں سے ایسا شخص کون ہے جو ملکہ سبا کے تخت کو ان کے آنے سے پہلے میرے پاس لے آئے، حاضرین میں سے ایک بڑا قوی ہیکل عفریت دیو بولا کہ آپ یہاں اپنے اجلاس میں تشریف رکھتے ہیں اس سے پہلے کہ آپ اجلاس سے فارغ ہو کر یہاں سے اٹھیں میں اس عرش کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ اور میرے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ مجھے اتنے وقت میں اس کے لانے پر قوت بھی ہے اور میں امانتدار بھی ہوں، چونکہ آپ کے حکم کا فرماں بردار ہوں لہٰذا یہ بھی نہیں کر سکتا کہ خیانت کر جاؤں اور اسے لیکر کہیں چلا جاؤں اس قوی ہیکل عفریت نے یوں کہا تھا کہ میں اتنی دیر میں لے آؤں گا کہ آپ کے اٹھنے سے پہلے پیش کر دوں، وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دیگر خاص متعلقین بھی تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ آپ کے اٹھنے میں تو دیر ہے میں تو اس سے بھی پہلے اس کے تخت کو لا کر حاضر کر سکتا ہوں کہ آپ کی آنکھ بھی جھپکنے نہ پائے، اس نے کہا اور اسی وقت حاضر کر دیا پلک جھپکنے میں کیا دیر لگتی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ تخت ان کے پاس وہیں دھرا ہوا ہے اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد آ گئے اور اس تازہ انعام کی طرف خاص طور سے ذہن جانا ہی تھا، کہنے لگے کہ میرے رب کے انعامات میں سے یہ بھی ایک انعام ہے اس نے جو یہ انعامات عنایت فرمائے ہیں ان میں اللہ کی طرف سے میری آزمائش ہے کہ میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شخص اپنے رب کا شکر گذار ہو اس کی یہ شکر گذاری اس کے اپنے ہی لئے نفع مند ہے دنیا میں بھی اسکا نفع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر گذاری پر اور زیادہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا فائدہ ہے کیونکہ شکر گزار بندوں کو ان کے شکر کے عوض وہاں مزید نعمتیں ملیں گی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ناشکری کرے تو اس سے رب العالمین جل مجدہ کا کوئی نقصان نہیں ہے وہ بے نیاز ہے کریم ہے اسے کسی کے شکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی کے ناشکرا ہونے سے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور کسی کے شکر گذار ہونے سے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ صاحب کون تھے جو پلک جھپکنے سے قبل مختصر وقت میں ملکہ سبا کا عرش لے آئے اس کے بارے میں مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ حضرت آصف بن برخیا تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اس کے بارے میں اور بھی مختلف اقوال ہیں جنہیں علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آصف بن برخیا نے دو رکعت نماز پڑھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی آپ ذرا یمن کی طرف اپنی نظر بڑھائیں انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اچانک تخت موجود تھا۔

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات سے اس سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم مراد لیا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو ضرور قبول فرماتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الکتاب سے زبور شریف مراد ہو ظاہر ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ہوگی جو ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، ان کے مصاحبین اور خواص اہل

مجلس اسے ضرور پڑھتے ہوں گے۔ مشہور ہے کہ زبور شریف اذکار اور ادعیہ پر مشتمل تھی۔ یہ بات احقر کے ذہن میں آئی ہے ابھی تک کہیں لکھی ہوئی نہیں دیکھی۔ متعدد اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ ملک سبا کے تخت کو لانے والے خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے جب عفریت نے یہ کہا کہ میں آپ کے اس مقام سے کھڑے ہونے سے پہلے لے آؤں گا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور تحقیر اسے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں چنانچہ اسی وقت آن واحد میں اس کا تخت وہیں موجود ہو گیا' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تخت مذکور کے لے آئے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تخت مذکور کے لانے والے تھے۔

بہر حال اگر حضرت سلیمان علیہ السلام لائے تو ان کا معجزہ تھا اور دوسرا کوئی شخص لایا تو اس کی کرامت تھی۔

یاد رہے قرآن مجید میں عرش کے لانے کا ذکر ہے اس کے لانے کے لئے سفر کرنے کا ذکر نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ تخت وہیں بیٹھے بیٹھے حاضر ہو گیا' کس طرح آیا؟ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ ہوا لیکر آئی جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا جلد سے جلد لے آئی' یوں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر تھی جس کے بارے میں فرمایا ہے غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا اور اس کا شام کا چلنا ایک مہینہ کی مسافت کا تھا) علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان اور تخت مذکور کے درمیان اتنا فاصلہ جتنا تھا کوفہ اور حیرہ کے درمیان ہے' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ معجزہ طی ارض کے طور پر ظاہر ہوا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر نفق یعنی سرنگ پیدا فرمادی جس کے اندر سے وہ تخت چلا آیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تصرف کے ذریعہ یہ واقعہ پیش آیا' واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جب ملکہ سبا کا تخت پہنچ گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو بدل دو یعنی اس میں کچھ تغیر تبدل کر دو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ اپنے عرش کو پہچاننے کی طرف راہ یاب ہوتی ہے یا نہیں' چنانچہ ایسا ہی کر دیا گیا۔ جب ملکہ سبا آئی تو فرمایا دیکھ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ تخت کا عرض طول وغیرہ دیکھ کر اس کو یہ خیال آیا کہ یہ میرا ہی تخت ہے لیکن ایک تو بدل دیا گیا تھا دوسرے وہ اسے تالوں بند کر کے آئی تھی اس لئے اس نے نہ اقرار کیا نہ انکار اور ایک ایسا ہی لفظ بول دیا جس سے دونوں پہلو نمایاں ہو رہے تھے کہنے لگی ہو نہ ہو گویا کہ وہ تخت یہی ہے مفسرین نے فرمایا ہے کہ بعض شیاطین نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ ملکہ کی عقل میں کچھ کمی ہے۔ لہٰذا آپ نے اس کا امتحان لیا اس نے جو جواب دیا اس سے اس کے کمال عقل کا علم ہو گیا۔

بعض حضرات نے اس کا عرش منگوانے اور پھر اس سے یہ بات کرنے میں کہ تیرا عرش اسی طرح کا ہے؟ یہ حکمت بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا کو یہ بتانا مقصود تھا کہ جنات میرے مسخر ہیں تاکہ وہ سلطنت ارضی کو بھی سمجھ لے اور آپ کی نبوت کی بھی قائل ہو جائے اور ایمان قبول کرے۔

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ ملکہ سبا کا قول ہے اس نے اپنا تخت

دیکھ کر کہا کہ میرے عرش کا آ جانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شوکت کی ایک نشانی ہے۔ اس نشانی کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی ہم نے جان لیا تھا کہ وہ بڑی سلطنت اور دبدبہ والے ہیں اور ہم پہلے ہی سے ان کے فرمانبردار بن گئے تھے' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ فرمانبردار ہو کر آنے والے ہیں' ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ اس وصف میں شریک ہو گئے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اول یہ سمجھیں کہ صد فعل ہے اور ھا ضمیر مفعول مقدم ہے اور ما کانت تعبد صلہ موصول ملکر فعل کا فاعل ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ جو غیر اللہ کی عبادت کرتی تھی اس کے اس عمل نے اسے اللہ کی عبادت کرنے سے روک دیا تھا اور بعض حضرات نے اس کا دوسرا مطلب بتایا ہے اور وہ یہ کہ ما کانت تعبد صلہ موصول مل کر مفعول ہے اور فاعل ضمیر ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس عورت کو اس کے عمل یعنی عبادت لغیر اللہ سے روک دیا۔ اس صورت میں عن حرف جار مقدر ہوگا یعنی وَصَدَّهَا عَنْ مَّا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (بلاشبہ وہ کافر قوم میں سے تھی) چونکہ وہ ملک سبا کی رہنے والی تھی اور وہاں کے لوگ کافر تھے اس لئے وہ بھی ان کی دیکھا دیکھی کفر اختیار کئے ہوئی تھی کیونکہ اکثر اوقات قومی رواج اور قومی عادت انسان کو سوچنے سمجھنے کے بارے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں' چونکہ وہ عورت عاقلہ تھی اس لئے جب اسے تنبہ ہو گیا تو سمجھ گئی کہ واقعی میں غلطی پر ہوں میرا دین شرک غلط ہے مجھ سے زیادہ تو اس شخص کا جلال ہے جس نے مجھے خط لکھا ہے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِى الصَّرْحَ (اس سے کہا گیا تو محل میں داخل ہو جا) فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (سو جب اس محل کو دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے) وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا (اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں تا کہ صحن میں پانی سے گذرتے ہوئے کپڑے تر نہ ہو جائیں)

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (سلیمان نے کہا کہ یہ تو محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام نے مناسب جانا کہ اعجاز نبوت کے ساتھ ملکہ سبا کو ظاہری سلطنت اور شوکت بھی دکھا دی جائے۔ تا کہ وہ عورت دنیا کے اعتبار سے بھی اپنی بادشاہت اور سلطنت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلہ میں بڑی نہ سمجھے' اس کے آنے سے پہلے انہوں نے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوا دیا تھا پھر اس حوض میں پانی بھر دیا پھر اس کو شیشوں ہی سے پاٹ دیا اور وہ شیشے ایسے شفاف تھے کہ نیچے کا پانی اس طرح نظر آتا تھا کہ گویا اسی پانی سے ہو کر گذرنا ہوگا جب ملکہ سبا نے گذرنے کے لئے پنڈلیاں کھول دیں تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو شیشے کا محل ہے پنڈلیاں کھولنے کی حاجت نہیں' پانی جو نظر آ رہا ہے وہ شیشہ کے نیچے ہے اس سے ملکہ سبا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت اور سلطنت کا مزید پتہ چل گیا اور سمجھ میں آ گیا کہ جیسی صنعت کاری یہاں ہے وہ تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اے رب میں نے اب تک اپنی جان پر ظلم کیا کہ غیر اللہ کی عبادت کرتی رہی' اب تو میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی فرمانبردار بنتی ہوں۔ یعنی سلیمان کا جو دین ہے اب میرا بھی وہی ہے)

فوائد

(۱) قرآن مجید میں ملکہ سبا کا اور اس کے اقتدار کا اور آفتاب کی پرستش کا پھر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے لیکن اس ملکہ کا نام کیا تھا قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے عام طور پر مشہور ہے کہ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا۔

(۲) جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کیا ہوا قرآن مجید اس سے بھی ساکت ہے' جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں داخل ہو گئی تو اب ان کے ملک میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم جاری ہو گیا۔

(۳) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب بلقیس نے یہ سمجھ کر کہ پانی میں گذرنا ہو گا اپنی پنڈلیاں کھول دیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی آنکھیں پھیر کر فرمایا کہ یہ تو شیشوں کا بنایا ہوا محل ہے۔ اور ایک نبی کی بلکہ ہر صالح مومن کی یہی شان ہے کہ وہ ایسی جگہ نظر نہ ڈالے جہاں نظر ڈالنے کی اجازت نہیں۔ اگر نظر پڑ جائے تو اسی وقت نظر کو پھیر لے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیجا نظر پڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے حکم دیا کہ نظر پھیر لو اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر باقی نہ رکھو کیونکہ بلا اختیار جو پہلی نظر پڑ جائے اس پر تمہارا مواخذہ نہیں ہو گا' اور دوسری نظر پر مواخذہ ہو گا (مشکوٰۃ المصابیح)

(۴) ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جو ہدیہ بھیجا تھا اسے انہوں نے واپس فرما دیا کیونکہ واپس کرنے میں مصلحت تھی اور اسے یہ بتانا تھا کہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت ہے اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے مجھے اس سے بہتر عطا فرمایا ہے' اس میں بھی ایک طرح سے اپنے اقتدار کی شان وشوکت کو اس کے اقتدار سے اعلیٰ وارفع بتانا مقصود تھا تاکہ اس پر مزید ہیبت قائم ہو جائے اور اسے بات کے سمجھنے میں اور فرماں بردار ہو کے آنے میں تامل کرنے کا ذرا بھی موقعہ نہ رہے' اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے جسے علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر ہدیہ قبول کر لیتے تو یہ ہدیہ رشوت بن جاتا اور گویا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بلقیس اپنے ملک اور اپنے دین شرک پر قائم رہے اور اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اس طرح سے حق کو باطل کے عوض بیچنے کی ایک صورت بن جاتی' لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا ہدیہ واپس فرما دیا۔

رسول اللہ ﷺ ہدیہ دیتے بھی تھے اور ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور جو شخص ہدیہ دیتا تھا اس کا بدلہ بھی دیدیتے تھے اور آپس میں ہدیہ لینے دینے کا حکم بھی فرماتے تھے موطا مالک میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تصافحوا یذھب

الغل وتھادوا تحابوا وتذھب الشحنا (آپس میں مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ہدیہ لیا کرو اس سے آپس میں محبت ہوگی اور دشمنی چلے جائے گی) آپس میں مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ ہدیہ لیا دیا کریں اور اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہدیہ نہ لیا جائے مثلاً رشوت بصورت ہدیہ دی جارہی ہو یا کوئی شخص مال حرام سے ہدیہ دے رہا ہو یا اور کوئی عذر ہو تو یہ دوسری بات ہے رہی یہ بات کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے آپ نے ان کا ہدیہ قبول بھی فرمایا ہے اور رد بھی کیا ہے آپ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کا ہدیہ علی الاطلاق نہ قبول کرنا ہے اور نہ رد کرنا ہے دینی مصلحت کو دیکھا جائے۔

کسی کافر مشرک کا ہدیہ قبول کرنے سے اسلام قبول کرنے کی امید ہو تو اس کا ہدیہ قبول کر لیا جائے کیونکہ یہ ایک دینی مصلحت ہے اور اگر کافر مشرک کا ہدیہ قبول کرنے میں ان کی طرف سے کسی سازش یا دھوکہ دہی اور فریب کاری کا اندیشہ ہو یا اور کوئی بات خلاف مصلحت ہو تو ان کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے۔

لفظ فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰہُ ہندوستان و پاکستان کے جو مطبوعہ مصاحف ہیں ان میں نون کے بعد لمبی (ے) لکھ کر فتحہ دے دیا گیا ہے تاکہ حضرت حفصؒ کی روایت فی الوصل پر دلالت کرے' وہ اس میں وصل کرتے ہوئے رسم قرآنی کے خلاف یائے مفتوحہ ظاہر کر کے پڑھتے ہیں جیسا کہ ہندو پاک کے حفاظ و قراء میں معروف و مشہور ہے (رسم عثمانی میں صرف ن ہے ے نہیں ہے) اب رہی وقف کی حالت تو اس میں حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں ہیں وقف بالاثبات یعنی فما آتانی اور وقف بالحذف بھی یعنی فما آتان اس میں انہوں نے بحالت وصل رسم کی مخالفت کی ہے کیونکہ ی کو ظاہر کر کے پڑھا ہے اور وقف کی ایک صورت میں بھی مخالفت کی ہے اور وہ یہ کہ ی کو واپس لا کر ساکن کر کے پڑھا' اس کو خوب غور کر کے سمجھیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور بلاشبہ ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک ان میں دو جماعتیں ہو گئیں جو آپ میں جھگڑا کر رہے تھے

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

صالح نے کہا کہ اے میری قوم تم اچھی بات سے پہلے بری حالت کی کیوں جلدی کرتے ہو؟ تم کیوں اللہ سے مغفرت طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

رحم کیا جائے' وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہم بدشگونی لے رہے ہیں' صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو عذاب میں مبتلا ہونے والے ہو

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا

اور ان کے شہر میں نو اشخاص تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے وہ کہنے لگے کہ تم سب مل کر آپس میں اللہ کی قسم کھا لو کہ ہم صالح کو اور اس کے گھر والوں کو راتوں رات ایسی حالت میں قتل کر دیں گے

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں ہوگا پھر ضرور ضرور ہم اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے موقع پر حاضر نہیں تھے اور بلاشبہ ہم سچ کہہ رہے ہیں،

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ

اور انہوں نے خاص قسم کا مکر کیا اور ہم نے اس حال میں خاص تدبیر کی اور انہیں پتہ بھی نہیں چلا سو دیکھ لیجئے مکر کا کیا انجام ہوا؟ بلاشبہ ہم نے انہیں اور ان کی

وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾

قوم کو سب کو ہلاک کر دیا سو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو جانتے ہیں،

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کا مبعوث ہونا، قوم کی بدسلوکی کرنا پھر ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں قوم ثمود کی کٹ حجتی اور بربادی کا ذکر ہے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ بھی مشرک تھے، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو ہر طرح سمجھایا لیکن ان میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے جو دنیاوی اعتبار سے ضعیف سمجھے جاتے تھے۔ جو لوگ اہل دنیا تھے اور متکبر تھے وہ کفر پر اڑے رہے اسی کو فرمایا فَاِذَا هُمْ فَرِيْقَانِ يَخْتَصِمُوْنَ (کہ وہ دو جماعتیں ہو گئیں جو آپس میں جھگڑتے تھے) اس کا ذکر سورہ اعراف میں گزر چکا ہے، جو لوگ دنیاوی اعتبار سے بڑے تھے انہوں نے اہل ایمان سے کہا جو ضعیف تھے۔ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے مومنین نے کہا جو ضعفاء تھے) اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (بے شک ہم اس پر ایمان لائے جو صالح پر نازل ہوا) اس پر متکبرین نے کہا اِنَّا بِالَّذِيْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (بے شک اس کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لائے) ان متکبرین منکرین نے حضرت صالح علیہ السلام سے یوں بھی کہا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اے صالح وہ عذاب لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم پیغمبروں میں سے ہو)

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (کہ تم اچھی بات سے پہلے عذاب کی جلدی کیوں کرتے ہو عذاب کی وعید سن کر تمہیں ایمان لانا چاہیے تھا لیکن ایمان لانے کی بجائے تم عذاب مانگ رہے ہو تم کفر کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہو تم اللہ سے مغفرت کیوں طلب

نہیں کرتے‘ مغفرت طلب کرلو اور کفر سے تائب ہو جاؤ تم پر رحم کیا جائے گا‘ اس کے جواب میں انہوں نے یوں کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں تمہارے آنے کی وجہ سے ہماری قوم میں نا اتفاقی ہو گئی کچھ لوگ تمہارے ساتھ ہو گئے اور کچھ لوگ اپنے پرانے دین پر باقی ہیں اس نا اتفاقی کی وجہ سے ہمارے اندر انتشار اور خلفشار پیدا ہو گیا اور دوسری مشکلات بھی پیدا ہو گئیں روح المعانی میں لکھا ہے کہ وہ لوگ قحط میں مبتلا کر دیئے گئے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نحوست کا سبب تو اللہ کے علم میں ہے یعنی تمہارے اعمال کفریہ ان خرابیوں اور مصیبتوں کا سبب ہیں اگر تم سب ایمان لے آتے تو اللہ کی رحمتیں نازل ہوتیں۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ اب تو تمہیں عذاب میں مبتلا ہونا ہی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی تبلیغ کرنے اور اظہار حق میں یہ سوچ کر کوتاہی نہ کرے کہ میری بات سے قوم میں انتشار اور خلفشار ہو جائے گا جب حق بات کہی جائے گی تو منکرین اور معاندین بہر حال مخالفت کریں گے ان کی وجہ سے جو انتشار ہو اس کا خیال کئے بغیر حق کی دعوت دی جائے اور کھل کر حق بیان کیا جائے۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کر لیا تھا ان کے علاوہ باقی قوم کافر اور منکر ہی تھی ان کافروں میں نو شخص ایسے تھے جو بڑے فسادی تھے ان کا کام یہی تھا کہ زمین میں فساد کریں نام کو بھی اصلاح نہیں کرتے تھے‘ ان لوگوں نے آپس میں حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کی ٹھان لی۔ آپس میں کہنے لگے کہ آؤ آپس میں مل کر اللہ کی قسم کھالیں کہ اس شخص (یعنی حضرت صالح علیہ السلام) کو اور اس کے گھر والوں کو راتوں رات قتل کر دیں۔

جب صبح کو اس کے قتل کا چرچا ہو اور اس کا ولی پوچھ پاچھ کرے کہ کس نے قتل کیا؟ تو ہم کہہ دیں گے کہ ہمیں پتہ نہیں‘ ان کے گھر والوں کے قتل کے وقت ہم موجود نہیں تھے۔ ہم سچ کہہ رہے ہیں ہماری اس بات میں شک نہ کیا جائے‘ ان لوگوں نے کہا تھا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ تو تب آپ کو نبی مانیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہو گئی حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (کہ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا)

ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر والوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اونٹنی کو بھی قتل کرنے کا مشورہ کیا‘ اور آخر اسے قتل کر ہی دیا جس کی وجہ سے ان پر عذاب آ ہی گیا اس کو فرمایا وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (کہ انہوں نے ایک خاص طرح کا مکر کیا اور ہم نے ایک خفیہ تدبیر کی جس کی انہیں خبر بھی نہ ہوئی)

درمنثور میں ہے کہ یہ نو آدمی حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے گئے تو ان پر ایک پہاڑ سے پتھر لڑھک کر آ گیا اور وہ لوگ وہیں ہلاک ہو گئے۔

یہ نو آدمیوں کا انجام ہوا اور پوری قوم چیخ اور زلزلہ سے ہلاک کر دی گئی جس کا ذکر سورہ اعراف اور سورہ ھود میں گزر چکا ہے۔

یہ لوگ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر گھر بنا لیتے تھے عذاب آیا تو اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل ایسے پڑے رہ گئے جیسا کہ اس میں کبھی رہے ہی نہ تھے خود ہلاک ہوئے اور گھر یونہی دھرے رہ گئے جواب تک موجود ہیں خالی پڑے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے)

وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (اور ہم نے ایمان والوں کو نجات دی اور یہ لوگ کفر اور شرک سے پرہیز کرتے تھے)

ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ ہم صالح کے گھر والوں کو قتل کر کے اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہمیں نہیں معلوم کس نے قتل کیا اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی کے گھر والے مقتول ہو جائیں تو ولی کہاں بچے گا جو خون کا دعویٰ کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین اہل ایمان کو قتل کر دیں گے اور ساتھ ہی یہ ڈر پھر بھی لگا ہوا تھا کہ جو لوگ صالح علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں وہ رشتہ داری کی بنیاد پر خون کا دعویٰ کرنے لگیں گے جیسا کہ قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے سے ڈرتے تھے کہ بنی ہاشم خون کا دعویٰ کر دیں گے حالانکہ بنی ہاشم خود ایک عرصہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا
شہوت پوری کرنے کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ تم جہالت کے کام کر رہے ہو سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ آل لوط کو اپنی بستی سے
اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ
نکال دو بے شک بات یہ ہے کہ یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں سو ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دیدی سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے اسے ان لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا
قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾
جو عذاب میں رہ جانے والے تھے اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسا دی سو ان لوگوں کی بری بارش تھی جو ڈرائے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا بے حیائی کے کاموں میں مشغول ہونا نصیحت قبول نہ کرنا اور بالآخر ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا سوال و جواب اور پھر ان کی ہلاکت کا تذکرہ ہے تفصیل سے یہ واقعہ سورہ اعراف سورہ حجر اور سورہ شعراء میں گذر چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ برے کام کرتے تھے یعنی مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ایمان کی بھی دعوت دی اور یہ بھی سمجھایا کہ اس کام کو چھوڑ دو تمہارا دل بھی جانتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں ہے یہ جاہلوں کا کام ہے تم پر جہالت سوار ہے کہ تم اسے برا کام جانتے ہوئے بھی نہیں چھوڑتے' ان لوگوں نے الٹے الٹے جواب دیئے اور کہنے لگے کہ اجی لوط کو اور ان کے ساتھیوں کو (جنہوں نے ایمان قبول کرلیا) اور ان کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں' پاک آدمیوں کا ناپاک آدمیوں میں کیا کام (یہ ان لوگوں نے بطور طنز و تمسخر کہا تھا)

آخر ان لوگوں پر عذاب آ گیا بحکم الٰہی حضرت سیدنا لوط علیہ السلام اہل ایمان کو اور گھر والوں کو آخر رات میں بستی سے لیکر نکل گئے اللہ پاک نے ان کی قوم پر پتھروں کی بارش بھیج دی اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا۔

بارش میں جو پتھر برسائے گئے انہیں سورہ ھود اور سورہ حجر میں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا اور سورہ ذاریات میں حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ فرمایا سجیل کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے یعنی یہ اس قسم کے پتھر تھے جیسے مٹی کو آگ میں پکا لیا ہو اور اس سے اینٹیں بنائی جائیں اسی کو فرمایا ہم نے خاص قسم کی بارش بھیج دی آخر میں فرمایا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (سو بری بارش تھی اور لوگوں کی جنہیں ڈرایا گیا) یعنی پہلے انہیں سمجھایا گیا تھا کہ ڈرو' ایمان لاؤ' برے اعمال چھوڑو اس کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا لامحالہ عذاب آیا اور پتھروں کی بارش ہوئی اور انہیں ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور سلام ہو اللہ کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ لوگ جنہیں وہ شریک بناتے ہیں؟

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ

کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ رونق والے

ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ؕ

باغیچے لگائے تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے درختوں کو اگاؤ' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں'

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ

کیا جس ذات نے زمین کو ٹھہرا ہوا بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ؕ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ

دریاؤں کے درمیان آڑ بنا دی کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے کیا وہ جو بے چین آدمی کی

اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا
دعاء کو سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور بدحالی کو دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ تم بہت
تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ
کم دھیان دیتے ہو' کیا وہ جو تمہیں خشکی میں اور دریا کے اندھیروں میں راہ بتاتا ہے اور جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت سے پہلے
بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۳ اَمَّنْ
خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ اللہ اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں' کیا وہ
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ
جو مخلوق کو اول بار پیدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا اور جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶۴ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کوئی معبود ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو' آپ فرما دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو بھی چیزیں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی
الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۶۵ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ
غیب کی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے' اور یہ لوگ علم نہیں رکھتے کہ کب زندہ کئے جائیں گے' بلکہ بات یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست ونابود ہو گیا'
بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝۶۶
بلکہ یہ لوگ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں' بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات عظیمہ' مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات' مشرکین کی توحید کی دعوت' شرک کی تردید

تفسیر: یہ چند آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرما لیا اپنی رضامندی کے کاموں کے لئے اور اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے چن لیا ان کے بارے میں فرمایا کہ ان پر سلام ہو' پھر سوال فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ کی ذات اقدس بہتر ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جنہیں مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں' ان چیزوں کو کچھ بھی قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے اس کی قدرت کے مظاہرے نظروں کے سامنے ہیں مشرکین بھی جانتے ہیں کہ جو کچھ بھی وجود میں ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی چیز کو کسی نے کچھ بھی وجود نہیں بخشا پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا

حماقت نہیں تو کیا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کے چند مظاہرے بیان فرمائے' اول تو یہ فرمایا کہ جس پاک ذات نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا اور جس نے اس پانی کے ذریعہ بارونق باغیچے پیدا فرمائے تمہارے بس کا کام نہیں تھا کہ تم اس کو پیدا کرتے کیا (ان چیزوں کی تخلیق میں) اس کا کوئی شریک ہے' اس کو تو سب مانتے ہیں کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پھر عبادت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ ءالٰہ مع اللہ (کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے) یعنی اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ اس کا ایک ترجمہ تو وہ ہی ہے جو اوپر لکھا گیا یعنی ان سب باتوں کو جانتے ہوئے یہ لوگ پھر بھی اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں یعنی مخلوق کی عبادت کرتے ہیں' اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر راہ حق سے ہٹتے ہیں لفظ یعدلون میں دونوں طرح ترجمہ کرنے کی گنجائش ہے' اس کے بعد فرمایا کہ جس پاک ذات نے زمین کو ٹھہرنے والی چیز بنادیا جو خود بھی ٹھہری ہوئی ہے اور اس پر انسان اور حیوانات سب ٹھہرے ہوئے ہیں اس میں حرکت نہیں ہے اور جس نے اس کے درمیان نہریں بنادیں اور اس کیلئے بھاری پہاڑ بنادیئے اور جس نے دو سمندروں کے درمیان آڑ بنادی ایک میٹھا ہے اور دوسرا نمکین ہے دونوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوتے کیا ایسی پاک ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی نہیں ہے' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے' یہاں جو زمین کو ٹھہرنے والی بتایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حرکت نہیں کرتی جس سے اوپر کی چیزیں حرکت کرنے لگیں یعنی اس میں عام حالت میں زلزلہ اور اضطراب کی کیفیت نہیں لہٰذا یہ اس کے معارض نہیں جو اہل سائنس کہتے ہیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں زمین کی حرکت کو دخل ہے جیسے اوپر کے پاٹ پر ایک چیونٹی بیٹھی یا چلتی رہے اور پاٹ گھومتا رہے تو چیونٹی کے بیٹھے رہنے یا چلنے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ رہی یہ بات کہ اہل سائنس جو یہ کہتے ہیں کہ لیل ونہار کا آگے پیچھے آنا جانا زمین کی حرکت کی وجہ سے ہے ان کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں ایک مستقل بحث ہے یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر اہل سائنس کا قول درست ہو تب بھی قرار ارض کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے زلزلہ والی حرکت بھی زمین میں پیدا ہو جاتی ہے اس وقت بھاری پہاڑ بھی زمین کے زلزلہ کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ خود بھی چورہ چورہ ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مجبور حال دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما دیتا ہے اور وہ تمہیں زمین میں خلفاء بناتا ہے یعنی گذشتہ لوگوں کا اس زمین پر جو تسلط تھا اس کے بعد تمہیں تسلط بخشتا ہے کیا ایسی ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کیا جو ذات پاک خشکی اور سمندروں کی تاریکی میں راہ بتاتا ہے اور جو اپنی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی کوئی نہیں اللہ اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کیا جو ذات ابتداء پیدا فرمائے پھر موت کے بعد اس مخلوق کو لوٹا دے یعنی دوبارہ زندہ فرما دے اور وہ ذات

جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مخلوق میں حقیقی تصرف کرتا ہے جب یہ بات ہے تو شرک پر کیوں جمے ہوئے ہو۔

آخر میں فرمایا قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنی بھی مخلوق ہے ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا صرف اللہ ہی غیب کو جانتا ہے)

اس میں منکرین قیامت کی تردید ہے جو رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ بتا دیجئے کہ قیامت کب آئے گی' یہ بات کہنے سے ان لوگوں کا مقصود وقوع قیامت کی نفی کرنا تھا' ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے ان میں سے کوئی غیب کو نہیں جانتا غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس نے مجھے معین کر کے وقوع قیامت کا وقت نہیں بتایا لہٰذا میں اپنے پاس سے نہیں بتا سکتا لیکن مجھے اور تمہیں اس کا وقت معلوم نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ قیامت نہیں آئے گی وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (اور اس کا علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے) بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا (بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں) بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ مطلب یہ ہے کہ جیسے اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اور اس کی وجہ سے وہ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا اس طرح یہ لوگ عناد کی وجہ سے دلائل صحیحہ میں غور و تامل نہیں کرتے جو وضوح حق کا راستہ ہے اس سے انہیں عناد ہے اور شک والے سے بڑھ کر گمراہی میں مبتلا ہیں کیونکہ شک والا آدمی کبھی دلائل میں نظر کرتا ہے تو اس کا شک ختم ہو جاتا ہے اور یہ لوگ قصداً اراداً دلائل میں غور ہی نہیں کرتے تفکر اور تامل سے دور بھاگتے ہیں)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا

اور کافروں نے کہا کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادے تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے' بلاشبہ بات یہ ہے کہ اس سے

نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

پہلے ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے یہ پرانے لوگوں کی نقل کی ہوئی باتیں ہیں' آپ فرما دیجئے تم زمین میں

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ

چلو پھرو سو دیکھ لو مجرموں کا کیا انجام ہوا اور آپ ان پر رنج نہ کیجئے اور یہ جو مکر کرتے ہیں اس کی وجہ سے تنگ

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ

دل نہ ہو جایئے' اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو' آپ فرما دیجئے کہ تم جس عذاب کی

يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

جلدی مچا رہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آ ہی لگا ہے اور بلاشبہ آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
لیکن ان میں سے بہت سے لوگ شکر نہیں کرتے اور بلاشبہ آپ کا رب ان باتوں کو ضرور جانتا ہے
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ
جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں' اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾
کتاب مبین میں نہ ہو

منکرین بعث کے وسوسے' ان کے لئے عذاب کی وعید اور تنبیہ

تفسیر: توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد منکرین کے انکار بعث کا تذکرہ فرمایا' کافر کہتے ہیں کہ آپ جو یہ قیامت آنے والی بات کہتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی قبروں میں دفن ہونے کے بعد ہم مٹی ہو جائیں گے ہمارے باپ دادا بھی مٹی ہو چکے ہیں اس حالت کو پہنچ کر زندہ قبروں سے نکالا جانا یہ بات سمجھ سے باہر ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی یہ بتایا گیا تھا کہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھائے جاؤ گے آج تک تو یہ وعدہ پورا ہوا نہیں ہمارے خیال میں تو یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آ رہی ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں نہ قیامت آنی ہے نہ زندہ ہونا ہے نہ قبروں سے نکلنا ہے' ان لوگوں کی تکذیب کے جواب میں فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چلو پھر و سو دیکھو مجرمین کا کیا انجام ہوا) اس میں منکرین قیامت کو تنبیہ فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے اور وقوع قیامت کے منکر ہو تم سے پہلے بھی تکذیب کرنے والے گزرے ہیں جو اسی دنیا میں رہتے تھے تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب آیا اور ہلاک ہوئے' ان کی آبادیوں کے نشان اب تک زمین کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں' چلو پھر و انہیں دیکھو تا کہ تمہیں ان لوگوں کا انجام معلوم ہو جائے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا' اور تکذیب کر کے مجرم بنے' اگر تمہاری تکذیب جاری رہی تو سوچ لو تمہارا بھی یہ انجام ہوگا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا کہ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (اور آپ ان کی باتوں پر رنج نہ کیجئے اور ان کے مکر کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو جائیے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا) وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) جب ان سے کہا گیا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا کیا انجام ہوا تو بطور تمسخر اور استہزاء یوں کہا کہ جو عذاب آنا ہے وہ کب آئے گا؟ اگر سچے ہو تو اس کا وقت بتا دو! چونکہ عذاب کا یقین نہیں تھا اس

لئے انہوں نے ایسی بات کہی اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ تم جس عذاب کی جلدی مچا رہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آ ہی لگا ہے)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے غزوہ بدر مراد ہے غزوہ بدر میں مشرکین مکہ مکرمہ سے آئے اور شکست کھائی ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمیوں کو قید کر کے مدینہ لایا گیا یہ لوگ بڑے طمطراق سے نکلے تھے بالآخر دنیاوی عذاب بھی دیکھ لیا اور قبر کے عذاب میں بھی مبتلا ہوئے اور یوم القیامہ کا عذاب اپنی جگہ باقی رہا۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (بلاشبہ آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے) اسی فضل میں سے یہ بھی ہے کہ کفر میں اور شرک میں مبتلا ہونے والوں کو بھی نعمتیں دیتا ہے اور ان پر فضل فرماتا ہے اور یہ فضل بھی ہے کہ انہیں ڈھیل دیتا ہے عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں ان کا حق یہ ہے کہ نعمتیں دینے والے کو پہچانیں اسے وحدہ لاشریک مانیں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے منع کئے ہوئے مواقع میں خرچ نہ کریں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (اور بلاشبہ آپ کا رب ان باتوں کو ضرور جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوں ان کی دل کی باتیں نیتیں اور ارادے ہمیں سب معلوم ہیں حکمت کے مطابق ان کا انجام سامنے آ جائے گا اور ساتھ ہی منکرین کے لئے تہدید اور تحذیر بھی ہے کہ تمہاری کوئی نیت کوئی ارادہ کوئی عمل پروردگار جل مجدہ سے پوشیدہ نہیں ہے اس کی طرف سے جو عذاب میں تاخیر ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کو تمہارا حال معلوم نہیں اسے سب کچھ پتہ ہے حکمت کے مطابق جب وہ چاہے گا سزا دے گا اس کے بعد فرمایا کہ

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو) کتاب مبین سے مفسرین نے لوح محفوظ مراد لی ہے مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کتاب مبین میں محفوظ ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا علم کسی کتاب میں مندرج پر موقوف نہیں ہے لیکن پھر بھی لوح محفوظ میں درج فرما دیا ہے لوگوں کے اعمال حسنات سیات بھی محفوظ ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے گا سزا دے گا سزا میں دیر لگنے سے یہ نہ سمجھیں کہ سزا نہ ملے گی۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

بلاشبہ یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جس چیزوں میں وہ جھگڑ رہے ہیں

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ
اور بلاشبہ یہ قرآن مومنین کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے بیشک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلے فرمائے گا اور وہ
الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾
عزیز ہے علیم ہے سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں

قرآن مجید ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے ہیں

تفسیر: یہ چار آیات ہیں پہلی دو آیتوں میں قرآن کی صفات بیان فرمائی ہیں اول تو یہ فرمایا کہ بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں قرآن ان کے بارے میں صحیح صحیح پوری حقیقت کو بیان کرتا ہے' ان لوگوں نے اپنی کتاب میں تو تحریف کر ہی دی تھی اور ان میں جو کچھ سنی سنائی باتیں چلی آ رہی تھیں ان میں بھی اختلاف رکھتے تھے' قرآن مجید نے واضح طور پر حق باتیں واضح فرمادیں۔

ان لوگوں کی جاہلانہ باتوں میں ایک یہ بات بھی تھی کہ العیاذ باللہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (ابراہیم یہودی اور نصرانی نہیں تھے لیکن وہ حق کی طرف مائل ہونے والے فرمانبردار تھے)

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت ابرہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی اس کی تردید میں فرمایا وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ۔

اسی طرح حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں غلط باتیں کہتے تھے قرآن نے اس کو بھی صاف کیا اور حضرت مریم علیہا السلام کی عفت اور عصمت بیان فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام بتایا کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اللہ کے رسول تھے۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اہل ایمان کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے اہل ایمان اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی گذارتے ہیں اس لئے ان کے لئے قرآن ہدایت اور رحمت ہے' ہے تو غیر مومنین کے لئے بھی ہدایت اور رحمت لیکن وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اس لئے وہ اس کی خیریت اور برکات سے محروم ہیں۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس وقت حق اور باطل ظاہر ہو جائے گا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ (اللہ زبردست ہے وہ قیامت کے دن سب کو حاضر فرمائے گا اور وہ علیم بھی ہے اس کو ہر

ہر فرد کا اور ہر ہر فرد کے عقیدہ اور عمل کا علم ہے) کوئی اس سے چھوٹ کر جا نہیں سکتا اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔

چوتھی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے ان لوگوں کی تکذیب سے غمگین نہ ہوجئے بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں حق پر ہونا ہی تسلی اور ثبات قدمی کے لئے کافی ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنتَ
بلاشبہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں' اور نہ آپ
بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾
اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستہ دکھا سکتے' آپ تو انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں سو وہ فرمانبردار ہیں

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور اندھوں کو راہ حق نہیں دکھا سکتے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ توحید کی دعوت دینے میں بہت محنت کرتے تھے مکہ معظمہ کے مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اکثر لوگ دور بھاگتے تھے آپ چاہتے تھے کہ سب مسلمان ہو جائیں وہ لوگ روگردانی کرتے تھے تو آپ کو رنج ہوتا تھا' اللہ پاک کی طرف سے آپ کو تسلی دی جاتی تھی تسلی کا مضمون آیات کریمہ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ میں بھی بیان ہو چکا ہے یہاں دوسرے انداز میں آپ کو تسلی دی گئی ہے وہ یہ کہ جن لوگوں نے اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے اپنی قبول حق کی صلاحیت ختم کر دی ہے آپ انہیں ہدایت نہیں دے سکتے ہدایت دینا تو دور کی بات ہے آپ انہیں اپنی بات سنا بھی نہیں سکتے ان لوگوں کو اولا مردہ پھر گونگا پھر اندھا بتایا اور اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرمایا کہ یہ لوگ مردوں کی طرح سے ہیں انہیں آپ کوئی بات نہیں سنا سکتے اور بہروں کی طرح ہیں آپ آواز بھی نہیں سنا سکتے خصوصاً جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر دور چلے جا رہے ہوں (اول تو بہرہ پھر وہ دور بھاگے بھلا اس کو کیا سنا جا سکتا ہے) بات سننے کے بارے میں ان کا حال یہ بیان ہوا' مزید فرمایا کہ وہ اندھے بن چکے ہیں' اندھے کو یہ دکھانا کہ یہ راہ اچھی ہے اور وہ راہ بری ہے آپ کے بس میں نہیں ہے' بس جب منکرین ومکذبین کا یہ حال ہے تو آپ انہیں حق بات کیسے سنا سکتے ہیں اور راہ حق کیسے دکھا سکتے ہیں۔ اگر ان کے کانوں میں بات پڑتی بھی ہے تو ضد اور عناد میں ساری سنی کو ان سنی کر دیتے ہیں۔

إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ یعنی آپ تو صرف ایسے ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان لائیں اور اطاعت قبول کریں۔ اس پورے مضمون میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سننے سنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچنا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ سماع اور سننا ہے جو نفع بخش ہو۔ جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آخر آیت میں یہ ارشاد ہے کہ آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان لائیں' اگر اس

میں سنانے سے مراد محض ان کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا یہ ارشاد خلاف مشاہدہ اور خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور ان کے سننے جواب دینے کی شہادتیں بے شمار ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اس سے واضح ہوا کہ سنانے سے مراد سماع نافع ہے ان کو مردہ لاش سے تشبیہ دیکر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کے معنی یہی ہوئے کہ جیسے مردے کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں' کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان وعمل نافع ہوسکتا ہے اسی طرح آپ کے مخاطبین جو کچھ سنتے ہیں اس سے منتفع نہیں ہوئے اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے البتہ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔

مسئلہ سماع اموات: یہ مسئلہ کہ مردے زندوں کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں اسی طرح دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورہ نمل میں آیا ہے دوسرے سورہ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورہ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی آیت میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے' تینوں آیتوں میں اس تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہوسکتی ہے مگر باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے علاوہ ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ دے رہی ہے رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں' سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ شانہٗ شہداء کو یہ اعزاز بخشتا ہے کہ ان ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں جو حضرات سماع اموات کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے۔

ما من احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الارد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ)

جوشخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تا کہ وہ سلام کا جواب دے۔

معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کی روح اس دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں دوسرے یہ کہ ان کا سننا اور ہمارا سنانا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں' جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلا دیا کہ حق تعالیٰ مردہ کی روح واپس لا کر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کے بعد قدرت دیتے ہیں باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ مردہ ان کو سنتا ہے یا نہیں۔ اس لئے امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیح اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں' یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں' یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں' کیونکہ سورہ نمل' سورہ روم' سورہ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیح سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وثبت عنه ﷺ لا مته اذا سلموا علی اهل القبور ان یسلموا علیهم سلام من یخاطبونه فیقول المسلم السلام علیکم دار قوم مؤمنین وهذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا هذا الخطاب لکانوا بمنزلة خطاب المعدوم والجماد' والسلف مجتمعون علی هذا۔

یعنی رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی امت کو تعلیم دی کہ اہل قبور کو سلام کریں اگر اس طرح کا خطاب نہ ہوتا تو اموات معدوم اور جماد کی طرح ہوتے (جبکہ مطاب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگ جماد کی طرح نہ ہوں بلکہ سنتے سمجھتے ہوں اور سلف کا اموات کو اس طرح سلام کرنے پر اجماع ہے)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جس صیغہ خطاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

صحیح مسلم میں اس طرح سے ہے السلام علیکم دار قوم مؤمنین واتاکم ما توعدون غدا مؤجلون وانا

انشاء اللّٰہ بکم لا حقون (۳۱۳ج۱)

سلام میں خطاب ہے جو سننے پر دلالت کرتا ہے البتہ یہ احتمال رہ جاتا ہے کہ سلام کو سنتے ہوں اس کے علاوہ وہ دوسری باتیں نہ سنتے ہوں لیکن اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس مسئلے میں کدوکاوش کی بھی ضرورت نہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے کسی نے سوال کیا کہ اہل قبور سنتے ہیں یا نہیں تو جواب میں تحریر فرمایا دونوں طرف اکابر اور دلائل ہیں' ایسے اختلافی امر کا فیصلہ کون کر سکتا ہے اور ضروریات عملی و علمی میں سے بھی نہیں' کہ ایک جانب کی ترجیح میں تدقیق کی جائے۔ پھر اس میں بھی معتقدین سماع موتی کے عقائد مختلف ہیں اگر کسی اعتقاد خاص کی تعیین ہوتی تو کسی قدر جواب ممکن تھا۔ واللہ اعلم

(امداد الفتاویٰ ج۵ صفحہ ۳۷۹)

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ

اور جب ان پر وعدہ پورا ہونے والا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکال دیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ

كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾

ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے۔

قرب قیامت میں دابۃ الارض کا ظاہر ہونا

تفسیر: دابۃ الارض (زمین سے برآمد ہونے والا چوپایہ) اس کا خروج علامات قیامت میں سے ہے احادیث شریفہ میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت نہ ہوگی جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہوں (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) پچھم سے سورج کا نکلنا (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا (۶) یاجوج ماجوج کا نکلنا (۷، ۸، ۹) زمین میں تین جگہ لوگوں کا دھنس جانا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا عرب میں (۱۰) اور ان سب کے اخیر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف گھیر کر پہنچا دے گی۔

دوسری روایت میں دسویں نشانی (آگ کے بجائے) یہ ذکر فرمائی کہ ایک ہوا نکلے گی جو لوگوں کو سمندر میں ڈال دے گی (صحیح مسلم ۳۹۳ ج ۲)

آیت کریمہ سے قرب قیامت میں زمین سے ایک ایسے جانور کا نکلنا معلوم ہوا جو لوگوں سے باتیں کرے گا لفظ دابۃ کی تنوین میں اس جانور کے عجیب الخلقت ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی کہ یہ جانور عام جانور کی طرح توالد و تناسل کے طریق پر پیدا نہ ہوگا بلکہ اچانک زمین سے نکلے گا' اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دابۃ الارض کا خروج آخری علامات میں سے ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی علامات (جو اس سے پہلے قریب تر زمانہ میں ظاہر ہوں گی) ان میں سب سے پہلے پچھم کی طرف سے سورج کا نکلنا ہے اور چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے دابۃ الارض کا نکلنا ہے اور دونوں میں سے جو بھی پہلے واقع ہو جائے دوسری نشانی اس کے قریب ہی ظاہر ہوگی (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کی) تین علامتیں ایسی ہیں جب وہ ظاہر ہو جائیں گی تو کسی کو اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کسب نہ کیا ہو (یعنی اب تک گناہوں سے توبہ نہ کی ہو) (۱) پچھم کی طرف سے سورج نکلنا (۲) دجال کا ظاہر ہونا (۳) دابۃ الارض کا ظاہر ہونا (رواہ مسلم)

دابۃ الارض کے ظاہر ہونے کی حدیث جو حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے مروی ہے (جس کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں گذرا) یہ مسند ابی داؤد الطیالسی میں بھی ہے جس میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول ﷺ نے دابۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دَآبَّہ تین مرتبہ ظاہر ہوگا پہلی بار دیہات میں ظاہر ہوگا اور مکہ مکرمہ میں اس کا تذکرہ بالکل نہ ہوگا' اس کے بعد وہ عرصہ دراز تک ظاہر نہ ہوگا دوبارہ پھر نکلے گا تو اس کا تذکرہ دیہات میں بھی ہوگا اور مکہ مکرمہ میں بھی ہوگا' (تیسری بار نکلنے کے بارے میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر ایک دن مسجد حرام میں جو حرمت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی مسجد ہے اور سب سے زیادہ محترم ہے لوگ موجود ہوں گے کہ اچانک دابۃ الارض ظاہر ہو جائے گا جو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آواز نکالتا ہوا اور سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ظاہر ہوگا لوگ اس کے اچانک نکلنے سے خوف زدہ اور منتشر ہو جائیں گے بہت سے لوگ اس کی وجہ سے دور بھاگ جائیں گے' مومنین کی ایک جماعت ثابت قدم رہے گی یہ مومن بندے یہ سمجھ کر اپنی جگہ جمے رہیں گے کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے لہٰذا بھاگنے سے کچھ فائدہ نہیں یہ جانور مومنین بندوں کے چہروں کو چمکا دے گا گویا کہ چمک دار ستارہ کی طرح ہو جائیں گے' اور پھر وہاں سے پشت پھیر کر چلا جائے گا (اور اس تیزی سے زمین میں گھومے پھرے گا کہ) کوئی پکڑنے کا ارادہ کرنے والا بھی اس کو پکڑ نہ سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے نجات نہ پا سکے گا یہاں تک کہ ایک شخص نماز میں اس جانور سے پناہ مانگے گا تو وہ جانور اس کے پیچھے سے آ جائے گا اور کہے گا کہ اے فلاں اب تو نماز پڑھتا ہے؟ پھر وہ اس کے چہرہ پر نشان لگا دے گا' اس کے بعد یہ ہوگا کہ لوگ چلیں پھریں گے اموال میں شریک ہوں گے اور شہروں میں مل جل کر ساتھ رہیں گے (اور اس جانور کے نشان لگانے کا یہ اثر ہوگا کہ) مومن اور کافر میں خوب اچھی طرح امتیاز ہوگا کہ مومن کافر سے کہے گا کہ اے کافر میرا حق ادا کر دے اور کافر مومن سے کہے گا کہ تو میرا حق ادا کر دے (ابوداود طیالسی ۱۴۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دابۃ نکلے گا اس کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا۔ وہ مومن کے چہروں کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک پر مہر لگا دے گا (جس

سے دیکھنے والے یہ سمجھ جائیں گے کہ یہ کافر ہے) (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النمل وقال ھذا حدیث حسن و قدروی ھذا الحدیث عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ من غیر ھذا الوجه فی دابة الارض)

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾ حَتَّىٰ إِذَا

جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت ان لوگوں میں سے جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی کر دی جائے گی۔ یہاں تک

جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾

وہ جب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہ لائے بلکہ تم اور کیا کیا کام کرتے تھے

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ

اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وعدہ پورا ہو چکا ہے سو وہ بات نہ کریں گے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا کہ وہ اس میں

لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾

آرام کریں اور ہم نے دن کو بنایا جس میں دیکھیں بھالیں بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

قیامت کے دن کی پیشی، مکذبین کی جماعت بندی، اور ان سے سوال، اقرار جرم کے بعد ان کے لئے عذاب کا فیصلہ

تفسیر: قیامت کے دن اولین و آخرین سب ہی جمع کئے جائیں گے اور ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں میں سے علیحدہ کر دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور ان کی جماعت بندی باقی رکھنے کے لئے یوں کیا جائے گا کہ آگے پیچھے نہ رہیں سب ساتھ ہو کر حساب کی جگہ تک چلیں پھر جب موقف حساب میں پہنچ جائیں گے (جہاں حساب ہوگا) تو ان جھٹلانے والوں سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ہوگا کیا تم لوگوں نے میری آیات کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم انہیں اپنے احاطہ علم میں بھی نہیں لائے یعنی آیات کو سن کر اول تمہیں انہیں جاننا چاہیے تھا پھر اس میں غور کرتے تم نے تو سنتے ہی تکذیب کر دی، تکذیب ہی نہیں بلکہ تم دوسرے کام کیا کرتے تھے مثلاً انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا اور اہل ایمان کو تکلیف پہنچانا اور عقائد کفریہ اختیار کرنا اور فسق و فجور کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ اور ان کے ظلم کی وجہ سے عذاب کا وعدہ پورا ہو جائے گا یعنی وہ سزا کے مستحق ہوں گے اور ثبوت جرم کے بعد وہ بول نہ سکیں گے (بعض آیات میں جو منکرین کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ ابتدائی سوال و جواب کے وقت ہوگا پھر جب اعمال ناموں سے اور اپنے اعضاء کی گواہی سے حجت قائم ہو جائے گی تو بالکل بولتی بند ہو جائے گی اور کفر و شرک کے اقراری ہو جائیں گے) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ الآية اس آیت میں

بتایا ہے کہ لوگوں کو رات اور دن کے آنے جانے میں غور کرنا چاہئے دیکھو ہم نے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کریں اور ہم نے دن کو ایسا بنایا کہ جس میں دیکھنے بھالنے کا موقع ہے یہ رات کا سونا جو موت کے مشابہ ہے اس پر نظر ڈالیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ دن کو ظاہر فرما دیتے ہیں اور یہ سونے کے بعد اٹھ جانا اور چلنا پھرنا دیکھنا بھالنا اس پر واضح دلالت کرتا ہے کہ جس ذات پاک نے بار بار نیند سے جگا دیا موت کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے اسی سے سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے اس کو سورۃ زمر میں فرمایا۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت، پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے اس میں نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل میں)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں سب گھبرا جائیں گے سوائے اس کے جسے

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

اللہ چاہے اور سب اس کے حضور میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے اور تو پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے جس میں تجھ کو خیال ہوتا ہے کہ یہ یوں ہی جمے ہوئے رہیں گے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح گذریں گے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

یہ اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک طرح بنایا ہے بلاشبہ وہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، جو شخص نیکی لیکر آئے گا

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ

اسے اس سے بہتر ملے گا اور ایسے لوگ اس دن گھبراہٹ سے پرامن ہوں گے اور جو شخص برائی لیکر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ گر کے

وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے

نفخ صور کی وجہ آسمان وزمین والوں کی گھبراہٹ، پہاڑوں کا بادلوں کی طرح چلنا، لوگوں کا میدان حساب میں حاضر ہونا، اصحاب حسنہ اور اصحاب سیئہ کی جزا

تفسیر: ان آیات میں یوم قیامت کے بعض مناظر کا اور حسنات وسیئات کی جزا وسزا کا تذکرہ فرمایا ہے وقوع قیامت

کی ابتداء اس طرح ہوگی کہ اسرافیل علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مقرر ہیں وہ صور میں پھونک ماردیں گے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الصور قرن ینفخ فیه (کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک دیا جائے گا) (الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کیسے خوشیوں والی زندگی گزاروں اور حال یہ ہے کہ صور میں پھونکنے والے نے منہ میں صور لے رکھا ہے اور کان لگا رکھے ہیں اور اپنی پیشانی کو جھکا رکھا ہے وہ اس انتظار میں ہے کہ کب صورت میں پھونکنے کا حکم دیدیا جائے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (اللہ ہمیں کافی ہے اور اچھا کارساز ہے) پڑھا کرو (رواہ الترمذی)

جب صور میں پھونکا جائے گا تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا' یہاں سورۃ النمل میں فرمایا فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کہ وہ سب گھبرا اٹھیں گے جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہوں گے اور سورہ زمر میں فرمایا کہ فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کہ نفخ صور کی وجہ سے آسمانوں والے اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے اگر یہ دونوں باتیں نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے سے متعلق قرار دی جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اولاً گھبرا جائیں گے اور پریشان ہوں گے پھر بے ہوشی میں ہو جائیں گے اور بحکم کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ سب مرجائیں گے اور بعض حضرات نے صعق کو نفخہ اولیٰ سے اور فزع کو نفخہ ثانیہ سے متعلق قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب مردے زندہ ہو جائیں گے اور یہ جان کر کہ حساب کتاب ہونے والا ہے گھبراہٹ میں پڑ جائیں گے۔

آیت کے ختم پر جو وَکُلٌّ اَتَوۡہُ دٰخِرِیۡنَ فرمایا ہے (کہ سب اس کے حضور میں عاجزانہ طور پر حاضر ہوں گے) اس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ نفخہ ثانیہ سے متعلق ہے۔

سورۃ النمل میں جو فزع فرمایا اور سورۃ الزمر میں جو فصعق فرمایا اس کے ساتھ ہی الا من شآء اللہ بھی فرمایا' یہ کون حضرات ہوں گے جنہیں فزع اور صعق سے مستثنیٰ فرمایا ہے (کہ جسے اللہ چاہے وہ گھبراہٹ اور بے ہوشی سے محفوظ ہوگا) تفسیر درمنثور میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے حضرت جبرائیل' حضرت میکائیل' اور حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت اور حضرت حاملان عرش علیہم السلام مراد ہیں گو یہ حضرات فزع وصعق سے محفوظ رہیں گے لیکن بعد میں یہ لوگ بھی وفات پا جائیں گے۔

صور پھونکے جانے پر جو کائنات درہم برہم ہوگی اس کی تفصیلات آیات قرآنیہ میں کئی جگہ وارد ہوئی ہیں آسمان وزمین کا بدل جانا سورہ ابراہیم میں اور آسمان کا پھٹ جانا سورہ انفطار وسورۃ الانشقاق میں بیان فرمایا ہے سورج کا مکور ہونا اور ستاروں کا گر جانا اور سمندروں کا مسجور ہونا سورۃ التکویر میں مذکور ہے سورۃ النمل میں پہاڑوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ پہاڑ جو مخاطبین کو نظر آرہے ہیں ان کی ظاہری مضبوطی کو دیکھ کر انسان کو خیال ہوتا ہے کہ گویا یہ ہمیشہ یوں ہی اپنی جگہ جمے

رہیں گے اور حرکت نہ کریں گے حالانکہ ان کا یہ حال بنے گا کہ وہ صور پھونکے جانے پر اس طرح اڑے پھریں گے جیسے بادل چلتے ہیں سورہ قارعہ میں فرمایا کہ (جس دن انسانوں کی یہ حالت ہوگی کہ وہ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھنا ہوا رنگین اون ہوتا ہے) سورہ میں فرمایا (جس دن زمین میں زلزلہ آجائے گا اور پہاڑ ریت کا یا ساڈھیر بنے ہوئے ہوں گے جو پھسل کر گرا جا رہا ہوگا) اور سورہ حاقہ میں فرمایا فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (سو جب صور میں پھونکا جائے گا ایک بار پھونکنا اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے ان کو ایک بار ہی چورا چورا کر دیا جائے گا' سو اس دن واقع ہونیوالی واقع ہو جائے اور آسمان پھٹ جائے سو وہ اس دن کمزور ہوگا)

اور سورہ الواقعہ میں فرمایا کہ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار بن جائیں گے) اور سورہ النباء میں فرمایا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (اور پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا سو وہ ریت بن جائیں گے) اور سورہ طٰہ میں فرمایا فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دیگا) صور پھونکے جانے کی وجہ سے پہاڑوں پر یہ مختلف حالات گزریں گے بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ جب وہ بادل کی طرح گزر رہے ہوں گے عین اسی وقت کوئی دیکھنے والا دیکھے گا تو یوں محسوس کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے جیسا کہ کثیف سیاہ بادلوں کے ساتھ ہوتا ہے دیکھنے والا دیکھتا ہے تو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ وہ گزر رہے ہوتے ہیں' (تفسیر قرطبی ج ۷)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلے پہاڑوں میں زلزلہ آئے گا پھر وہ دھنے ہوئے اون کی طرح ہو جائیں گے پھر ھبا بن جائیں گے پھر انہیں ہوائیں بکھیر دیں گی پھر اڑا دیں گی جیسا کہ غبار ہوتا ہے پھر سراب ہو جائیں گے۔

صنع اللہ الذی اتقن کل شیء (یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک طرح بنایا ہے) کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ ایسے بھاری بھاری پہاڑ کیسے اڑتے پھریں گے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی حکمت کے مطابق ٹھیک بنایا ہے پہاڑوں کو بھی اس نے پیدا فرمایا اور ان کو بھاری بوجھل جامد بنایا وہ ہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اگر وہ انہیں ان کی جگہوں سے ہٹا دے اور بادلوں کی طرح چلا دے تو اسے اس پر بھی قدرت ہے اسے اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کو جس حال میں رکھے۔

لفظ اتقن اتقان سے ماضی کا صیغہ ہے جو مضبوط بنانے کے معنی میں آتا ہے لیکن چونکہ ساری ہی چیزیں مضبوط نہیں ہیں اس لیے مفسرین نے اس کا ترجمہ سواہ علی ما تقتضی الحکمۃ کیا ہے اور صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے' عبدالجبار معتزلی کے ایک استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واجیب ان الآیۃ مخصوصۃ بغیر الاعراض لان الاتقان بمعنی الاحکام وھو من اوصاف المرکبات ولو سلم فرضیۃ کل الاعراض بہ ممنوع ضمامن عام الا وقد خص ولو سلم فالا جماع المذکور ممنوع بل ھی متقنہ

ایضا بمعنی ان الحکمۃ اقتضتھا (اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ آیت اعراض کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اتقان کا معنی احکام ہے اور یہ مرکبات کے اوصاف سے ہے اور اگر آیت کو عام مانا جائے تو تمام اعراض کو اس سے متصف ماننا ممنوع ہے پس کوئی عام نہیں ہے مگر اس سے تخصیص کی گئی ہے اور یہ بات تسلیم کر لی جائے تو مذکورہ اجماع ممنوع ہے بلکہ اس معنی کے ساتھ مقید ہے اس کا احکام جس کا تقاضا حکمت الٰہی کرتی ہے) (بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو) اس سب کے احوال اور اعمال معلوم ہیں وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا جس کا اس کے بعد والی آیت میں ذکر ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ (جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر ہے) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ مراد ہے اور فلہ خیر منھا کے بارے میں حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا ہے ای وصل الیہ الخیر منھا یعنی اس کلمہ کی اسے پہنچ جائے گی جو داخلہ جنت کی صورت میں حاصل ہوگی اس تفسیر کی بناء پر لفظ خیر اسم تفضیل کے لئے نہیں ہے اور مومن ابتدائے غایت کے لئے ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ خیر اسم تفضیل ہی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب اور اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی اور اس کی رؤیت بندے کے تھوڑے سے عمل سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے اور بہتر ہے اگر حسنہ سے فرائض اور دیگر اعمال مراد لئے جائیں تو نیکیوں کو چند در چند اضافہ فرما کر جو ثواب دیا جائے گا وہ بھی خیر منھا کا مصداق ہے جیسا کہ دوسری آیت میں مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وراجع تفسیر القرطبی (ج ۳۳ وروح المعانی)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (اور یہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے) اس سے پہلی آیت میں گزرا ہے فَـفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اور یہاں اصحاب حسنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ گھبراہٹ سے پر امن اور بے خوف ہوں گے فزع اول سے کیا مراد ہے اور فزع ثانی سے کیا مراد ہے؟

فزع اول کے بارے میں آیت میں تصریح ہے کہ وہ نفخ صور کے وقت ہوگا اور اس میں یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین میں جو بھی ہوں گے سب گھبرا جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس فزع کا ذکر ہے وہ فزع اول کے علاوہ ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے وہ فزع مراد ہے جو اس وقت ہوگی جب دوزخ میں جانے والوں کے بارے میں حکم ہوگا کہ انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ فزع ثانی سے وہ گھبراہٹ مراد ہے جب موت کے ذبح کر دیئے جانے کے بعد زور سے پکار کر کہہ دیا جائے گا اے جنتیو! اس میں ہمیشہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہ آئے گی اور اے دوزخیو تم اس میں ہمیشہ رہو گے کبھی موت نہ آئے گی۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ (اور جو شخص سیئہ لیکر آئے گا سو وہ یہ لوگ ہوں گے جنہیں چہروں کے بل اوندھا کر کے آگ میں ڈال دیا جائے گا) جیسے جملہ سابقہ میں لفظ الحسنہ سے ایمان مراد لیا گیا ہے اسی طرح بعض مفسرین نے اس جملہ میں سیئہ سے کفر اور شرک مراد لیا، اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن کفر اور شرک لیکر آئے گا اسے اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الشعراء میں فرمایا فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ (سو مراد لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے) اور اگر سیئہ کو عام لیا جائے تو اس کے عموم میں گناہ گار اہل ایمان بھی آجاتے ہیں جو تطہیر اور تمحیص لیے دوزخ

میں جائیں گے لیکن ان کا عذاب کافروں کے نسبت بہت زیادہ خفیف ہوگا اور کافر ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور اہل ایمان گناہوں کی سزا پانے کے بعد دوزخ سے نکالے جائیں گے۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ گناہ گار اہل ایمان بھی اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈالے جائیں، کیونکہ بہت مرتبہ کسی جماعت کے بارے میں کسی حکم کلی کا حکم لگایا جاتا ہے لیکن بعض کے لئے ایک نوع ہوتی ہے اور بعض کے لئے دوسری نوع۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے) یعنی آخرت میں دوزخیوں سے یہ بات کہہ دی جائے گی کہ ہر شخص کو اپنے عقیدہ اور عمل کی سزا ملے گی کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ
مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی ہے اور ہر چیز اس کی ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ
اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ
میں فرمانبرداروں میں سے رہوں، اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں، سو جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے سو وہ اپنے ہی لئے راہ ہدایت پر آتا ہے اور جو شخص گمراہی پر رہے
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ
آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں، اور آپ یوں کہئے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھا دے گا
فَتَعْرِفُوْنَهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾
سو تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔

آپ یہ اعلان فرمادیں کہ مجھے صرف یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور فرماں بردار رہوں

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی ہے اس میں امن وامان رکھنا اور شکار نہ کرنا اور اس کے درخت نہ کاٹنا اور اس میں کسی کا خون بہانے سے پرہیز کرنا اس کی حرمت میں یہ سب داخل ہے آیت شریفہ کے عموم الفاظ کی وجہ سے حضرت امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حدود حرم میں کسی کو قتل کر دے تو قاتل کو بطور قصاص حرم میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے حرم سے باہر لے جا کر قتل کریں گے اگر وہ نہ نکلے تو ایسی صورت حال بنالیں جس کی وجہ سے وہ حرم سے باہر آنے پر مجبور ہو جائے جب حرم سے باہر آجائے تو قصاص میں قتل کر دیا جائے یاد رہے کہ حرم

سے مسجد حرام اور اس کے چاروں طرف جو حرم ہے جس کی حدود پر نشان لگے ہوئے ہیں وہ سب مراد ہے۔

وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ (اور اسی رب کے لئے ہر چیز ہے) سب کو اس نے پیدا فرمایا ہے اور سب اس کے مملوک بھی ہیں لہٰذا ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اسی کی عبادت کرے۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں) جن اعمال کو عام طور سے عبادت سمجھتے ہیں ان کے علاوہ بھی ہر حکم میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم ہے جو اعمال پروردگار عالم مجدہ کی رضا کے لئے انجام دیئے جائیں گے وہ بھی عبادت میں شامل ہو جائیں گے وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ (اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کروں جس میں خود قرآن مجید کا پڑھنا اور لوگوں کو پڑھ کر سنانا سب داخل ہے جیسے سورۃ بقرہ میں یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیات بتایا ہے۔

فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ (سو جو شخص ہدایت پر آ جائے وہ اپنی ہی جان کے لیے اور اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت پر آئے گا اور دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہو گا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گی آخرت کے عذاب سے محفوظ رہے گا) وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (اور جو شخص گمراہی کو اختیار کرے تو فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں) آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اس میں آپ کا کوئی ضرر بھی نہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میری ذمہ داری صرف بات پہنچانے کی ہے نہ مانو گے تو تم پر اس کا وبال پڑے گا۔

سورہ یونس میں فرمایا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ (آپ فرما دیجئے اے لوگو! تمہارے رب کے پاس سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے سو جو شخص ہدایت پر آئے تو وہ اپنی جان کیلئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرے تو وہ اپنی جان کو تکلیف میں ڈالنے کیلئے گمراہ بنتا ہے اور میں تمہارے اوپر مسلط نہیں ہوں)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا اور آپ فرما دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ علم والا بھی ہے اور قدرت والا بھی ہے اور حکیم بھی، تم مجھ سے کہتے ہو کہ قیامت کب ہو گی میرے اختیار میں اس کا واقع کرنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تمہیں اس کی نشانیاں دکھا دے گا یعنی قیامت کے آثار ظاہر فرما دے گا جنہیں تم دیکھ لو گے جب اس کی حکمت ہو گی قیامت ظاہر ہو جائے گی وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو) کوئی شخص کیسا ہی اچھا عمل کرے یا برا عمل اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا دے گا۔

ولقد تم تفسیر سورہ النمل وللہ الحمد علی ما نعم واکرم والھم وعلم والصلوٰۃ
علی رسولہ الذی ارسل بالطریق الامم الی خیر الامم وعلی الہ وصحبہ
الذین جاھدو النشر الدین فی العرب والعجم